

اذا ذكر اصدقاء فامسكوا

لا يلعن احد من اصدقاء

عن احد شيئا (المائدة)



بسم الله الرحمن الرحيم

معاوية

ناصري



سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

﴿جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں﴾

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقررین	کتاب:
پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی	مؤلف:
2013ء	طبع اول:
اپریل 2016ء مع اضافات	طبع دوم:
464 صفحات	نفاست:
محمد صابر حیدری	کمپوزنگ:
0321-9814745	
قاضی چن پیر الہاشمی اکیڈمی مرکزی جامع مسجد	ناشر:
سیدنا معاویہ چوک حویلیاں - ہزارہ	
800/- روپے	زیر تعاون:

ملنے کے لیے:

ا۔ قاضی چن پیر الہاشمی اکیڈمی -
مرکزی جامع مسجد سیدنا معاویہ چوک حویلیاں - ہزارہ

انتساب

راقم الحروف اس ادنیٰ کاوش کو

قلسی صفت جماعت صحابہؓ کے ایک مظلوم ترین فرد ، فاتح عرب
وعجم ، خل المسلمین ، مدبر اسلام ، کاتب وحی ، برائرسیتی رسولؐ ،
بانی اسلامی بحریہ ، خلیفہ راشد ، عادل ویرحق ، امیر المؤمنین
سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ،

ابنائے امیر شریعتؓ خصوصاً قاطع قادیانیت و سیائیت ، فاتح
ربوہ ، وکیل صحابہ و اہل بیتؓ فخر السادات سید عطاء المحسن حسنی
قادری ، بخوری رحمہ اللہ الباری ،

جذبہ دفاع صحابہ و اہل بیتؓ سے سرشار
مخلص ، جان نثار ، اولوالعزم ، کفن بردوش و سربکف رفقاء
اور متلاشیان حق

کے نام

منسوب کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الهاشمی

خطیب مرکزی جامع مسجد

سیدنا معاویہؓ چوک حویلیاں ہزارہ

☆☆☆☆☆☆

فہرست مضامین

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ نمبر
۱	دیباچہ طبع دوم	۷
۲	عرض مؤلف	۸
۳	علامہ المدخلی کی پروسز اپیل	۲۴
۴	سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام	۲۷
۵	سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت	۳۱
۶	مشاجرات صحابہ کا شرعی حکم	۳۸
۷	سیدنا معاویہ کے مآخذین کا شرعی حکم سے تجاوز	۵۰
۸	۱۔ راوی بخاری محدث عبدالرزاق (م۔ ۲۱۱ھ)	۶۳
۹	۲۔ امام طبری (م۔ ۳۱۰ھ)	۶۸
۱۰	۳۔ امام ابو بکر حصص رازی حنفی (م۔ ۳۷۰ھ)	۹۲
۱۱	۴۔ امام ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری (م۔ ۴۰۵ھ)	۹۷
۱۲	۵۔ امام بہمان الدین مرغینانی — صاحب بدایہ (م۔ ۵۹۳ھ)	۹۹
۱۳	۶۔ امام سعد الدین تفتازانی — صاحب شرح عقائد (م۔ ۷۹۷ھ)	۱۱۱
۱۴	۷۔ میر سید شریف جرجانی (م۔ ۸۱۶ھ)	۱۲۲
۱۵	۸۔ مولانا عبد الرحمن جامی (م۔ ۸۹۸ھ)	۱۲۴
۱۶	۹۔ ملا علی قاری حنفی (م۔ ۱۰۱۴ھ)	۱۲۸
۱۷	۱۰۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی (م۔ ۱۰۵۲ھ)	۱۳۳
۱۸	۱۱۔ مولا جیون — صاحب نورالانوار (م۔ ۱۱۳۰ھ)	۱۴۲

۱۹	۱۲۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م۔ ۱۲۲۵ھ)	۱۴۷
۲۰	۱۳۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م۔ ۱۲۳۹ھ)	۱۵۰
۲۱	۱۴۔ الامام الکبیر مولانا محمد قاسم نانوتوی (م۔ ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء)	۱۶۰
۲۲	۱۵۔ مولانا رشید احمد گنگوہی (م۔ ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء)	۱۶۹
۲۳	۱۶۔ علامہ وحید الزمان خان (م۔ ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء)	۱۷۹
۲۴	۱۷۔ علامہ محمد انور شاہ کاشمیری (م۔ ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء)	۱۸۳
۲۵	۱۸۔ ابو حنیفہ ثانی مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی (م۔ ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۲ء)	۱۹۲
۲۶	۱۹۔ پیر سید عبدالقاسمی شاہ محدث ہزاروی (م۔ ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء)	۱۹۷
۲۷	۲۰۔ خواجہ حسن نظامی دہلوی (م۔ ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء)	۱۹۹
۲۸	۲۱۔ مولانا ابوالکلام آزاد (م۔ ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء)	۲۰۶
۲۹	۲۲۔ علامہ بابا ظہیر احمد داس (م۔ ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء)	۲۱۰
۳۰	۲۳۔ امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی (م۔ ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۲ء)	۲۱۶
۳۱	۲۴۔ سید قطب شہید (م۔ ۱۹۶۶ء)	۲۳۰
۳۲	۲۵۔ شاہ معین الدین ندوی (م۔ ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء)	۲۳۹
۳۳	۲۶۔ آغا شورش کاشمیری (م۔ ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء)	۲۵۱
۳۴	۲۷۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (م۔ ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء)	۲۵۳
۳۵	۲۸۔ مولانا سعید احمد کبر آبادی (م۔ ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۵ء)	۲۵۷
۳۶	۲۹۔ مولانا سید العلی شاہ بخاری (م۔ ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء)	۲۶۲
۳۷	۳۰۔ مولانا حامد الانصاری غازی (م۔ ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱ء)	۲۶۶
۳۸	۳۱۔ پیر سید محمود شاہ محدث ہزاروی (م۔ ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء)	۲۶۸
۳۹	۳۲۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالرشید نعمانی (م۔ ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء)	۲۷۳
۴۰	۳۳۔ مناظر اسلام مولانا محمد امین صفدر اودکانوی (م۔ ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء)	۲۸۰

۴۱	۳۴۔ قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین (م۔ ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء)	۲۸۸
۴۲	۳۵۔ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی (م۔ ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۶ء)	۳۳۷
۴۳	۳۶۔ پیر سید نفیس الحسنی (م۔ ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء)	۳۵۰
۴۴	۳۷۔ پیر سید نصیر الدین گوٹروی (م۔ ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء)	۳۵۹
۴۵	۳۸۔ ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی	۳۶۵
۴۶	۳۹۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری اور چند دیگر مدظلہ علماء	۳۷۹
۴۷	۴۰۔ سید مہر حسین بخاری انک	۳۹۱
۴۸	۴۱۔ مولوی عبدالقیوم علوی	۳۹۴
۴۹	۴۲۔ مفتی محمد سعید خان اسلام آبادی	۳۹۷
۵۰	۴۳۔ مبلغ اعظم مولانا طارق جمیل	۴۱۰
۵۱	۴۴۔ شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا	۴۲۰
۵۲	اختتامیہ	۴۵۲

دیباچہ طبع دوم

زیر نظر کتاب پہلی مرتبہ جولائی ۲۰۱۳ء میں شائع ہوئی جسے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بلا تفریق مسلک چند معاندین صحابہؓ کے علاوہ اہل سنت و الجماعت کے تمام حلقوں میں توقع سے بھی کہیں زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی اور نہایت ہی قلیل عرصہ میں اس کا پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا۔ جذبہٴ دفاع صحابہ اہل بیتؑ سے سرشار علمائے حق بالخصوص نوجوان طبقہ نے تبصروں، ٹیلی فون کالز اور خطوط کے ذریعے اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے اہل تشیع کے ”الزعماء“ استدلال کے جواب کے طور پر اس کی افادیت کو بے حد سراہا۔

علاوہ ازیں آزاد کشمیر سمیت ملک بھر سے احباب و رفقاء نے اس بات کا شدید تقاضا کیا کہ اس کا دوسرا ایڈیشن بھی جلد ہی طبع کر لیا جائے۔ لہذا ان کی خواہش کے احترام اور ان کی تجویز کی روشنی میں کتاب پر نظر ثانی کرتے ہوئے اغلاط کی تصحیح اور نفس مضمون میں کوئی تبدیلی کئے بغیر جا بجا مفید اضافوں اور معمولی ترمیموں کے علاوہ ”ماقدین“ کے زمرے میں ”امام طبری، سید قطب شہید، ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی، ڈاکٹر رضوان علی ندوی اور مولانا اللہ وسایا کے ساتھ ساتھ اختتامیہ جیسے عنوانات بھی شامل کیے گئے ہیں۔

زیر نظر کتاب کی ”طباعت اول“ کے بعد ڈاکٹر رضوان علی ندوی صاحب نے روزنامہ امت کراچی (۸/۷- جولائی ۲۰۱۳ء) میں شائع شدہ اپنے ایک مضمون ”حضرت معاویہؓ اور قدیم مؤرخین و محدثین“ میں حضرت معاویہؓ کو خوب ”بد فی تنقید“ بنایا تھا۔

جب کہ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی صاحب کے ایک پرانے لیکن انتہائی توہین آمیز مضمون کا ۲۰ سال بعد شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا صاحب نے ختم نبوت کے ترجمان رسالہ ماہنامہ لولاک ملتان (اکتوبرہ ۲۰۱۳ء) میں پہلی مرتبہ شائع کرنے کی سعادت حاصل کی مگر ملک بھر سے اہل حق کے زبردست احتجاج کے بعد موصوف نے لولاک کے اگلے شمارے میں ہی ماسٹل کے اندرونی صفحہ پر تائبین سے معذرت کرنی۔ مگر اصل مضمون نگار اپنی ”حقیقتیں“ پر آخر تک مطمئن اور قائم و دائم رہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی وفات پا چکے ہیں لہذا یہاں موصوف سے مناسبت کی بناء پر فضلاء نے مدوہ کے مذکورہ دونوں مضامین میں پائے جانے والے توہین آمیز زیریں کو کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔

عرض مؤلف

فاتح عرب و عجم، خال المسلمین، مدبر اسلام، کاتب وحی، مدبر و نبی رسول، بانی اسلامی بحریہ، خلیفہ راشد، امیر المؤمنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دنیائے اسلام کی ان چند مقتدر، با عظمت اور بلند پایہ شخصیتوں میں سے ایک ہیں جن کے احسانات سے ملت اسلامیہ کبھی سکندرش نہیں ہو سکتی۔ اظہار اسلام کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جہاد فی سبیل اللہ میں بھرپور شرکت، لسان نبوت سے خوشنودی الہی اور حصول جنت کی عظیم تر بنا رت کے حامل، خلفائے ثلاثہ کے عہد خلافت میں اپنی قائدانہ اور مدبرانہ صلاحیتوں سے اشاعت اسلام اور تسخیر فتوحات میں نمایاں کردار، تاریخ اسلام میں سب سے پہلے بحری بیڑے کی تیاری، عالم اسلام کی نظریاتی و جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت، بانئیں مدرس تک اس وقت کی سپر پاور رومی سلطنت کی سرحد پر واقع اہم ترین اور حساس صوبہ شام کے امیر اور رئیس مدرس تک حجاز مقدس سے افریقہ اور بحر روم سے بحراوقیانوس تک پینسٹھ لاکھ مربع میل کے رقبہ پر پھیلی ہوئی وسیع اسلامی ریاست کے متفق علیہ اور ہر دلعزیز خلیفہ راشد ہونے کی حیثیت سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے امت مسلمہ کے لیے بے شمار کاربائے نمایاں سرانجام دیے۔

اس تمام بزرگوار و فضل کے ساتھ ساتھ آں معظّم دنیائے اسلام کی وہ واحد مظلوم ہستی بھی ہیں کہ جن کی تمام خوبیوں، ذاتی محاسن و کمالات اور عظیم کارناموں کو فراموش کر دیا گیا، جن کے قابل احترام رشتوں کا کوئی پاس نہیں کیا گیا، جن کے فضائل و مناقب زبان پر لانے کو بھی ”جرم“ تصور کیا گیا، جن کے ایمان کو نفاق، سخاوت کو خیانت، خشیت کو ریاکاری، تدبیر و سیاست کو کمزور فریب اور عدل و انصاف کو ظلم کا نام دیا گیا پھر ستم بالائے ستم یہ کہ مظلوم معاویہ کو بعد از وفات بھی آج تک معاف نہیں کیا گیا۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ چونکہ وہ شخصیت ہیں کہ جن کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے اختلاف و شقاق کے بعد پھر دنیائے اسلام کو متحد و متفق کر کے ایک جھنڈے تلے جمع کر دیا تھا، آپ کے سر پر آرائے خلافت ہوتے ہی فتوحات کا منقطع سلسلہ پھر سے جاری ہوا، مدی اور بحری دونوں محاذوں پر دشمنان اسلام کو شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مساعی جلیلہ کی بدولت دین اسلام کو غلبہ عطا فرمایا اور یوں ان کا مبارک دور ”لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ مُكْلَبًا“ کی

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین عرض مؤلف

کامل عملی تصویر بن گیا: اس سے سبائیوں کی امیدیں خاک میں مل گئیں، کھلے اور چھپے ہوئے دشمنان اسلام پر عرصہ حیات تنگ ہو گیا لہذا جواباً و انتقاماً ان کذاب سبائیوں نے آپ کے ”مثالب“ میں خوب حکایات و روایات وضع کر کے انہیں ”اسلامی“ تاریخ کا حصہ بنا دیا۔

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ:

حضرت معاویہؓ کے بارے میں کوئی گفتگو کرتے وقت دو باتیں ضرور یاد رکھنی چاہئیں۔ ایک تو یہ کہ ان کے خلاف ان کے زمانے ہی میں پروپیگنڈہ بہت زیادہ کیا گیا ہے، خود حضرت معاویہؓ سے پوچھا گیا کہ آپ کو یزید ہمارا بہت جلد آگیا، اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ:

کیوں نہ ہو؟ ہر وقت عرب کا کوئی شخص میرے سر پر کھڑا رہتا ہے جو ایسی باتیں گھڑتا ہے جن کا جواب دینا لازم ہو جاتا ہے۔ اگر میں کوئی صحیح کام کروں تو کوئی تعریف نہیں کرتا اور اگر مجھ سے غلطی ہو جائے تو اسے اونٹنیاں (ساری دنیا میں) لے اڑتی ہیں۔

لہذا ان کے بارے میں تحقیق روایات کی ضرورت اوروں سے زیادہ ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو پروپیگنڈہ کیا گیا ہے اسے بلا تحقیق درست مان لیا جائے تو صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کی ذات مجروح نہیں ہوتی بلکہ دوسرے صحابہؓ پر طعن و تشنیع کا بھی دروازہ کھل جاتا ہے۔ چنانچہ تجربہ ہے کہ جو لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزام عائد کرنے میں جری ہو جاتے ہیں ان کی زبان دوسرے صحابہؓ کے خلاف اور زیادہ دراز ہو جاتی ہے۔ (حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق ص ۱۴۰)

مولانا شاہ عین الدین ندوی لکھتے ہیں کہ:

”بنی امیہ کے زمانے میں جس کے بانی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں شیعیان علیؓ پر سختیاں ہوئیں اس لیے وہ قدرتنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف تھے۔ انہوں نے ان واقعات سے جنہیں عام طور پر پاپسند کیا جاتا تھا فائدہ اٹھا کر ان کو ہر طرح کے الزاموں کا نشانہ بنا دیا۔ ممکن تھا ان کی آواز کچھ عرصہ کے لیے دب جاتی لیکن ان ہی واقعات کی بنیاد پر بنی عباس نے حکومت کی تعمیر شروع کر دی۔ ان کا داعی اعظم ابو مسلم خراسانی اور ان کے بہت سے وزراء اور عمال حکومت شیعہ تھے اس لیے سیاسی مصالح کی بناء پر سینکڑوں افسانے تراش کر بنی امیہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیے گئے اور ان کی جانب سے نفرت و حقارت کے جذبات پیدا کرنے کے لیے ان کی پوری تشہیر کی گئی۔ بنی عباس کی حکومت سندھ سے لے کر چین تک تھی اور کم و بیش چھ سو سال تک رہی۔ اس لیے بنی امیہ اور امیر معاویہؓ

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

عرض مؤلف

کے مثالب جو سیاسی مصالح کی بناء پر گھڑے گئے تھے شرق سے مغرب تک پھیل گئے۔

ان ہی کے زمانے میں تاریخیں لکھی گئیں اس لیے بہت سی کمزور روایات اور غلط واقعات بھی تاریخوں میں داخل ہو گئے۔ ان ہی میں امیر معاویہؓ کے مثالب بھی ہیں۔“ (تاریخ اسلام جلد اول ص ۳۷۰)
خلیفہ مامون الرشید عباسی نے شیعیت قبول کر کے سرکاری طور پر اعلان کر لیا کہ جو شخص معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے حق میں کلمات خیر کہے گا تو حکومت اس کی حفاظت سے بری الذمہ ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (دول الاسلام للذہبی جلد اول ص ۱۲۹ تحت حالات ۲۱۱ ھ)
شیعہ مؤرخ علامہ مسعودی لکھتے ہیں کہ:

۲۱۲ ھ میں مامون الرشید نے منادی کرائی کہ جو شخص معاویہ رضی اللہ عنہ کا خیر کے ساتھ ذکر کرے گا یا اس کو کسی صحابی پر مقدم کرے گا تو حکومت اس کی حفاظت سے بری الذمہ ہے۔

(مروج الذهب جلد ۴ ص ۶۰ تحت ”ذکر ایام المامون ، نداء المامون فی امر معلویہ و سببہ“)
اس کے بعد ۳۵۲ ھ میں نبی بوہ (۳۲۰ ھ تا ۴۸۸ ھ) نے بغداد کی جامع مسجد کے دروازے پر حضرت عائشہؓ، خلفائے ثلاثہؓ اور سیدنا معاویہؓ پر لعنت کے الفاظ لکھوائے تو اہل سنت نے یہ عبارت منادی مگر نبی بوہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے۔ انہوں نے یہ تیرائی عبارت و بارہ لکھوا دی جس پر شیعہ، سنی فسادات کی آگ بھڑک اٹھی اور ہزاروں اہل سنت شہید ہو گئے۔ بقول شوستر یہ فتنہ اتنا بڑھ گیا کہ معز الدولہ بغداد کے تمام سنیوں کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گیا تو محمد بن ہللی وزیر نے درخواست کی کہ معاویہؓ کے سوا کسی اور پر شخصی لعنت نہ کریں۔ چنانچہ اس مشورہ کو قبول کرتے ہوئے جامع مسجد بغداد کے دروازہ پر یہ عبارت لکھوائی گئی کہ:

”لعن اللہ معاویہ بن ابی سفیان ومن غصب فاطمة قدکاً ومن منع من دفن الحسن عند جدہ ومن نفی لباذر ومن اخرج العباس عن الشوری۔“

معاویہ بن ابی سفیانؓ، عاصم بن ذک (اس سے مراد ابو بکرؓ و عمرؓ ہیں)، حضرت حسنؓ و کورفہؓ نبویؐ میں دفن کرنے سے روکنے والوں (اس سے مراد حضرت عائشہؓ و حضرت مروانؓ ہیں) حضرت ابو ذرؓ کو جلاوطن کرنے والوں (اس سے حضرت عثمانؓ مراد ہیں) اور حضرت عباسؓ کو شوری سے خارج کرنے والوں (اس سے حضرت عمرؓ مراد ہیں) پر لعنت ہو۔ (بحوالہ تاریخ ابن اثیر جلد ۸ ص ۱۷۹)

الغرض بنو عباس اور آل بوہ کے علاوہ فاطمی خلافت (۲۹۷ ھ تا ۵۶۷ ھ) حسن بن صباح اور اس کے جانشین (۴۸۳ ھ تا ۶۵۵ ھ) امیر تیمور اور اس کے جانشین (۷۸۲ ھ تا ۹۰۶ ھ) صفوی سلاطین (۹۰۵ ھ تا ۱۱۸۲ ھ) شیعہ انقلاب (۱۹۷۹ء تا حال) اور ہندوستان میں خودمغل

بادشاہوں اور ان کے زیر سایہ ہمکنی سلطنت (۶۸۷ء تا ۹۳۲ھ) عادل شاہی سلطنت (۸۹۵ھ تا ۱۰۹۷ھ) قطب شاہی سلطنت (۹۱۸ھ تا ۱۱۵۲ھ) نظام شاہی سلطنت (۹۲۲ھ تا ۱۰۱۲ھ) نوابان بنگال (۱۴۰۷ء تا ۱۷۵۷ء) نوابان اودھ (۱۷۲۲ء تا ۱۸۵۶ء) کشمیر میں جزوی شیعہ اقتدار کے علاوہ ”چک خاندان“ کی صورت میں مستقل شیعہ حکومت (۱۵۵۲ء تا ۱۸۹۲ء) اور حکومت برطانیہ کے زیر سایہ راجگان رام پور، راجگان خیرپور اور راجگان محمود آباد وغیرہ کے جملہ ادوار میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خصوصیت کے ساتھ ہدفِ طعن و تنقید بنے رہے۔

علاوہ ازیں تصوف، تفصیلیات اور شیعیت نوازی کے روپ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پراپنوں کی نوازشات بھی اہل تشیع سے کچھ کم نہیں ہیں۔

وہ تو ہیں کھلے دشمن ان کا خیر سے کیا ذکر

دوبتی مگر حضرت آپ کی قیامت ہے

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مآخذین مختلف پیرایوں سے انہیں ہدفِ تنقید بناتے رہے۔ بعض حضرات بزعم خویش اپنے وضع کردہ نظام سیاست کو عین اسلام کا نظام حیات باور کراتے ہوئے اسے ”معیاری حق“ قرار دیتے ہیں؛ پھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سیاسی عمل کا تجزیہ کرتے ہوئے اس پر تنقید کرتے ہیں۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اپنی کتاب ”خلافت و ملکیت“ میں حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے سیاسی عمل کو اسی طریقہ سے ہدفِ تنقید بنایا ہے۔

حضرت معاویہؓ کے مآخذین کا طریقہ واردات یہ بھی ہے کہ وہ حضرت معاویہؓ کو ”ظلماء“ اور ”مؤلفیہ القلوب“ میں شامل کر کے ان کی تنقیض کرتے ہیں۔ یہ حضرات فتح مکہ ۸ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے ان پر یوں تنقید کرتے ہیں کہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کم مقدار میں محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہوئی ہے جس سے ان کے ذہن اور سیرت و کردار کی پوری قلب مابیت نہیں ہو سکی۔

امام اہل سنت مولانا عبدالحکیم رحمہ اللہ نے ”مآخذین معاویہ“ کی اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں سوئے ظن رکھنے والے تین گروہ ہیں:

اول روافض: خیر ان کا سوئے ظن چنداں جائے تعجب نہیں کیونکہ وہ ایسے مقدس حضرات سے سوئے ظن رکھتے ہیں جن کا مثل تمام امت مرحومہ میں ایک بھی نہیں۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدین عرض مؤلف

دوسرا گروہ ان جاہل صوفیوں کا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کا تکرار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بد کوئی کو سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے کو سنی کہتے ہیں مگر درحقیقت نہ صرف اس امر میں بلکہ بہت سے امور اصول و فروع میں اہل سنت کے مخالف ہیں اور فرقہ ہائے شیعہ میں داخل ہیں۔

تیسرا گروہ اس زمانہ کے بعض اہل ظاہر کا ہے۔ بعض روایات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مطاعن ان کی نظر سے گزرے اور بیحد ظاہریت کے ان کی تاویل تک ان کے ذہن کی رسائی نہ ہوئی۔ ان سب میں زیادہ حضرت رساں دوسرا گروہ ہے پھر تیسرا۔

(ازالۃ الخفاء عن خلافت الخلفاء جلد اول ص ۱۷۵۔ بر حاشیہ)

امام اہل سنت نے یہاں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدین میں روافض کے علاوہ جاہل صوفیوں اور بعض اہل ظاہر کا ذکر کر کے دوسرے اور تیسرے گروہ کو بالترتیب سب سے زیادہ حضرت رساں قرار دیا ہے لیکن موصوف نے ”صرف نظر“ سے کام لیا ہے ورنہ اہل ظاہر اور جاہل صوفیوں کے علاوہ بعض مفسرین، محدثین، متکلمین، مبالغین، فقہاء، جید علماء اور مقررین بھی دوسرے اور تیسرے گروہ سے پیچھے نہیں رہے۔ جس کا زیر نظر کتاب کے مطالعہ سے ”کچھ کچھ“ اندازہ ہو جائے گا۔ اس ضمن میں اگرچہ اور بھی بڑے بڑے مہارتیج میں پائے جاتے ہیں لیکن۔

افسوس بے شمار سخن ہائے گفتنی

خوف فساد خلق سے مگستہ رہ گئے

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سنی ماقدین کے تنقیدی کلمات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ”سب“ کے علاوہ ”ظعن“ کی جملہ تسمیں بھی پائی جاتی ہیں:

”ظَعَنَ قَبِيْهِ وَتَحَلَّيْهِ“ ظن کرنا، تنقید کرنا، اعتراض کرنا، آواز کرنا

”ظَعَنَ قَبِيْ شَرِّهِ“ عزت پر حملہ کرنا

”ظَعَنَ قَبِيْ قَوْلِهِ“ بات کو غلط ثابت کرنا، رد و تہج کرنا

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لفظ ”تنقید“ کی تعریف اور مختصر تشریح بھی ہدیہ تارین کر دی جائے:

امام لغت علامہ ابن منظور افریقی ہنری (م ۱۷۷۷ھ) لکھتے ہیں کہ:

”النقد: تمیيز الدرهم واخراج الزيف منها، انتقدها و تنقدها اذا ميز جندها

من رديها“ (لسان العرب تحت ”النقد“)

یعنی لفظ ”تنقید“ کا مادہ ”نقد“ ہے جس کے معنی ہیں اچھی چیز سے خراب چیز کو نکال

کر باہر کر دینا، دونوں کے درمیان تمیز پیدا کر دینا۔

اس سے معلوم ہوا کہ عربی میں ”تقید“ کا لفظ ”نقد“ سے لیا گیا ہے اور ”نقد، انتقاد اور تمقد“ سب کے معنی کتب لغت میں ایک ہیں۔ یعنی کسی چیز میں غور و فکر اور تامل کرنے کے بعد یہ تمیز کرنا کہ جید ہے یا ردی، کھری ہے یا کھوٹی۔ اس کھرے اور کھوٹے کے درمیان تمیز کرنے کا نام ”تقید، تمقد اور انتقاد“ ہے۔

ڈاکٹر سلطانہ بخش ”تقید“ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ:

تقید کا لغوی معنی جانچنا، پرکھنا اور چھانٹ لینا ہے۔ اصول تقید کی اصطلاح میں کام کے عیوب و محاسن کو ظاہر کرنا نقد الکلام کہا جاتا ہے۔ گویا تقید وہ جانچ پرکھ ہے جو کھرے کھوٹے میں تمیز کرے اور ایسے طرز مطالعہ کا نام ہے جس میں موجود مواد کے صحیح یا غلط کو بعض مسلمات کی روشنی میں پرکھا جاتا ہے۔ (اردو میں اصول تحقیق جلد ۲ ص ۳۰)

محدثین کی اصطلاح میں صحیح اور موضوع احادیث میں امتیاز کرنے کے لیے جانچ پرکھ کے اصول ”نقد حدیث“ کہلاتے ہیں جنہیں اصولی روایت اور اصولی درایت یا داخلی نقد اور خارجی نقد سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ (مالاحظہ ہو: حدیث کا درایتی معیار ص ۸۷-۸۸۔ مؤلف مولانا محمد تقی امینی) اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ کسی چیز میں غور و فکر کے بعد کھرے اور کھوٹے کے درمیان تمیز کرنے کا نام ”تقید“ ہے۔ ”تحقیق“ کا مقصد علم میں توسیع ہے جب کہ ”تقید“ کا مقصد اصل صداقت کی واقفیت یا احساس ہے۔

لیکن ”تقید“ کی مذکورہ تعریف کے باوجود اس سے انکار ممکن نہیں ہے کہ عربی محاورے میں یہ الفاظ عیوب اور نقائص، فنسائل اور محاسن کے اظہار میں بھی مستعمل ہوتے ہیں اور لفظ ”تقید“ میں عیب جوئی کے معنی کی بھی گنجائش پائی جاتی ہے خواہ اردو زبان میں تقید کا لفظ اس میں مستعمل ہو یا نہ ہو مگر اصل لفظ میں عیب جوئی کے معنی کی گنجائش ضرور پائی جاتی ہے۔

زیر نظر کتاب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو ”کلمات“ استعمال ہوئے ہیں وہ فنسائل و محاسن میں تو ہرگز شمار نہیں ہو سکتے؛ ان کا شمار یقیناً ”توہین و تنقیص“، عیب چینی اور عیب جوئی“ ہی میں ہو گا جو ان کی صریح توہین و تنقیص پر دلالت کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

”یہ جو کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی بھی تقید سے بالا نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر کس و نا کس کو ہر شخص پر تقید کا حق حاصل ہے۔

بلکہ مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ، ادنیٰ پر تنقید کر سکتا ہے یا اپنے مساوی پر۔ ادنیٰ کو اعلیٰ پر، جاہل کو عالم پر، غیر مجتہد کو مجتہد پر، غیر صحابی کو صحابی پر تنقید کا حق نہیں۔

صحابی کو صحابی پر تنقید کا حق ہے مگر وہاں بھی اول سند کو دیکھا جائے گا کہ روایت تنقید کی سند صحیح ہے یا نہیں؟ پھر یہ بھی دیکھا جائے گا کہ جس صحابی پر تنقید کی گئی ہے اس نے اس کا کچھ جواب دیا ہے یا نہیں؟ اگر جواب دیا ہے تو تنقید کو رد کر دیا جائے گا۔ اور جواب نہیں دیا تو دونوں صحابیوں کے درجات میں نظر کی جائے گی کہ دونوں میں سے اعلیٰ و افضل اور رائج کون سا ہے؟ اگر ایک، دوسرے سے افضل و رائج ہے تو ادنیٰ کی تنقید کو رد کر دیا جائے گا۔ اگر دونوں کا درجہ مساوی ہو تو ہم کو یہ کہہ کر الگ ہو جانا چاہیے کہ دونوں بڑے ہیں۔ وہ جانیں اور ان کا کام۔ ہم کون میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔“ (مداد عثمان رضی اللہ عنہ ص ۱۲-۱۳۔ مطبوعہ مکتبہ مجلس خدام صحابہ پاکستان ملتان۔ جنوری ۱۹۶۶ء)

حالاں کہ اہل سنت والجماعت کے تمام طبقات کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت ثابت ہے اور جملہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں ”کف لسان“ کا حکم دیا گیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واشکاف الفاظ میں امت کو ان پر طعن و تشنیع سے منع فرمایا ہے:

”لَئِذَا لَمْ يَلْقَ أَصْحَابِي لَا تَسْخَرُوا مِنْهُمْ غَرَضًا مِنْ: بَعْدِي...“

میرے صحابہؓ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ان کو میرے بعد تنقید کا نشانہ نہ بناؤ۔

”إِذَا ذَكَرَ أَصْحَابِي فَأَمْسِكُوا“ جب میرے صحابہؓ کا خیر کے علاوہ ذکر کرنا پڑے

زبانوں کو بند رکھو۔

”لَا تَعْنُوا أَصْحَابِي...“ میرے صحابہؓ کو برا مت کہو۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں جھوٹے قصوں اور کہانیوں کا تو کیا ذکر خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے بارے میں حقائق اور واقعات پرچنی کسی مائتھوار بات کا سننا تک پسند نہیں تھا۔ چنانچہ آپؐ نے خود صحابہؓ کو اس بات کی تلقین فرمائی کہ:

”لَا يَسْلُغْنِي أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِي عَنْ أَحَدٍ شَيْئًا فَإِنِّي أَحَبُّ أَنْ أُخْرِجَ إِلَيْكُمْ وَأَنَا

سليم المصدر۔“ (ترمذی جلد دوم ص ۲۵۲)

میرے صحابہؓ میں سے (بھی) کوئی میرے کسی صحابی کی کوئی مائتھوار بات مجھ تک نہ پہنچائے۔ کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ میں تمہارے پاس اس حالت میں آؤں کہ میرا سینہ سب صحابہؓ

طرف سے صاف ہو۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام کی شکایت سنا بھی گوارا نہیں ہے تو پھر معلوم نہیں کہ یہ ”ماقدین“ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن و تشنیع کے تیرہ ساکر کس کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہیں؟

اس سلسلے میں صحیح بخاری کی حسب ذیل روایت سے بھی بڑی رہنمائی حاصل ہوتی ہے: جس میں بتایا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر صحابہ کرام کا لجا لجاؤ پاس کیجیے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کپڑے کا کنارہ اٹھائے ہوئے اپنے گھٹنے کھولے ہوئے تشریف لائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے ساتھی کسی سے لڑ کر آئے ہیں۔ انہوں نے سلام کیا اور عرض کیا کہ خطاب کے بیٹے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) درمیرے درمیان کچھ گھرا رہے تھے میں نے جلدی سے انہیں کچھ سخت ست کہہ دیا۔ پھر میں شرمندہ ہوا اور ان سے معافی چاہی لیکن انہوں نے انکار کیا۔ اب میں آپ کے پاس آیا ہوں یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا ”يَغْفِرُ اللَّهُ لَكَ يَا ابَا بَكْرٍ“ ابو بکر اللہ تمہیں بخشنے۔

ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ شرمندہ ہوئے (کہ میں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معذرت کیوں قبول نہیں کی؟) وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر آئے، پوچھا: ابوبکرؓ ہیں؟ لوگوں نے کہا نہیں ہیں۔ پھر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے سلام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ بد لنے لگا، حضرت ابوبکرؓ ڈرے کہ کہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرؓ پر ناراض نہ ہوں تو وہ دوزانو ہو کر بیٹھے اور دوسرے عرض کیا یا رسول اللہ:

”وَاللَّهِ اَنَا كُنْتُ اَظْلَمُ“ ”اللہ کی قسم خطا میری تھی“

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے فرمایا:

”إِنَّ اللَّهَ بَعَثَنِي إِلَيْكُمْ فَقُلْتُ: كَلْبَتٌ، وَ قَالَ أَبُو بَكْرٍ: صَدَقَ، وَ وَاسَانِي بِنَفْسِهِ

وَمَالِهِ، فَهَلْ أَنْتُمْ تَارِكُوا لِي صَاحِبِي؟“

”لوگو! اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف پیغمبر بنا کر بھیجا لیکن تم نے مجھے جھوٹا کہا، ابوبکرؓ نے مجھے سچا کہا اور اپنے مال و جان سے میری خدمت کی۔ کیا تم میرے دوست کو میری خاطر ستا چھوڑتے ہو یا نہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے بعد کسی نے ابوبکرؓ نہیں

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مآثرین

عرض مؤلف

ستایا، (صحیح بخاری - کتاب فضائل اصحاب النبی - رقم الحدیث ۳۶۶۱، ۳۶۶۰)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اپنا قصور وار ہونا تسلیم کیا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ بدلتے دیکھا تو قسم کھا کر وہی بات دہرائی پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی طرف سے کوئی صفائی نہیں دی بلکہ ان کے حق میں دعائے مغفرت فرمادی اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بختم دیا کہ میرے ساتھ ان کا جو تعلق ہے اور میری خاطر انہوں نے جو جانی و مالی قربانیاں دی ہیں ان کے پیش نظر اگر ان سے کوئی ایسی ویسی بات ہو جائے تو اسے نظر انداز کر دیا جائے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک مقام ہے وہ امت میں اول و دوم کی حیثیت رکھتے ہیں پھر بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر افسوس ہوا لیکن کہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور کہاں یہ مآثرین حضرات؟

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسی معیاری مقام و مرتبہ کے پیش نظر ہی علمائے اہل سنت نے کتب عقائد میں ”ذکر بالخیر اور کف لسان“ کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ

”لا تذکرہم إلا بالخیر“

”وَيُكْفَى عَنْ ذِكْرِ الصَّحَابَةِ إِلَّا بِخَيْرٍ..... وَ جَوَابُ الْكَفِّ عَنِ الطَّعْنِ فِيهِمْ“

بلکہ ترمذی کی روایت میں تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام کی تصریح کے ساتھ یہ الفاظ آئے ہیں کہ ”لا تذکروا معاویہ إلا بخیر۔“

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعا کرتے ہوئے فرمایا کہ:

”اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًا وَ اٰهْلِيْهِ“

(جامع ترمذی - کتاب المناقب باب مناقب معاویہ بن ابی سفیان)

”اے اللہ! معاویہ کو ہادی و مہدی بنا اور ان کے ذریعے سے دوسروں کو ہدایت کر“

حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ ”قمل“ کے کوزہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں کوزہ کی سے معزول کر کے ان کی جگہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کوزہ مقرر کر دیا تو لوگ کہنے لگے کہ عمیر گویا ہمارا معاویہ کو الہی بنا دیا گیا اور انہیں (یعنی حضرت معاویہ کو) تخت ست کہا تو حضرت عمیرؓ نے ان سے فرمایا کہ:

”لا تذکروا معاویہ إلا بخیر فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللّٰهُمَّ اٰهْلِيْهِ“

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ خیر و خوبی کے بغیر مت کیا کرو کیونکہ میں نے آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم کفر مارتے ہوئے سنا ہے کہ اے اللہ ان کے ذریعے سے ہدایت عطا فرما۔ (حوالہ مذکور)
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا (کہ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا...) کی قبولیت پر ایک صحابی رسول حضرت عمر بن سعد رضی اللہ عنہ کو کس قدر یقین ہے کہ وہ گورزی کے منصب سے معزول ہونے اور اپنی جگہ نئے گورز مقرر ہو کر آنے والے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین و تنقیص کرنے سے منع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خبردار! ان کا ذکر بھلائی کے ساتھ کیا کرو کیونکہ میں نے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حق میں یہ دعا کرتے ہوئے سنا ہے کہ اے اللہ ان کے ذریعے سے ہدایت عطا فرما۔ کیا ممانعت (ذکر باشر) کا یہ حکم سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دیگر مآثرین پر عائد نہیں ہوتا؟

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ”صحابیت“ قطعی اور یقینی ہے اور ابابہ تاریخ و سیر کے اقوال و روایات نقلی ہیں اور یہ اصول ہے کہ جو چیز ظن سے ثابت ہو وہ قطعی کے مزاحم و معارض نہیں ہو سکتی۔ صدائے نسوس کہ اس اعتبار سے مآثرین ’امساک‘ کف لسان اور ’لاتذکر و معاویہ‘ ’ابا بن حنبلہ‘ کے تقاضا کو ملحوظ رکھ سکتے اور مشاجرات صحابہ کے بارے میں ”شرعی حکم“ سے بھی تجاوز کر گئے جس میں بوقت ضرورت شدیدہ زیادہ سے زیادہ اور وہ بھی بلا تعین صرف ”خطائے اجتہادی“ کی نسبت کی جا سکتی ہے لیکن ایمان کی سلامتی پھر بھی ”توقف“، ’امساک‘ کف لسان اور ذکر بالخیر“ ہی میں مضمر ہے۔

کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خطاؤں کے بارے میں کوئی غیر صحابی حج اور منصف نہیں بن سکتا۔ ساری امت ”کف لسان اور امساک“ کی پابند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی ان کی جملہ خطاؤں کو معاف کر کے ان سے اپنی دائمی رضا اور جنت کا وعدہ کر دیا ہے اس لیے اب کسی بھی مومن بالقرآن کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ ان کی خطاؤں کا تذکرہ کرنا پھرے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ ”کف لسان“ کا حکم بھی ان خطاؤں کے بارے میں دیا گیا ہے جو فی الواقع ”خطائیں“ سمجھی جاتی ہیں جیسے حضرت ماعزؓ، امراء غامدیہ، حضرت حسانؓ، حضرت مسطحؓ، سیدہ حمزہؓ اور حضرت حاطبؓ وغیرہم کے واقعات ہیں۔

جب کہ مشاجرات اور اجتہادی اختلافات پر تو حقیقت نفس الامر میں بھی گناہ یا خطا کا اطلاق نہیں ہو سکتا کیونکہ مجتہد قطعی بہر صورت ”ما جوز“ ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ حضرت سید نفیسؓ الحسینی شاہ صاحب کے ایک عقیدت مند اور ان کے جلیل القدر خلیفہ ذاکر مفتی عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم کے دارالافتاء والتحقیق کے معین مفتی شعیب احمد صاحب حضرت معاویہؓ کی خطائے اجتہادی کو بھی دنیا میں ”مقابلہ گرفت“ سمجھتے ہیں چنانچہ وہ علامہ ابن جوزیؒ کی ایک بات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”معمل بات یہ ہے کہ یہاں (اللہم اجعلہ ہادیاً...) کو عبادت کی ہے اور ہدایت ضلالت و گمراہی کے منافی ہے، اجتہادی خطا کو شامل نہیں۔ چنانچہ محدثین کا واقعہ تصریح اہل سنت ان کی اجتہادی خطا یعنی تھا جس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر نے ان کو شہید کیا تھا۔ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ”تقتلک الفئة الباغية“ تمہیں باغی جماعت قتل کرے گی۔ چونکہ ان کو حضرت معاویہ کی فوج نے قتل کیا تھا اس لیے وہ باغی جماعت تھی اور شریعت کی اصطلاح میں باغی وہ ہوتا ہے جو امام بحق کے خلاف خروج کرے اگرچہ خروج کا فیصلہ اجتہادی سے کیا ہو۔ چونکہ (حضرت معاویہ) صحابی تھے اور فقیر تھے یعنی بڑے آدمی تھے اس لیے ان کی گرفت دنیا ہی میں ہوئی کہ ان کو باغی کہا گیا اور یہ اس بیہ سے کہ تم لوگ تو علم و عقل والے اور مرتبے والے تھے فیصلہ کرنے میں مزید غور و فکر کیوں نہیں کیا؟“ (یزید کی شخصیت علامہ ابن جوزی کی نظر میں ص ۱۴۰۔ مطبوعہ شاہ نفیس اکاؤنٹی لائبریری)

اس عبارت میں ”معمین“ مفتی شعیب احمد صاحب کی طرف سے ۲۰۱۲ء میں ”حدیث عمار“ کی بناء پر حضرت معاویہ کے خلاف جو قوانین آمیز موقف پیش کیا گیا ہے وہ قدرے مزید شدت کے ساتھ صدر مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب ۲۰۰۸ء میں پیش کر چکے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے ایک مضمون ”مولانا طارق جمیل صاحب کی بے اعتماد لیاں اور ان کا جواب“ میں فرماتے ہیں کہ:

”اجتہاد کی غلطی کی اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جانب سے نفاذ ہی کر دی جائے تو صرف اسی وقت وہ یقینی طور پر خطا ہوگی جیسا کہ حضرت معاویہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار بن یاسر کو بتایا کہ: ”تقتلک الفئة الباغية“ تمہیں باغی جماعت قتل کرے گی۔ شریعت کی نظر میں باغی اس کو کہتے ہیں جو امام حق کے خلاف ماحق خروج کرے اگرچہ اس کی بنیاد اجتہاد پر ہو۔ حضرت معاویہ نے اپنے اجتہاد کی بنیاد پر حضرت علیؓ کے خلاف خروج کیا اور حدیث نے بتایا کہ وہ امام حق کے خلاف ماحق تھا لہذا حضرت معاویہؓ کے اجتہاد کا خطا ہونا ہمیں معلوم ہو گیا۔

خلفائے اربعہ کے کسی اجتہاد کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایسی کئی (کوئی) زراقم الحروف) تصریح تو کیا اشارہ بھی نہیں ملتا کہ ان کا اجتہاد اللہ اور اس کے رسول کی نظر میں پسندیدہ نہیں تھا۔“ (ماہنامہ حق چارپاڑ۔ ص ۳۸۔ جون ۲۰۰۸ء)

سید ابوالاعلیٰ مودودی فرماتے ہیں کہ:

”اس جنگ کے دوران میں ایک واقعہ ایسا پیش آگیا جس نے نص صریح سے یہ بات کھول دی

کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون؟ وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسرؓ جو حضرت علیؓ کی فوج میں شامل تھے حضرت معاویہؓ کی فوج سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ حضرت عمارؓ کے متعلق نبیؐ کا یہ ارشاد صحابہ میں معروف و مشہور تھا اور بہت سے صحابیوں نے اس کو حضورؐ کی زبان سے سنا تھا کہ ”تقتلك الفئة الباغية“ تم کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا“ (خلافت و ملوکیت ص ۱۳۶)

صدر مفتی جناب ڈاکٹر عبدالواحد صاحب کا حدیث عمارؓ کی رو سے حضرت معاویہؓ کو یقینی طور پر ”خطا کار“ ثابت کرنا جہاں مشاجرات صحابہؓ کے بارے میں ”شرعی حکم“ سے تجاوز ہے وہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر ایک ”عظیم“ بہتان“ بھی ہے۔ موصوف کی اس ”ماروا جبارت“ پر سخت تعجب ہے۔

”حدیث عمارؓ“ کے حوالے سے صدر مفتی جناب ڈاکٹر عبدالواحد صاحب اور عین مفتی شعیب احمد صاحب کے غلط استدلال اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ”مزدجرم“ کے جواب کا یہ موقع نہیں ہے تفصیل کے خواہش مند راقم المحروف کی کتاب ”سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ“ کی طرف مراجعت فرمائیں۔

اگر ان مفتیان کرام کی ”توفیح“ کے مطابق ”حدیث عمارؓ“ کی رو سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یقینی طور پر ”باغی، خطا کار اور دنیا میں ہی قابل گرفت“ قرار دے لیا جائے تو

حدیث عمارؓ کے چار صحابی راویوں سمیت کثیر صحابہ ”قتل عمارؓ“ کے بعد بھی کیوں غیر جانبدار رہے؟ نیز وہ صحابی راویوں سمیت دیگر ہزاروں صحابہ و تابعین نے حضرت معاویہؓ کی حمایت کیوں جاری رکھی؟ بلکہ خود حضرت علیؓ نے اس ”نفس مرتع“ کے باوجود جنگ بندی اور حکیم کیوں قبول فرمائی؟

غلو عقیدت، مسلکی مصلحت اور شخصیت پرستی کے خول سے نکل کر کتاب و سنت کی روشنی میں قرآنی شخصیات یعنی صحابہ کرامؓ بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فیصلہ کیا جائے کہ کیا کسی بھی غیر صحابی بزرگ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ان کی توجہ، تنقیص اور تخطیہ کرنا پھرے؟

اس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی ملحوظ رہے کہ کسی بھی علمی و دینی شخصیت کی رائے کے ساتھ اختلاف کرنے کی بناء پر اختلاف کرنے والا اس کے مسلک و مشرب سے خارج نہیں ہو جاتا۔ کتب اسلامیا اس کی مثالوں سے بھری ہوئی ہیں۔

امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صندر لکھتے ہیں کہ:

”دار و مدار دلائل پر ہوتا ہے نہ کہ شخصیتوں پر۔ شخصیتیں قابل صدا احترام ہیں مگر محنت و تقم

کا معنی 'دلائل' ہیں۔۔۔

حضرت عبادہ بن الصامتؓ نے صحیح سمجھایا غلط۔ بہر حال یہ بالکل صحیح بات ہے کہ حضرت عبادہؓ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے اور ان کی یہی تحقیق اور مسلک و مذہب تھا مگر فہم صحابی اور موقف صحابی جہت نہیں ہے۔“ (احسن الکلام جلد اول ص ۱۸۵۔ جلد دوم ص ۱۵۶) موصوف ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

”لہذا بواسطہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر اور حکم کے حضرات خلفائے راشدینؓ کا ہر قول اور ہر فعل بھی سنت ہی ہوگی ہاں اگر کسی معقول دلیل سے ان کی کسی بات میں غلطی ثابت ہو جائے تو معاملہ جدا ہے کیونکہ وہ محضوم نہ تھے۔۔۔

دینی اور دنیوی معاملات میں خطائے اجتہادی اور زلّات بڑی سے بڑی شخصیت سے بھی ہو سکتی ہے۔ اوہوں کا تو قصہ ہی چھوڑیے خلاصہ کائنات، فخر موجودات آنحضرتؐ کی ذات گرامی باوجود: ”بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر“ ہونے کے بھی بعض اوقات خطائے اجتہادی اور زلّات سے دوچار ہوئی۔ یہ الگ بات ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے غلطی پر مقرر نہیں رکھا۔ وحی کے ذریعہ اصلاح فرمادی۔ مگر حضرات پیہدین پر چونکہ وحی نہیں اترتی اس لیے وہ مدت العمر خطا کا شکار رہ سکتے ہیں۔۔۔

جو (تقلید) اللہ تعالیٰ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کے مد مقابل ہو ایسی تقلید کے حرام، شرک، مذموم اور قبیح ہونے میں کیا شبہ ہے؟ اور اہل اسلام اور اہل علم میں کون ایسی تقلید کو جائز قرار دیتا ہے؟ اور ایسے مقلدوں کو کون مسلمان کہتا اور حق پر سمجھتا ہے؟۔۔۔

کوئی بد بخت اور ضدی مقلد دل میں یہ ٹھان لے کہ میرے امام کے قول کے خلاف اگر قرآن و حدیث سے بھی کوئی دلیل قائم ہو جائے تو میں اپنے مذہب کو نہیں چھوڑوں گا تو وہ شرک ہے۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ لا شک فیہ لیکن ہوش و حواس صحیح رکھتے ہوئے کون مامرا و قصداً و عمداً ایسا کرتا ہے یا کرے گا؟ کسی غلط فہمی کا شکار ہو تو اس کا معاملہ الگ ہے۔ (الکلام المفید ص ۸۷، ۱۶۴، ۲۹۸، ۳۱۰) شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ:

یہ حضرات ابن عمرؓ کا اپنا عمل اور اجتہاد ہے۔ حادثہ مرفوعہ میں اس تفریق کی کوئی بنیاد مروی نہیں نیز صحابی کا اجتہاد جہت نہیں۔۔۔

اب صرف حضرت ابو بکر صدیقؓ کا اثر رہ جاتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو اس میں شدید اضطراب ہے۔ دوسرے اگر بالفرض اسے سنداً صحیح مان بھی لیا جائے تو بھی وہ ایک صحابی

کا اجتہاد ہو سکتا ہے جو حدیث مرفوعہ کے مقابلہ میں حجت نہیں.....

یہ صحابی جنہیں تیراگ تھا حضرت عباؤ بن بشرؓ تھے۔ حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس واقعہ میں آنحضرتؐ کی تقریر ثابت نہیں اور بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر کے دوسری احادیث کے مقابلہ میں صحابی کا فعل حجت نہیں ہو سکتا.....

کیونکہ وہ حضرت عباؤؓ کا اپنا اجتہاد ہے.... لیکن ان کا یہ استنباط احادیث مرفوعہ کے مقابلے میں حجت نہیں ہو سکتا.....

سوال تو یہ حضرت ابو ہریرہؓ کا اپنا اجتہاد ہے جو احادیث مرفوعہ کے مقابلہ میں حجت نہیں ہو سکتا۔“ (درس ترمذی جلد اول ص ۱۹۱، ۲۸۳، ۳۱۹۔ جلد دوم ص ۷۵، ۸۴)

اس تفصیل سے واضح ہو گیا ہے کہ جب ’اکابر‘ کے نزدیک دلیل کی بناء پر اپنے امام کے قول کو بھی ترک کیا جاسکتا ہے حتیٰ کہ ان کے نزدیک ’دلیل قوی‘ کے مقابلے میں خلفائے راشدین اور صحابہ کا قول بھی حجت نہیں ہے پھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین کے ساتھ ’دلیل قوی‘ کی بناء پر آخر، اختلاف کیوں نہیں کیا جاسکتا؟

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اکابر کی بعض عبارات اور الفاظ کی اگرچہ ’ماویل‘ کی جاسکتی ہے لیکن ان عبارات اور الفاظ پر بھی بہ ظاہر اور ’صورنا‘، نقد ہی کا اطلاق ہوتا ہے؛ جب ’خطائے اجتہادی حقیقتاً نہیں بلکہ صورنا معصیت ہو سکتی ہے تو ’نقد‘ بھی صورنا معصیت ہو سکتا ہے۔ امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ:

’اور جو کچھ بعض سے حرب حضرت امیرؓ یا کچھ اور بشریت سے تقصیر ہوئی وہ خطائے اجتہادی تھی اور جو امر خطا اجتہاد سرزد ہوتا ہے وہ بصورت معصیت ہے نہ خود معصیت۔“ (تالیفات رشیدیہ۔ ہدایت الشیعہ ص ۵۵۰۔ مطبوعہ دارہ اسلامیات لاہور)

حضرت شاہ اسماعیل شہید فرماتے ہیں کہ:

’غرضیکہ ایسا لفظ منہ سے نہ بولے جس سے کچھ بو شرک کی یا بے ادبی کی آوے کہ اس (اللہ تعالیٰ) کی بہت بڑی شان ہے اور وہ بڑا بے پروا ہے۔ ایک نکتہ میں پکڑ لینا اور ایک نکتہ میں نواز دینا اسی کا کام ہے۔

اور یہ بات محض بے جا ہے کہ ظاہر میں لفظ بے ادبی کا بولے اور اس سے کچھ اور معنی مراد لے....“ (تقویۃ الایمان ص ۸۰۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

اس سے معلوم ہوا کہ گستاخی کے کلمہ میں قائل کی نیت کا اعتبار نہیں ہوتا اور نہ ہی بے ادبی کے صریح الفاظ میں کسی تاویل کی گنجائش ہوتی ہے کیونکہ کہنے اور لکھنے والوں کی نیت خواہ کچھ بھی ہو مگر پڑھنے والا اسے بے ادبی پر ہی محمول کرے گا۔

زیر نظر کتاب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص پر مبنی اکابر کے جو اقوال پیش کیے گئے ہیں وہ صریح ہیں۔ ان کی تاویل ”خطائے اجتہادی“ کے مفہوم سے ہرگز نہیں کی جاسکتی۔ کاش یہ اکابر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ”تحقیقی الفاظ“ استعمال کرنے کے بجائے اپنے قلم کو ”خطائے اجتہادی“ کی اصطلاح تک ہی روک لیتے جس میں تحقیر و تنقیص کا کوئی شائبہ نہیں پایا جاتا لیکن صدافسوس کہ وہ اس پر ”اکتفاء“ نہ کر سکے۔ اس کی مزید وضاحت کتاب کے آخر میں زیر عنوان ”اختتامیہ“ ملاحظہ فرمائیں۔

اکابر کی ”تحقیقی عبارات“ ان کے کسی ”مخطوطے“ یا ذاتی ڈائری سے نقل نہیں کی گئیں بلکہ وہ ان کتب سے پیش کی گئی ہیں جنہیں خود علمائے کرام نے بار بار اپنے اداروں سے شائع کیا ہے۔ حتیٰ کہ ان میں سے بعض کتب ”درس نظامی“ کے نصاب میں بھی شامل ہیں۔

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ راقم الحروف کوئی پہلی مرتبہ اکابر کی ”تحقیقی عبارات“ کو منظر عام پر نہیں لا رہا بلکہ ان میں سے اکثر عبارات مع فوٹو اسٹیٹ نقل ایک معروف بریلوی پیر سید محمود شاہ محدث ہزاروی اپنے خلاف A-298 کے تحت حضرت معاویہؓ کی توجین کے ایک مقدمہ میں سات سال (یکم جولائی ۱۹۸۵ء تا ۲۵ دسمبر ۱۹۹۲ء) تک ایبٹ آباد کی بھری عدالت میں پیش کرتے رہے ہیں جو آج بھی عدالتی ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔ سید محمود شاہ کے حالات زیر نظر کتاب میں اپنے مقام پر ملاحظہ فرمائیں۔

اس کے علاوہ شہیدنا موس صحابہ مولانا ضیاء الرحمن فاروقی کی مرتبہ کتاب ”تاریخی دستاویز“ (جس کی ضخامت ۴۴۲ صفحات ہے) کے جواب میں اہل تشیع کی طرف سے ۱۹۹۷ء میں ۱۲۲۲ صفحات پر مشتمل کتاب ”تحقیقی دستاویز“ شائع کی گئی ہے (ناشر مرکز مطالعات اسلامی پاکستان ۱۷-سی، سیٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی) اس میں از صفحہ نمبر ۱۵۹ تا ۲۱۷ صرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف علماء اہل سنت کی کتب کی فوٹو اسٹیٹ نقل ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

زیر نظر کتاب کی ترتیب میں ”مآثرین“ کے مسلک و مشرب کے قطع نظر ان کی سن وفات کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ صرف علامہ بابا خلیل احمد داس کی سن وفات اندازاً تحریر کی گئی ہے۔

علاوہ ازیں اس فہرست میں ”ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی، ڈاکٹر محمد طاہر القادری، سید مہر حسین

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

عرض مؤلف

بخاری، مولوی عبد القیوم علوی، مفتی محمد سعید خان اسلام آبادی، ”عظیم مبلغ“، مولانا محمد طارق جمیل اور ”شاہین ختم نبوت“، مولانا اللہ وسایا کے اسمائے گرامی بھی آئے ہیں جو ”ہقیقہ حیات“ ہیں۔

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ اس کتاب کا مطالعہ مکمل غور و فکر کے ساتھ اور غیر جانب دارانہ طور پر اس آیت کریمہ (النساء ۱۳۵) کی روشنی میں کریں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ يَا الَّذِينَ آمَنُوا... وَالْأَقْرَبِينَ...

اے ایمان والو! منصف ہو کھڑے ہو انصاف کے ساتھ گواہ بن کر اللہ کے۔ اگرچہ یہ گواہی تمہارے اپنے خلاف ہو یا تمہارے والدین یا رشتہ داروں کے خلاف ہو۔

راقم الحروف صابر حیدری صاحب سمیت اپنے جملہ احباب و معاونین کا شکر گزار ہے جن کے مخلصانہ تعاون سے زیر نظر کتاب زیور طباعت سے آراستہ ہوئی۔

آخر میں باری تعالیٰ سے دعا ہے کہ جن علمائے حق کے قلم و زبان سے ”سبوا یا لشعور“ طور پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوء ادب پر مشتمل مازیا کلمات صادر ہوئے ہیں انہیں بسلسلہ دین مبین ان کی دیگر خدمات جلیلہ کے عوض معاف فرماتے ہوئے زیر نظر کتاب کو امت مسلمہ بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ، مقلدین اور معاندین کی اصلاح کا ذریعہ بناوے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ ۝

انظرو لی ماقال ولا تنظرو لی من قال۔ ان الخطأ فمینی وان اصبحت فمن اللہ۔
ان ارید الا اصلاح ما استطعت وما توقفتی الا باللہ۔ علیہ توکل والیہ
اتب۔ ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

خطیب مرکزی جامع مسجد

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ چوک حویلیاں۔ بزارہ

۷۔ رجب ۱۴۳۲ھ / ۱۸۔ مئی ۲۰۱۳ء

☆☆☆☆☆☆

علامہ المدخلی کی پرسوز اپیل

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے فاضل استاذ علامہ رفیع بن ہادی عمیر المدخلی نے اپنی کتاب: ”العواصم“ مما فی کتب سید قطب من القواصم کے آخر میں ”علماء، اساتذہ اور قضاة“ کے نام ایک پرسوز اپیل شائع کی ہے جس کا تعلق اگرچہ سید قطب کی متنازعہ اور مختلف فیہ تحریرات کے ساتھ ہے لیکن اسے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے جملہ مآثرین و معاندین (جن میں سید قطب بھی شامل ہیں) کے تنقیدی و بانٹ آمیز کلمات سے پہلے علماء، اساتذہ، قضاة، دانشوروں اور عام مسلمانوں کے غورو استفادے کے لیے زیر نظر کتاب میں شامل کیا جا رہا ہے۔ ”العواصم“، القواصم، ”سید قطب“ کے عنوان کے تحت ملاحظہ فرمائیں:

نداء الى العلماء وأساتذة الجامعات والقضاة

الى أساتذة الجامعات والمعاهد العلمية...

الى القضاة في المحاكم الشرعية وفقهم الله و سدد خطاهم و جعلنا و

اياهم من شهداء الله في الارض -

أما بعد:

فاننى أرى نفمسى فبيما أنافش فيه سيد قطب على الحق و أرى أنه قد

جانب الصواب -

واننى أرى نفمسى بهذه المحاولة أودى واجبا فترضه الله على و عليكم ولا أدعى

أنتى معصوم من الخطأ - ولعل الناس قد اشرأبت أعناقهم واصغوا بأذانهم يسمعوا منك كلمة

الحق الفاصلة ، فقوموا يا احب العبودية لله رب العالمين فى نصرة الحق سواء على أولى -

واننى أذكركم بقول الله تعالى:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوْمًا يَتَّقُونَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَوِ

الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا وَإِنْ تَلَوْا

أَوْ تَعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ تَكَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا“ (سورة النساء: آيت ۱۳۵)

وَأَذْكُرْكُمْ بِقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوْمًا يَتَّقُونَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

علامہ المدخلی کی پرسوز اپیل

عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا إِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ وَعَدَ اللَّهُ
الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ (سورة المائدة: آیت ۸-۹)
فاثبتوا للعالم أنكم قوامون لله شهداء بالقسط

واثبتوا للعالم أنكم قوامون لله شهداء بالقسط
واثبتوا للعالم أنكم قوامون لله شهداء بالقسط
واثبتوا للعالم أنكم قوامون لله شهداء بالقسط

ووالله إن هذا المسكين لجلا فيما يقول، ويرى نفسه باراً راشداً فيما يكتبه، وفي
الوقت نفسه لا يرى من الخطأ فما كان فيما كتبت من صواب فمن الله وبتوقيعه وتمسك به۔

وما كان فيه من خطأ فمن نفسي ومن الشيطان، والله يري من ذلك الخطأ
والمؤمن للمؤمن كالبيان يشد بعضه بعضاً وإن نصرتكم للحق لنصرة الله
إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُخْرِجْ أَقْلَامَكُمْ... وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنْصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝
كتبه

ربيع بن هادي عمير المدخلي

المدينة النبوية ١٥ ١٤١٥ هـ

أما بعد!

سید قطب سے کیے جانے والے اختلاف کے بارے میں یقیناً میں اپنے آپ کو بد حق
سمجھتا ہوں اور یہ بھی میری پختہ رائے ہے کہ انہوں نے راہ حق سے انحراف کیا ہے۔
اور میں سمجھتا ہوں کہ اس بحث کے ذریعے میں نے اپنے اوپر اور آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف
سے توفیق کر دیا ہے۔

اور نہ ہی میں یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ میں خطا سے پاک ہوں۔ اور شاید لوگ بھی اپنی گردنیں اٹھائے
اور کان آپ کی طرف لگائے آپ سے حق بات سننے کے متمنی ہیں۔ پس تم دین حق کی مدد و نصرت کے
لیے اللہ تعالیٰ کے اپنے اوپر حق بندگی کو ادا کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہو، چاہے یہ فیصلہ میرے خلاف
جائے یا میرے حق میں۔ اور میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان یاد دلاتا ہوں کہ:

اے ایمان والو! ہو جاؤ مغبوطی سے قائم رہنے والے انصاف پر، گواہی دینے والے محض
اللہ کے لیے، چاہے گواہی دینا پڑے تمہیں اپنے نفسوں کے خلاف یا اپنے والدین اور قریبی رشتہ
داروں کے خلاف۔ (جس کے خلاف گواہی دی جا رہی ہے) وہ دولت مند ہو یا فقیر۔ پس اللہ

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

علامہ المدخلی کی پرسوز اپیل

تعالیٰ زیادہ خیر خواہ ہے دونوں کا تو نہ پیروی کرو خواہش نفس کی انصاف کرنے میں اور اگر تم ہیر پھیر کرو یا منہ موڑ دو بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔ اور میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی یاد دلانا ہوں کہ:

اے ایمان والو! ہو جاؤ مضبوطی سے قائم رہنے والے، اللہ کے لیے گواہی دینے والے انصاف کے ساتھ۔ اور ہرگز نہ اکسائے تمہیں کسی قوم کی عداوت اس پر کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کیا کرو۔ یہی زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب خبردار ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے۔

پس (اے مسلمانو!) دنیا کے سامنے یہ ثابت کرو کہ تم اللہ کے لیے انصاف کی گواہی دینے والے ہو۔ اور دنیا کے سامنے کلمہ حق بلند کر کے اور حق کی گواہی دے کر یہ ثابت کرو کہ تم ملت باطلہ و ضالہ کے علماء سے امتیاز رکھتے ہو۔ امت کے جوانوں کی نگاہیں آپ کے کلمہ حق بلند کرنے کے انتظار میں آپ کی طرف اٹھی ہوئی ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسی لیے اپنا خلیفہ بنایا ہے تاکہ وہ دیکھے تم کیسے اعمال کرتے ہو؟ اور اللہ کی قسم یہ عاجز و مسکین بندہ اپنی رائے میں اپنے آپ کو حق پر اور اپنی تحریر میں خود کو سعادت مند اور ہدایت پر سمجھتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو غلطی و خطا سے مبرا بھی نہیں سمجھتا۔ اگر میں اپنی تحریر میں درستگی اور حق پر ہوں تو یہ محض اللہ تعالیٰ کی توفیق اور رہنمائی سے ہے اور اگر کہیں خطا ہوئی ہے تو وہ میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔

(اور ارشاد نبوی ہے کہ) ایک مومن دوسرے مومن کے لیے ایک مضبوط عمارت کی طرح ہے۔ جس کا بعض حصہ، بعض کو مضبوط کرتا ہے۔ اور تمہارا حق کی مدد کرنا اللہ کے دین کی مدد و نصرت ہے۔

(اے ایمان والو!) اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا اور (میدان جہاد میں) تمہیں ثابت قدم رکھے گا (سورۃ محمد)۔

اور اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرمائے گا اس کی جو اس (کے دین) کی مدد کرے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ قوت والا (اور) سب پر غالب ہے۔ (سورۃ الحج آیت ۴۰)

ربیع بن ہادی المدخلی۔

المدينة النبویة ۱۵ ۱۴۱۵ھ

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدد اور نبی، مدد اسلام، فاتح عرب و عجم، کاتب وحی، خال المسلمین، خلیفہ ساقی، راشد، عادل و مدح حق سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نجیب الطرفین قریشی اور پانچویں پشت میں ”عبد مناف“ پر جا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں شامل ہو جاتے ہیں۔

آپؐ کی ولادت اسحٰق تول کے مطابق بعثت نبویؐ سے پانچ سال قبل مکہ مکرمہ کے قریب ”منیٰ“ میں مقام خیف پر ہوئی۔ آپؐ کے والد سیدنا ابوسفیانؓ نہ صرف اپنے قبیلے ”بنو امیہ“ کے سردار تھے بلکہ جملہ قبائل قریش کے عسکری نظام کے منتظم اور سپہ سالار بھی تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنے لخت جگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دی جس کی بناء پر موصوفؓ نے شہ سواری، تیر اندازی، شمشیر زنی، خطابت اور نسب دانی میں کمال حاصل کر لیا تھا۔ فن کتابت تو موصوفؓ کا گھریلو شعبہ تھا اور اس فن میں مزید مہارت کے علاوہ انہوں نے ایک جدید طرز کتابت بھی پیدا کر لیا تھا جسے ”خط دیوان“ کہا جاتا ہے۔

سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے سے پہلے سپہ سالار قریش ہونے کی حیثیت سے اسلام کے مخالف تھے لیکن اس کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ذاتی و خانہ دانی مصاحبت و تعلقات رکھنے کے علاوہ دیگر مشرکین مکہ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدسلوکی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ مکہ میں مسلمانوں کی ایذا دہی میں سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ یا ان کی اولاد کا نام شامل نہیں ہے بلکہ مکہ کے ابوباش جس وقت نبی اکرمؐ کے ساتھ بدتمیزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مکہ کے مگلی کوچوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابوسفیانؓ کے گھر پناہ گزین ہو جاتے جس کا بدلہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر یہ اعلان کر کے چکا دیا کہ:

”من دخل دار ابی سفیان فہو امن“ (صحیح مسلم۔ کتاب الجہاد۔ باب فتح مکہ۔ جلد ۲ ص ۱۰۲)

جو شخص ابوسفیانؓ کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کے لیے بھی امن ہے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین سیدنا معاویہؓ کا قبول اسلام

بعثت کے آغاز ہی میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں اسلام کی آواز پہنچ چکی تھی اور اس آواز پر ان کی بہنیں سیدہ ام حبیبہؓ، سیدہ فارحہؓ، ماموں سیدنا حذیفہ بن یشیعہ کے علاوہ دیگر قریبی رشتہ دار "لبیک" کہہ چکے تھے۔ اس لیے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان حالات کا بغور جائزہ لیتے رہے جب کہ ان کے باقی افراد خاندان دیگر شرکین کے ساتھ اسلام کی مخالفت میں پیش پیش تھے مگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ عظیم خصوصیت ہے کہ آپ نے اسلام قبول کرنے سے پہلے کبھی کسی موقع پر حتیٰ کہ کسی جنگ میں بھی مسلمانوں کے خلاف حصہ نہیں لیا۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے نہ صرف یہ کہ ایذا دہی کا کوئی واقعہ ثابت نہیں ہے بلکہ قریش کی طرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاشرتی مقاطعہ جیسے کٹھن اور مشکل ترین وقت میں امامج اور کھجوریں شعب بنی ہاشم میں پہنچانا بھی ثابت ہے۔ یہ سلسلہ مصوری کی پوری مدت دو تین سال تک جاری رہا۔

دشمنان معاویہؓ کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ انہیں زیادہ سے زیادہ ہدمام کیا جائے اور ان کے ساتھ کسی فضیلت کو جمع نہ ہونے دیا جائے۔ وہ انہیں اسلام دشمن ثابت نہ کر سکے۔ انہیں کسی معرکے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مد مقابل نہ دکھا سکے تو یہ مشہور کر دیا گیا کہ وہ مجبور ہو کر فتح مکہ کے موقع پر اپنے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ اسلام لائے اور وہ "مؤلفہ القلوب" اور "مطلقاء" میں سے تھے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے بعد پچیس سال کی عمر میں اسلام لائے تھے۔

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی لکھتے ہیں کہ:

”معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما قرشی اموی، صلح حدیبیہ کے سال اسلام لائے اور ان کے والد فتح مکہ میں مسلمان ہوئے۔“ (ازالۃ الخفاء جلد اول ص ۲۷۲ حاشیہ)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خود فرمایا کرتے تھے کہ وہ عمرۃ القضاء کے موقع پر اسلام لائے اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بحیثیت مسلمان ملاقات کی اور اپنے اسلام کو اپنے والدین سے مخفی رکھا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنا قول نقل کرتے ہیں کہ:

”لقد أسلمت قبل عمرۃ القضاء“ (الاصابہ جلد ۲ ص ۲۳۲)

میں نے عمرۃ القضاء سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

سیدنا معاویہؓ کا قبول اسلام

شیخ احمد بن حجر رحمہ اللہ کی لکھتے ہیں کہ:

واقعی کی روایت کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا حدیبیہ کے بعد کا ہے اور ان کے علاوہ دیگر حضرات کا خیال ہے کہ وہ حدیبیہ کے دن اسلام لائے اور اپنے اسلام کو فتح مکہ تک اپنے والدین سے پوشیدہ رکھا۔ (تفسیر الجمان ص ۷۷ تحت ”قوی اسلام معاویہؓ“)
ڈاکٹر احمد عبدالرحمن عسلی استاذ جامعہ امام محمد بن سعود لکھتے ہیں کہ:

”يقول إنه أسلم عام عمرة القضية ٧ هـ وإنه لقي رسول الله صلى الله عليه وسلم بمكة مسلما ولكن كتم إسلامه عن أمه وأبيه وليس لهذا بعيد.“ (كتاب الوحي ص ۲۰۶)

اور وہ (یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ انہوں نے عمرۃ القضاء کے سال ۷ھ میں اسلام قبول کیا اور انہوں نے مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بحیثیت مسلمان ملاقات کی لیکن اپنے اسلام کو اپنے والدین سے پوشیدہ رکھا اور یہ کوئی بعید بات نہیں ہے۔

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ:

”صحیح بخاری میں ہے کہ اگلے سال عمرۃ القضاء میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک قینچی سے تراشے تھے۔ یہ واقعہ عمرۃ القضاء ہی کا ہے کیونکہ حجۃ الوداع میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلق فرمایا ہے۔“

(تفسیر معارف القرآن جلد ہشتم ص ۹۰۔ سورۃ الفتح تحت آیت ۲۷)

مشہور ریویو عالم جناب مفتی احمد یار خان بدایونی لکھتے ہیں کہ:

”صحیح یہ ہے کہ امیر معاویہؓ خاص صلح حدیبیہ کے دن اسلام لائے۔۔۔ امیر معاویہؓ کے حدیبیہ کے دن اسلام لانے کی دلیل وہ حدیث ہے کہ حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ میں نے حضورؐ کے احرام سے فارغ ہوتے وقت سر شریف کے بال کاٹے مروہ پہاڑی کے پاس۔ نیز وہ حدیث بھی دلیل ہے جو بخاری شریف نے بروایت طاؤس، عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت فرمائی کہ حضورؐ کی یہ حجامت کرنے والے امیر معاویہؓ ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ یہ حجامت عمرۃ القضاء میں واقع ہوئی جو صلح حدیبیہ سے ایک سال بعد ہوا کیونکہ حجۃ الوداع میں نبی اکرمؐ نے قرآن کیا تھا اور تارن مروہ پر حجامت نہیں کرواتے بلکہ منیٰ میں دوسویں ذی الحجہ کو کرواتے ہیں۔ نیز حضورؐ نے حجۃ الوداع میں بال نہ کٹوائے تھے بلکہ سر منڈ لیا تھا۔ حضرت ابو طلحہؓ نے حجامت کی تھی تو لامحالہ امیر معاویہؓ کا حضورؐ کے سر شریف کے بال تراشنا عمرۃ القضاء میں فتح مکہ سے پہلے ہوا۔ معلوم ہوا کہ امیر معاویہؓ..... نہ فتح مکہ

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدین

سیدنا معاویہؓ کا قبول اسلام کے مؤمنین میں ہیں، نہ مؤلفہ القلوب میں سے۔“ (امیر معاویہؓ ص ۳۸-۴۰)

حضرت مولانا محمد سعید الرحمن علوی فرماتے ہیں کہ:

”جہاں تک سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا تعلق ہے، ان کا معاملہ ویسا ہی ہے جیسا کہ سیدنا عباسؓ کا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جو جنگ بدر کے قریب مسلمان ہو گئے لیکن اپنے اسلام کا اظہار فتح مکہ سے کچھ پہلے کیا۔ چنانچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی صلح حدیبیہ سے متصل حلقہٴ گوش اسلام ہو گئے لیکن اظہار فتح مکہ کے موقع پر کیا۔“

(حماۃ الاسلام جلد اول ص ۱۶۳۔ بحوالہ خلفائے راشدین حسن کردار و عمل ص ۵۴۲)

دراصل ہمارے مؤرخین اور سبائیت زدہ طبقے کا اس پر بس نہیں چل رہا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی پوزیشن کو کس طرح گرایا جائے۔ کبھی تو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ فتح مکہ کے بعد ایمان لائے، کبھی ایمان کا قبل از فتح مکہ اقرار کرنے کے ساتھ ساتھ ”سہمان ایمان“ کا التزام عائد کر دیا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرۃ القضاء میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال تراشے تو اخیاء ایمان کہاں باقی رہا؟ گویا ان کا ایمان بھی ماقدین کے لیے سانپ کے منہ میں چھبھوند کی مثل ہو گیا ہے، نہ گتے فنی ہے اور نہ نکتے فنی ہے۔ اس لیے بعض حضرات نے یہ کہہ کر جان چھڑائی ہے کہ ”اسلم قبل الفتح“ انہوں نے فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کیا۔

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہو گئی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ سے پہلے عمرۃ القضاء کے موقع پر اسلام قبول کر لیا تھا۔ عام مؤرخین کے اقوال کے مقابلے میں خود صاحب معاملہ کے اپنے قول کو ترجیح دینا ہی زیادہ صحیح ہے۔

قبول اسلام کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو اسلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تا آنکہ ۶۰ھ میں ۸ سال کی عمر میں اسلام اور ایمان کی حالت میں ان کی موت واقع ہوئی، صحابی رسول حضرت عثمان ک بن قیس رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور دمشق میں ہی تدفین عمل میں آئی۔

بہر حال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایمان و اسلام کتاب و سنت، اجماع سلف اور نقل متواتر نیز خود ان کے قبول اسلام سے لے کر وفات تک واقعات و حالات کی روشنی میں آفتاب نصف النہار سے بھی زیادہ روشن ہو کر سامنے آ جاتا ہے جو ہر منصف مزاج انسان بالخصوص مومن بالقرآن کو انہیں مخلص مومن و مسلم تسلیم کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت

”صحابی“ کا لفظ باتفاق اہل لغت ”صحبت“ سے مشتق ہے؛ یعنی صحابی ہونا، دوستی کرنا اور ساتھ زندگی گزارنا۔ ”صَحْبٌ“ کا اسم فاعل ”المصاحب“ ہے، یعنی ساتھی اور ساتھ زندگی گزارنے والا۔ اس کی جمع ”اصحاب، صحابہ“ ہے۔

”المصاحبی“ صحابہ کا اسم نسبت ہے۔ صحابہ کی طرف منسوب ایک صحابی یعنی وہ ایک شخص جس نے صحبت حاصل کی مگر صحبت کی کسی مخصوص مقدار سے مشتق نہیں بلکہ اس کا اطلاق ہر اس شخص پر ہو سکتا ہے جس نے کم یا زیادہ کسی کی صحبت اٹھائی ہو۔ لہذا صحبت کی تھوڑی یا زیادہ مقدار دونوں حالتوں پر اس کا اطلاق ہو سکتا ہے۔

اصطلاح شریعت میں ”صحابی“ اس شخص کو کہا جاتا ہے جس نے حالت ایمان و اسلام میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہو اور اسلام ہی پر اس کی موت بھی واقع ہوئی ہو۔ امام بخاری (م ۲۵۶ھ) فرماتے ہیں:

”من صحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم او راہ من المسلمین فہو من اصحابہ“ (صحیح بخاری - کتاب فضائل اصحاب النبی)
جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم حالت ایمان و اسلام میں دیکھ لیا تو وہ زمرہ صحابہ میں شامل ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

”وأصح ما وقفت علیہ من ذلك أن الصحابي من لقي النبی صلی اللہ علیہ وسلم مؤمناً ومات علی الإسلام۔“

(الإصابہ جلد اول ص ۷۔ تحت الفصل الأول فی تعريف الصحابی)

”صحابی“ کی سب سے زیادہ صحیح تعریف جس سے میں آگاہ ہوں وہ یہ ہے کہ: صحابی وہ ہے جس نے حالت ایمان و اسلام میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہو اور اسلام ہی پر اس کی موت بھی واقع ہوئی ہو۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین سیدنا معاویہؓ کی صحابیت

علامہ عبد العزیز فرباروی (م ۱۲۳۹ھ) فرماتے ہیں: ”من صحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولو ساعة من الايمان ومات مؤمناً“ (المبراس شرح لشرح العقائد ص ۵۴۶) جس نے حالت ایمان میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی ہو تو وہ صحابی ہے۔

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ کسی شخص کے ”صحابی“ ہونے کے لیے تین شرائط کا پایا جانا ضروری ہے

۱۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان

۲۔ نبی ایمان کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات

۳۔ اور اسلام و ایمان ہی کی حالت میں وفات

علامہ ابن حجر عسقلانی نے ”صحابی“ کی مذکورہ تعریف ہی کو سب سے زیادہ جامع اور صحیح قرار دیا ہے۔ اگرچہ بعض حضرات نے دیگر شرائط کا ذکر بھی کیا ہے مثلاً:

اس نے ایک طویل عرصہ (کم از کم ایک سال) تک شرف صحبت حاصل کیا ہو، یا حدیث کی روایت کی ہو، یا کسی غزوہ میں شرکت کی ہو، یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حصول علم و عمل کے لیے اختیار کی ہو، یا حالت شعور یا حالت بلوغ میں ملاقات کی ہو۔

صحابی کی معرفت:

محدثین کرام اور ائمہ اہل الرجال نے صحابی کی معرفت کے لیے حسب ذیل طریقے یا اصول متعین کیے ہیں:

۱۔ ایسا شخص جس کا صحابی ہونا تو اتر سے ثابت ہو جیسے حضرات عشرہ مبشرہ اور ائمہ صحابہ رضی اللہ عنہم۔

۲۔ ایسا شخص جس کا صحابی ہونا مشہور ہو یا مشہور روایات سے ثابت ہو اگرچہ تو اتر کے درجے تک نہ پہنچا ہو۔ مثلاً حنظل بن اعلیٰ اور عکاشہ بن حُصین۔

۳۔ کوئی مشہور صحابی کسی شخص کے صحابی ہونے کی شہادت دے جیسے حضرت ابو موسیٰ اشعرئی نے کہا تھا کہ حمیمہ بن ابی حمیمہ دو ہی صحابی ہیں۔

۴۔ کسی صحابی کا یہ کہنا کہ میں فلاں شخص کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سامنے فلاں شخص سے گفتگو فرمائی۔

۵۔ اس کا صحابی ہونا تابعی کے قول سے ثابت ہو اور وہ شخص ایسے زمانے تک بقیہ حیات رہا ہو جس سے اس کے صحابی ہونے کا امکان پایا جاتا ہو۔ علماء نے یہ زمانہ ۱۱۰ھ تک مقرر کیا ہے،

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے باقرین
اس کے بعد کوئی شخص صحابی ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بلا شک و شبہ اور بالیقین ان سعادت مند حضرات میں شامل ہیں جن پر مفسرین، محدثین، اصولیین، متکلمین اور جمہور کی بیان کردہ صحابی کی ہر تعریف صادق آتی ہے۔ اسی لیے باقرین سمیت اہل سنت کے تمام طبقات بالاتفاق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو صحابی تسلیم کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب بھی تمام تر نقد و جرح کے باوجود یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ: ”صحابی کی تعریف میں اگرچہ سلف میں اختلاف ہے مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہر تعریف کے لحاظ سے شرف صحابیت حاصل ہے۔“ (سیرت اصحاب رسول ص ۱۵۳۔ مطبوعہ مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار لاہور)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت اگر صحابی کی معرفت کے مذکورہ اصولوں میں سے کسی ایک اصول یا طریقے کے مطابق بھی ثابت ہو جاتی تو وہ بلاشبہ جماعت صحابہ میں ہی شامل سمجھے جاتے لیکن موصوف تو ایک ایسے صاحب فضیلت و منقبت اور عظیم المرتبت صحابی ہیں کہ ان کی صحابیت مذکورہ تمام اصولوں اور طریقوں سے ثابت ہے اور ان کا صحابی ہونا اس قدر قویٰ اور شہرت سے ثابت ہے کہ کم از کم کسی ”سنی“ مسلمان عالم یا صوفی باقر کے لیے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ ان کی صحابیت کے انکار کی جرأت کر سکے۔ ”فمن ادعی خلافہ فعلیہ البیان ولا یمکنہ ان شاء اللہ الی یوم البعث والمیزان“۔ صحابہ کرامؓ کے حالات سے متعلق ہر کتاب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بحیثیت صحابی تذکرہ موجود ہے۔ چند حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں:

- ۱۔ طبقات ابن سعد مؤلفہ علامہ محمد بن سعد (م ۲۴۰ھ) جلد ہفتم ص ۴۱۲ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی تحت ”شام میں آنے والے صحابہ کرامؓ۔“
- ۲۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب مؤلفہ حافظہ ابن عبدالبر اندلسی قرطبی مالکی (م ۴۶۳ھ) جلد سوم اڑس ۳۹۵ تا ۴۰۳۔ طبع بیروت۔
- ۳۔ سدا الغابہ فی معرفۃ الصحابہ مؤلفہ ابن اثیر الجزیری (م ۶۳۰ھ) تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیانؓ۔
- ۴۔ الاکمال فی اسماء الرجال مع مکتبۃ المصاحف مؤلفہ شیخ ولی الدین الخطیب (م ۴۳۴ھ) ص ۶۱۔ تحت معاویہ بن ابی سفیانؓ۔
- ۵۔ الاصابہ فی تعییز الصحابہ مؤلفہ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۴ھ) جلد سوم ص ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ تحت معاویہ بن ابی سفیانؓ۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

علاوہ ازیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بلا واسطہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد احادیث روایت کی ہیں۔ صحاح ستہ سمیت تقریباً حدیث کی ہر کتاب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مرویات پائی جاتی ہیں جن کی تعداد تقریباً ۱۲۳ ہے۔

کتب اسماء الرجال، طبقات الصحابہ اور سیر الصحابہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ کے علاوہ کتب حدیث میں ان کی مرویات کا پایا جاتا ان کی صحابیت کی روشن اور واضح دلیل ہے۔ مزید برآں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بار بار طلب کرنا اور بلانا بھی ان کی صحابیت پر دلالت ہے:

”ادعوا معاویہ... کلان معاویہ رد دف النبی فقال یا معاویہ...“ معاویہ بن ابی سفیان أحلم امنی واجودھا... یا معاویہ إن ولّیت أمر أقاتق اللہ واعدل، انه صلی اللہ علیہ وسلم قال لمعاویہ اللّٰہم اجعلہ ہادیا مہدیا واحدہ۔“ (لاحظہ ہو: جامع ترمذی مشکوٰۃ، تاریخ الکلیہ لبخاری، تفسیر البیان۔

محدثین کرام نے اپنی کتابوں میں جہاں دیگر صحابہ کرامؓ کے فضائل و مناقب سے متعلق ابواب قائم کیے ہیں وہیں انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب کے لیے بھی ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔ (لاحظہ ہو: جامع ترمذی جلد دوم ص ۲۶۷۔ ”مناقب معاویہ بن ابی سفیان“ امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری میں کتاب المناقب کے تحت ”ذکر معاویہ“ کے نام سے ایک مستقل باب باندھا ہے اس عنوان سے بعض ماقدرین نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہوئی اسی لیے امام بخاری نے ”مناقب معاویہ“ کے بجائے ”ذکر معاویہ“ کا باب قائم کیا ہے۔

امام موصوف نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی یہ ”قابل اعتراض“ رویہ اختیار نہیں کیا بلکہ دیگر کامیاب صحابہؓ کے لیے بھی یہی عنوان اختیار کیا ہے۔ مثلاً:

باب ذکر عباس بن عبدالمطلب، باب ذکر عبداللہ بن عباس، باب ذکر طلحہ بن عبداللہ، باب ذکر اسلمہ بن زید، باب ذکر عبداللہ البجلي، باب ذکر حذیفہ بن یمان، باب ذکر اصہل النبیؐ منهم ابوالعاص بن الربیع، باب ذکر ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہم۔

کیا ان جلیل القدر صحابہؓ کے بارے میں بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی کوئی فضیلت ثابت نہیں کیونکہ امام بخاری نے ان کے اسماء کے ساتھ بھی ”مناقب“ کے بجائے ”ذکر“ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ دراصل یہ عبارت کا تفسیر ہے کہ کہیں مناقب اور فضائل فرمایا اور کہیں ”ذکر“ فرمایا جس

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

سیدنا معاویہؓ کی صحابیت

سے مراد ”ذکر بالثیر“ ہی ہے اور ”ذکر بالثیر“ بھی فضیلت ہی ہوتی ہے۔

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ حدیث میں ”صحیح“ ایک اصطلاحی لفظ ہے جس سے حدیث کی ایک خاص قسم اور درجہ مراد ہے۔ یہ لفظ اردو زبان کا صحیح نہیں جو ”غلط“ کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے۔ اگر بالفرض کوئی صحیح حدیث وارد نہ بھی ہو تو یہ کیونکر تصور کر لیا گیا کہ ”صحیح حدیث“ کی نفی سے اس سے نیچے کے درجہ کی حدیث (یعنی حسن وغیرہ) کی بھی نفی ہو جاتی ہے؟

پھر اگر بالفرض اس ”ذکوئی“ کو کسی حد تک درست بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس سے بھلا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ”صحابیت“ پر کیا اثر پڑتا ہے؟ کیونکہ ہزاروں صحابہ کرامؓ ایسے ہیں جن کے انفرادی وخصہ و صی فضائل کتب حدیث میں مروی ہی نہیں ہیں اور ہزاروں صحابہ کرامؓ ایسے ہیں جن کے حالات سے سائنہ اسماء الرجال اور اباب تاریخ و سیر بھی نا آشنا ہیں۔

کیا ان تمام صحابہ کرامؓ کی فضیلت کا انکار کیا جاسکتا ہے؟ کیا ان صحابہ کرامؓ کے قرآن و حدیث میں مذکور مجموعی اور عمومی فضائل کسی صحابی کی فضیلت و منقبت کے لیے کم حیثیت کے حامل ہیں؟ جو لوگ حضرت معاویہؓ کو کسی بھی حوالے سے ہدفِ طعن و تنقید بناتے ہیں وہ اہل سنت میں سے ہرگز نہیں ہیں بلکہ ”سنیہ“ کے لبادے میں وہ دراصل ”سہانیت“ کے پھینٹ ہیں۔

”صحابی کی معرفت“ کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ کوئی دوسرا صحابی کسی شخص کے صحابی ہونے کی گواہی دے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت اس معیار پر بھی پورا اترتی ہے۔

اصحاب عشرہ مبشرہ سمیت تمام اکابر و اصغر صحابہؓ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت کی شہادت دیتے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے انہیں ایک عسکری لشکر کا امیر مقرر کر کے شام کے محاذ پر بھیجا، حضرت عمرؓ نے انہیں ترقی دے کر شام کا گورنر مقرر کیا، حضرت عثمانؓ نے ان کی حدود و امارت میں کچھ دیگر علاقے شامل کر کے انہیں اس منصب پر مقرر رکھا، حضرت علیؓ نے بھی بعد میں ان کے ساتھ مصالحت کر کے انہیں ساہتہ پوزیشن پر بحال رکھا، حضرت حسنؓ نے نہ صرف ان کے حق میں خلافت سے دست برداری اختیار کی بلکہ اموی خلافت انہیں سونپ کر احباب سمیت ان کے ہاتھ پر باقاعدہ بیعت بھی کی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت پر مذکورہ شواہد کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور جلیل القدر صحابی ابن صحابی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ ”مصریح قول“ بھی موجود ہے کہ:

”فانہ قد صحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم.... أصاب إنہ فقیہ“

(صحیح بخاری۔ کتاب فضائل اصحاب النبیؐ۔ باب ذکر معاویہ رقم الحدیث ۶۱۳-۶۱۵-۶۱۷)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

یقیناً انہوں (یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) نے رسول اللہ کی صحبت کا شرف اٹھایا ہے... انہوں نے درست عمل کیا ہے یقیناً وہ وہی مسائل میں فقیہ و مجتہد ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ احادیث روایت کی ہیں وہیں خود ان سے بھی بہت سے صحابہ (حضرت ابو ذر، ابن عباس، ابو سعید خدری، جریر بن عبد اللہ الجلی، معاویہ بن خدیج، سائب بن یزید کنذی، عبد اللہ بن زبیر اور نعمان بن بشیر وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین) نے احادیث روایت کی ہیں جن میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے ”ساع عن النبی“ کی تصریح کرتے ہیں کہ:

”سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول، أين علماء کم سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم“

ملاحظہ ہو صحیح بخاری۔ کتاب العلم باب من یرد اللہ بہ خبراً، کتاب اللباس بالوصل فی الشعر، کتاب الانبیاء باب مناقب قریش۔

صحابہ کے علاوہ اکابر تابعین نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے حدیث کی روایت کی ہے مثلاً: ابواوریس خولانی، سعید بن مسیب، خالد بن معدان، ہام بن منبہ، قیس بن ابی حازم، عبد اللہ بن الحرث بن نوفل، عیسیٰ بن طلحہ، محمد بن جبیر بن مطعم، حمید بن عبد الرحمن بن عوف، ابو جحزہ، علقمہ بن وقاص، عمیر بن بانی، مطرف بن عبد اللہ، محمد بن سیرین، عکرمہ مولیٰ ابن عباس وغیرہم۔ (ملاحظہ ہو الناہیۃ عن طعن معاویہ ص ۷۷، الاصابہ جلد ۲ ص ۴۳۴.....)

صحابی کی معرفت کا چوتھا طریقہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنا صحابی ہونا خود ظاہر کرے۔ اس طریقے کے مطابق بھی حضرت معاویہؓ کی صحابیت ثابت ہے۔ موصوفہ ایک مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

”كُنتُمْ تَتَضَلَّوْنَ ضَلٰوَةً لَّقَدْ صٰحَبَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا رَاَ بَيْنَا وَبَيْنَهُمَا وَلَقَدْ نَهَى عَنْهُمَا يَعْزِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ“ (صحیح بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب ذکر معاویہ رقم الحدیث ۳۷۶۶)

اس حدیث میں ”صَحَبْنَا النَّبِيَّ“ کے الفاظ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت خود ان کے اپنے ”صریح قول“ سے ثابت ہو رہی ہے۔

صحابی کی معرفت کا پانچواں طریقہ یہ ہے کہ کسی شخص کا صحابی ہونا کسی تابعی کے قول سے

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

سیدنا معاویہ کی صحابیت

ثابت ہو تو اس طریقے کے مطابق بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا صحابی ہونا ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ پیچھے تابعین کی ایک فہرست گزر چکی ہے جنہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث روایت کی ہیں جن سے ان کی صحابیت پر تابعین کی طرف سے بھی مہر تصدیق ثبت ہو گئی ہے۔

علاوہ ازیں مشہور محدث اور فقیہ عبد اللہ بن مبارک سے کسی نے دریافت کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا عمر بن عبد العزیز؟ تو انہوں نے فرمایا:

واللہ ان الغبار الذی دخل فی أنف فرس معاویہ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل من عمر بألف مرۃ... (تظہیر الجنان ص ۱۰)

اللہ کی قسم وہ مٹی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کے نکتوں میں داخل ہوئی وہ بھی عمر بن عبد العزیز سے ہزار درجے افضل ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نمازیں ادا کیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ”سمع اللہ لمن حمدہ“ کہا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جواب میں ”ربنا لك الحمد“ کہتے تھے اس کے بعد اس سے بڑا شرف اور کیا ہو سکتا ہے؟

مشہور تابعی حضرت معافی بن عمران سے ایک آدمی نے پوچھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور عمر بن عبد العزیز میں سے کس کا مقام بلند ہے؟

”فغضب غضباً شديداً وقال لا يقاس بأصحاب النبي أحد معاویہ صاحبہ و صہرہ و کاتبہ و أمینہ علی و حی اللہ۔“ (تظہیر الجنان ص ۱۰)

تو معافی بن عمران غضبناک ہوئے اور کہا، اصحاب پیغمبر کے مقابلے میں کسی اور کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی، برادر نسبتی، اللہ کی وحی کے کاتب اور امین ہیں۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ ائمہ اماء الرجال نے ”صحابی کی معرفت“ کے جتنے طریقے وضع کیے ہیں ان میں سے اگرچہ کسی ایک طریقے سے بھی کسی کا صحابی ہونا ثابت ہو سکتا ہے لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو وہ خوش نصیب صحابی ہیں کہ جن کی صحابیت ہر طریقے کے ذریعے ثابت ہے جس کے انکار کی کم از کم کوئی مسلمان یا کوئی با شعور انسان جسارت نہیں کر سکتا۔

☆☆☆☆☆

مشاجرات صحابہؓ کا شرعی حکم

گذشتہ بحث سے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہو گئی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یقیناً زمرہ صحابہؓ میں شامل ہیں اور مقام صحابیت کی عظمت اور جلالیت کے ثبوت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سچا گواہ اور کون ہو سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اس پورے طبقہ کو ”مَنْ حَيْثُ الطَّبَقَةُ“ مقدس، پاک باطن، صالح القلب، عدول، متقن، محفوظ من اللہ، راضی و مرضی، خیر البریہ اور معیار حق و ہدایت قرار دیا ہے، انہیں سچا مومن کہا ہے، ان کی بشری خطائیں معاف کر دی ہیں، ان کی سابقہ باہمی عداوت کو محبت و دوستی میں تبدیل کر دیا ہے، ایمان کو ان کے دلوں میں مزین کر دیا ہے، انہیں کفر، فسق اور عصیان سے نفرت و لاوی ہے اور ان کی اتباع کو لازمی قرار دیتے ہوئے ان سے غیظ رکھنے والوں کو کفار کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان پر غیظ کے ساتھ اپنی انگلیاں چبانے والوں کے خلاف خود بھی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وعائے ضرر کرنے کا حکم دیا ہے:

”وَإِذَا لَقِيتُمْ قَوْمًا مِمَّنْ آمَنُوا إِذَا خَلَوْا عَصَوْا عَهْدَكُمْ فَأُولَٰئِكَ الْمَالِ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُؤْمِنُوا بِعَهْدِكُمْ۔“ (آل عمران ۱۱۹)

اور جب وہ تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں اور جب وہ تمہا ہوتے ہیں تو چپاتے ہیں تم پر انگلیاں غصہ سے (اے حبیبؐ) آپ فرمائیے مر جاؤ اپنے غصہ (کی آگ میں جل کر) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کی تعظیم و تکریم کا حکم دیا ہے، انہیں جنت کی بٹائیوں سے نوازا ہے، انہیں نجوم ہدایت کہا ہے، انہیں اللہ کا انتخاب قرار دیا ہے، ان کے باہمی اختلافات و تنازعات کو چھیڑنے سے منع کیا ہے، انہیں مباحلا کہنے سے سختی کے ساتھ روکا ہے، ان کے بارے میں بہ نکرار اللہ کا خوف یا دلا لیا ہے، ان سے محبت کو اپنے ساتھ محبت، ان کے ساتھ بغض کو اپنے ساتھ بغض، ان کی ایذا دہی کو اپنی ایذا دہی قرار دیا ہے، ان کی تنقیص کرنے والوں کے ساتھ مناکحت، مجالست، مشاربت و مواکلت سے منع فرمایا ہے اور ایسے ہمراہی ماحول میں اپنا علم ظاہر نہ کرنے والے علماء کو اللہ تعالیٰ فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت کا مستحق قرار دیا ہے۔

امام طحاوی (م ۳۲۱ھ) نے یہ اعلان فرمایا ہے کہ:

وَنَحِبُّ أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا نَفْرَطُ فِي حُبِّ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَلَا نَتَّبِعُ مِنْ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَبْغِضُ مَنْ يَبْغِضُهُمْ وَبَغَيْرِ الْحَقِّ يَذْكُرُهُمْ، وَلَا نَذْكُرُهُمْ إِلَّا بِالْخَيْرِ، وَحُبُّهُمْ دِينٌ وَإِيمَانٌ وَإِحْسَانٌ وَبَغْضُهُمْ كُفْرٌ وَنِفَاقٌ وَطُغْيَانٌ“

(عقیدۃ الطحاوی ص ۶۶۔ مطبوعہ نضرت العلوم گوجرانوالہ)

اور ہم جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب صحابہ سے محبت کرتے ہیں اور کسی ایک کی محبت میں غلو اور زیادتی نہیں کرتے اور نہ ان میں سے کسی سے بیزاری کرتے ہیں۔ اور جو ان سے بغض رکھتا ہے اور خیر کے سوا ان کا ذکر کرتا ہے ہم اس سے بغض رکھتے ہیں۔ اور ہم صحابہ کرامؓ کا سوائے نیکی کے ذکر نہیں کرتے۔ حضرات صحابہ سے محبت دین، ایمان اور احسان (اعلیٰ درجے کی نیکی) ہے اور حضرات صحابہ کرامؓ سے بغض کفر، نفاق اور سرکشی ہے۔

موصوف نے اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی تصریح فرمائی ہے کہ

”وَمَنْ أَحْسَنَ الْقَوْلِ فِي أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَزَوْاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ فَقَدْ بَرَّئَ مِنَ النِّفَاقِ“ (عقیدۃ طحاوی ص ۸ طبع دیوبند)

جو شخص رسول اللہ کے اصحاب، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریات کے بارے میں اچھی رائے رکھے وہ نفاق سے بری ہے۔

امام ابوالحسن الاشعری (م ۳۲۴ھ) فرماتے ہیں کہ: ”وَتَوَلَّيْتُ سَائِرَ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَكَتُ عَنَّا شَجَرَهُ بَيْنَهُمْ“ (الابانۃ من اصول الديانۃ ص ۵۱۔ محل ۵۱) ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ سے محبت کرتے ہیں اور ان کے درمیان باہمی اختلافات و تنازعات میں اپنی زبانوں کو روکتے ہیں۔

امام نجم الدین سیفی (م ۷۳۰ھ) اور علامہ سعد الدین تفتازانی (م ۷۹۲ھ) فرماتے ہیں:

”وَيُكْفَى عَنْ ذِكْرِ الصَّحَابَةِ إِلَّا بِخَيْرٍ لِمَا وَرَدَ مِنَ الْأَحَادِيثِ الصَّحِيحَةِ فِي مُتَابِعِهِمْ وَوُجُوبِ الْكَفِّ عَنِ الطَّعْنِ فِيهِمْ كَقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا تَمَسُّوا أَصْحَابِي قُلُوبُ أَنْ أَحَدَكُمْ أَنْ أَتَّفَقَ مِثْلَ أَحَدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مَذْأَدَهُمْ وَلَا نَصِيفَهُ، وَكَقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَكْرَمُوا أَصْحَابِي فَإِنَّهُمْ خَيْرُكُمْ... وَكَقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اللَّهُ فِي أَصْحَابِي لَا تَسْخَذُوهُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِي فَمَنْ أَحْبَبَهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبَغْضِي

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

مشاجرات صحابہ کا شرعی حکم

أبغضهم ومن آذاهم فقد آذاني ومن آذاني فقد آذى الله ومن آذ الله تعالى فبوشك أن يأخذه۔ (شرح عقائد ص ۱۱۶)

اور خیر کے علاوہ کسی طریقہ پر صحابہ کے ذکر سے کف لسان کیا جائے ان احادیث صحیحہ کی وجہ سے جو ان کے مناقب میں وارد ہیں ان پر طعن کرنے سے زبان روکنے کے بارے میں وارد ہوئی ہیں جیسے نبی علیہ السلام کا فرمان کہ: میرے صحابہ کو برا نہ کہو اس لیے کہ تم میں سے کوئی اگر احد پہاڑ کے برابر سونا (اللہ کے راستہ میں) خرچ کر ڈالے تو وہ ان میں سے کسی کے خرچ کیے ہوئے ایک مد کو بھی نہ پہنچے گا اور نہ نصف مد کو۔ اور جیسے نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ میرے صحابہ کی تعظیم کرو اس لیے کہ وہ تم سب سے بہتر ہیں۔ اور جیسے نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ: میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ میرے بعد تم انہیں نشانہ نہ بنانا۔ پس جو شخص ان سے محبت کرے گا تو وہ مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ سے ہی ان سے محبت رکھے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ہی ان سے بغض رکھے گا۔ اور جو ان کو تکلیف پہنچائے گا وہ مجھے تکلیف پہنچائے گا اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی اس نے اللہ کو برا کر دیا اور جس نے اللہ کو برا کر دیا اس کا مواخذہ کرے گا۔

امام نووی (م ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں: قاتلنا مأمورون بحسن الظن بالصحابۃ ونفی کل رذیلۃ عنہم۔ (شرح صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۸)

ہم صحابہ کے بارے میں حسن ظن اور ان سے ہر برائی کی نفی کرنے کے مکلف ہیں۔

موصوف اسی سلسلہ میں ایک دوسرے مقام پر یہ فرماتے ہیں:

واذا انسدت طرق تأویلها نسبنا الکذب الی روائها۔ (حوالہ مذکور ص ۹۰)

اور جب اس روایت کی تاویل کے راستے محدود ہو جائیں تو اس کے راویوں کی طرف جھوٹ کی نسبت کریں گے۔

موصوف ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ:

”وَأَعْلَمُ أَنَّ سَبَّ الصَّحَابَةِ حَرَامٌ مِنْ فَوَاحِشِ الْمُحَرَّمَاتِ، سِوَا لَا بَسِ الْفِتْنَةِ مِنْهُمْ أَوْ غَيْرِ“ (شرح مسلم جلد ۲ ص ۲۱۰)

اچھی طرح سمجھ لو کہ صحابہ کا نازیبا لفاظ سے ذکر کرنا حرام ہے اور بڑے حراموں میں ہے۔ خواہ وہ صحابی یا بھی جنگ کے فتنہ میں مبتلا ہوئے ہوں یا اس سے بری ہوں۔

حضرت امام مالک (م ۱۷۹ھ) کا قول مشہور شارح حدیث ان الفاظ میں نقل کرتے

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مآخذین

مشاجرات صحابہ کا شرعی حکم

ہیں کہ: "من شتم أحداً من أصحاب النبي - أبابكر أو عمر أو عثمان أو علياً أو معاوية أو عمرو بن العاص فإني قال شاتمهم كانوا على ضلال أو كفر قتل وأن شتم بغير هذا نكل نكالا شديداً۔ (شرح الشفاء جلد ۲ ص ۵۵)

جس نے اصحاب رسول میں سے کسی کو (مثلاً) ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ کو گالی دی اگر انہیں گالی دینے والا یہ کہتا ہے کہ وہ کفر و ضلالت پر تھے تو اسے قتل کیا جائے گا اگر اس کے علاوہ کچھ کہتا ہے تو اسے سخت عبرت ناک سزا دی جائے گی۔
عظیم المرتبت محدث امام ابو زرعہ الرازی فرماتے ہیں کہ:

"إذا رأيت الرجل يتقص أحداً من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فاعلم إنه زنديق وذلك أن الرسول حق والقرآن حق وما جاء به حق وإنما أدى إلينا ذلك كله الصحابة وهؤلاء يريدون أن يجرحو الشهودنا ليطلوا الكتاب والسنة والجرح بهم أولي وهم زنادقة" (الاصابة جلد اول ص ۱۰۔ بیروت)

جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ صحابہ میں سے کسی کی تنقیص کر رہا ہے تو سمجھ لو یہ زندقہ ہے اور یہ اس لیے ہے کہ رسول حق ہیں، قرآن حق ہے، قرآن نے جو کچھ بیان کیا ہے حق ہے اور ان سب کو ہم تک پہنچانے والے صحابہ ہیں۔ مآخذین صحابہ چاہتے ہیں کہ ہمارے گواہوں اور واسطہ کو مجروح کر دیں تاکہ وہ کتاب و سنت کو باطل اور بے اصل ٹھہرا دیں۔ لہذا یہی بدگوئی مآخذین مجروح ہونے کے زیادہ مستحق ہیں، یہ لوگ تو زندقہ ہیں۔

امام ذہبی (م ۷۴۸ھ) اپنی مشہور کتاب "الکبار" میں لکھتے ہیں:

"وذكر عبيد وأضاقه إليهم كان متافقا.... الخ" (۲۳۹)

جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی کسی نوع کی مذمت کی اور ان کے عیوب اور لغزشوں کے پیچھے لگا رہا کسی عیب کا ذکر کر کے اس کی نسبت صحابہ کی طرف کر دی تو وہ منافق ہے۔

امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) کا قول ان کے تلمیذ ابی موفی ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

سمعت أحسدا يقول ملهم ولمعوية، تسأل الله العافية وقال لي يا أبا الحسن! إذا رأيت أحداً يذكر أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم بموء فاتهمه على الإسلام" (ذكره ابن تيمية في الصلح المملول۔ بحوالہ مقام صحابہ ص ۷۷ مؤلفہ مفتی محمد شفیع صاحب)

میں نے امام احمد کو فرماتے ہوئے سنا: لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ حضرات معاویہ رضی اللہ عنہ

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدین مشاجرات صحابہؓ کا شرعی حکم

کی برائی کرتے ہیں، ہم اللہ سے عافیت کے طلب گار ہیں۔ پھر مجھ سے فرمایا: کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ صحابہؓ کا ذکر بدائی سے کر رہا ہے تو اس کے اسلام کو مشکوک سمجھو۔

مشہور مفتی علامہ کمال الدین ابن ہمام (م ۸۶۱ھ) کہتے ہیں:

”واعتقاد أهل السنة والجماعة تركية جميع الصحابة وجوبا، بإثبات العدالة لكل منهم والكف عن الطعن منهم والثناء عليهم كما أثنى الله سبحانه وتعالى عليهم..... وأثنى عليهم رسول الله صلى الله عليه وسلم“ (المسامرة بشرح المسامرة جلد ۲ ص ۱۳۲) اہل سنت والجماعت کا عقیدہ تمام صحابہؓ کی لازمی طور پر پاکی بیان کرتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی عدالت ثابت کرنے، ان پر کسی قسم کا طعن نہ کرنے اور ان کی مدح و تعریف بیان کرنا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح فرمائی ہے..... اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی تعریف فرمائی ہے۔

علامہ ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) اس عقیدہ کی تصریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

”ومن أصول أهل السنة سلامة قلوبهم والمستهم لأصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم“ (شرح عقیدہ واسطیہ ص ۴۰۳ بحوالہ مقام صحابہؓ ص ۷۹)

اہل سنت کے اصول عقائد میں سے ہے کہ وہ اپنے دلوں اور زبانوں کو صحابہؓ کے معاملے میں صاف رکھتے ہیں۔

امام المنقرین قرطبی (م ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

یہ جائز نہیں کہ کسی بھی صحابی کی طرف قطعی اور یقینی طور پر غلطی منسوب کی جائے۔ اس لیے کہ ان سب حضرات نے اپنے اپنے طرز عمل میں اجتہاد سے کام لیا تھا اور ان سب کا مقصد اللہ کی خوشنودی تھی۔ یہ سب حضرات ہمارے پیشوا ہیں اور میں حکم ہے کہ ان کے باہمی اختلافات میں کتب لسان کریں اور ہمیشہ ان کا ذکر بہترین طریقہ پر کریں کیونکہ صحابہؓ کی حرمت کی چیز ہے اور نبیؐ نے ان کو بد کہنے سے منع فرمایا ہے اور یہ خبر دی ہے کہ اللہ نے انہیں معاف کر رکھا ہے اور وہ ان سے راضی ہے۔ (تفسیر قرطبی جلد ۱۶ ص ۱۲۲)

امام ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

”فهی مردودة علی قائلہا و ناقلہا والمظنن بالصحابة خلاف ما يتوهم كثير من الرافضة وأغبياء القصاص الذين لا تميز عندهم بين صحيح الأخبار وضعفها

وسقیمہا (البدایہ والنہایہ الجزء السابع ص ۱۳۹)

(صحابہ کے خلاف اور ان کے مطاعن پر مشتمل) روایات کو ان کے قائلین اور مقلدین کے منہ پر بھینک دینا چاہیے اور صحابہ سے رافضیوں اور بے قوف قصہ گو حضرات کے اوہام کے خلاف حسن ظن رکھنا چاہیے جنہیں صحیح و ضعیف اور درست و نادرست میں تمیز نہیں۔

علامہ عبدالبواب شعرانی حنفی (م ۹۷ھ) فرماتے ہیں کہ:

”فمن طعن فی الصحابة فقد طعن فی نفس دینہ“ (الیواقیت الجواہر جلد ۲ ص ۲۲۳)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) فرماتے ہیں کہ:

ونكف المستنار عن ذكر الصحابة إلا بخير وهم أئمتنا وقادتنا۔

(العقيدة الحسنة مع عقيدة الطحاوی ص ۹۷)

اور تمام صحابہ کے بارے میں ہم اپنی زبانوں کو روکتے ہیں اور سوائے بھلائی اور خیر کے ان کا ذکر نہیں کرتے۔ وہ دین میں ہمارے پیشوا اور مقتدا ہیں۔

امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ:

یہ ضروری نہیں ہے کہ حضرت امیر (یعنی علیؑ) تمام اجتہادی و اختلافی امور میں حق پر ہوں

اور ان کے مخالف خطا پر۔ (مکتوبات جلد دوم ص ۵۵۔ مکتوب نمبر ۲۶)

حضرت موصوف ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:

اے برادر! اس امر میں بہتر طریق یہ ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کے لڑائی جھگڑوں سے خاموش رہیں۔ ان کی خطا کو بھی زبان پر نہ لانا چاہیے۔ ان کے ذکر خیر کے سوا اور کچھ

نہ بیان کرنا چاہیے۔ (مکتوبات امام ربانی جلد دوم ص ۵۸۲)

علامہ عبدالعزیز فرباروی (م ۱۲۳۹ھ) فرماتے ہیں کہ:

”بہت سے محققین نے ذکر کیا ہے کہ مشاجرات صحابہ کا تذکرہ حرام ہے کیونکہ اندیشہ ہے

کہ اس سے بعض صحابہ کرامؓ سے بدگمانی ہو جائے۔ اس کی تائید اس حدیث مرفوعہ سے ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ:

میرے صحابہ میں سے کوئی شخص کسی کی شکایت نہ پہنچائے کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ میں تمہاری

طرف نگوں تو سب کی طرف سے میرا سینہ صاف ہو۔“ (ابوداؤد عن ابن مسعود)

امام ابولیف کہتے ہیں کہ حضرت امیرؓ ہم نغی سے صحابہ کرامؓ کی باہمی خانہ جنگی کے بارے میں

پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

”یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا۔ کیا اب ہم ان سے اپنی زبانوں کو آلودہ کریں؟...“

اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ ان میں سے جو واقعات ثابت ہیں، ان کی مناسب تاویل کی جائے گی تاکہ عوام کو وساوس و شبہات سے بچایا جائے اور جو لائق تاویل نہ ہوں وہ مردود ہیں اس لیے کہ صحابہ کرامؓ کی بزرگی، ان کی حسن سیرت اور ان کا قبیح حق جو انصوص قاطعہ اور اجماع اہل حق سے ثابت ہے، پس یہ آحاد روایات خصوصاً متعصب اور کذاب رافضیوں کی ان (قطعی نصوص اور اہل حق کے اجماع) کا کس طرح معارضہ کر سکتی ہیں؟...

جاننا چاہیے کہ ہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یا کسی اور صحابی کے بارے میں عصمت کا دعویٰ نہیں کرتے۔ عصمت ملائکہ اور انبیائے کرامؑ کی خصوصیت ہے جیسا کہ علم الکلام میں ان کی تحقیق کی گئی ہے۔ اس کے باوجود انبیائے کرامؑ سے بہت سی باتیں جو سہو یا بطور بشریت ثابت ہوئی ہیں انہیں ”غرض“ کہا جاتا ہے مگر ان کا نام ”ترک افضل“ رکھنا افضل ہے۔

اور اگر کسی صحابی سے کوئی ایسی بات صادر ہو جو ان کے مقام کے لائق نہیں تو یہ بعید ازماکان نہیں اور جب صحابہ کرامؓ کے درمیان مشاجرات رونما ہوئے تو ان کی آپس میں جنگیں بھی ہوئیں سخت کلامی بھی ہوئی اور ایسے امور بھی سرزد ہوئے جن میں تامل کرنے والے کو توحش ہوتا ہے۔

لیکن ہمارا اہل سنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ ایسے امور میں حتی الوسع تاویل کی جائے اور جہاں تاویل ممکن نہ ہو، وہاں روایت کا رو کر دینا واجب ہے اور سکوت اختیار کرنا اور طعن سے گریز کرنا لازم ہے۔ کیونکہ یہ بات قطعی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان اکابر سے مغفرت اور بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے اور حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ آگ ان کو نہیں چھوئے گی۔ اور جو شخص ان پر زبان طعن دراز کرے اس کے بارے میں سخت وعید آئی ہے۔

پس تمام صحابہ کرامؓ سے حسن ظن رکھنا اور ادب و احترام بجالانا ہر مسلمان پر واجب ہے۔ سلف صالحین، اہل حدیث و اصول کا یہی مذہب ہے۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں اسی پر ثابت قدم رکھے۔

اور اکثر لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر نکتہ چینی کرتے ہیں شاید اس میں یہ حکمت ہے کہ ان سے کوئی چیز صادر ہوئی اس لیے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ رہتی دنیا تک ان کے لیے اعمال صالحہ

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین مشاجرات صحابہؓ کا شرعی حکم

کا سلسلہ جاری رہے (کیونکہ جو لوگ ان کی برائی کرتے ہیں وہ غیبت کے مرکب ہیں اس کی پاداش میں ان کی نیکیاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ملتی ہیں۔ اس لیے یہ لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید نہیں کرتے بلکہ درحقیقت اپنی نیکیوں کا تحفہ ان کی خدمت میں پیش کرتے ہیں) اور بہت ممکن ہے کہ ایک چیز کو تم باگوار سمجھو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو۔

(الناہیۃ عن طعن امیر المؤمنین معاویۃ رضی اللہ عنہ ص ۵۔ تحت "فصل فی

النہی عن ذکر المناجر" ص ۲۳۔ تحت "فصل الاجوبۃ عن مطاعنہ")

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی (م ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۷ء) فرماتے ہیں کہ:

... صحابہؓ کے متعلق ان قطعی اور متواتر نصوص اور دلائل عقلیہ و نقلیہ کی موجودگی میں اگر روایات صحیحہ، احادیث کی بھی موجود ہوتیں تو مردود و ماول قرار دی جاتیں چہ جائیکہ روایات تاریخ؟ (مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول ص ۲۶۶)

اہل سنت والجماعت کا اعتقاد ہے کہ صحابہ کرامؓ محض نہ ہونے کے باوجود خطاؤں سے محفوظ تھے اور جن بعض صحابہؓ سے بشری نقائص کے تحت بعض اوقات اگر لغزشیں صادر بھی ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کی معافی کا اعلان کر دیا:

وَلَقَدْ غَفَا عَنْكُمْ ، وَلَقَدْ غَفَا عَنْهُمْ۔ (آل عمران ۱۵۲، ۱۵۵)

فَاَغْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ (آل عمران ۱۵۹)

تمام صحابہ کرامؓ جنتی ہیں "وَمُكَلَّلًا وَعَدَّ اللَّهُ الْحُسْنٰی" (الحمد ۱۰)

جب اللہ تعالیٰ نے اسلام قبول کرنے کی بدولت صحابہؓ کے ساتھ حالت کفر میں شدید ترین عداوت کو بھی باہمی مودت سے بدل دیا ہے (عَمَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّجْعَلَ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَ الدِّیْنِ عَادَیْتُمْ وَمِنْهُمْ مَوْدَّةٌ - الممنحنہ ۷) تو پھر وہ ذات صحابہ کرامؓ کے باہمی نزاعات و مشاجرات (جو حالت اسلام میں پیش آئے) میں پیدا ہونے والی کدورت کو مودت میں کیوں تبدیل نہیں کرے گی؟

اگر بالفرض یہ کدورت دنیا میں ان کی وفات تک دور اور زائل نہ بھی ہوئی ہو تو اللہ تعالیٰ کا اہل جنت کے متعلق یہ اعلان ہے کہ:

وَنَزَعْنَا مَا فِی صُدُورِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّقَابِلِیْنَ ۝ (الحجر ۷۷)

وَنَزَعْنَا مَا فِی صُلُوبِهِمْ مِّنْ غِلٍّ۔ (الاعراف ۲۳)

ہم ان کدورتوں کو ان کے دلوں سے نکال دیں گے اور وہ جنت میں تختوں پر ایک دوسرے

کے سامنے بیٹھے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے عام مسلمانوں کو یہ خوش خبریاں دیں کہ وہ ان کے ”نسیات کو“ حسنات میں بدل دے گا۔ ﴿الْحَسَنَاتُ يُكْفِرَنَّ بِهَا﴾ (سورہ ہودہ: ۱۱)

یقیناً نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔

”وَمَنْ يُضِيقِ اللَّهُ يَكْفِرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ“ (الطلاق ۵)

جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے گناہ مٹا دے گا۔

”قُلْ لَكُمْ يَدِلُّ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ“ (الفرقان ۷۰)

ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا۔

تو کیا وہ صحابہ کرامؓ کی لغزشوں اور خطاؤں کو ”حسنات“ میں تبدیل نہیں کرے گا؟

اللہ تعالیٰ نے تو خصوصیت اور تائید و تائید کے ساتھ ان کے ”سببات“ کو اس انداز کے ساتھ مٹا دینے کا اعلان کیا ہے کہ گویا وہ خطائیں وجود ہی میں نہیں آئی تھیں:

قَالَ الْبَلَدِيُّ خُذُوا مَا خَلَّوْا وَأَخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَوْذَوْا فِي سَبِيلِي وَقَتْلُوا وَقَتْلُوا لَا تَكْفُرْ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَا تَدْخُلْنَهُمْ جَنَّتْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يُرِيبَانِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ۔ (ال عمران ۱۹۵)

اس آیت میں دو کلمات خاص طور پر قابل غور ہیں، ایک ”لَا تَكْفُرْ عَنْهُمْ“ اور دوسرا ”وَلَا تَدْخُلْنَهُمْ“۔ ان دونوں کلمات میں ہر صیغہ فعل مضارع واحد متکلم کا ہے۔ یہ دونوں صیغے دراصل ”لَا تَكْفُرْ“ اور ”لَا تَدْخُلْ“ ہیں۔ دونوں صیغوں کی ابتداء میں قاعدہ صرفیہ کے مطابق ”لام تاکید“ لایا گیا ہے۔ اور دونوں کے اجزاء میں نون ثقیلہ یعنی مشدودہ بھی تاکید کے لیے آیا ہے۔ اس طرح ہر کلمے میں دو تاکیدیں ذکر کی گئی ہیں جس سے آیت میں کل چار تاکیدیں جمع ہو گئیں۔ اس لیے ہر کلمے کے ترجمہ میں دو تاکیدوں کا لحاظ رکھنا چاہیے مثلاً:

”لَا تَكْفُرْ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ“ کا ترجمہ یوں ہونا چاہیے کہ:

میں ضرور بالضرور ان (یعنی صحابہؓ) کی سیئات کو مٹا دوں گا۔ اور

”وَلَا تَدْخُلْنَهُمْ“ کا ترجمہ یوں ہو گا کہ:

اور میں ضرور بالضرور ان (یعنی صحابہ کرامؓ) کو جنت میں داخل کروں گا۔

گویا زیر نظر آیت میں اللہ تعالیٰ نے چار تاکیدات کے ساتھ وعدہ فرمایا کہ میں صحابہؓ کے سیئات کو ضرور بالضرور مٹا دوں گا اور ضرور بالضرور انہیں جنت میں داخل کروں گا۔ اس کے

بعد فرمایا:

”تَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ“ یہ اللہ کی طرف سے ان کے اعمال صالحہ کا نیک بدلہ ہے جس سے وہ سرفراز ہوں گے۔

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ آیت میں تاکیدات کے ساتھ ”تَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ“ استعمال کیا گیا ہے جس کا مادہ اور مصدر ”تَغْفِرُ“ ہے۔ امام راغب اصفہانی ”مکفیر“ کی لغوی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ”تَغْفِرُ کا معنی کسی چیز کا چھپانا اور ڈھانک لینا ہے اس طور پر کہ وہ چیز یا عمل گویا وجود میں ہی نہیں آیا۔“

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ صحابہ کرامؓ کے سیأت کی اس طرح پر وہ پوشی فرمائیں گے کہ گویا ان سے وہ گناہ سرزد ہی نہیں ہوئے۔ پھر ان کے دخول جنت کا وعدہ بھی تاکیدات کے ساتھ کیا گیا ہے اور اگر تاکیدات نہ بھی ہوتیں اور صرف وعدہ ہی ہوتا تب بھی وہ کافی ہوتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے قول اور وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

اس تفصیل سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی ہے کہ صحابہ کرامؓ کی خطاؤں کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر کے ان سے اپنی دائمی رضا اور جنت کا وعدہ کر دیا ہے اس لیے اب کسی بھی فرد کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ان کی خطاؤں کو زبان پر لائے اور ان کا بدائی کے ساتھ تذکرہ کرے۔

یہ ملحوظ رہے کہ یہ ان خطاؤں کا معاملہ ہے جو ”فی الواقع“ خطائیں سمجھی جاتی ہیں جیسے حضرت ماعزؓ، امراۃ غامدیہؓ، حضرت حسانؓ، حضرت مسطحؓ، سیدہ حمزہؓ، حضرت حاطبہؓ کے واقعات لیکن ان حقائق کے باوجود ان خطاؤں کے بارے میں ”کف لسان“ اور ذکر بالخیر کا ہی حکم دیا گیا ہے۔

ان خطاؤں کے برعکس ”مشاجرات“ اور ”اجتہادی اختلافات“ پر تو حقیقت نفس الامری میں بھی گناہ یا خطا کا اطلاق ہرگز نہیں ہو سکتا۔ خلفائے راشدین، ان کے امراء و گورنروں اور دیگر صحابہ و ائمہ مجتہدین میں سے کس کس کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ ان سے کبھی ”خطائے اجتہادی“ سرزد نہیں ہوئی؟ کیا ان کی خطائیں بھی زیر بحث لائی جاتی ہیں؟

پھر معلوم نہیں کہ تمام صحابہ و ائمہ مجتہدین کی اجتہادی خطاؤں کو ”نظر انداز“ کر کے تنجا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کو بدفہم تنقید کیوں بنایا جاتا ہے؟ کیا باقی سب حضرات اپنے اجتہاد میں ہمیشہ ”مصيب“ ہی تھے۔ پھر یہ بھی کوئی قطعی بات نہیں کہ جسے ”مجتہد مصيب“ کہا جائے وہ حقیقت میں بھی مصيب ہو اور جسے ”مجتہد خطی“ کہا جائے وہ حقیقت میں بھی خطی

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

مشاجرات صحابہ کا شرعی حکم

ہو۔ کیونکہ ”مصریب“ قرار دیے جانے کے باوجود ”خطا“ کا احتمال باقی رہتا ہے اور ”خطی“ کہنے کے باوجود ”صواب“ کا احتمال ہو سکتا ہے یعنی ”صواب محتمل الخطا“ اور ”خطا محتمل الصواب“۔ لہذا ایسی صورت میں صحابہ و ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک فریق یا فرد کو پورے یقین کے ساتھ خطی کہنا، کہلوانا اور دوسروں سے جبراً منوانا ”ذکر بالثیر“ اور ”کف لسان“ کے حکم کی صریح خلاف ورزی ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشاجرات صحابہ کے بارے میں امت کو واضح حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

”إِذَا ذَكَرَ أَصْحَابِي فَأَمْسِكُوا“ (طبرانی بحوالہ مکتوبات امام ربانی جلد دوم ص ۵۸۱)

جب میرے صحابہ کا ذکر کرو تو اپنی زبانوں کو بند رکھو۔

”لَا يَأْكُمُ وَمَا شَجَرِ بْنِ أَصْحَابِي“ (حوالہ مذکور)

میرے صحابہ کے درمیان جو جھگڑے ہوئے ہیں ان سے اپنے آپ کو بچاؤ۔

سخت تعجب ہے کہ ہمارے علماء کرام، ائمہ مجتہدین کو ”خطی“ کہنے میں تو ان کی بے ادبی و توہین سمجھتے ہیں لیکن دوسری طرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو موقع بے موقع ”خطی“ کہنے، کہلوانے کو ”حب علی“ کا تقاضا خیال کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ:

”چاروں امام وحدت حق کے قائل ہیں اور ”المجتہد یخطی ویصیب“ کے مذلول کو بھیج جاتے ہیں لیکن تاہم کسی مجتہد کا جھٹ پٹ خطی کا لفظ استعمال کرنے کو زبیا اور خلاف احتیاط سمجھتے ہیں۔۔۔

امام احمد کے اس کلام سے اندازہ کرو کہ ایسے بڑے بڑے جلیل القدر اور رفیع المنزلت ائمہ پر یقین رکھنے کے باوجود کہ ہر مسئلہ میں حق صرف ایک ہی ہو سکتا ہے پھر بھی اپنے مخالف کے تخطیہ میں کس قدر محتاط تھے چنانچہ جو کچھ بھی حسن ظن ائمہ کرام کی نسبت آج باقی ہے وہ ان ہی پاک نفس بزرگوں کی احتیاط اور بے تعصبی اور فراخ دلی اور حسن تدبیر کا نتیجہ ہے۔“ (بدیہ سنیہ ص ۴۰، ۴۱)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو معارف القرآن جلد دوم ص ۱۴۲-۱۴۳، جلد ۸ ص ۳۸۲

اگر امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور دیگر ائمہ مجتہدین کے تخطیہ کے بارے میں یہ احتیاط ملحوظ رکھی جاسکتی ہے تو کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کم از کم یہ سلوک روا نہیں رکھا جاسکتا؟

کاش کہ بسلسلہ ”مشاجرات“ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی حسن ظن اور ادب و احتیاط کا ”کم از کم“ وہی سلوک ملحوظ رکھ لیا جاتا جو ائمہ مجتہدین کے ساتھ روا رکھا گیا ہے۔ لیکن یہاں تو اس سلوک کے بالکل ہی برعکس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ”خاطی“ ثابت کرنے کے لیے ”خارجی فتنہ“ جیسی بڑی بڑی ضخیم کتابیں تصنیف کی گئی ہیں۔

مذکورہ تفصیل سے ”مشاجرات صحابہ“ کا شرعی حکم واضح ہو گیا ہے کہ اصحاب پیغمبر کا ذکر ہمیشہ ”بالتیغ“ ہی کرنا چاہیے اور ان کے باہمی اختلافات و مشاجرات کے بارے میں ”امساک“، توقف اور سکوت اختیار کرنا چاہیے کیونکہ اسی صورت میں ایمان کی سلامتی اور صحابہ کے بارے میں ہر طرح کی بدظنی سے حفاظت ہے۔

جب کہ اس کے بالمتقابل صحابہ کا تخطیہ اہل سنت والجماعت کا اصل مذہب نہیں ہے بلکہ ایک رخصت اور ”مُخْلَص“ ہے۔ یعنی اصل تو یہی ہے کہ صحابہ کرام کی مشاجراتی اور اجتہادی خطا کو بھی زبان پر نہ لایا جائے لیکن اگر کسی وقت کسی ضرورت شرعیہ و شدیدہ کی وجہ سے یہ موضوع زیر بحث آ بھی جائے تو اجتہادی خطا و ضوابط سے زیادہ کوئی لفظ ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔

محقق اہل سنت، سابق شیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی صاحب اپنے شاگرد رشید مولانا ظہور الہی صاحب کے نام ایک خط میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

”سیدنا و مولانا حضرت علیؑ سے متعلق بالکل میرا وہی عقیدہ ہے جو اصولی طور پر اہل السنۃ والجماعت کا ہے اس مسئلہ میں میری کوئی الگ رائے ہرگز نہیں ہے البتہ اپنے دوسرے اور چھوٹے سردار اور مولیٰ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو ادھر ادھر کی باکی جاتی ہیں ان سے میں ضرور بیزار ہوں۔ ان کو جائز، عادل عن الحق، ظالم، تارک القرآن والحدیث اور باغی طاغی کہنا تو بہت دور کی بات ہے میں تو ان کو ”خاطی“ کہنے کے لیے بھی تیار نہیں بلکہ حضرت علیؑ کی طرح ان کو بھی مصیب ہی سمجھتا اور کہتا ہوں۔ اگر یہ ”جرم“ ہے تو اس ”جرم“ سے میں باز نہیں آ سکتا۔“

باری تعالیٰ امت مسلمہ کو جملہ صحابہ کرامؓ بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوئے ظن اور بدگمانی سے بچا کر کامل حسن ظن نصیب فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے

مآخذین کا شرعی حکم سے تجاوز

گزشتہ بحث میں قرآن، حدیث، کتب عقائد اور سلف صالحین کی تصریحات کی روشنی میں یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ صحابہ کرامؓ کا ذکر ہمیشہ ”بالنہی“ ہی کرنا چاہیے اور مشاجرات صحابہؓ کے بارے میں اول تو ”مساک“ وقفہ اور سکوت“ ہی ”احوط، اسلم، اتوبی، احسن، سلامتی ایمان اور بدظنی سے حفاظت ہے۔ لیکن اگر کسی وقت کسی ضرورت شرعیہ و شدیدہ کی وجہ سے اس مضموع پر کلام کرنا پڑی جائے تو بطور ”تخصیص اور مخلص“ اجتہادی خطا و صواب کا پہلو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

زیر نظر کتاب میں ”سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مآخذین“ کی فہرست میں جن حضرات کے نام آئے ہیں ان میں سے بعض تو یقیناً سنیت کے لہادے میں ”رفض و تفہیلیت“ کے ناسندے ہیں جب کہ اکثر حضرات اہل سنت والجماعت کے مساطین میں شامل ہیں لیکن انہوں نے شعوری یا غیر شعوری طور پر بالکل بے موقع و بے محل اور بلا ضرورت شرعیہ و شدیدہ بلکہ بعض ایسے امور میں بھی جن کا سرے سے مشاجرات صحابہؓ کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو شدید ترین تنقید کا نشانہ بنایا ہے جو یقیناً ”مشاجرات صحابہؓ کے شرعی حکم“ سے انحراف کے زمرے میں آتا ہے۔ بعض حضرات، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت و منقبت بیان کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین و تنقیص کے مرتکب ہوئے ہیں جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین و تنقیص کے بغیر بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ بیان کیا جاسکتا تھا۔ یہ وہی انداز ہے جو محمود احمد عباسی اور ”مجلس عثمان غنیؓ گراچہ“ سے وابستہ حضرات نے اختیار کیا ہے جس میں انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی توہین و تنقیص کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان و منزلت بیان کی ہے۔

حالانکہ نہ حضرت علیؓ کے دفاع کے لیے حضرت معاویہؓ کی تنقیص کی ضرورت تھی اور نہ ہی حضرت معاویہؓ کو اپنے مقام و مرتبہ پر رکھنے کے لیے حضرت علیؓ کی تعریف و توہین کی کوئی ضرورت۔ یہ دونوں امور اہل السنۃ والجماعت کے دائرے سے باہر ہیں جو ”سب صحابہؓ“ میں شامل ہیں۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقلدین مقلدین کا شرعی حکم سے تجاوز

یہ ملحوظ رہے کہ حدیث میں ”سب صحابہ“ کی جو ممانعت آئی ہے اس سے مراد گالیاں دینا نہیں بلکہ ہر ایسا تنقیدی کلمہ ہے جو صحابہ کرامؓ کے استخفاف میں کہا جائے۔

شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی (م ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء) فرماتے ہیں کہ:

”یہ ماکارہ عرض کرتا ہے کہ جس طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرات خلفائے راشدینؓ سے کوئی نسبت نہیں، اسی طرح بعد کے لوگوں کو خواہ وہ کتنے ہی بلند و بالا ہوں، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کوئی نسبت نہیں۔ اگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین کے مقابلہ میں فروتر نظر آتے ہیں تو بعد کے لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں مغر نظر آتے ہیں۔ اگر (بالفرض) وہاں آسمان وزمین کا فاصلہ ہے تو یہاں عرش سے تحت الارض تک کا فاصلہ ہے۔“

الغرض جس طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقابلہ خلفائے راشدینؓ سے کرنا بوجہی ہے اسی طرح مقلدین معاویہؓ کا ان کو اپنے اوپر قیاس کرنا بھی کچھ کم بوجہی و ستم ظریفی نہیں۔

ان مقلدین میں آخر کون ہے جس کو بحالت ایمان زیارت نبویؐ کا شرف حاصل ہوا ہو اور جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نمازیں پڑھنے کی سعادت میسر آئی ہو؟ ایسا کون ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب اور برادر نسبتی ہونے کا فخر حاصل ہو؟ ایسا کون ہے جس کے حق میں ہادی و مہدی ہونے کی دعا ہو؟“ (شیعہ سنی اختلافات اور صراط مستقیم ص ۴۱۶-۴۱۷)

سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی صحابہ کرامؓ پر شدید ترین تنقید پر مبنی کتاب ”خلافت و ملوکیت“ کی اشاعت کے بعد مولانا سید محمد یوسف بنوری صاحب نے ماہنامہ جہان (محرم ۱۳۹۰ھ) کے ادارہ میں ”عصمت انبیاء علیہم السلام اور حرمت صحابہ“ کے عنوان سے ایک انتہائی اہم مضمون سپر قلم فرمایا تھا جو حافظ صلاح الدین یوسف صاحب کی تالیف لطیف ”خلافت و ملوکیت کی تاریخی اور شرعی حیثیت“ (صفحہ نمبر ۵۵ تا ۶۷) اور علامہ خالد محمود کی کتاب ”خلفائے راشدین“ (حصہ اول صفحہ نمبر ۱۶۹) میں بطور ”مقدمہ“ شائع ہوا۔

مذکورہ مضمون کی اہمیت کے پیش نظر اسے ”تحریک خدام اہل سنت والجماعت“ چکوال نے بھی مولانا محمد بنوری اور مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی باقاعدہ اجازت (۱۶- ذی قعدہ ۱۳۹۷ھ) سے ۳۲ صفحات پر مشتمل ایک پمفلٹ کی صورت میں شائع کیا۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رقم طراز ہیں کہ:

”مقام صحابہؓ کی اس سے بڑھ کر نزاکت اور کیا ہو سکتی ہے کہ امت کو اس بات کا پابند کیا گیا کہ

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدین

ماقدین کا شرعی حکم سے تجاوز

ان کی عیب جوئی کرنے والوں کو نہ صرف ملعون و مردود سمجھیں بلکہ یہ ملا اس کا اظہار کریں۔ فرمایا...
جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہتے ہیں اور انہیں ہدف تنقید بناتے ہیں تو ان سے کہو تم میں سے یعنی صحابہ اور اقدین صحابہ میں سے جو برا ہے اس پر اللہ کی لعنت (ظاہر ہے کہ صحابہ کو برا بھلا کہنے والا ہی بدتر ہوگا)

یہاں تمام احادیث کا استیعاب مقصود نہیں بلکہ کہنا یہ ہے کہ ان قرآنی و نبوی شبہاتیوں کے بعد بھی اگر کوئی شخص حضرات صحابہ کرام میں عیب نکالنے کی کوشش کرے تو اس بات سے قطع نظر کہ اس کا یہ طرز عمل قرآن کریم کے نصوص قطعیہ اور ارشادات نبوت کے (انکار کے مترادف ہے یہ لازم آئے گا کہ حق تعالیٰ نے نبی کریم پر جفرائض بحیثیت مقصد نبوت کے عائد کیے تھے اور جن میں اعلیٰ ترین منصب تزکیہ نفوس کا تھا، گویا حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جفرائض منصبی کی بجائے اور یہی سے قاصر رہے اور صحابہ کرام کا تزکیہ نہ کر سکے اور یہ قرآن کریم کی صریح تکذیب ہے۔ حق تعالیٰ تو ان کے تزکیہ کی تعریف فرمائے اور ہم انہیں مجروح کرنے میں مصروف رہیں۔ اور جب نبی کریم ان کے تزکیہ سے قاصر رہیں تو گویا حق تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب صحیح نہیں فرمایا تھا۔ **فَاللّٰهُ !**

بات کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کے انتخاب میں قصور نکلا تو اللہ تعالیٰ کا علم غلط ہوا۔ **نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْغَوَايَةِ وَالْمَفَاحِظَةِ...**

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بعد کی امت کے لیے حق و باطل کا معیار ہیں۔ انہیں معیت نبوت کا جو شرف حاصل ہوا، اس کے مقابلہ میں کوئی بڑی سے بڑی فضیلت ایک جوہ کے برابر بھی نہیں۔ کسی بڑے سے بڑے ولی اور قطب کو ان کی خاک پا بننے کا شرف حاصل ہو جائے تو اس کے لیے مایہ صد افتخار ہے۔ اس لیے امت کے کسی فرد کا خواہ وہ اپنی جگہ مفکر دوران اور علامہ زمان ہی کہلاتا ہو ان پر تنقید کرنا قلبی زلیغ کی علامت ہے...

اہل حق کی شان تو یہ ہے کہ اگر ان کے قلم و زبان سے کوئی نامناسب لفظ نکل جائے تو تنبیہ کے بعد فوراً حق کی طرف پلٹ آئیں...

(مولانا یوسف لدھیانویؒ نے حضرت بنوری کی محولہ حدیث ”اِذَا رَأَيْتُمُ الذِّنِّينَ يَمْسِكُونَ اَصْحَابِي فَقُولُوا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰی سُرُكُم“ کے تحت حسب ذیل ”توضیحی نوٹ“ دیا ہے:)

۱۔ حدیث میں سب سے بڑی گالیاں دینا مراد نہیں بلکہ ہر ایسا تنقیدی کلمہ مراد ہے جو ان حضرات کے استخفاف میں کہا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ پر تنقید اور نکتہ چینی جائز نہیں بلکہ

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدین
وہ قائل کے ملعون و مطر و دہونے کی دلیل ہے۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کو اس سے ایذا ہوتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کو ایذا دینے میں حیط اعمال کا خطرہ ہے۔
۳۔ صحابہ کرام کی مدافعت کرنا اور ماقدین کو جواب دینا ملت اسلامیہ کا فرض ہے۔

(فاتی الامر للوجوب)

۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ ماقدین صحابہ کو ایک ایک بات کا تفصیلی جواب دیا جائے کیونکہ اس سے جواب اور جواب الجواب کا ایک غیر مختتم سلسلہ چل نکلے گا۔ بلکہ یہ تلقین فرمائی کہ انہیں بس اصولی اور فیصلہ کن جواب دیا جائے اور وہ ہے ”تَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى شَرِّكُمْ“ ”شَرِّكُمْ“ اسم تفصیل کا عینہ ہے جو مشاکلت کے طور پر استعمال ہوا ہے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ماقدین صحابہ کے لیے ایسا کنایہ استعمال فرمایا ہے اگر وہ اس پر غور کریں تو ہمیشہ کے لیے تنقید صحابہ کے روگ کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اتنی بات تو بالکل کھلی ہے کہ صحابہ کیسے ہی ہوں مگر تم سے تو اچھے ہی ہوں گے۔۔۔۔۔ تم میرے صحابہ کو لاکھ برا کو گمراہ پنے ضمیر کا دامن جھنجھوڑ کر بتاؤ! اگر ان تمام سعادتوں کے بعد بھی میرے صحابہ برے ہیں تو کیا تم ان سے بدتر نہیں ہو؟ اگر تم میرے صحابہ کو بدنام کرتے ہو تو کیا میرا خدا تمہیں سر محشر سب کے سامنے رسوا نہیں کرے گا؟ اگر تم میں انصاف اور حیا کی کوئی رُق باقی ہے تو اپنے گریبان میں جھانکنا اور میرے صحابہ کے بارے میں زبان بند کرو۔ اور اگر تمہارا ضمیر بالکل مسخ ہو چکا ہے تو بھری دنیا یہ فیصلہ کرے گی کہ کیا میرے صحابہ پر تنقید کا حق ان کہتوں کو حاصل ہونا چاہیے۔۔۔۔۔

۶۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تنقید صحابہ کا منشا نقد کا نفسیاتی شر اور جبث و تکبر ہے۔ آپ جب کسی شخص کے طرز عمل پر تنقید کرتے ہیں تو اس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ کسی صفت میں وہ آپ کے نزدیک خود آپ کی اپنی ذات سے فروتر اور گھٹیا ہے۔۔۔۔۔ یہ ہے تکبر کا وہ ”شر“ اور نفس کا وہ جبث جو تنقید صحابہ پر ابھارتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی ”شر“ کی اصلاح اس حدیث میں فرمانا چاہتے ہیں۔

۷۔ حدیث میں بحث و مجادلہ کا ادب بھی بتایا گیا ہے یعنی خصم کو براہ راست خطاب کرتے ہوئے یہ نہ کہا جائے کہ تم پر لعنت۔ بلکہ یوں کہا جائے کہ تم دونوں میں جو برا ہو اس پر لعنت۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مائدین

مائدین کا شرعی حکم سے تجاوز

ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسی متغافلہ بات ہے جس پر سب کو متفق ہونا چاہیے۔ اس میں کسی کے برہم ہونے کی گنجائش نہیں۔

اب رہا یہ قصہ کہ تم دونوں میں ”برا“ کا مصداق کون ہے؟ خوفناقد؟ یا جس پر وہ تنقید کر رہا ہے؟ اس کا فیصلہ کوئی مشکل نہیں، دونوں کے مجموعی حالات سامنے رکھ کر ہر معمولی عقل کا آدمی یہ نتیجہ آسانی سے نکال سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی برا ہو سکتا ہے یا اس کا خوش فہم مائد؟

۸۔ حدیث میں ”فقہولوا“ کا خطاب امت سے ہے؛ گویا مائدین صحابہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت نہیں سمجھتے بلکہ انہیں امت کے مقابل فریق کی حیثیت سے کھڑا کرتے ہیں اور یہ مائدین کے لیے شدید وعید ہے؛ جیسا کہ بعض دوسرے معاصی پر ”قلبس“ مناسبتی وعید سنائی گئی ہے۔
۹۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح ماموس شریعت کا اہتمام تھا اسی طرح ماموس صحابہ کی حفاظت کا بھی اہتمام تھا کیونکہ ان ہی پر سارے دین کا مدار ہے۔

۱۰۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مائدین صحابہ کی جماعت بھی ”مارقین“ سے ہے جن سے جہاد باللسان کا حکم امت کو دیا گیا ہے۔ یہ مضمون کئی احادیث میں صراحتاً بھی آیا ہے۔ (عصمتِ نبیاء و حرمت صحابہ ص ۲۲۲-۲۲۱ مطبوعہ تحریک خدام اہل سنت مدنی جامع مسجد چکوال)

ایک مرتبہ ابو سعید خدریؓ ٹیک لگائے بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص میں کوئی بات کہی تو وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے پھر انہوں نے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا جس نے حضرات انصاریؓ کی ”جہو“ کی تھی۔ اسے حضرت عمرؓ کے پاس پکڑ کر لایا گیا تو حضرت عمرؓ نے ان لوگوں سے کہا کہ اگر اس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل نہ ہوتی تو مجھے معلوم نہیں کہ اس نے کیا ”جہو“ یا تنقیص کی ہے تو میں تم سب کی طرف سے اسے کافی ہوتا لیکن اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہے۔

حضرت عمرؓ نے اس صحبت کی وجہ سے اسے عتاب کرنے میں بھی توقف کیا چہ جائیکہ اسے مزا دیتے (وقد لنوقف عمر عن معاتبته فضلاً عن معاقبته)

اس واقعہ میں اس بات کی بڑی واضح دلیل ہے کہ خلفائے راشدین کا یہ اعتقاد تھا کہ شرف صحابیت کے برابر کوئی چیز نہیں۔

(الاصابہ لابن حجر عسقلانی ص ۱۱-۱۲ طبع بیروت، لبنان ۱۳۲۸ھ)

حضرت ابو سعید خدریؓ نے اس واقعہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص کرنے والے

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدین ماقدین کا شرعی حکم سے تجاوز

کو انتباہ کیا کہ حضرت عمرؓ نے ”شرف صحابیت“ کا لحاظ کرتے ہوئے سزا دینا تو دور کی بات ہے انہیں قابل عقاب بھی نہ سمجھا۔ لہذا اگر کوئی غیر صحابی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یا کسی بھی صحابی کو ہدف تنقید بنائے گا تو وہ ”عقاب و عقاب“ کا مستحق ہوگا۔

غیر متعصب، غیر جانبدار اور شخصیت پرستی سے پاک قارئین کرام ہی فیصلہ فرمائیں کہ کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین و تنقیص، یعنی بعض اساطین اہل سنت والجماعت کے حسب ذیل کلمات ”اکرموا اصحابی“، ”ذکرہ الخیر“ اور ”کشف لسان“ کے حکم میں آتے ہیں؟

”ایک شخص نے محدث عبدالرزاق م ۲۱۱ھ (راوی صحیح بخاری) کے سامنے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا تو موصوف نے فرمایا کہ:

ہماری مجلسوں کو ابوسفیان کے بیٹے کے ذکر سے گندہ نہ کرو۔

امام محمد بن جریر بن یزید (سنی) طبری (م ۳۱۰ھ) حضرت عمر، حضرت سعد بن عبادہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت عمرو بن العاص اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہم کی شدید توہین و تنقیص کے علاوہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسم گرامی کے ساتھ جابجا نہ صرف ”لعنہ اللہ“ کے الفاظ نقل کرتے ہیں بلکہ ان کے خلاف خلیفہ مامون عباسی کا تیار کردہ موجبات لعن و طعن پر مشتمل ایک رسالہ بھی منظر عام پر لے آئے جس میں حضرت معاویہؓ پر لعن و طعن کے دلائل بیان کرنے کے ساتھ ساتھ آخر میں یہ بدو عاب بھی نقل کی گئی ہے: اللہم العن اباسفیان بن حرب و معاویہ ابنہ ...“ (تفصیل آگے اپنے مقام پر ملاحظہ فرمائیں)

امام ابو بکر ہصاح رازی م ۳۷۰ھ فرماتے ہیں کہ:

عبدالملک اور حجاج سے بڑھ کر پورے عرب میں اور آل مروان میں کوئی کافر، ظالم اور فاجر نہیں، نیز معاویہ، عبدالملک اور حجاج کی مثل ہے۔

معاویہ ”لابنال ظلمین“ کی رو سے امامت، خلافت اور امارت کا مستحق نہیں، معاویہ ایک مغلوب حکمران تھا، حضرت علیؓ، حضرت حسنینؓ اور دیگر صحابہ و تابعین معاویہ سے دوستی و محبت نہیں رکھتے تھے بلکہ اس پر لعنت و تہرا اور اس سے نفرت کرتے تھے، ”لعمۃ الکفر“ میں ابوسفیان اور ان کا گروہ شامل تھا۔

محدث امام حاکم ذیثی پوری م ۴۰۵ھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے پیروکاروں سے سخت مخرف اور بیزار تھے جس کا کوئی عذر بیان نہیں کیا جاسکتا اور علانیہ کہتے تھے کہ میرے دل میں اس شخص کی محبت نہیں آ رہی۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقلدین

مقلدین کا شرعی حکم سے تجاوز

امام ربان الدین مرغینانی م ۵۹۳ھ صاحب ہدایہ کے نزدیک حضرت معاویہؓ ”سلطان جائز“ تھے، علامہ سعد الدین تفتازانی م ۹۲۷ھ فرماتے ہیں کہ:

تعلیم لفظ علی سے ماخوذ ہے کہ اس میں ”علو“ یعنی سر بلندی کا مفہوم پایا جاتا ہے اور اہانت لفظ معاویہ سے ماخوذ ہے کیونکہ وہ ”عوی“ سے مشتق ہے اور وہ بھیڑیے اور کتے کا بھونکنا ہے، معاویہ فاسد تاویل کرتا تھا۔ اول جس نے اسلام میں بغاوت کی ہے وہ معاویہ ہے۔

میر سید شریف جرجانی م ۸۱۶ھ کے نزدیک حضرت علیؓ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین اختلافات اجتہادی نہیں تھے۔

مولانا عبدالرحمن جامی م ۸۹۸ھ کے نزدیک بھی یہ خطائے اجتہادی نہیں بلکہ ”خطائے منکر“ یعنی ناپسندیدہ خطائی تھی۔

ملا علی قاری حنفی م ۱۰۱۴ھ کے نزدیک:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خطی، باغی، طاغی، حضرت علیؓ کے مفرمان اور حکم عدول تھے۔ انہوں نے منفی خلافت کی طلب و خواہش ترک نہیں کی، ظاہری ہی نہیں بلکہ باطنی اور حقیقی بغاوت اختیار کی، قصاص عثمانؓ کا لبادہ ریاکارانہ طور پر اوڑھا اور انہوں نے قرآن وحدیث دونوں کے احکام ترک کر دیے۔ انصاف اور اعتدال یہ ہے کہ معاویہ کو مذکورہ امور کا مرتکب سمجھا جائے۔

شیخ عبدالحی محمد ثوبلوی م ۱۰۵۲ھ فرماتے ہیں کہ:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد بن ابیہ کو اپنے نسب میں شامل کر کے احکامات رسالت مآبؐ کی نفی کی، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گورنر عمرو بن العاص اور مغیرہ بن شعبہ غزوؤں ”فسادی“ تھے، مدینہ منورہ میں مسلم بن عقبہ (جس کے ہاتھوں واقعہ حرہ میں عصمت دری، قتل وغارت، مسجد نبویؐ اور مدینہ النبیؐ کی پامالی کے جو واقعات رونما ہوئے) کی تقرری کی وصیت بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔ نیز بیعت معاویہؓ، ”بیعت نہالیت“ تھی۔

ملا جیون م ۱۱۳۰ھ صاحب نور الانوار نے ایک فیصلے کے حوالے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف ”جہل باطل“ کی نسبت کی ہے جو آخرت میں عذر کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

تیسری وقت قاضی ثناء اللہ پانی پتی م ۱۲۲۵ھ فرماتے ہیں کہ:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باغی اور باطل پر تھے اور ان کی خلافت بھی اہل حل وعقد کے اجتہاد اور مشورہ سے قائم نہیں ہوئی تھی۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین ماقدرین کا شرعی حکم سے تجاوز

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی م ۱۲۳۹ھ فرماتے ہیں کہ:

حضرت معاویہؓ امام وقت کی اطاعت چھوڑ کر حق پر نہیں رہے، باغی کا کردار ادا کرتے رہے، اہل سنت انہیں ’امام‘ یا ’خلیفہ‘ نہیں کہتے بلکہ وہ (من شر الملوک) بادشاہ تھے، انہوں نے مردود زمانہ زیادہ دن ایسے کو اپنے نسب میں شامل کر کے شریعت کے ایک مسلم قاعدے کی خلاف ورزی کی۔ چونکہ بغاوت بھی گناہ کبیرہ ہے لیکن اس کے باوجود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعنت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اہل سنت کے نزدیک گناہ کبیرہ کے مرتکب پر لعن جائز نہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سعدؓ کو حکم دیا کہ وہ حضرت علیؓ پر ”سب“ کریں۔ بعض طرف داران معاویہ رضی اللہ عنہ یہاں تاویل کرتے ہیں بہتر یہی ہے کہ ان کو مرتکب کبیرہ کا جاننا چاہیے لیکن زبان طعن و لعن بند رکھنا چاہیے، محققین اہل حدیث کے نزدیک مطالبہ قصاص عثمانؓ و جنگ صفین وغیرہ جیسی حرکات شائبہ نفسانی سے خالی نہ تھے۔ یہ حرکات اموی تعصب کی بناء پر صادر ہوئیں جس کا غایت نتیجہ یہی ہے کہ وہ مرتکب کبیرہ اور باغی قرار دیے جائیں۔

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی م ۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء فرماتے ہیں کہ:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہر چند بظاہر حکمین میسر آئی لیکن حقیقت میں وہ حکمین دین نہ تھے، خلفائے اربعہ کے اطوار و انداز اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اطوار اور انداز میں زمین و آسمان کا فرق تھا، ان کا طور ملوک کا سا تھا، اہل سنت ان کو صحابی سمجھتے ہیں لیکن خلفاء میں نہیں سمجھتے، ملوک میں شمار کرتے ہیں، اگر کسی نے خلیفہ کہہ بھی دیا تو اس لفظ میں کچھ بزرگی نہیں اس کے معنی فقط جانشین ہیں سو تمہی کہو اس میں کیا بزرگی ہے اگر کسی نیک آدمی کی جگہ کوئی بد معاش بیٹھ جائے تو اس کو جانشین تو ضرور کہیں گے پر اس میں کچھ بزرگی نہ نکلے گی ہاں لفظ راشد بزرگی پر دلالت کرتا ہے جب کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، یزید پلید اور عبدالملک وغیرہ کو سینوں میں کوئی ایک بھی خلیفہ راشد نہیں سمجھتا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس باب میں نہ خلیفہ راشد ہیں نہ خلف ہیں۔

استخلاف یزید کے معاملہ میں حضرت معاویہؓ پر ترک افضل کا گناہ نہیں تھوپا جاسکتا کہ امیر معاویہؓ کے ساتھ کالم گلوچ سے ہم پیش آئیں اور پھر ہم امیر معاویہؓ کو جلیل القدر صحابہ میں شمار نہیں کرتے کہ افضل اور اولیٰ کے ترک کرنے کے باعث ان جیسے معاملات میں ہم ان کی طرف سے معذرت پیش کریں۔

قطب العالم مولانا رشید احمد گنگوہیؒ م ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء فرماتے ہیں کہ:

اور معاویہؓ کا محاربہ حضرت امیرؓ کے ساتھ جو ہوا تو اہل سنت اس کو کب بھلا اور جائز کہتے

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقلدین

ماقدین کا شرعی حکم سے تجاوز

ہیں، ذرا کوئی کتاب اہل سنت کی دیکھی ہوتی۔ اہل سنت ان کو اس فعل میں خاطی کہتے ہیں مگر معاویہ اس خطا کے سبب ایمان سے نہیں نکل گئے، فسق و گناہ کبیرہ سے مسلمان کافر نہیں ہوتا اور حضرت امیر کا قصہ مشہور ہے کہ معاویہؓ اور ان کے ساتھ والوں کو آپؐ نے لعن نہیں کرنے دیا اور منع لعن سے فرمایا اگر کافر ہوتے تو کیا بچہ منع لعن کی ہوتی۔ البتہ اس میں بسبب شبہ دتا ویل کچی آگئی تھی اور یہ خود بخود ہے کہ گناہ کرنے سے اسلام کامل نہیں رہتا نہ یہ کہ بالکل اسلام سے خارج ہو جائے۔ سو اس نص سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ حرب معاویہ سے خطا ہوئی مگر بتاویل۔

خاتمہ الحمد شین علامہ محمد انور شاہ کاشمیری ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۲ء فرماتے ہیں کہ:

امام بخاری اپنی صحیح بخاری میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں یہ روایت لائے ہیں جس میں بتایا گیا ہے کہ ایک غلام نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے حضرت معاویہؓ کے متعلق یہ شکایت کی کہ انہوں نے ایک رکعت وتر ادا کی ہے تو ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ انہوں نے درست کیا ہے کیونکہ وہ صحابی اور مجتہد ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ اس ”تقصویب“ سے اختلاف کرتے ہوئے جواباً حضرت ابن عباسؓ ہی سے مروی طحاوی کی روایت پیش کرتے ہیں جس کے مطابق حضرت ابن عباسؓ نے ”تقصویب“ نہیں کی بلکہ فرمایا:

”من أين ترى أخذها الحمار؟“ اس گدھے نے ایک رکعت کہاں سے لے لی؟

حالانکہ رکعات وتر میں اختلاف فقہی اور اجتہادی ہے اور اس نوعیت کے اختلاف میں ادب و احترام ملحوظ رکھا جاتا ہے اور ”حمار“ کہنا یقیناً اس کے منافی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ اس ”حمار“ والی روایت کو صحیح سمجھ کر صحیح بخاری کی روایت کے جواب میں معرض استدلال میں لائے ہیں۔

مولانا شاہ عین الدین احمد ندوی م ۱۳۹۴ھ / ۱۹۷۴ء فرماتے ہیں کہ:

ابن عمر رسول خلیفہ راشد علی المرتضیٰ اور امیر شام کا مقابلہ ہی کیا؟

جہ اغ مردہ کجا، شیخ آفتاب کجا۔

امیر معاویہؓ ایک دنیوی حکمران تھے اور ان کی حکومت دنیوی بادشاہت تھی، امیر معاویہؓ میں یقیناً کمزوریاں تھیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں ان کی ناحق صف آرائی اور اس میں کامیابی کے لیے ہر طرح کے جائز و ناجائز وسائل کا استعمال، حضرت علیؓ پر سب و شتم کی رسم، ینبیکہ والی عہدی یہ سب ان کی ایسی کھلی ہوئی غلطیاں ہیں جن سے کوئی حق پرست انکار نہیں کر سکتا۔

مولانا ابوالکلام آزاد م ۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۸ء فرماتے ہیں کہ:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین ماقدرین کا شرعی حکم سے تجاوز

قَالَ ابْنُ الشَّرِبَاءِ وَأَبْنُ الشَّرَحِ

وَأَبْنُ مَعَاوِيَةَ مَنْ عَلِيٌّ

موصوف کی حضرت معاویہؓ پر طعن اور تہرا کی تفصیل زیر نظر کتاب میں اپنے مقام پر ملاحظہ فرمائیں۔

امام اہل سنت مولانا عبد الشکور لکھنوی م ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۲ء فرماتے ہیں کہ: حضرت علی مرتضیٰ سابعین اولین کی پہلی صف کے اکابر میں ہیں اور حضرت معاویہؓ اگرچہ صحابی ہونے کی حیثیت سے ہمارے سرتاج ہیں لیکن حضرت علی مرتضیٰؓ سے ان کو کیا نسبت؟ ان کی مجلس میں اگر صرف نعال (جوتوں کی صف) میں بھی حضرت معاویہؓ جو گھل جائے تو ان کے لیے سعادت اور باعث فخر ہے۔

سید قطب (م ۱۹۶۶ء) نے بھی اپنی کتاب ”العدالة الاجتماعية في الاسلام“ میں حضرت عثمان، حضرت عمرو بن العاص، حضرت حند اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہم کو خوب ہدف تنقید بناتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ”سبائیہ“ کے عائد کردہ تمام الزامات نقل کر دیئے کہ ان کی خلافت ”ملک عوض“ میں شامل ہے اور انہوں نے صحابہ و تابعین کو ڈرا دھمکا کر، دھونس دھاندلی اور مال کے ذریعے یزید کی بیعت پر آمادہ کیا۔

ابوحنیفہ ثانی مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی م ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۲ء فرماتے ہیں کہ: حضرت معاویہؓ نے یزید کے لیے بیعت لینے میں غلطی کی۔ لیکن اس غلطی کے باوجود یزید کے اعمال و افعال کی ذمہ داری ان پر عائد نہ ہوگی۔ اس لیے حضرت معاویہؓ کی شان میں گستاخی اور درشتی نہیں کرنی چاہیے۔

(ظاہر ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس غلط کام کی صحابہ و تابعین کی غالب ترین اکثریت نے تائید، حمایت و توثیق کی تھی۔ چودہ صدیاں بعد معلوم ہوا کہ سب نے غلط کام کیا تھا) مناظر اسلام مولانا محمد امین صفدر راو کاڑوی م ۱۴۲۱ھ / ۲۰۰۰ء فرماتے ہیں کہ:

یزید نو جوانی میں ہی شراب پیتا تھا اور نو جوانوں والی حرکتیں کرتا تھا۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو علم ہوا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نرمی سے نصیحت فرمائی کہ:

بیٹا ایسے کام نہ کرو جس سے مروت ختم ہو جائے، دشمن خوش ہوں، دوست بد سمجھیں اور فرمایا کم از کم دن بھر ایسی باتوں سے صبر کیا کرو اور جب رات آتی ہے تو رقیب کی آنکھ بند ہو جاتی

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

ماقدین کا شرعی حکم سے تجاوز

ہے۔ کتنے فاسق ہیں کہ دن عبادت میں گزارتے ہیں اور رات لذت و عیش میں گزارتے ہیں۔

(کوئی کمزور اور فاسق باپ بھی اپنے بیٹے کو اس طرح کی نصیحت نہیں کر سکتا چہ جائیکہ ایک جلیل القدر صحابی اور فاتح عرب و غم و خلیفہ وقت...؟)

قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین م ۱۴۲۲ھ / ۲۰۰۲ء فرماتے ہیں کہ:

از روئے نص قرآنی حضرت علیؓ کی بیروی حضرت معاویہؓ پر لازم ہے لیکن بجائے بیروی کے انہوں نے مخالفت کی اور صرف زبانی مخالفت نہیں کی بلکہ بجائے اطاعت کے قتال کیا خواہ دفاعی ہو تو اس صورت میں حضرت معاویہؓ کے موقف کو کون صحیح کہہ سکتا ہے؟ اس عدم اطاعت کی وجہ سے وہ رضائے الہی سے محروم ہو کر تیسرے طبقے سے بھی خارج ہو گئے، حضرت معاویہؓ نص قرآنی کے مخالف، باغی اور خاطی تھے۔ وغیرہ۔

ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی (م ۱۴۲۶ھ) نے سیدنا ابوسفیانؓ، سیدہ ہندؓ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو شدید ترین تنقید کا نشانہ بنایا کہ کہہ بلا کا واقعہ، نواسیہ اور بنو ہاشم کی دیرینہ عداوتوں کا ایک منطقی نتیجہ تھا۔ فتح مکہ کے بعد یہ گروہ اسلام لایا بلکہ استسلام کیا۔ اس کے بعد بھی وہ بدر کا غم نہیں بھولے، اسلام کے خلاف ہر سازش کی۔ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے خلاف حضرت علیؓ کو اکسایا۔ جس طرح انگریزوں کے دل میں صلیبی جنگوں میں شکست کا غم و غصہ آج تک موجود ہے اسی طرح اس گروہ میں بدر کے انتقام کا جذبہ سینہ کے اندر بھڑکتی ہوئی آگ کی طرح جوش مارتا رہا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی طرف سے ان لوگوں کا دل کبھی صاف نہیں ہوا۔

ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی نے بھی جاہل سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف خوب دل کی بھڑاس نکالی ہے کہ معاویہؓ ”شرا الملوک“ تھا، حضرت عمرؓ نے دڑے مار کر اس کی بیوائی کا احساس ختم کیا، وہ کاتب وحی نہیں تھے، لوگوں نے خواہ مخواہ یہ بات مشہور کر دی، اقتدار تو فاجر کو بھی ملتا ہے۔ فرعون نے چار سو سال تک مصر پر حکومت کی تھی۔ بغض علیؓ کی وجہ سے معاویہ کے فضائل و مناقب گھڑے گئے۔

مبلغ اسلام مولانا طارق جمیل صاحب فرماتے ہیں کہ:

”خلافت ختم ہو رہی تھی، حکومت آ رہی تھی جسے کوئی بڑا صحابی قبول نہیں کر سکتا تھا لہذا معاویہؓ نے قبول کر لی، معاویہؓ درجے کے اعتبار سے عبد اللہ بن عمرؓ کے ماخون کے برابر بھی نہیں تھے۔ حضرت معاویہؓ خطاء کے مرتکب ہوئے اسے صرف خطاء ہی کہو یہ ”اجتہادی“ وغیرہ تو ہمارے سابقہ لافتنے ہیں تاویل نہ کرو، مانو خطاء ہوئی ہے۔ خطاء کی تاویل کرنا تو کمزور راستہ ہے۔“

العجب - العجب و یا للعجب !!!

زیر بحث عنوان کے تحت یہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق صرف ”علمائے حق“ کے چند کلمات پیش کیے گئے ہیں (تفصیل کتاب کے اندر ملاحظہ فرمائیں) کیا ان علماء کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس طرح کے ”ریمارکس“ دیں؟ کیا ان ”ریمارکس“ پر خطائے اجتہادی کا اطلاق کیا جاسکتا ہے؟ کیا انہوں نے ان ریمارکس کے ذریعے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطائے اجتہادی بیان فرمائی ہے؟ کیا یہ ”ریمارکس“ سب اور طعن میں شامل نہیں ہیں؟ کیا ان ”ریمارکس“ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین اور تنقیص نہیں پائی جاتی؟ کیا یہ ”ریمارکس“ مفرامین نبوی:

”إذا ذكر أصحابي فأمسكوا“ اور ”أياكم وما شجر بين أصحابي“ کی تعمیل ہے؟

کیا یہ ”ریمارکس“ صحابہ کرامؓ کے بارے میں اس عقیدے کے ”ویکت عن ذکر الصحابة، وجوب الكف عن الطعن فيهم، فإنما مأمورون بحسن الظن بالصحابة و نفى كل رذيلة عنهم“ کا اظہار ہے؟ کیا ”لا نذكرهم إلا بالخير“ کے اصول اور عقیدے کے تحت ان ”ریمارکس“ کا شمار ہو سکتا ہے؟

کیا یہ ”ریمارکس“ اور اقوال ”ومن أحسن القول في أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم.....“ کے عقیدے کے مطابق ہیں؟

کیا یہ ”ریمارکس“ احترام صحابیت کے جذبے کے ساتھ کچھ میل کھاتے ہیں؟ جو شخص مشاجرات صحابہؓ کے شرعی حکم سے انحراف اور تجاوز کرے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ تقابل کرتے ہوئے انہیں ان کے ماخن کے برابر بھی قرار نہ دے یا انہیں ”خاطی، باغی، طاغی، جائز“ قرار دے یا حضرت علیؓ کے ساتھ تقابل کرتے ہوئے انہیں ان کی ”صفہ نعال“ میں (وہ بھی مشروط طور پر) جگہ دے یا اس تقابل میں ”آین الثریا و آئین الثری“ کی مثال دے یا انہیں ”چراغ آفتاب“ (حضرت علیؓ) کے مقابلے میں ”چراغ مردہ“ کا مصرع قلم سے نکال دے وہ ایڈیٹر ماہنامہ ”تجلی“ مولانا عامر عثمانی کے الفاظ میں:

کتنا ہی بڑا عالم اور مداح صحابہ ہو میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ نفس صحابیت کی قرار واقعی تشدد سے اس کا وجود ان عاری ہے..... عاجز کا ذہن تو احترام صحابیت کے باب میں کچھ ایسا ہے کہ اگر ایک طرف کوئی غیر معروف صحابی ہو جس کی کوئی نمایاں خدمت اور ممتاز سیرت سامنے نہ آئی ہو،

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین ماقدرین کا شرعی حکم سے تجاوز

بس اتنا معلوم ہو کہ ایمان لانے کے بعد اس نے کفر اختیار نہیں کیا اور دوسری طرف حضرت علیؓ نہیں بلکہ خیر الامت حضرت ابو بکر صدیقؓ ہوں اور پھر ان کے تقاضے میں یہ مصرع (چراغ مردہ کجا، شمع آفتاب کجا) پڑھ دے تو مجھے ایسا محسوس ہو گا جیسے کسی نے رگب احساس میں نشتر چھبایا ہے۔ صحابیت کے بے مثال شرف سے جو مومن شرف ہو چکا ہو وہ ”چراغ مردہ“ کبھی نہیں ہو سکتا.....

العظمة لله! ”صحابیت“ تو وہ گوہر تابدار ہے جس کے بارے میں ہمارے اور آپ کے بزرگوں کا اور خود ہمارا اور آپ (ماہر القادری مدیر فاران کراچی) کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ کسی بڑے سے بڑے امام، ولی اور شیخ و مجدد کا تمام سرمایہ علم و تقویٰ بھی اس کا مول نہیں۔ پھر یہ کیسے قرین قیاس ہے کہ یہ عقیدہ جس کے دل میں اتر چکا ہو وہ اس خوش نصیب کو ”چراغ مردہ“ قرار دے دے جس کی خاتمہ حیات میں مشیت ایزدی نے یہ ہیرا جڑ دیا ہو، صحابہ کے لیے صحیح ترین تشبیہ وہی ہے جس کی نسبت سرور کونین کی طرف کی گئی ہے ”أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ“۔

زیادہ تفصیل میں جائے تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ ممتاز صحابہ چھوٹے بڑے چاند تھے اور باقی اصحاب ستارے، جو اپنی اپنی صلاحیت کے بقدر آفتاب نبوت کی ضیاء و طلعت سے مستنیر ہوئے۔ میرے نزدیک تو معاویہ بھی چاند ہی تھے لیکن کوئی اس سے متفوق نہ ہو تو تارا کہہ سکتا ہے، مگر ”چراغ مردہ“!.....

یہ لفظ تو بڑا ہی اہانت آمیز ہے۔ ویسے آپ لفظی وحشت کو نظر انداز کر دیں تب یہ محض غلو ہی ہو گا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معاویہ رضی اللہ عنہ سے اتنی لامحدود برتری دی جائے۔ آپ (ماہر القادری) کی لطافت احساس و توقوت نقد سے مجھے توقع تھی کہ شاہ (معین الدین ندوی) صاحب کے قلم سے ایسا مصرع پڑھ کر چیں بجیں ہوتے ہا نہیں تنبیہ کرتے کہ حضرت قلم کو تباہ میں رکھنے کہ یہ کیسی تو صریح معاویہؓ ہے کہ ایک ہی کڑوٹ میں آپ نے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دیا۔ لیکن میری توقع پوری نہیں ہوئی۔ یوں نہیں ہوئی کہ فضائل علیؓ کے حق میں فراط کی و با عام ہو چکی ہے اور احترام صحابیت کا کوئی جاندار احساس بہت کم پایا جا رہا ہے۔ محراب و منبر پر اہل سنت کی زبان سے آپ مناقب علیؓ کے ساتھ معاویہؓ پڑھ رہے ہیں سنئے مگر اس خاموش تھراور تقلیل و تھلیل کو کیا کہیں گے جو بالواسطہ طور پر جاری ہے آپ تو جیہ تاویل کی سعی مت کیجیے بلکہ ٹھنڈے دل سے سوچئے کہ عامر جو کچھ کہہ رہا ہے وہ محض وہم ہے یا حقیقت۔“ (ماہنامہ تجلی ۱ اکتوبر ۱۹۶۱ء بحوالہ تجلیات ص ۲۵۸-۲۶۰)

☆☆☆☆☆☆

۱۔ راوی بخاری محدث عبد الرزاق

(م ۲۱۱ھ)

امام ابو بکر عبد الرزاق صنعانی (ولادت ۱۲۶ھ) قبیلہ تمیر سے نسبت ولاء کی وجہ سے میری کہلاتے ہیں۔ صنعاء کے رہنے والے، ممتاز حافظ حدیث اور متعدد کتب کے مصنف ہیں۔
امام ذہبی کہتے ہیں کہ بہت سے ائمہ فن نے ان کی توثیق کی ہے۔ ان کی احادیث صحاح ستہ کی ساری کتابوں میں مذکور ہیں۔ البتہ کچھ احادیث کے بیان کرنے میں یہ منفرد ہیں۔ ان کی ’تشیع‘ پسندی کو محدثین نے اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا حالانکہ یہ اس (یعنی تشیع) میں غلو سے کام نہیں لیتے تھے، صرف حضرت علیؓ سے محبت اور ان کے ساتھ لڑنے والوں سے بغض رکھتے تھے۔ انہوں نے ۲۱۱ھ میں بمصر ۸۵ سال وفات پائی۔ (مذکر المختلط۔ تحت امام عبد الرزاق صنعانی)
امام ترمذی نے عبد الرزاق محدث کے متعلق امام بخاری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ
”یہم فی بعض ما یحدث بہ“ (العلل الکبیر جلد ۱۔ ص ۵۳۵)
عبد الرزاق کو بعض احادیث کے بیان کرنے میں وہم ہو جاتا ہے۔
امام سفیان ابن عیینہ نے عبد الرزاق محدث کو آیت ”الَّذِينَ ضَلَّ سَعِيَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا“ کا مصداق قرار دیا ہے۔ (الضعفاء للعقيلي جلد ۲ ص ۱۰۹)
ائمہ اسماء الرجال نے موصوف کے متعلق تشیع کے علاوہ ’مختلط و تغیر و تدلیس‘ کا بھی ذکر کیا ہے، اس حقیقت کا ان کے وکلاء صفائی بھی انکار نہیں کر سکتے۔
ابن عساکر نے بھی یہ روایت زید بن المبارک عبد الرزاق محدث کے متعلق ”کذاب بصری“ کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ (ملاحظہ ہو تاریخ دمشق لابن عساکر جلد ۳۸ ص ۱۳۰)
یہ ملحوظ رہے کہ کسی راوی کے صادق یا کاذب ہونے کا اس کے مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا کیونکہ ائمہ رجال نے جہاں بہت سے سنی راویوں کو جھوٹا قرار دیا ہے وہاں انہوں نے متعدد شیعہ رواۃ کو سچا بھی کہا ہے۔

جس طرح سنی اسماء الرجال میں بعض راویوں کے متعلق یہ لکھا ہوتا ہے کہ یہ بڑے عالم، حافظ الحدیث اور امام الحدیث تھے لیکن اس کے باوجود وہ ”تشیع“ سے بھی آلودہ تھے۔ اسی طرح شیعہ اسماء الرجال میں بھی یہ بات ملتی ہے کہ یہ راوی ثقہ اور صادق تھے لیکن ان میں کچھ ”تسفن“ پایا جاتا تھا۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ کسی راوی کے سچا یا جھوٹا ہونے کا اس کے سنی یا شیعہ ہونے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایک سنی راوی بھی سچا یا جھوٹا ہو سکتا ہے اور شیعہ راوی بھی۔ اس اصول کے تحت دونوں مذاہب کے محدثین نے اپنی کتب حدیث میں ایسے لوگوں سے مروی روایات قبول کی ہیں۔ لیکن بایں ہمہ انہوں نے یہ قاعدہ بھی بیان کیا ہے کہ اگر کسی راوی کی روایت ایسی ہو جو اس کے نظریے اور مذہب کی تائید کرتی ہو اور دوسرے فریق کے عقیدے پر اس کی زد پڑتی ہو تو وہ روایت مردود اور باطل سمجھی جائے گی۔

ظاہر ہے کہ اہل تشیع ازواج مطہرات، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور صحابہ کرامؓ (جو ان کے ”معیار صحابیت“ پر پورا نہیں اترتے) کی عظمت و تقدیس کے قائل نہیں ہیں بلکہ ان کی تکفیر کرتے ہیں اور ان کے ساتھ بغض رکھتے ہیں تو اب مذکورہ اصول کے تحت جن راویوں میں ”غیر منصف“ اور معمولی درجے کا بھی تشیع پایا جاتا ہو تو ان کی ازواج مطہرات اور صحابہ کرامؓ کی تنقیص پر مبنی روایات کیوں قبول کی جاسکتی ہیں۔ اگرچہ وہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی میں کیوں نہ پائی جاتی ہوں۔

امام ذہبی اپنی ایک دوسری کتاب میں عبد الرزاق کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

”وَتَعْبُوهُ إِلَى التَّمَنُّعِ سَمِعْتُ مُخَلِّدًا الشَّعِيرِي يَقُولُ كُنْتُ عِنْدَ عَبْدِ الرَّزَّاقِ فَذَكَرَ رَجُلٌ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَقَالَ لَا تَقْدِرُ مَجْلِسَتَا بِذِكْرِ وَلَدَيْ سَفِيَّانَ“

(میزان الاعتدال۔ جلد ۲ ص ۱۲۷)

علماء نے اسے تشیع کی طرف منسوب کیا ہے۔ میں نے مخلد شعیری کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں عبد الرزاق کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص نے معاویہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ چھیڑا تو عبد الرزاق نے کہا ہماری مجلسوں کو ابوسفیان کے بیٹے کے ذکر سے گندہ نہ کرو۔

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ:

”وَقَالَ ابْنُ عَدِي وَلِعَبْدِ الرَّزَّاقِ أَصْنَفٌ وَحَدِيثٌ مَجْيُورٌ وَقَدْ رَجَلُ إِلَيْهِ ثِقَاتُ الْمُعَلِّمِينَ وَالْمُتَنَبِّهِمْ وَكُتِبُوا عَنْهُ إِلَّا أَنَّهُمْ تَمَبَّوْهُ إِلَى التَّمَنُّعِ وَذَكَرَهُ ابْنُ حَبَّانٍ فِي الثَّقَاتِ“

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

محدث عبد الرزاق

وَقَالَ كَانَ مِمَّنْ يُحْطَىٰ إِذَا حَدَّثَ مِنْ حَفِظِهِ عَلَى تَتَبُعٍ فِيهِ

(تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۳۱۳-۳۱۴)

ابن عدی نے کہا کہ عبد الرزاق کی احادیث بہت ہیں اور کئی اصناف ہیں۔ ان کی طرف ثقہ مسلمان لوگوں نے اور ان کے ائمہ نے سفر کیا اور پھر ان سے احادیث و روایات لکھیں مگر انہوں نے اسے تشیع کی طرف منسوب کیا۔

ابن حبان نے عبد الرزاق کو ثقہ راویوں میں ذکر کیا اور کہا کہ وہ اپنی یادداشت پر بھروسہ کرتے ہوئے حدیث بیان کرتے ہیں تو خطا کرتے ہیں اور ان میں تشیع بھی پایا جاتا تھا۔
ابن اشیر جزری (م ۶۳۰ھ) نے بھی لکھا ہے کہ ”وَحَدَّثَ عَنْ تَتَبُعٍ“ ان میں تشیع پایا جاتا تھا۔
(کامل ابن اشیر جلد ۶ ص ۶۰۶۔ مطبوعہ بیروت)

مشہور شیعہ عالم شیخ عبد اللہ ماقانی لکھتے ہیں کہ:

عبد الرزاق بن ہمام الیمانی الصنعانی، صنعاء یمن کا باشندہ تھا۔ شیخ نے اسے اپنے رجال اصحاب صادق سے شمار کیا ہے اور کہا کہ عبد الرزاق دونوں یعنی امام باقر اور امام جعفر صادق سے روایت کرتا ہے اور محمد بن ابی بکر بن ہمام کے ترجمہ میں ایک طویل روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبد الرزاق شیعہ عالم تھا۔ اپنی آخری عمر میں یہ ماجیا ہو گئے تھے اور ان کے حفظ میں بھی تغیر واقع ہو گیا تھا۔ ”وَحَدَّثَ عَنْ تَتَبُعٍ“ اور ان میں تشیع بھی پایا جاتا تھا۔ (تفتیح المقال جلد دوم ص ۱۵۰ ابن ابی ابی العین مطبوعہ نجف اشرف)

شیخ عباس قتی نے عبد الرزاق کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ دشمنان آل رسولؐ (یعنی صحابہ کرامؓ) سے بیزاری (یعنی تمایزی) اور امامت کا اعتقاد رکھتا تھا۔ (ملاحظہ ہو لکھی والالاقاب جلد دوم ص ۴۲۷ مطبوعہ تہران)
اور پر میزان الاعتدال کے حوالے سے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ عبد الرزاق نے حضرت معاویہؓ کا نام سن کر کہا تھا کہ ”ہماری مجلس کا یوسفیان کے بیٹے کا تذکرہ کر کے گندہ نہ کرو۔“

اس جملے سے بھی موصوف کا عام شیعہ نہیں بلکہ پکا اور کٹر شیعہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ خطیب بغدادی اور ابن عساکر دونوں نے ایک روایت کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبد الرزاق محدث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شان میں بھی گستاخی کرتے تھے۔

(ملاحظہ ہو تاریخ بغداد جلد ۴ ص ۴۲۷، تاریخ دمشق جلد ۳۸ ص ۱۲۹)

لیکن امام ذہبی ان کے مزید حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:
علی بن عبد اللہ صنعانی بیان کرتے ہیں کہ:

زید ابن مبارک نیا وہ تران کی صحبت میں رہتے تھے اور بکثرت ان سے روایتیں لیتے تھے، پھر بعد میں نہ صرف ان کی صحبت ترک کر دی بلکہ ان کی روایات پر مشتمل تمام کتابوں کو بھی جلا ڈالا۔ لوگوں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو بتایا کہ ایک دفعہ ہمارے سامنے عبدالرزاق، ابن حدان کی وہ حدیث بیان کر رہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت سے حصہ طلب کرنے کے لیے حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ جب حضرت عمرؓ کے پاس گئے تو انہوں نے عباسؓ سے کہا کہ تم اپنے بھتیجے کی وراثت سے حصہ لینے آئے ہو اور حضرت علیؓ سے کہا کہ تم وہ حصہ طلب کرنے آئے ہو جو تمہاری بیوی کو باپ کی طرف سے ملتا ہے۔

زید ابن مبارک نے بتایا کہ یہاں پہنچے تو عبدالرزاق رک گئے پھر کہا ”أَنْظُرْ لِي هَذَا الْاَنْوَكُ، يَقُولُ ”مِنْ اَبْنِ اَخِيكَ..... مِنْ لَيْسَ لَا يَقُولُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“ ذرا دیکھو اس جھوٹے (یعنی حضرت عمرؓ) کو کبھی کہتا ہے بھتیجے کی وراثت اور کبھی کہتا ہے ”بیوی کے باپ“ کی وراثت، یہ نہیں کہتا کہ رسول اللہ کی وراثت۔ زید ابن مبارک کہتے ہیں یہ بات سن کر میں اٹھ کر چلا آیا پھر لوٹ کر نہیں گیا، نہ اس سے کوئی روایت اخذ کی۔

اب جو شخص حضرت عمرؓ کو بے دھڑک ”اَنْوَكُ“ (کذاب) کہہ دے کیا وہ معمولی درجے کا شیعہ ہو سکتا ہے؟

اس پر مستزاد یہ کہ عبدالرزاق کا سچا بھو بھی مختلف فیہ ہے۔ اگرچہ بہت سے محدثین نے ان کو سچا اور صدوق کہلے۔ مگر عباس بن عبد العظیم، جو خاص طور پر ان کے آبائی شہر منہاء گئے تھے اور کافی عرصہ ان کے پاس رہے تھے قسم اٹھا کر کہتے ہیں: ”قَالَ لَهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ إِنَّ عَبْدَ الرَّزَاقِ كَذَّابٌ وَ مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو الْوَاقِدِيُّ أَصْدَقُ مِنْهُ“ اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں عبدالرزاق انتہائی درجے کا جھوٹا ہے اور محمد بن عمر الواقدی ان سے زیادہ سچے تھے۔ (اکمال فی الفعفاء جلد ۳ ص ۵۳۸، میراعلام النبلاء جلد ۹ ص ۵۷۱۔ میزان الاعتدال جلد ۴ ص ۱۲۸-۱۲۹)

امام ذہبی نے ”سیر اعلام النبلاء“ میں محدث عباس بن عبد العظیم کے قول کی تردید کی ہے کہ انہیں عبدالرزاق کو ”کذاب“ اور واقدی کو ان سے زیادہ سچا نہیں کہنا چاہئے تھا۔

سخت حیرت ہے کہ عبدالرزاق جیسے محدث نے حضرت عمرؓ کو ایک صحیح اور جائز بات (کہ عمرؓ نے بھتیجا اور بیوی کا باپ کیوں کہا رسول اللہ کیوں نہیں کہا) کہنے کی بنا پر انوکھ یعنی کذاب کہہ دیا۔ ظاہر ہے کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت اس بناء پر طلب

نہیں کر رہے تھے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں بلکہ حضرت عباسؓ چچا ہونے کی بناء پر اور حضرت علیؓ اس وجہ سے وراثت طلب کر رہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بیوی کے باپ ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے ”بھتیجے اور بیوی کا باپ“ کہا تھا۔ آخر اس میں کون سی بات غلط تھی جس کی بناء پر اس امام الحدیث نے حضرت عمرؓ کو ”انوک“ کہہ دیا۔

عبدالرزاق نے مجوسیت ترک کر کے اسلام قبول کیا تھا۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ وہ پہلے سنی تھے بعد میں شیعیت اختیار کی لیکن ان کے ریاکار کس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقیہ کے باوجود ”تشیع“ کے اثرات ان سے کبھی زائل نہیں ہوئے تھے۔

امام ذہبی لکھتے ہیں کہ:

”جعفر بن سلیمان بصری“ مسلک شیعہ تھے اور ثقہ تھے۔ عبدالرزاق نے ان سے متاثر ہو کر ہی شیعہ مسلک اختیار کیا تھا۔ (تذکرۃ الخلفاء تحت جعفر بن سلیمان نصیبی بصری۔ طبقہ خامسہ) سنی ابن مہین فرماتے ہیں کہ:

میں نے عبدالرزاق سے ایسی گفتگو سنی جس سے اس کا شیعہ ہونا ظاہر ہوتا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ تیرے سارے اساتذہ جن سے تو نے حدیث سیکھی ہے، سنی تھے پھر تو نے شیعہ مذہب کس سے اخذ کر لیا؟ اس نے کہا جعفر بن سلیمان میرے پاس آئے تھے تو میں نے ان کو اچھی میرت والا فاضل پایا۔ اس لیے میں نے بھی ان کا مسلک اختیار کر لیا۔

اس تفصیل سے جہاں عبدالرزاق کا شیعہ ہونا ثابت ہو گیا ہے وہاں یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ موصوف کا تشیع ہرگز ”یسیر“ اور ”لائضر“ کا مصداق نہیں تھا۔

موصوف کی محاربین علیؓ یعنی اصحاب جہل و محضین سے بیزاری، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بغض حضرت عثمانؓ کی شان میں گستاخی اور حضرت عمرؓ کو ”انولہ“ کہنا جہاں کھلی تمرا بازی ہے وہیں تشیع کے ساتھ ساتھ رفس بھی ہے۔

☆☆☆☆☆☆

۲۔ امام طبری

(م ۳۱۰ھ)

ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الطبری، طبرستان کے شہر ”آمل“ میں ۲۲۲ھ میں پیدا ہوئے۔ بارہ سال کی عمر میں تحصیل علم کے لیے مختلف ملکوں اور شہروں بالخصوص عراق، بغداد، مصر، شام، بصرہ اور کوفہ میں سرگرداں رہے حتیٰ کہ ہر علم و فن میں کمال حاصل کیا۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ میں ان کی ”شہرت“ رہتی دنیا تک قائم رہے گی۔

موصوف تحصیل علم کے بعد بغداد میں درس و تدریس کے علاوہ دس سال تک منصب ”افتاء“ پر بھی فائز رہے اور اس دوران میں وہ فقہ شافعی کے مطابق فتوے دیتے رہے جس کی بناء پر ان کا شمار شافعی علماء میں ہونے لگا۔ بالآخر بغداد میں ہی ہفتہ کی شام ۲۸ شوال ۳۱۰ھ میں انتقال کر گئے۔ ان کی تدفین اگلے دن اتوار کو اپنے گھر میں ہی عمل میں آئی کیونکہ لوگوں نے انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے سے روک دیا تھا۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب (م ۱۳۹۹ھ) لکھتے ہیں کہ:

”بعض فقہی مسائل اور حدیث غدریہ کے معاملہ میں شیعہ مسلک سے اتفاق کی بناء پر بعض لوگوں نے خواہ مخواہ انہیں شیعہ قرار دے ڈالا اور ایک بزرگ نے تو ان کو امام من ائمة الامامیۃ تک قرار دے دیا۔۔۔“

در اصل سب سے پہلے حنابلہ نے ان پر فتن کا الزام اس غصے کی بناء لگایا تھا کہ وہ امام احمد بن حنبل کو صرف محدث مانتے تھے، فقیہ نہیں مانتے تھے۔ اسی وجہ سے حنبلی ان کی زندگی ہی میں ان کے دشمن ہو گئے تھے۔ ان کے پاس جانے سے لوگوں کو روکتے تھے اور ان کی وفات کے بعد انہوں نے مقابلہ مسلمین میں ان کو دفن تک نہ ہونے دیا حتیٰ کہ وہ اپنے گھر پر دفن کیے گئے۔“ (خلافت و لوکیت ص ۳۱۳-۳۱۴)

الحافظ المتقی احمد بن علی السلبانی (م ۴۱۳ھ) فرماتے ہیں کہ:

”کان یضع للرواقص“ محمد بن جریر بن یزید طبری رافضیوں کے لیے احادیث گھڑتے

تھے۔ (لسان المیزان جلد ۵ ص ۱۰۰)

یا قوت حموی (م ۲۲۶ھ) لکھتے ہیں کہ:

”و دفن لبلا خوفا من العامة لأنه كان يتهم بالشيعة....“

(معجم الادباء ارشاد الأريب الى معرفة الأديب - المجلد السادس ص ۵۱۴)

امام طبری عوام کے خوف سے رات کے وقت دفن کیے گئے کیونکہ وہ ”شیعیت“ سے متهم تھے۔

علامہ ابن اثیر جزری (م ۶۳۰ھ) لکھتے ہیں کہ:

”دفن لبلا بداره لأن العامة اجتمعت، و منعت من دفنه نهائراً و ادعوا عليه

الرفض ثم ادعوا عليه الحاد.....“ (الكامل في التاريخ جلد ۸ ص ۱۳۴)

امام طبری رات کے وقت اپنے گھر پر ہی دفن کیے گئے کیونکہ عام لوگ اکٹھے ہو گئے تھے

جنہوں نے دن کے وقت انہیں دفن کرنے سے روک دیا تھا۔ پہلے ان پر رفض یعنی رافضی ہونے

کا پھراس کے ساتھ ساتھ ان پر بخل ہونے کا بھی الزام لگایا گیا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) کے شیخ اثیوخ مفسر ابو حیان اندلسی (م ۴۵۷ھ)

فرماتے ہیں کہ:

”أبو جعفر الطبري وهو امام من أئمة الامامية....“ (لسان الميزان جلد ۵ ص ۱۰۰)

ابو جعفر طبری فرقہ امامیہ کے اماموں میں سے ایک امام ہیں۔

امام ذہبی (م ۴۸۷ھ) اور ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) دونوں نے امام طبری کے متعلق

لکھا ہے کہ:

”قبه تشيع و موالاة لاتنصر.“ (ميزان الاعتدال جلد ۳ ص ۳۵، لسان الميزان جلد ۵ ص ۱۰۰)

امام طبری میں تھوڑی سی شیعیت اور موالات ہے جو منکر نہیں ہے۔

امام ابن کثیر (م ۷۴۷ھ) لکھتے ہیں کہ:

”و دفن فی داره لأن بعض عوام الحنابلة و رعاعهم منعوا من دفنه نهائراً

و نسبوه الى الرفض.“ (البدایة والنہایة جلد ۱ ص ۱۴۷)

امام طبری اپنے گھر پر ہی دفن کیے گئے کیونکہ کچھ حنبلی حضرات نے دن کے وقت انہیں دفن

کرنے سے روک دیا تھا اور انہیں رافضیوں کی طرف منسوب کیا تھا۔

امام طبری (م ۲۲۶ھ تا ۳۱۰ھ) کا دور اہل تشیع کے اعتقاد کے مطابق ”غیبت صغریٰ“ کا دور تھا جو

۲۶۰ھ سے شروع ہوا (اس وقت طبری کی عمر ۳۶ بس تھی) اور ۳۲۹ھ تک جاری رہا پھر ۳۲۹ھ سے تاقیام قیامت یعنی خروج مہدی تک ”غیبت کبریٰ“ کا دور ہے۔ ”غیبت صغریٰ“ سے پہلے امام طبری نے اہل تشیع کے دو اماموں حضرت علی نقی اور حضرت حسن عسکری کا دور بھی پایا تھا۔

بہر حال امام طبری کے دور میں شیعہ مذہب مدون نہیں ہوا تھا بس اس دور میں ”امام زماں“ کے خاص محرم راز صرف چار سفیروں کی ان کے پاس آمد و رفت ہوتی تھی اور ان سفیروں کے ذریعے ہی اہل تشیع اپنے امام کی خدمت میں خطوط، درخواستیں اور قیمتی تحائف بھیجا کرتے تھے۔

”غیبت صغریٰ“ کے دور میں اہل تشیع تعلیمی، تدریسی، سیاسی، سماجی اور مذہبی طور پر اہل سنت کے ساتھ ہی گھلے ملے ہوئے تھے (حتیٰ کہ آج بھی یہی کیفیت ہے) اس دور میں مجموعی حیثیت سے ”شیعیت“ کی عمارت صرف ”تقیہ“ کے بل بوتے پر قائم تھی مگر اس احتمال کے باوجود حافظ احمد بن علی السلیمانی اور مفسر ابو حیان اندلسی نے واضح طور پر امام طبری کو ”رافضی“ اور ”امام من ائمة الامامية“ قرار دیا۔

اس وقت کے مسلمانوں نے انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن تک نہ ہونے دیا حتیٰ کہ وہ رات کے وقت لوگوں کے خوف سے گھر پر ہی دفن کیے گئے۔

کیوں نہ لوگ سر راہ لگائیں جوتے
کام بھی واقعی ہم نے پٹنے کے کئے تھے

ان کے ”انکار و نظریات“ کی بناء پر انہیں ”رفض والحاد“ سے بھی متہم کیا گیا تھا۔ امام ذہبی اور ابن حجر عسقلانی نے اگرچہ ان کے رفض کی تردید کی مگر وہ اس کے ساتھ ان کے تشیع کا اعتراف بھی کر گئے۔ امام طبری کی تفسیر ”جامع البیان فی تاسوئل القرآن“ اور ”تاریخ الامم والملوک“ میں متعدد روایات ایسی ملتی ہیں جن میں انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ عظام رضی اللہ عنہم کی توہین و تنقیص پائی جاتی ہے۔ ان انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ عظام رضی اللہ عنہم کی طرف ایسے ایسے افعال اور واقعات منسوب کیے گئے ہیں جو سراسر عقیدہ عصمت انبیاء اور محفوظیت صحابہ عظام کے منافی ہیں۔

امام طبری کی تفسیر ”جامع البیان فی تاسوئل القرآن“ میں متعدد روایات ایسی پائی جاتی ہیں جن سے انبیاء کرام کی شدید ترین توہین و تنقیص کا پہلو نکلتا ہے۔ بعض انبیاء کرام کی طرف ایسے ایسے افعال اور واقعات منسوب کئے گئے ہیں جو سراسر عقیدہ عصمت انبیاء کے منافی ہیں۔ حالانکہ

انبیاء کرام بعد از نبوت ہی نہیں بلکہ قبل از نبوت بھی صغائر و کبار سے پاک ہوتے ہیں۔ اس عقیدہ کے برعکس تفسیر طبری میں منقول موضوع اور اسرائیلی روایات کی رو سے انبیاء کرام کی طرف قصداً و عمداً تنہائی خسیس اور گھٹیا صغائر و کبار کی نسبت کرنا پڑتی ہے۔ جن کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں:

امام طبری نے سورۃ الاعراف کی آیت ۱۹۰ کی تفسیر میں متعدد ایسی روایات نقل کی ہیں جن میں واضح طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت آدم اور حواء علیہما السلام نے پہلے بچوں کے فوت ہونے کی وجہ سے شیطان کی ”وجی“ و حکم پر اپنے نومولود کا نام ”عبد الجارث“ رکھا۔ جبکہ ”حارث“ شیطان کا نام تھا۔ اس طرح حضرت آدم اور حواء دونوں شرک فی الطاعت کے مرتکب ہو گئے۔ (العیاذ باللہ)، ملاحظہ ہو: (تفسیر الطبری المجلد السادس ص ۱۴۲-۱۴۵ طبع بیروت)

امام ابراہیم علیہ السلام کے دل میں شیطان نے ”شک“ ڈال دیا تھا جس کی وجہ سے انہوں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ:

”وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ ارْنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ.....“

تفسیر الطبری تحت سورۃ البقرۃ آیت ۲۶۰ - المجلد الثالث ص ۵۱

امام طبری نے سورۃ یوسف آیت ۲۴: ”وَلَقَدْ هَمَّتْ بِه وَ هَمَّ بِهَا“ کے تحت متعدد روایات نقل کی ہیں جن میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ وہ عورت برائی کی خواہش لئے ہوئے یوسف کے سامنے چٹ لیٹ گئی اور یوسف نے بھی اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھ کر اپنی شلووار اتار دی اور اس کے کپڑے بھی..... ”وَحُلَّ ثِيَابُهُ وَ ثِيَابُهَا“ (تفسیر الطبری المجلد السابع ص ۱۸۱ تا ۱۸۳) بلکہ ایک دوسری روایت میں موصوف نے یہاں تک الفاظ لکھے ہیں کہ یوسف علیہ السلام زبیہ عزیز کی دونوں ٹانگوں کے درمیان اس طرح بیٹھ گئے جس طرح ایک مرد اپنی بیوی کے ساتھ مقاربت کے وقت بیٹھتا ہے۔ (حوالہ مذکور)

امام طبری سورۃ ”ص“ آیت ۲۳ کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ:

داؤد نے اپنے محل کی چھت پر ٹپانے کے دوران میں ایک خوبصورت ترین عورت کو غسل کرتے ہوئے دیکھا تو آپ علیہ السلام کی رغبت بڑھ گئی پھر اس کے خاوند کو قتل کرانے کی نیت سے بار بار دشمن کے ساتھ مقابلے کے لئے بھیجا یہاں تک کہ وہ تیسری مرتبہ قتل ہو گیا تب اس کی ”بیوہ“ سے خود شادی کر لی۔ (تفسیر الطبری المجلد العاشر ص ۵۷)

امام طبری سورۃ ”ص“ آیت ۳۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

شیطان نے سلیمان کی انگوٹھی حیلے بہانے سے حاصل کر کے اس کو سمندر میں پھینک دیا اور

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

امام طبری

خود سلیمان کا روپ دھار کر ایک عرصہ تک امور حکومت و سلطنت انجام دیتا رہا۔

(تفسیر الطبری المجلد العاشر ص ۵۸۱-۵۸۲)

امام طبری سورۃ النج آیہ ۵۲ کی تفسیر میں زنادقہ و ملاحدہ کی وضع کردہ روایت لے آئے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے نماز کی حالت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز میں اپنے الفاظ آیہ میں یہاں دینے (الغیا ذبا للہ) (تفسیر الطبری المجلد التاسع ص ۱۷۸ تا ۱۷۹) اسی طرح امام طبری نے سورۃ الاحزاب آیہ ۳۷ کی تفسیر میں منافی عصمت ایک انتہائی گھٹیا اور خفیس واقعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا کہ آپؐ نے سیدہ زینب زوجہ زیدؑ کو ان کے صحن میں دیکھا تو ان کا حسن آپؐ کے دل میں اتر گیا۔ جس سے حضرت زیدؑ کے دل میں بیوی کی کراہت آگئی اور معاملہ طلاق تک پہنچ گیا۔ بعد میں آپؐ نے ان سے نکاح کر لیا۔

(تفسیر الطبری المجلد العاشر ص ۳۰۲-۳۰۳)

امام طبری کے مفصل حالات و خدمات نیز تفسیر طبری میں انبیاء کرام کی توہین و تنقیص پر مبنی روایات سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے راقم الحروف کی کتاب ”امام طبری کون؟ مورخ، مجتہد یا افسانہ ساز“ کی طرف مراجعت کریں۔

یہاں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شدید ترین توہین و تنقیص سے متعلق امام طبری کی چند روایات بدیع قارئین کی جارہی ہیں:

موصوف نے صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین پر مبنی روایات ہی نقل نہیں کیں بلکہ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت سعد بن عبادہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت عمرو بن العاص، حضرت ابوسنیان، حضرت عباس بن عبدالمطلب اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم تک کو بھی نہ بخشا۔

اگر امام طبری بالفرض صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہی ہدف تنقید بناتے تو پھر بھی اس کا یہی مطلب لیا جاتا کہ وہ جملہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی توہین کے مرتکب ہوئے ہیں کیونکہ جس طرح ایک نبی یا رسول کا انکار سب انبیاء و رسل کے انکار کو مستلزم ہے اسی طرح ایک صحابی رسول کی توہین بھی جملہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی توہین سمجھی جائے گی۔ قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوط اور قوم نوح نے اگرچہ اپنے اپنے رسول ہی کی تکذیب کی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اسے سب رسولوں کی تکذیب قرار دیا۔ ملاحظہ ہو:

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِينَ ۝ (الحجر آیہ ۸۰)

اور حجر والوں (یعنی قوم ثمود) نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ۝ (الشعراء آیت ۱۰۵)
نوح علیہ السلام کی قوم نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔

كَذَّبَتْ عَادُ الْمُرْسَلِينَ ۝ (الشعراء آیت ۱۲۲)
قوم عاد نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ۝ (الشعراء آیت ۱۴۱)
قوم ثمود نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ۝ (الشعراء آیت ۱۶۰)
قوم لوط نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔

كَذَّبَ أَصْحَابُ ثَبَجَةَ الْمُرْسَلِينَ ۝ (الشعراء آیت ۱۷۶)
ایکہ والوں (قوم ثعیب) نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔

امام طبری نے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت متعدد صحابہ کے خلاف بہ تصریح مامہ بنی بر توہین روایات نقل کی ہیں؛ جن میں جابہ جاحضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسم گرامی کے ساتھ ”لعنہ اللہ“ کے الفاظ اور جواز لعنت کے دلائل تحریر کئے گئے جو صدیوں سے مسلسل نقل ہوتے چلے آرہے ہیں جنہیں ہم اب لکھا اور پڑھا بھی جا رہا ہے۔ حضرت معاویہؓ کو بہ تصریح مامہ ”ضال و مضل“ لکھا گیا، پھر امام طبری نے وہ کارنامہ سرانجام دیا جس کا کوئی طبع بھی شاید تصور نہ کر سکتا۔ موصوف معلوم نہیں کس حالت میں یہ بدوعا نقل کر گئے؟ اگر طبری کا بغض صحابہ ظاہر کرنا مقصد نہ ہوتا یا اگر مولانا اسماعیل ریحان صاحب اسلامی صحافت کے علمبردار اخبار ”روزنامہ اسلام“ میں اپنے کالم کی پانچ قسطوں میں ”مامہ“ طبری کو مفسر، محدث، فقیہ، مجتہد اور مستند مورخ کے روپ میں پیش نہ کرتے تو اس بدوعا کو ہرگز نقل نہ کرتا

والعنوا من لعنہ اللہ و رسولہ و فارقوا من لا تنالون القرية من اللہ الا بحفارقہ:
اللہم العن ابا سفیان بن حرب و معاویہ ابنہ و یزید بن معاویہ و مروان بن الحکم
و ولدہ، اللہم العن ائمة الکفر....

کیا مذکورہ بالا آیات کریمات کی روشنی میں موصوف جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توہین کے مرتکب نہیں ہوئے؟ کیا اس موقع پر یہ جواب کہ ”وہ سند لکھ کر یہی الذمہ ہو گئے ہیں“ بجائے

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین

امام طبری

خود تو ہیں وگستاخی، نہیں ہے؟ کیا اس جواب کو صحیح سمجھنے والے اور اس کی تصدیق کرنے والے بھی ”گستاخانِ صحابہ“ کے زمرہ میں شامل نہیں ہو جاتے؟

ع بات پہنچی ہے کہاں تک یہ تجھے کیا معلوم؟

اگر بالفرض امام طبری کے اپنے والد صاحب کے نام کے ساتھ کوئی راوی لعنت کے الفاظ روایت کرتا تو کیا وہ انہیں پھر بھی نقل کر کے راوی کی چھان پچھک کی ذمہ داری آنے والوں پر چھوڑ سکتے تھے؟ کیا ان کے تصدیق کنندگان بھی اپنے اکابر کے بارے میں اس طرح کے الفاظ پر مطمئن یا خاموش رہ سکتے تھے؟ کیا وہ تب بھی یہ دلیل دے سکتے تھے کہ بعد میں آنے والوں کا کام ہے کہ وہ ”سند“ کی چھان پچھک کریں؟

راقم الحروف کو صد فیصد یقین ہے کہ امام طبری اور ان کے تصدیق کنندگان راوی کے پیچھے بھاگنے کے بجائے خود ناقلاً یا ”مدعی“ کو پہلے پکڑتے۔ کیا جس سے اللہ راضی ہو وہ لعنت کا مستحق ہو سکتا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے اعزاز ”رضی اللہ عنہ“ کو کوئی مؤرخ یا راوی ”لعنہ“ میں تبدیل کر سکتا ہے؟ اگر کوئی شخص فی الواقع لعنت کا مستحق نہ ہو تو کیا شریعت کی رو سے اس پر لعنت کرنے والا یا نقل کرنے والا یا تصدیق کرنے والا یا منافی پیش کرنے والا خود لعنت کا مستحق نہیں ہو جاتا؟ حضرت معاویہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ نے بے حد ماضی ابدالاً و تک ”رضی اللہ عنہم“ کے اعزاز سے نوازا ہے لہذا وہ اس ”الہی اعزاز“ سے کبھی بھی محروم نہیں کیے جاسکتے۔

بہر حال تصدیق کنندگان کا یہ جواب کہ امام طبری ”سند“ بیان کرنے کے بعد یہی الذمہ ہو گئے ہیں قرآن وحدیث (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنِّي جَاءَكُمْ قَائِلًا بِشَيْءٍ قَبِيحٍ... سَكَنِي بِالْعَمْرَةِ كَلْبًا أَنِّي بِسُحْرَتِ بِلْغَلِي مَا تَسْمَعُ) کی صریح مخالفت ہے۔ اس بحث کی تفصیل راقم الحروف کی کتاب ”امام طبری۔ حیات و خدمات“ میں زیر عنوان ”بلا تحقیق نقل روایت کا شرعی حکم“ ملاحظہ فرمائیں۔

پیچھے بتایا جا چکا ہے کہ امام طبری ”تشیع ورفض“ کے ساتھ آلودہ تھے، اس کے ساتھ ساتھ عقیدہ موالات اور حدیث غدیر خم کے نہ صرف قائل تھے بلکہ اس موضوع پر انہوں نے باقاعدہ کتابیں بھی تصنیف کر رکھی تھیں۔

موالاة اور تشیع ورفض کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ طبری بخاریین علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہرگز نرم گوشہ نہیں رکھ سکتے؛ اس لیے موصوف نے ”راویوں“ کے کندھے پر بندوق رکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر خوب چاند ماری کی۔ جس کا ایک ہلکا سا نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

امام طبری

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ایک دوسرے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ:

فقال أبو موسى: مالك لا وفقتك الله غلرت و قجرت انما مثلك كمثل الكلب ان تحمل عليه يلهث أو تتركه يلهث۔

قال عمرو: انما مثلك كمثل الحمام يحمل اسفارا۔

(تاریخ الامم والملوک - الجزء الرابع ص ۵۲ - طبع بیروت)

ابو موسیٰ اشعریؓ نے کہا: اے عمروؓ تجھے کیا ہو گیا۔ اللہ تجھے نیک کام کی توفیق نہ دے، تو نے غداری کی اور دھوکہ دیا۔ تیری مثال کتے کی مثال کی طرح ہے کہ اگر اسے کچھ ڈالو تب بھی زبان نکالے رہتا ہے اور اگر چھوڑ دو تب بھی زبان نکالے رہتا ہے۔

اس پر عمرو بن عاصؓ نے جواب دیا: تمہاری مثال گدھے کی مثال کی طرح ہے جس پر کتابیں لدی ہوں۔

یہ طوطا رہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما دونوں جلیل القدر صحابی ہیں۔ انہوں نے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی طرف سے جنگ صفین کے بعد لاشی کا کردار ادا کیا تھا جس کی بناء پر امام طبری نے خود ”کمان یضع للروافض“ کے تحت یہ روایت گھڑی یا پھر کسی رافضی راوی کے الفاظ نقل کر دیے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب اس فیصلے سے آگاہ کیا گیا تو انہوں نے نماز میں ”قنوت“ میں یہ پڑھنا شروع کر دیا کہ:

کمان اذا صلی الغداة بقنت قبقول: اللهم العن معاویة و عمرو و أبا الاغور السلمي و حبیباً و عبدالرحمن بن خالد (بن ولید) والضحاک بن قیس والولید ... قبلغ ذاک معاویة فکان اذا قنت: لعن علیاً و ابن عباس والأشتر و حسناً و حسیناً (حوالہ مذکور ص ۵۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ صبح کی نماز میں قنوت پڑھتے اور فرماتے:

اے اللہ! معاویہ، عمرو بن عاص، ابو الاغور سلمی، حبیب بن مسلمہ، عبدالرحمن بن خالد (بن ولید) ضحاک بن قیس اور ولید بن عقیہ پر لعنت مازل فرما۔..... جب معاویہ کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے بھی قنوت میں علی، ابن عباس، اشتر، حسن اور حسین پر لعنت بھیجنی شروع کر دی۔

لا حول ولا قوة الا بالله العلی العظيم۔ قلعة الله علی الکذبین۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

امام طبری

امام طبری نے تحکیم کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبانی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کے لیے یہ الفاظ بھی نقل کیے کہ:

”عباد اللہ! امضوا علی حقکم و صدقکم قتال عدوکم فان معاویہ و عمرو بن العاص و ابن ابی معیط و حبیب بن مسلمہ و ابن ابی سرحہ والضحاک بن قیس لیسوا بأصحاب دین و لا قرآن انا اعرف بهم متکم وقد صحبتهم أطفالاً و صحبتهم رجالاً فکانوا شر أطفال و شر رجال (حوالہ مذکور ص ۳۴)

اے اللہ کے بندو! تم اپنے حق و صداقت اور اپنے دشمنوں سے جنگ پر قائم رہو کیونکہ معاویہ، عمرو بن عاص، عقبہ ابن ابی معیط، حبیب بن مسلمہ، عبد اللہ بن ابی سرح اور ضحاک بن قیس، دین دار لوگ اور قرآن پر چلنے والے نہیں۔ میں تم سے زیادہ ان لوگوں سے واقف ہوں۔ میں تو بچپن میں بھی ان لوگوں کے ساتھ رہا اور بڑے ہو کر بھی ان کے ساتھ رہا۔ یہ بچپن میں نہایت شریر بچے تھے اور بڑے ہو کر بھی نہایت شریر آدمی نکلے۔

”قوت“ میں حضرت معاویہؓ پر العیاذ باللہ لعنت کرنا امام طبری کو اس قدر پسند آیا کہ انہوں نے اسے بطور ”وظیفہ“ کے اپنا لیا چنانچہ انہوں نے اپنی تاریخ میں جا بجا طویل القدر صحابی کے لیے ”لعنت“ کے الفاظ تحریر کیے ہیں۔

”أقر معاویہ سمرۃ (بن جندب) بعد زیاد سنة أشهر ثم عزله فقال سمرۃ لعن اللہ معاویہ واللہ لو أطعت اللہ كما أطعت معاویہ ما عدتني أبداً۔“

(تاریخ الامم والملوک - الجزء الرابع - ص ۲۱۷ - طبع بیروت)

زیادہ کی وفات کے بعد حضرت معاویہ نے سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کو بصرہ پر چھ ماہ تک حاکم رکھا پھر انہیں معزول کر دیا۔ سمرہ کہتے تھے اللہ لعنت کرے معاویہ پر جتنی اطاعت اس کی میں نے کی اگر اللہ تعالیٰ کی کرتا تو عذاب ابدی سے نجات پاتا۔

وکان جعفر بن ابی سفیان ممن ثبت يوم حنین مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من أصحابه ولم یزل مع أبیه ملازماً لرسول اللہ حتی قبض۔

وتوفی جعفر فی وسط خلافة معاویہ لعنتہ اللہ۔

(تاریخ الامم والملوک جلد ۱۲ - ص ۲۴ تحت ذکر من مات أو قتل سنة ۵۸۰،

تاریخ الرسل والملوک القسم الرابع - ۱۳ ص ۲۳ - ۲۴)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے باقرین

امام طبری

جعفر بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ان صحابہ کرام میں سے ایک ہیں جو غزوہ حنین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے اور زندگی بھر یہ اپنے والد (ابو سفیان رضی اللہ عنہ) کے ساتھ رسول اللہ کی بارگاہ میں حاضر رہے۔

حضرت جعفر، معاویہ لعنہ اللہ (اللہ اس پر لعنت کرے۔) کی خلافت کے درمیان میں فوت ہوئے۔ العیاذ باللہ

وقد روی نوفل بن معاوية عن النبي صلى الله تعالى عليه وعلى آله وسلم و
توفى نوفل بالمدينة في خلافة يزيد بن معاوية لعنهما الله۔

(المستخب من كتاب ذيل المذيل من تاريخ الصحابة والتابعين الملحق بالجزء الثامن ص ۳۷۔ طبع بیروت۔ لبنان ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء تحت ذکر من مات أوقتل سنة ۸۰ھ)
نوفل بن معاویہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کی ہے اور نوفل مدینہ منورہ میں یزید بن معاویہ لعنہما اللہ (ان دونوں پر اللہ کی لعنت ہو) کی خلافت کے دوران فوت ہوئے۔
امام طبری (م ۳۱۰ھ) اپنی تاریخ میں ۶۱ھ کے واقعات کے تحت بروایت ابو جعفر لکھتے ہیں کہ:
یزید بن معقل نے میرے سے کہا کہ تم کو یا وہوگا کہ میں بنی لوزان میں تمہارے ساتھ چل رہا تھا اور تم یہ کہتے جاتے تھے کہ:

”ان عثمان بن عفان كان على نفسه مسرفاً و ان معاوية بن ابي سفيان ضال
مضل و ان امام الهدى والحق على بن ابي طالب۔
فقال له برير: اشهد أن هذا رأي و قولی.....
عثمان بن عفان نے اپنے نفس کے ساتھ اسراف کیا اور معاویہ گمراہ و گمراہ کنندہ ہیں اور امام
بدی و برحق علی بن ابی طالب ہیں۔

میر نے کہا ہاں ہاں یہی میرا عقیدہ ہے اور یہی میرا قول ہے۔

(تاریخ الامم والملوک: جزء الرابع ص ۳۲۸۔ تحت سنة ۶۱ھ طبع بیروت۔ لبنان)

امام طبری، حضرت علی (م ۴۰ھ) اور حضرت معاویہ (م ۶۰ھ) دونوں کی وفات کے بعد کا
مکالمہ لکھ رہے ہیں۔ حضرت علیؑ کے خلیفہ برحق و راشد ہونے میں تو کوئی مومن شک نہیں کر سکتا مگر
کیا اس کے ساتھ ساتھ حضرت معاویہؑ کو ”ضال و مضل“ کہنا بھی ضروری ہے۔

امام طبری نے ایک بدترین ظلم یہ کیا ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہؑ کے خلاف خلیفہ

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

امام طبری

”المؤمن“ (م ۲۱۸ھ) عباسی کی تیار کردہ ”خفیہ دستاویز“ (جو المعتضد باللہ (م ۲۷۹ھ) کے برسر اقتدار آنے تک ”خفیہ“ رہی) کو اپنی تاریخ میں محفوظ کر کے حضرت معاویہؓ پر لعن و طعن اور سب و شتم کا دروازہ ہمیشہ کے لئے کھول دیا جس سے ہر دور میں خود ”اہل سنت“ کا ایک طبقہ متاثر ہوتا رہا اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔ (اس کی ایک جھٹک زیر نظر کتاب میں پیش کی گئی ہے)

مذکورہ ”خفیہ دستاویز“ کے متعلق امام طبری لکھتے ہیں کہ:

اسی سال (یعنی ۲۸۴ھ میں) المعتضد باللہ نے منبروں پر حضرت معاویہ بن ابی سفیان پر لعنت کرنے کا پختہ ارادہ کیا اور اس کے متعلق ایک فرمان لکھنے کا حکم دیا کہ لوگوں کو پڑھ کر سنایا جائے۔ عبید اللہ بن سلیمان بن وہب نے عوام کے اضطراب کا خوف دلایا کہ اندیشہ ہے کہ فتنہ ہوگا مگر اس نے اس کی پرواہ نہ کی۔

”وفی هذه السنة عزم المعتضد بالله على لعن معاوية بن ابي سفيان على المنابر وأمر بإنشاء كتاب بذلك يقرأ على الناس فتحرقه..... فلم يثقت الى ذلك.....“

پھر المعتضد نے یہ فرمان جاری کیا کہ جو لوگ مناظرہ یا بحث کے لئے جمع ہوں گے سلطنت ان سے بری الذمہ ہے جو شخص یہ کرے گا وہ اپنے لئے زد و کوب کو حلال کر دے گا..... پھر سب کو یہ حکم دیا گیا کہ معاویہ پر رحمت نہ بھیجیں (یعنی رحمۃ اللہ علیہ نہ کہیں) اور نہ بھلائی کے ساتھ ان کا ذکر کریں۔ (..... الا يترحموا على معاوية ولا يذكروه بخير“)

بعد ازاں المعتضد نے اس کتاب کے نکالنے کا حکم دیا جو لعن معاویہ میں المؤمن کے حکم سے لکھی گئی تھی یہ کتاب اس کے حکم سے دفتر سے نکالی گئی اس کے جمع کرنے والوں سے اس کتاب کی نقل لے لی گئی۔

اس کتاب میں قرآن اور حدیث کی رو سے ثابت کیا گیا کہ بنی امیہ کا ”شجر ملعونہ“ ہے (والشجرة ملعونة في القرآن) یہ خاندان نبوت کے دشمن ہیں۔ آپ کا سب سے بڑا مخالف بنو امیہ کا ابو سفیان بن حرب اور اس کا گروہ ہے جن پر کتاب اللہ میں لعنت کی گئی، جن پر لسان نبوت سے لعنت کی گئی، یہ لوگ اسلام کے غلبہ کی وجہ سے منافقانہ اسلام لائے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گدھے پر سوار ابو سفیان اور اسے کھینچنے والے معاویہ اور بگھنے والے یزید بن ابی سفیان کے متعلق فرمایا کہ ان پر اللہ کی لعنت ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاویہ کے لئے فرمایا:

”يُطْلَعُ مِنْ هَذَا الْفَجِّ رَجُلٌ مِنْ أَمْنِيٍّ يَحْشُرُ عَلِيَّ غَيْرَ مُلْتَمِئٍ فِطْلَعُ مَعَاوِيَةَ — اِذَا رَأَيْتُمْ مَعَاوِيَةَ عَلِيَّ مِنْبَرِيٍّ فَاقْتُلُوهُ —“

”اُس پہاڑی راستے سے میری امت میں سے ایک شخص نکلے گا جس کا حشر میرے دین کے خلاف ہوگا۔ اس کے بعد اس راستے سے معاویہ نمودار ہوا۔

ایک دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

”جب تم لوگ معاویہ کو میرے منبر پر دیکھنا تو اسے قتل کر دینا“

مجموعہ ان کے وہ حدیث مرفوع و مشہور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

معاویہ آگ کے ایک صندوق میں ہے جو اس کے سب سے نیچے کے درجے میں ہے جو یا حنان یا منان کی صدا لگاتا ہے کہ یا اللہ اس وقت مجھ پر رحم کر، حالانکہ اس کے قتل میں نے مافرمائی کی تھی اور میں منسین میں سے تھا، معاویہ نے حضرت علیؑ سے ناحق جنگ کی، ان ہی افعال کا ارتکاب کیا جس کا ارتکاب اس کے باپ دادا کرتے رہے جو اللہ کے نور کا گل کرنا اور اس کے دین کا انکار کرنا تھا حالانکہ اللہ کو سوائے اپنے نور کے پورا کرنے کے اور سب چیزوں سے انکار ہے جو اپنے اس کبر و بغاوت سے بے وقوفوں کو مائل کرتا تھا مادیانوں کو فریب دیتا تھا جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے خبر دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمارؓ سے فرمایا کہ:

”تجھے ایک باغی جماعت قتل کرے گی، تو انہیں جنت کی طرف بلائے گا اور وہ تجھے دوزخ کی طرف بلائیں گے۔“

جس نے دنیا کو اختیار کیا تھا، آخرت سے اسے انکار تھا، جو اسلام کے حلقے سے خارج تھا، جو حرام خون کو حلال سمجھتا تھا یہاں تک کہ اس نے اپنے نفعے میں اور اپنی گمراہی کے راستے میں ان مسلمانوں کے اتنے خون بہائے جن کا شمار نہیں ہو سکتا، ایسے مسلمانوں کے خون بہائے جو برگزیدہ تھے، اللہ کے دین کے محافظ تھے، اس کے حق کے مددگار تھے، یہ (معاویہ) اللہ سے جہاد کرنے والا، اس امر کی کوشش کرنے والا تھا کہ اللہ کی مافرمائی کی جائے، اس کی اطاعت نہ کی جائے، اس کے احکام اس طرح باطل ہو جائیں کہ پھر نہ قائم ہوں، اس طرح اس کے دین کی مخالفت ہو کہ پھر دین ہی باقی نہ رہے، گمراہی کا بول بالا ہو، باطل کی دعوت بلند ہو، حالانکہ اللہ ہی کا بول بالا ہے، اسی کا دین منصور ہے، اسی کا حکم مانا جاتا ہے اور مافذ ہے اور اسی کا حکم غالب ہے۔ اس شخص کا کمر مغلوب اور باطل ہے جو اللہ سے عداوت کرے۔

یہاں تک کہ اس (معاویہ) نے ان تمام جنگوں کے اور جوان کے بعد ہوئیں سب کے بوجھ

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

امام طبری

برداشت کئے، ان خونوں کا طوق اور جوان کے بعد ہوئے اپنی گردن میں ڈالا، ایسے فساد کے طریقے ایجاد کئے کہ ان کا بھی گناہ اس پر ہے اور قیامت تک اس کا بھی گناہ اس پر ہے جو اس پر عمل کرے گا۔ ان امور میں سے جن کی وجہ سے اللہ نے اس پر لعنت واجب کر دی اور اس (معاویہ) کا ان اہل فضیلت و دیانت نیک صحابہ و تابعین کا قتل کرنا جو جبر کے ساتھ قتل کئے گئے مثلاً: عمر و بن العقیق اور حجر بن عدی۔ ان کو محض اس لئے قتل کیا گیا کہ عزت اور ملک اور غلبہ اسی کا ہو۔

حالانکہ اللہ ہی کے لئے ملک و قدرت ہے۔ اللہ عز و جل فرماتا ہے: ”جو مومن کو عداوت قتل کرے گا اس کی جزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب ہے اور لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لئے عذاب دردناک تیار کیا ہے“

ومما استحق به اللعنة من الله ورسوله

مجموعہ ان امور کے جن کی وجہ سے وہ (معاویہ) اللہ و رسول کی لعنت کا مستحق ہے۔ اس کا زیا و ابن سمیہ کا، اللہ پر جرات کر کے، اٹھنا ہے۔ حالانکہ اللہ فرماتا ہے کہ انہیں ان کے باپ کے نام سے پکارو، یہی اللہ کے نزدیک زیا وہ درست ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: وہ شخص ملعون ہے جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی کو باپ بنایا اور اپنے آقا کے سوا اپنے کو کسی اور سے منسوب کیا اور فرماتے ہیں کہ: جینا (جو زنا سے ہو) ماں کا ہے اور زانی کی سزایہ ہے کہ اس پر سنگ باری ہو۔ اس (معاویہ) نے اللہ عز و جل کے حکم کی اور اس کے نبی کی سنت کی اعلانیہ مخالفت کی، اولاد کو غیر صاحب الفراش کے لئے کر دیا۔

مجموعہ ان کے اللہ کے دین کے لئے اس کا اپنے بیٹے کو اختیار کرنا ہے اور اللہ کے بندوں کو اس کی طرف دعوت دینا ہے جو بکثرت شراب خوار، منکبر، مرغ والا، بندر والا، چیتے والا تھا۔ اس (معاویہ) کا بہترین مسلمانوں سے قہر و غلبہ و دہشت و خوف و جبر و اکراہ سے اس کی بیعت لینا ہے حالانکہ وہ اس کی ممانعت کو جانتا تھا۔ یزید کے جرائم میں اہل حرہ کے علاوہ سب سے بڑا جرم، عظیم ترین قتل حضرت حسین ابن علیؑ و فاطمہؑ کا قتل ہے۔ اللہ تعالیٰ پر جرات کے باعث، اللہ کے دین پر کفر کے سبب، اللہ کے رسول کی عداوت رکھنے کی بناء پر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو مشقت میں ڈالنے اور ان کے احترام میں کوتاہی کرنے کی وجہ سے یہ حرکتیں اس سے ہوئیں۔ اہل بیت نبوت کو اس طرح تیغ کر رہا تھا کہ گویا کفار تک و وہیلم کی جماعت کو قتل کرتا تھا.....

”وَالْعَنُوا مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَفَارَقُوا مَنْ لَا تَتَّالُونَ الْقُرْبَةَ مِنْ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَّا بِمَفَارِقَتِهِ“

اللهم العن أبا سفيان بن حرب و معاوية لئنه و يزيد بن معاوية و مروان بن الحكم و ولده، اللهم العن ائمة الكفر وقادة الضلالة و أعداء الدين و مجاهدي الرسول و معبري الأحكام و مبدلي الكتاب و سفاكي الدم الحرام۔
اللهم انا نتبرأ اليك من موالة أعدائك و من الاغماض لأهل معصيتك كما قلت: ”لا تجد قوماً يؤمنون بالله و اليوم الآخر يوافقون من حاد الله و رسوله“۔
اور اس پر لعنت کرو جس پر اللہ و رسول نے لعنت کی، اس سے مفارقت اختیار کرو جس کی مفارقت کے بغیر تم اللہ کی قربت نہیں حاصل کر سکتے۔

اے اللہ! لعنت کر ابو سفیان بن حرب اور اس کے بیٹے معاویہ پر، یزید ابن معاویہ پر، مروان بن الحکم پر اور اس کی اولاد پر۔

اے اللہ! لعنت کر کفر کے اماموں، گمراہی کے پیشواؤں، دین کے دشمنوں، رسول سے لڑنے والوں، احکام میں تغیر کرنے والوں، کتاب کے بدلنے والوں اور محترم خون بہانے والوں پر۔
اے اللہ! ہم تیرے دشمنوں کی دوستی سے، تیرے گناہ گاروں سے چشم پوشی کرنے سے، تیرے سامنے اپنی بے زاری ظاہر کرتے ہیں جیسا کہ تو نے کہا ہے کہ:
”تو کسی جماعت کو جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان لاتے ہیں ایسا نہ پائے گا کہ وہ ان لوگوں سے محبت کریں جو اللہ اور رسول کے دشمن ہیں“.....

کتاب أبو القاسم عبید اللہ بن سلیمان فی سنة ٥٢٨٤ / بقلم أبو القاسم عبید اللہ بن سلیمان ٥٢٨٤

اس کتاب کو ملک میں نافذ کرنے سے پہلے عبید اللہ بن سلیمان (وزیر) نے قاضی یوسف بن یعقوب سے کہا کہ کسی تدبیر سے خلیفہ المعتضد کو اس کتاب کے نفاذ سے روک دے۔ چنانچہ قاضی موصوف نے خلیفہ سے گفتگو کی۔

”اے امیر المؤمنین! مجھے یہ خوف ہے کہ عوام میں اضطراب پھیل جائے گا اور اس کتاب کے سننے کے وقت ان میں ایک حرکت پیدا ہو جائے گی۔

خلیفہ نے جواب دیا کہ: اگر عوام متحرک ہوئے یا کلام کیا تو میں شمشیر زنی کروں گا (بن

تحرکت العامة أو نطقت و ضعت سبغی فیہا) قاضی نے کہا: امیر المؤمنین! ان طالعین (اولاد علیؑ بن ابی طالب) کے بارے میں کیا کیا جائے گا جو برعلائے قے میں بغاوت کرتے رہتے ہیں اور لوگ ان کی قرابت رسول اور ان کے اعمال حسد کی وجہ سے ان کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اس کتاب میں ان ہی کو پیش کیا گیا ہے، جب لوگ یہ سنیں گے تو ان کی طرف اور زیادہ مائل ہو جائیں گے، ان کی زبانیں بھی اور زیادہ کشادہ ہو جائیں گی اور آج سے زیادہ ان کی صحبت قوی ہو جائے گی“

”فأمسك المعتضد فلم يرد عليه جواباً و لم يأمر في الكتاب بعدد بشئ“

المعتضد رک گیا اور اس نے کوئی جواب نہ دیا اور نہ ہی اس کتاب کے متعلق کوئی حکم دیا۔ (تاریخ الامم والملوک۔ الجزء الثامن طبع بیروت لبنان ص ۱۸۲ تا ۱۹۰، تاریخ طبری حصہ دوم خلافت بغداد کا دور انحطاط حصہ دوم ۲۵۷ھ تا ۳۰۲ھ مترجمہ علامہ عبداللہ العمادی ص ۲۵۳ تا ۲۶۶۔ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی)

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ کیا سنی اور کیا شیعہ؟ حضرت معاویہؓ کے جملہ معاندین و ماقدین کا اصل مآخذ امام طبری کا تصنیف کردہ یہی رسالہ یا کتاب ہے جسے موصوف نے اپنی تاریخ الامم والملوک میں محفوظ کر دیا ہے۔

امام طبری (۳۱۰ھ) کی ”تحقیق“ کے مطابق مذکورہ ”کتاب“ مامون الرشید نے اپنی خلافت (۱۹۸ھ تا ۲۱۸ھ) کے دوران میں لکھوائی تھی جامعین اور مؤلفین کا کوئی اثر یہ نہیں ہے کہ یہ کون لوگ تھے؟ اس ”کتاب“ کو پڑھنے اور نافذ کرنے کے بجائے دفتر میں محفوظ کر دیا گیا۔ مامون کی وفات کے بعد معتضد کی خلافت سے پہلے آٹھ عباسی خلفاء مستعین باللہ، واثق باللہ، متوکل علی اللہ، معصر باللہ، مستعین باللہ، معتز باللہ، مہدی باللہ، معتضد علی اللہ (۲۱۸ھ تا ۲۷۹ھ) گزرے ہیں مگر یہ کتاب ”دیوان“ میں ہی محفوظ رہی جسے معتضد باللہ نے ۲۸۴ھ میں نکلوا یا اور بزور شمشیر نافذ کرنے کا اعلان کیا مگر قاضی کے مشورے کے مطابق اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ مؤرخین نے مامون اور معتضد کے شیعہ ہونے کی تصریح کی ہے اور ان دونوں کے درمیان آٹھ ”سنی“ خلفاء گزرے ہیں مگر ان میں سے کسی ایک نے بھی اس کتاب کو تلف نہیں کرایا۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مامون کی طرف اس کتاب کی ”نسبت“ مشکوک ہے۔ سوال یہ ہے کہ خلیفہ کے دفتر میں محفوظ یہ کتاب امام طبری تک کیسے پہنچی جو موصوف کی ولادت (۲۲۴ھ) سے پہلے لکھی گئی تھی اور جب معتضد نے اسے ۲۸۴ھ میں نکلوا یا اس وقت طبری کی عمر ۶۰ سال تھی اور ماشاء اللہ تفسیر لکھنے میں

مصرف تھے۔ پھر تاریخ پر کام شروع کیا جسے اپنی وفات سے آٹھ سال پہلے ۳۰۲ھ تک مکمل کر لیا۔ معتز بن ابی اللہ کی خلافت ۲۷۹ھ سے ۲۸۹ھ تک قائم رہی پھر امام طبری کی وفات (۳۱۰ھ) تک دو خلفاء مکلفی باللہ (۲۸۹ تا ۲۹۵ھ) اور معتز بن ابی اللہ (۲۹۵ تا ۳۲۰ھ) گزرے ہیں۔ مؤخر الذکر دونوں خلفاء معتز بن ابی اللہ کے بیٹے ہیں اور یہ تینوں اس کے نفاذ میں کام رہے ہیں ظاہر ہے کہ اموی صحابی شہید ترین تو بن پر مبنی زیر تبصرہ کتاب امام طبری تک پہنچانے میں ان تینوں خلفاء میں سے کسی ایک ہی خلیفہ کا کردار ہو سکتا ہے لیکن یہ کیوں کر ممکن ہے کہ سرکاری دستاویز سرکاری دفتر سے نکلوا کر اسے امام طبری تک پہنچا دیا جائے اور کسی کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی ہو۔

معتز جیسا ظالم اور شیعہ خلیفہ شدید خواہش کے باوجود محض اس خوف سے کتاب کے نفاذ سے باز آ گیا تھا کہ کہیں خلافت عباسیوں سے نکل کر ’اہل بیت‘ میں نہ پہنچ جائے لہذا وہ تو اسے طبری کے حوالے کر کے اپنی خلافت کو غیر مستحکم نہیں کر سکتا تھا جبکہ کتاب لکھنے والا اس کا وزیر عبید اللہ بن سلیمان اور قاضی یوسف بن یعقوب تو ابتداء ہی سے اس کے نفاذ کے حق میں نہیں تھے۔

یہ بات یقیناً باعث حیرت ہے کہ امام طبری نے اتنی اہم ’’کتاب‘‘ کی کوئی سند نہیں دی اور نہ ہی ان ’’جامعین‘‘ کے نام بتائے جنہوں نے یہ نسخہ نقل کر کے معتز کو دیا تھا۔ پھر آخر میں ’’ذکر‘‘ (یعنی مذکور ہے) کے صیغہ سے اس کتاب کا ’’ذراپ سین‘‘ بتایا گیا ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس کتاب کے ’’مصنف‘‘ دراصل امام طبری خود ہی ہیں جنہیں بنو امیہ بالخصوص حضرت معاویہؓ کے ساتھ شدید بغض تھا اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ طبرستان حضرت معاویہؓ کے دور میں فتح ہوا تھا۔ انہوں نے ۲۸۲ھ میں اس کتاب کے ’’وجود‘‘ میں آنے سے بہت پہلے حضرت معاویہؓ کے نام کے ساتھ متعدد مقامات پر ’’لعنہ اللہ‘‘ کے الفاظ لکھے تھے جبکہ اس کتاب میں بھی قرآن و حدیث کی روشنی میں موجبات لعن ہی بتائے گئے ہیں۔ طبری کی اس ہاپاک جسارت پر ترجمان اہل سنت مولانا محمد مافع صاحب جیسے معتدل مفکر بھی یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ:

غور طلب یہ بات ہے کہ صاحب التاریخ محمد بن جریر الطبری کے لئے عباسیوں کے اس فراہم کردہ غلیظ مواد کو من و عن نقل کر کے اپنی تصنیف میں شامل کرنے کا کون سا داعیہ تھا؟ اور اس نے کون سی مجبوری کی بناء پر یہ کار خیر پورا کیا؟ گویا الطبری نے اس مواد کو اپنی تاریخ میں درج کر کے آنے والے لوگوں کو اس پر آگاہ کیا اور سب و شتم اور لعن طعن کے جو دلائل عباسیوں نے مرتب کروائے تھے ان پر آئندہ نسلوں کو مطلع کرنے کا ثواب کمایا۔ چنانچہ شیعہ اور روافض رسالہ

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

امام طبری

مذکورہ میں مندرجہ مواد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی کتب میں ابوسنیان اور حضرت امیر معاویہؓ پر مطاعن قائم کرتے ہیں اور شدید اعتراضات پیدا کرتے ہیں۔

درحقیقت الطبری نے اہل اسلام میں انتشار پھیلانے اور افتراق ڈالنے کے لئے بڑی عجیب تدبیر اور حکمت عملی اختیار کی، جس سے مخالفین صحابہ کو ایک گوندہ بنائی حاصل ہوئی اور ان کو عداوت پوری کرنے کے لئے ایک تیار شدہ مواد دستیاب ہو گیا۔

کئی لوگ ان دلائل پر نظر کرنے سے متذبذب ہو گئے، کئی ناظرین صحابہ کرام سے متنفر ہو گئے اور بعض قارئین دل برداشتہ ہو کر اموی صحابہ سے مخرف ہو جائیں گے۔ الطبری کو اس باطل مواد کا اس تفصیل سے ذکر ہی نہیں کرنا چاہئے تھا بلکہ صرف ایک واقعہ تاریخی حیثیت سے اجمالاً ذکر کر دینا کافی تھا جیسا کہ باقی مؤرخین نے واقعہ خدا کو اجمالاً درج کیا ہے اور دلائل کی تفصیل کی طرف نہیں گئے۔ اور اگر کسی مجبوری کی وجہ سے ذکر کیا تھا تو پھر اس مواد کے بطلان پر کچھ کلام کرنا لازم تھا کہ لوگ اس سے غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں لیکن الطبری نے ایسا نہیں کیا۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب التاریخ الطبری کی نیت بخیر نہ تھی بلکہ فاسد تھی اور ان صحابہ کرام کے حق میں ”الطبری“ خود سوئے ظن کا مریض تھا۔“ (فوائد نفعہ جلد اول ص ۵۸۰-۵۸۱)

یہ ملحوظ رہے کہ جن مؤرخین نے اس واقعہ کو اجمالاً ذکر کیا ہے تو ان کا مآخذ بھی تاریخ طبری ہی ہے لہذا اس من گھڑت، باطل اور سراسر کذب و افتراء پر مبنی واقعہ کو اجمالاً بھی ذکر نہیں کرنا چاہئے تھا۔ امام طبری نے حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد حضرت حسینؓ کی زبانی انہیں ”غزوان“ کا لقب دیا ہے۔ جبکہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ آخر وقت تک مثالی تعلقات قائم رہے اور ان حضرات نے باہمی ادب و احترام میں بھی کبھی کوئی فرق نہ آنے دیا۔

امام ابن کثیر (م ۷۴۷ھ) فرماتے ہیں کہ:

فبكر مهمما معاوية اكراماً زائداً و يقول لهما مرحباً و أهلاً و يعطيهما عطاءً جزيلاً و قد اطلق لهما في يوم واحد مائتي الف.....“ (البدایة والنہایة جلد ۸ ص ۱۵۱)

تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان دونوں کی بہت زیادہ تکریم کرتے، مرحباً و اہلاً کے الفاظ سے ان کا استقبال کرتے، عطیات کثیرہ سے نوازتے اور بعض اوقات ایک دن میں دو، دو لاکھ درہم بھی پیش کر دیتے تھے....“

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات (۵۰ھ) کے بعد بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ باقاعدہ ہر سال شام تشریف لے جاتے رہے۔ اگر بالفرض حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ منصب خلافت پر فائز نہ بھی ہوتے تو پھر بھی بحیثیت صحابی اور عمر میں بڑے ہونے کی بناء پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر ان کا ادب و احترام فرض تھا لیکن امام طبری نے اپنے ”راوی“ کے ذریعے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے جو الفاظ نکلوائے وہ کسی عام مسلمان کے بھی شایان شان نہیں ہیں۔ تو پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ جیسی عظیم شخصیت کی طرف ان کو کیوں کر منسوب کیا جاسکتا ہے؟ مگر امام طبری کو اس سے کیا غرض؟ ان کا مقصد وحید محض حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مطعون کرنا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد گورز مدینہ ولید بن نحبہ نے اپنے قاصد کے ذریعے حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو بلوایا:

فوجدہما فی المسجد وھما جالساں قاتا ھما فی ساعة لم یکن الولید یجلس فیہما للناس ولا یأتیانہ فی مثلھا فقال: أجبیا الأمير یدعو کما فقال لہ انصرف الآن نأتیہ ثم أقبل أحدهما علی الآخر فقال عبداللہ بن الزبیر للحسین ظن فیما تراء بعث الینا فی ہذہ المساعۃ النی لم یکن یجلس فیہا۔ فقال حسین: قد ظننت أری طاغیثہم قد ھلک فبعث الینا لیاخذنا بالبیعة قبل أن یمشوا فی الناس الخبر فقال وأنا ما أظن غبرہ.....

قد دخل فسلم علیہ بالامرة و مروان جالس عنده فقال حسین کأنہ لا یظن ما یظن من موت معاویة الصلة خیر من القطعية أصلح اللہ ذات بینکما فلم یجیبہا فی ہذا ہشیء و جاء حتی جلس فأقرأہ الولید الکتاب و نعی لہ معاویة و دعاه الی البیعة فقال حسین: إنا للہ وانا الیہ راجعون و رحم اللہ معاویة و عظم لک الاحر.....

(تاریخ الامم والملوک الجزء الرابع ص ۲۵۱، تحت سنة ۶۰ھ۔ طبع بیروت)

اس (قاصد) نے ان دونوں (حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما) کو مسجد میں پایا، وہ بیٹھے ہوئے تھے کہ اس نے آکر کہا کہ امیر نے تم دونوں آدمیوں کو طلب کیا ہے۔ یہ وقت ایسا تھا کہ ولید اس وقت لوگوں سے نہیں ملتا تھا نہ یہ دونوں شخص کبھی ایسے وقت اس سے ملنے کو جاتے تھے۔ دونوں نے یہ جواب دیا: تم جاؤ ہم ابھی آتے ہیں۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اب حنین رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اس وقت تو ولید کسی سے ملتا نہیں۔ بتاؤ کیوں ہم لوگوں کو بلا یا ہے؟ حنین رضی اللہ عنہ نے کہا میں سمجھتا ہوں ان لوگوں کا فرعون ہلاک ہو گیا ہے۔ ہم کو اس لیے بلا بھیجا ہے کہ اس خبر کے فاش ہونے سے پہلے ہی بیعت کے لیے ہم پر مواخذہ کرے۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں بھی یہی سمجھتا ہوں (پھر پوچھا تمہارا کیا ارادہ ہے؟ کہا اسی وقت اپنے جوانوں کو ساتھ لے کر ولید کے پاس جانا ہوں، دروازہ پر ان لوگوں کو روک دوں گا اور خود اس کے پاس جاؤں گا۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تم اس کے پاس گئے تو مجھے تمہاری جان کا اندیشہ ہے۔ حنین رضی اللہ عنہ نے کہا میں اس طرح جاؤں گا کہ نکل بھی سکوں) حضرت حنین رضی اللہ عنہ داخل ہوئے اور السلام علیک یا امیر کہا۔ مروان (رضی اللہ عنہ) اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ حنین رضی اللہ عنہ نے موت معاویہ رضی اللہ عنہ سے انجان ہو کر کہا: میل رکھنا ترک ملاقات سے بہتر ہے۔ خدا نے تم دونوں آدمیوں میں صلح کرا دی۔ دونوں نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ حنین رضی اللہ عنہ آکر بیٹھ گئے تو ولید نے خط پڑھ کر سنایا، معاویہ رضی اللہ عنہ کے مرنے کی خبر دی اور بیعت کا طالب ہوا۔

حنین رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر ”قَالَ اللَّهُ وَاتَّخَذَ رَاجِعُونَ“ کہا اور کہا کہ خدا معاویہ رضی اللہ عنہ پر رحم کرے اور (بیعت کا جو تم نے مجھ سے سوال کیا تو میں پوشیدہ طور پر بیعت کرنے والا نہیں.....) (تاریخ طبری جلد چہارم ص ۱۶۴۔ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی مترجمہ سید حیدر علی طباطبائی) امام طبری نے ایک ہی صفحہ پر حضرت حنین رضی اللہ عنہ کا متغنا و کردار پیش کیا ہے کہ پہلے مسجد نبوی میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے سامنے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں تو یہ کہتے ہیں کہ ”ان کافر عوں ہلاک ہو گیا ہے“ (یہ کردار کسی بھی مسلمان کے شایان شان نہیں ہے) پھر گورنر کے سامنے تعزیت کرتے ہوئے کلمہ استرجاع پڑھتے ہیں۔

امام طبری نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے انعتاد کے موقع پر بھی جی بھر کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کردار کشی کی۔ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بن گئے تو بقول طبری: حضرت معاویہ کے والد ابوسفیانؓ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ:

ما بال هذا الأمر قى أقل حتى من قريش والله لئن شئت لأملأنها عليه خيلاً و رجالاً فقال علي يا أبا سفيان طال ما عادت الإسلام وأهله فلم تضروه بذلك شيئاً

انا وجدنا أبابكر لها أهلا.....

لما اجتمع الناس على بيعة أبي بكر أقبل ابوسفيان وهو يقول: واللّه انى لأرى عجاظاً لا يطفئها إلا دم يا آل عبد مناف فيما أبوبكر من أموركم. أين المستضعفان، أين الأذلان على والعباس وقال أنك واللّه ما أردت بهذا إلا الفتنة وأنك واللّه طال ما بغيت الإسلام شراً، لا حاجة لنا فى نصيحتك..... لماً يبيع أبوبكر قال أبوسفيان لعلى والعباس أنتم الأذلان. (تاريخ الامم والملوك - الجزء الثانى ص ۴۴۹ - طبع بيروت)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد ابوسفیانؓ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: ”کیا مجھ سے کہ قریش کے سب سے چھوٹے قبیلے کا ایک آدمی خلیفہ بن گیا۔ اللہ کی قسم اگر آپ یہ منصب چاہیں تو میں وادی کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوسفیانؓ، تیری یہ بات اسلام اور اہل اسلام کی عداوت پر مبنی ہے پہلے بھی تو اسلام کے ساتھ دشمنی کرتا رہا ہے لیکن تو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکا۔ یقیناً ہم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس منصب کا اہل پایا ہے“.....

ابوسفیانؓ نے کہا: اے آل عبد مناف! ابوبکرؓ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ تمہارا سربراہ بن جائے۔ وہ دونوں ذلیل و کمزور یعنی عباسؓ اور علیؓ کہاں ہیں؟ اور کہا اے ابوالحسنؓ! ہاتھ آگے بڑھائیے میں آپ کی بیعت کرتا ہوں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا اور ابوسفیانؓ کو ڈانٹ پلائی اور کہا کہ اللہ کی قسم تیرا مقصد صرف فتنہ و فساد پھیلانا ہے۔ اللہ کی قسم تو اسلام کے خلاف شرانگیزی ہی کرتا رہا، ہمیں تمہاری نصیحت کی کوئی ضرورت نہیں ہے..... جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت ہو گئی تو ابوسفیانؓ نے حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ سے کہا کہ تم دونوں ذلیل ہو.....

یہی نہیں بلکہ امام طبری نے حقیقہ بنی ساعدہ میں بھی خوب صحابہ کی زبان سے ایک دوسرے کو مطعون ٹھہرایا ہے:

فأقبل الناس من كل جانب يبایعون أبابكر وكادوا يطغون سعد بن عبادہ فقال ناس من اصحاب سعد اتقوا سعدا لا تطغوه فقال عمر: اقلوه قتلہ اللہ ثم قام على رأسه فقال لقد هممت أن أطأك حتى تدبر عضوك فأخذ سعد بلحیة عمر فقال: واللّه لو حصصت منه شعرة ما رجعت وفى قبلك واضحة.....

لماً قام الحباب بن المنذر انتضى سيفه..... فحامله عمر فضرب يده فندبر

المبغف فأخذه ثم وثب على سعد ووثبوا على سعد وتنازع القوم على البيعة وباع سعد وكانت قلعة كفلتات الجاهلية۔

قام أبو بكر دونها وقال قاتل حين لوطي سعد فقتل سعداً فقال عمر: قتله الله انه منافق.... (تاريخ الامم والملوك الجزء الثاني ص ۵۹-۶۰ تحت سنة ۱۵- طبع بيروت)

اب ہر طرف سے لوگ آ کر ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے لگے۔ قریب تھا کہ وہ سعد (بن عبادہ رضی اللہ عنہ) کو روند ڈالتے۔ اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے کسی آدمی نے کہا کہ سعد رضی اللہ عنہ کو بچاؤ، ان کو نہ روندو۔ عمر رضی اللہ عنہ کہا: اللہ اسے ہلاک کرے، اس کو قتل کرو اور خود ان کے سر پر آ کر کھڑے ہو گئے اور کہا میں چاہتا ہوں تم کو روند کر ہلاک کر دوں۔ سعد رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کی وارنٹی چکڑی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: چھوڑو اگر اس کا ایک بال بھی پکا ہوا تو تمہارے منہ میں ایک دانت نہ رہے گا۔۔۔۔۔

عمر رضی اللہ عنہ نے اس (حباب بن منذر رضی اللہ عنہ) پر حملہ کیا، اس کے ہاتھ پروا کر یا، تموار گر پڑی، عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اٹھا لیا اور پھر سعد رضی اللہ عنہ پر چھپے۔۔۔۔۔

اس وقت عہد جاہلیت کا سا منظر پیش آیا اور تو، میں میں ہونے لگی۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ اس جھگڑے سے دور رہے۔ جس وقت سعدؓ پر لوگ چڑھ گئے کسی نے کہا کہ تم لوگوں نے سعدؓ کو مار ڈالا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ اسے ہلاک کر دے وہ منافق ہے۔

امام طبری اسی موقع پر اہل تشیع کی تائید میں حضرت عمرؓ پر ایک یہ گھٹا ونا اور کبر و انزاع بھی عائد کرتے ہیں کہ: ”نیا دین قلیب سے مروی ہے کہ وہاں (یعنی حقیقہ بنی ساعدہ) سے عمرؓ بن خطابؓ کے مکان پر آئے وہاں طلحہؓ، زبیرؓ اور دوسرے مہاجر (رضی اللہ عنہم) موجود تھے، عمرؓ نے کہا چل کر بیعت کرو، ورنہ میں اس گھر میں آگ لگا کر تم سب کو جلا دوں گا۔ زبیرؓ تموار نکال کر عمرؓ کی طرف بڑھے مگر فرش میں پاؤں الجھ جانے کی وجہ سے گرے اور تموار ہاتھ سے چھوٹ گئی، تب اور لوگوں نے فوراً زبیرؓ پر یورش کر کے ان کو قابو میں کر لیا“ (تاریخ طبری جلد اول سیرت النبی ص ۵۲۹ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی)

یہ ملحوظ رہے کہ یہ اس وقت کا منظر نامہ ہے کہ ابھی حجرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو نہ تو غسل دیا گیا تھا اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحفین و تدفین عمل میں آئی تھی۔ امام طبری نے تو اس منظر کو عہد جاہلیت کے ساتھ تشبیہ دے دی۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ایسے حالات میں اس کی نظیر عہد جاہلیت میں بھی نہیں مل سکتی۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

امام طبری

سخت تعجب ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبانی حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ رئیس انصار اور بدری صحابی کو ”منافق اور واجب القتل“ قرار دے دیا گیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو نہ تو زندگی میں بخشا گیا اور نہ ہی بعد از وفات۔ بلکہ امام طبری نے تو عین مرض موت میں بھی ان کے ساتھ یہ سلوک جاری رکھا حالانکہ اس بزرگ وقت میں تو بڑے سے بڑے گناہ گار کو بھی فکر آخرت دامن گیر ہو جاتی ہے۔ موصوف نے ”ستیفہ بنی ساعدہ“ والا نقشہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے آخری لمحات کے موقع پر بھی کھینچ دیا جس میں حضرت معاویہ، حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم تینوں کی شدید ترین توہین پائی جاتی ہے۔ چنانچہ امام طبری لکھتے ہیں کہ:

أَنَّ مَعَاوِيَةَ لَمَّا مَرَضَ مَرَضَهُ الَّتِي هَلَكَ فِيهَا دَعَا يَزِيدَ ابْنَهُ فَقَالَ: يَا بَنِيَّ أَنْتَ قَدْ كَفَيْتَكَ الرِّحْلَةَ وَالنَّوْحَالَ وَوَطَأْتَ لَكَ الْأَشْيَاءَ وَذَلَّلْتَ لَكَ الْأَعْدَاءَ وَأَخْضَعْتَ لَكَ أَعْنَاقَ الْعَرَبِ وَجَمَعْتَ لَكَ مِنْ جَمْعٍ وَاحِدٍ۔

وانسى لا تخوف أن ينازعك هذا الأمر الذي استتب لك الآ أربعة نفر من قريش الحسين بن علي و عبد الله بن عمر و عبد الله بن الزبير و عبد الرحمن بن أبي بكر۔

فاما عبد الله بن عمر فرجل قد وقفته العبادة و اذا لم يبق أحد غيره بايعك۔
و أما الحسين بن علي فان أهل العراق لن يدعوه حتى يخرجوه فان خرج عليك فظفرت به فاصفح عنه فان له رحماً ماسة وحقاً عظيماً۔ و أما ابن أبي بكر فرجل ان رأى أصحابه صنعوا شيئاً صنع مثلهم ليس له همة الا قى النساء واللهم۔
و أما الذي يجثم لك جثوم الأسد ويراو غلك مراوعة الثعلب فاذا أمكنته فرصة وثب فذالك ابن الزبير فان هو فعلها بك فقد درت عليه فقطعه ارباً ارباً۔

(تاریخ الامم والملوک۔ الجزء الرابع۔ ص ۲۳۸۔ تحت سنة ۵۶۰ھ)

معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب مرض موت لاحق ہوا تو اپنے بیٹے یزید کو بلا بھیجا اور کہا:

اے میرے بیٹے میں نے تجھے زحمت و مشقت سفر سے بچالیا، تیرے ہر امر کو آسان کر دیا۔ تیرے لیے دشمنوں کو میں نے رام کر دیا، تیرے لیے عرب کی گردنوں کو میں نے جھکا دیا۔ تیرے لیے جو کچھ میں نے جمع کیا ہے وہ کسی نے نہ کیا ہوگا۔

مجھے اس بات کا اندیشہ نہیں ہے کہ امر خلافت جو تیرے لیے یقینی ہو چکا ہے، قریش میں

سے چار شخصوں کے سوا کوئی تجھ سے اس باب میں نزاع کرے گا۔

حسین بن علی، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم۔

ان میں سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا عبادت نے کام تمام کر دیا ہے اور جب وہ دیکھیں گے کہ ان کے سوا کوئی باقی نہیں رہا تو وہ بھی تجھ سے بیعت کر لیں گے۔

اور حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو عراق کے لوگ جب تک خروج پر آمادہ نہ کر لیں گے ہرگز نہ چھوڑیں گے۔ اگر وہ تجھ پر خروج کریں اور تو ان پر قابو پا جائے تو درگزر کرنا۔ ان کو قراہت قریبہ حاصل ہے اور بہت بڑا حق رکھتے ہیں۔

اور عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما وہ شخص ہے کہ اپنے ساتھیوں کو جو کام کرتے دیکھے ویسا ہی خود بھی کرے گا۔ اسے عورتوں اور لہو و لعب کے سوائے کسی بات کا خیال نہیں۔

ہاں جو شخص شیر کی طرح تیری گھات میں بیٹھے گا اور لومڑی کی طرح تجھے دھوکا دے گا جب اسے موقع ملے گا حملہ کر دے گا، وہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما ہے۔ اگر ایسی حرکتیں وہ تیرے ساتھ کرے اور تیرے قابو میں آجائے تو اس کے کھڑے اڑا دینا۔

امام طبری نے حضرت معاویہؓ کا یہ ”وصیت نامہ“ اپنے ہم مسلک جناب ہشام بن محمد بن سائب کلبی اور حضرت ابو جعفر کی سند سے نقل کیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ امام طبری نے اپنی تاریخ کا اکثر حصہ ان ہی راویوں اور ان کے ہم خیال حضرات کے ”تعاون“ سے ہی مرتب کیا ہے۔ علمائے رجال نے کلبی اور ابو جعفر پر شدید قسم کی جرح کی ہے کہ یہ غیر معتبر، ضعیف و متروک، قصہ گو، اخباری، کذاب، دجال، رافضی اور آگ لگانے والے شیعہ ہیں۔

امام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) لکھتے ہیں کہ:

ابو مخنف و ہشام بن محمد بن العاصب و امثالہما من المعروفین بالکذب

عند اهل العلم۔ (منہاج السنۃ الجزء الاول ص ۱۳)

اہل علم کے نزدیک ابو جعفر اور ہشام بن محمد بن سائب کلبی اور ان جیسے دیگر راویوں کا کذاب ہونا معروف ہے۔

صدائے سنوس کہ امام طبری نے ان خبیث، مروود، سبائی، رافضی، شیعہ، کذاب اور دروغ گو راویوں پر ”اعتماد“ کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر الزامات عائد کر کے قرآن و حدیث کے واضح احکامات کو پس پشت ڈال دیا۔

اگر بالفرض محال یہ سارے راوی اور ناقل ، رافضی اور کذاب نہ بھی ہوتے تو پھر بھی اس ”وصیت نامے“ کے جھوٹے اور جعلی ہونے کا سب سے بڑا ثبوت حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ وصیت رجب ۶۰ھ میں ان کے مرض الموت میں محفوظ کی جا رہی ہے مگر ان جیسے صاحب بصیرت ، لکھی اور عالمی حالات ، شخصیات اور واقعات پر گہری نظر رکھنے والے عظیم مددہ اور سیاست دان کی زبان سے حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کا نام نکلوا یا جا رہا ہے جو وصیت نامہ تحریر ہونے سے سات سال پہلے ۵۳ھ میں ہی وفات پا چکے تھے۔ اگر کوئی اس سن وفات سے ”اتفاق“ نہ کرے تو یہ بات تو قطعی ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما وصیت نامہ کی تحریر یا املاء سے پہلے وفات پا چکے تھے۔

علاوہ ازیں ان پر یہ بدترین الزام بھی لگایا گیا ہے کہ انہیں ”موتوں اور لمبوں و لعب“ کے سوا کسی بات کا خیال نہیں جب کہ ان کی ساری زندگی جہاد اور اعلائے کلمۃ اللہ میں بسر ہوئی۔ اول تو وہ وصیت کے وقت دنیا میں موجود ہی نہیں تھے اگر بالفرض وہ زندہ بھی ہوتے تو اس وقت ان کی عمر ۷۷ سال سے زائد بنتی ہے۔ کیا یہ عمر کھیل کو دلموں و لعب اور عورتوں سے دلچسپی کی ہوتی ہے؟

تاریخ طبری میں صحابہ کرام بالخصوص سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی کردار کشی پر مبنی روایات اور امام طبری کی خصوصی ”کاوشوں“ کا ہی یہ نتیجہ نکلا کہ ان کی وفات کے صرف ۱۰ سال بعد ۳۲۰ھ میں آل بویہ جیسے ظالم اور سفاک شیعہ اقتدار میں آگئے جنہوں نے امام طبری کی پیروی میں جامع مسجد بغداد کے دروازے پر ”تعلن اللہ معاویہ بن قیس سفیان“ کے الفاظ کندہ کرا دیے۔ جس کتاب میں صحابہ کرام کی توہین کی گئی ہو اور حضرت معاویہ کے اسم گرامی کے ساتھ نہ صرف ”لعنہ اللہ“ کے الفاظ لکھے ہوں بلکہ ان پر لعنت کے جواز کو بہ دلائل بھی ثابت کیا گیا ہو تو اس مؤلف کا دفاع کرنے والے بھی اس جرم میں مدد کے شریک ہیں۔



۳۔ امام ابو بکر جصاص رازی حنفی

(م ۳۷۰ھ)

مشہور مفسر، محدث، فقیہ، متکلم، مجتہد، حجة الاسلام ابو بکر احمد بن علی رازی حنفی الجصاص بغداد میں ۳۰۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے دور میں حنفیہ کے سرخیل تھے اور ان کی ذات پر احناف کی امامت و سیادت ختم ہو گئی تھی۔ انہوں نے ابو الحسن کرخی اور دیگر فقہائے عصر سے استفادہ کیا۔ بغداد میں تدریس کا آغاز کیا پھر وہیں کے ہو کے رہ گئے۔ منصور بالله نے طبقات معتزلہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ موصوف معتزلی عقائد سے متاثر تھے اور ان کا یہ رجحان ان کی تفسیر میں صاف جھلکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ امام ابو بکر جصاص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف بغض و عناد میں جملہ دشمنان معاویہ رضی اللہ عنہ سے سبقت لے گئے ہیں۔ موصوف کی تفسیر ”احکام القرآن“ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے قلم نے جابجا ”بغض معاویہ“ کا زہر بکھیرا ہے:

قد بدت البغضاء من افواههم وما تخفي صدورهم اكبر۔ (آل عمران ۱۱۸)
محقق اہل سنت اور سابق شیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ راولپنڈی مولانا ابوریحان عبدالغفور صاحب سیالکوٹی لکھتے ہیں کہ:

”معلوم ہوتا ہے کہ ان کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے خدا واسطے کا بغور اور بغض ہے۔ احکام القرآن میں کوئی موقع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر چوٹ کرنے کا ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ جہاں ذرا سا بھی موقع ملتا ہے ان پر ضرور چوٹ کرتے ہیں بلکہ موقع نہ ہو تو موقع نکال لیتے ہیں۔

ان کے نزدیک چونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قابلِ توثیق نہیں بلکہ ہیں ہی قابلِ تمراء۔ اس لئے بایں ہمہ علم و فضل اور امامت و اجتہاد اپنے مقام رفیع سے کہیں نیچے تر کر ان پر خوب تمراء کرتے ہیں۔ چونکہ مجتہد ہیں اس لئے ان کا یہ تمراء بھی مجتہدانہ شان کا حامل ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایسا تمراء نہ ان سے پہلے آپ نے کسی سنی حنفی امام سے سنا ہوگا، نہ ان کے بعد۔“ (سبائی فتاویٰ طبع دوم ص ۲۲۰-۲۲۱)

کلیۃ الشریعۃ جامعہ ازہر کے پروفیسر اور منصر کے ممتاز عالم ڈاکٹر محمد حسین ذہبی نے اپنی

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین امام ابو بکر حساس

کتاب "التفسیر والمفسرون" میں "حملة الحصاص على معاوية" (یعنی حضرت معاویہؓ پر حصاص کی یورش) کا عنوان قائم کر کے چند عبارات نقل کی ہیں:

امام حصاص آیت تمکین "الذین ان مکلفهم فی الارض" کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: اس آیت میں خلفائے راشدین کے اوصاف ذکر کیے گئے ہیں اور وہ حضرات ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ تھے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی امامت جائز اور درست تھی اس لئے کہ آیت میں بتایا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کو جب زمین کا اقتدار سونپا جاتا ہے تو وہ اللہ کے فرائض و واجبات کو قائم کرتے ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ خلفاء کو اقتدار عطا کیا گیا اس لئے خلفائے راشدین خداوندی اوامرو احکام کو نافذ کرنے والے اور شرعی منہیات و محرمات سے باز رہنے والے تھے۔

معاویہؓ ان کے زمرے میں شامل نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ اس آیت میں مہاجرین کا ذکر کیا گیا ہے اور معاویہؓ مہاجر نہ تھے بلکہ وہ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے تھے۔ (احکام القرآن جلد ۳ ص ۲۰۳) موصوف آیت استخلاف کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ:

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین کی امامت صحیح ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حسب وعدہ ان کو خلافت ارضی سے نوازا تھا۔

معاویہؓ ان کے زمرے میں اس لئے شامل نہیں کہ اس وقت تک ایمان نہیں لایا تھا۔ (حوالہ مذکور ص ۱۴۰۶)

موصوف سورۃ الحجرات کی آیت "فقال اهل البغی" کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: "حضرت علیؓ الزانی میں حق پر تھے۔ اس کے برخلاف معاویہؓ اور ان کے ہم نوا باغی تھے۔ علاوہ ازیں جس نے بھی ان کے خلاف خروج کیا وہ باغی ہے"۔ (حوالہ مذکور ص ۱۴۹۲) علامہ محمد حسین ذہبی لکھتے ہیں کہ:

بصاص کا یہ طرز عمل سخت قابل اعتراض ہے۔ اچھا ہوتا کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس میں ملوث نہ کرتے اور ان کا معاملہ خدا کے سپرد کر دیتے۔

مذکورہ صدر آیات کو اپنے جذبات و نظریات کے سانچہ میں ڈھالنا بھی کوئی قابل تعریف کام نہیں۔ جناب حصاص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک قول "توریت المسلم من الکافر" کو "احداث فی الاسلام" اور "بدعت شرعی" قرار دیتے ہیں۔ (احکام القرآن جلد ۳ ص ۱۰۲)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدین

امام ابو بکر ہمام

جبکہ یہی قول حضرت معاویہ بن جبلیؓ، محمد بن حنفیہ، زین العابدینؓ، جناب باقر، حسن بصریؓ، سعید بن مسیبؓ، شعبیؓ، مسروقؓ، امیہ بن خثیمؓ، عبداللہ بن معقلؓ، یحییٰ اور اسحاق کی طرف بھی منسوب ہے اگر مذکور قول کی نسبت ان حضرات کی طرف صحیح ہے تو پھر اسے احداث فی الاسلام اور بدعت شرعی سے تعبیر کرنا نہایت ہی ناروا جسارت ہے۔

امام ہمام آیت ”لاینال عہدی الظالمین“ (البقرة ۱۲۳) کی تفسیر میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر مزید تہرا کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

إن الظالم لا یكون إماماً..... فلا یجوز أن یكون الظالم نبیاً ولا خلیفة لنبی ولا قاضی۔ (احکام القرآن جلد ۱ ص ۶۹)

ظالم امام نہیں ہو سکتا..... یہ جائز نہیں ہے کہ ظالم شخص نبی ہو یا نبی کا خلیفہ یا قاضی۔
اس کے بعد موصوف عبدالملک بن مروانؓ اور حجاج کا بایں الفاظ تذکرہ کرتے ہیں کہ:
ولم یکن من العرب ولا آل مروان أظلم ولا أكفر ولا أقصر من عبدالملك ولم یکن فی عماله أكفر ولا أظلم ولا أقصر من الحجاج۔ (حوالہ مذکور ص ۷۱)
”عبدالملک سے بڑھ کر عرب اور آل مروان میں کوئی ظالم، کافر اور فاجر نہ تھا اور نہ اس کے عمال میں سے حجاج سے بڑھ کر کوئی کافر، ظالم اور فاجر تھا۔“
موصوف پھر اس دور کے صحابہ و تابعین کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

وسائر التابعین یاخذون أرزاقهم من أیدی هؤلاء الظلمة لا علی أنهم کانوا یتولوا نهم ولا یرون إمامتهم۔ وإنما کانوا یاخذونہا علی أنها حقوق لهم فی أیدی قوم فجرة وکیف یكون ذالک علی وجه موالاتهم وهم خالفون لعبدالملك بن مروان، لا عنون لهم متبرؤن منهم، وكذلك کان سبیل من قبلهم مع معاویة حین تغلب علی الأمر بعد قتل علی علیہ السلام، وقد کان الحسن والحسین یاخذان العطاء وكذلك کان من کان فی ذالک العصر من الصحابة وهم غیر متولین له بل متبرؤن منه علی السبیل الشی کان علیہما علی علیہ السلام الی أن توفاه اللہ تعالیٰ الی جنته ورضوانہ۔ فلیس إذا فی ولاية القضاء من قبلهم ولا أخذ العطاء منهم دلالة علی تولیتهم واعتقادا مامتهم۔ (احکام القرآن جلد اول ص ۷۱)

اور تمام صحابہ و تابعین ان ظالموں کے ہاتھوں سے اپنے وظائف وصول کرتے تھے لیکن اس بناء

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

امام ابو بکر ہصاح

پر نہیں کہ وہ ان کو دوست یا ان سے محبت رکھتے ہوئے یا ان کی خلافت و امامت اور امارت کو درست سمجھتے ہوئے بلکہ وہ اس خیال سے وفاق قبول کرتے تھے کہ یہ ان کے اپنے حقوق تھے جو ظالم اور فاجر لوگوں کے قبضے میں تھے اور یہ طریق عمل ان کے ساتھ دوستی اور محبت کی بنا پر نہیں ہو سکتا بلکہ وہ حضرات عبد الملک بن مروان کی بیعت توڑے ہوئے تھے۔ ان پر لعنت کرتے تھے اور ان پر تہرا کرتے تھے۔

اور ان سے پہلے صحابہ و تابعین کا معاویہ کے ساتھ بھی یہی سلوک اور رویہ تھا جب وہ علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد خلافت پر جبراً قابض ہو گیا تھا اور حضرات حسنین اور جو صحابہ اس کے دور میں موجود تھے وفاق قبول کرتے تھے مگر اس کے ساتھ دوستی اور محبت کے بغیر۔ بلکہ اس سے اسی طرح تہرا کرتے تھے جس طرح علی علیہ السلام کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنی جنت اور رضوان میں لے گئے۔

لہذا اس دور کے صحابہ و تابعین کا (عبد الملک، حجاج اور معاویہ جیسے ظلم، انحراف اور کفر لوگوں کے ہاتھوں سے) عہدہ قضا، اور وفاق قبول کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ حضرات ان سے محبت اور دوستی رکھتے تھے یا ان کی امامت و خلافت کے صحیح ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے۔

امام ہصاح حنفی رازی کی مذکورہ تہرائی عبارت سے حسب ذیل امور ثابت ہوئے:

۱۔ معاویہ، عبد الملک، بن مروان اور حجاج بن یوسف کی مثل ہے۔

۲۔ عبد الملک اور حجاج سے بڑھ کر پورے عرب اور آل مروان میں کوئی کافر، ظالم اور فاجر نہیں (اضلّم وافجر واکفر)

۳۔ قرآن (لاینال عہدی الظالمین) کی رو سے معاویہ، امامت، خلافت اور امارت کا مستحق نہیں۔

۴۔ معاویہ، حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد بھی جائز حکمران یا خلیفہ نہیں تھا بلکہ مغلوب تھا۔

۵۔ حضرت علیؓ، حضرات حسنینؓ اور دیگر صحابہؓ و تابعینؓ، معاویہؓ سے دوستی و محبت نہیں رکھتے تھے بلکہ اس پر لعنت اور تہرا کے علاوہ اس سے نفرت بھی کرتے تھے۔

۶۔ جو صحابہ و تابعین معاویہؓ سے وفاق، تمنا، تہرا اور مناصب قبول کرتے تھے وہ دراصل ان کے اپنے حقوق تھے جو اس ظالم اور فاجر کے قبضہ میں تھے۔

تاریخ کرام! امام ابو بکر ہصاح کی اس جرأت سے بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس تہرے کی زد سے کون کون سے حضرات محفوظ رہے؟

تہرے کی انتہا یہ ہے کہ اس حنفی اور معتزلی مفسر نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یکے از

”ائمة الکفر“ قرار دے دیا۔ چنانچہ وہ ایک دوسرے مقام پر سورۃ التوبہ کی آیت ”ففسقنا تلوا ائمة الکفر“ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

ابن عباسؓ اور مجاہدؓ سے روایت ہے کہ ائمة الکفر سے سرداران قریش مراد ہیں اور قباؤہ نے کہا کہ اس سے مراد ابو جہل، امیہ بن خلف، عتبہ بن ربیعہ اور سہیل بن عمرو ہیں۔

ابو بکرؓ نے کہا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ سورۃ برأت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی اور ابو جہل، امیہ بن خلف اور عتبہ بن ربیعہ اس سے پہلے ہی مارے گئے تھے اور سرداران قریش میں سے سورۃ برأت کے نزول کے وقت کوئی بھی باقی نہ بچا تھا جس نے کفر کا اظہار کیا ہو۔ ائمة الکفر کی صحیح توجیہ یہ ہے کہ اس سے مراد قریش کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے موقع پر اپنے اسلام کا اظہار تو کیا تھا لیکن ان کے دل کفر سے پاک نہیں ہوئے تھے اور وہ طلقاء ہیں جیسے ابوسفیانؓ اور اس کا گروہ۔

إلا أن يكون المراد قوما من قریش قد كانوا أظهروا الاسلام وهم الطلقاء نحو أبي سفيان وأحزابه ممن لم ينق قلبه من الكفر۔ (احکام القرآن جلد ۳ ص ۸۶)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی یقیناً حضرت ابوسفیانؓ ہی کے گروہ میں شامل تھے لیکن جصاص نے ان کے بارے میں یہ تصریح بھی کی ہے کہ:

ليس معاوية من المهاجرين بل هو من الطلقاء (حوالہ مذکور ص ۲۳۶)

معاویہؓ مهاجرین میں سے نہیں بلکہ طلقاء میں سے ہیں۔

اس طرح معاویہؓ بھی ان کے نزدیک یکے ازانمة الکفر ہو گئے۔ (العباد باللہ)

قاضی ابو بکر جصاص رازی ”فاسق امراء“ کی زیر قیادت جہاد کے جواز پر یہ دلیل لائے ہیں کہ:

”وقد كان أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم يغزون بعد الخلفاء الأربعة مع الأمراء الفتاق وغزا أبو أيوب الأنصاري مع يزيد اللعين...“ (احکام القرآن جلد ۳ ص ۱۱۹)

یہاں جصاص حنفی نے ”خلفاء اربعہ“ کے بعد مطلقاً سب امراء کو ”فاسق“ کہہ دیا جن میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی آ جاتے ہیں۔

جصاص کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانجا صریح تو ہیں کہ بعد یہاں کوئی تاویل بھی کارگر ثابت نہیں ہو سکتی کیونکہ ان کے قلم سے ہمیشہ ”بغض معاویہ“ ہی چمکتا بلکہ چمکتا رہا ہے۔

☆☆☆☆☆

۴۔ امام ابو عبد اللہ حاکم

نیشاپوری (م ۴۰۵ھ)

امام حاکم کی کنیت ابو عبد اللہ ہے اور نام محمد بن عبد اللہ اور عرف ابن المہج ہے۔ جس کا معنی ”نیو پاری کا بچہ“ ہے۔ ان کی پیدائش ۳ ربيع الاول ۳۲۱ھ میں بعد عباسیہ اور غالی شیعہ دہلی حکومت (آل بویہ) کے قیام کے ایک سال بعد نیشاپور میں ہوئی۔ نیشاپور ایران کے صوبہ خراسان کے جنوبی پہاڑوں کے دامن میں ایک شہر ہے، جو شہد کے قریب ہے۔ پانچویں صدی میں اس کا نام ساسانی بادشاہ ”شاہپور“ کے نام سے پڑا۔

آل بویہ کی انتہائی سفاک اور ظالم شیعہ حکومت کا دور ۳۲۰ھ سے لے کر ۴۲۸ھ تک رہا ہے۔ نیشاپور کا علاقہ بھی اسی ظالم حکومت کی ماتحتی میں تھا۔ گویا امام حاکم کی ساری زندگی (۳۲۱ھ تا ۴۰۵ھ) اسی عہد میں گزری۔ جب کہ اسی حکومت کے دور عروج یعنی ۳۶۵ھ میں اس حکومت کی طرف سے وہ عہدہ قضا پر بھی مامور ہوئے جس کی بناء پر ان کا لقب ”المحکم“ مشہور ہو کر نام پر غالب آ گیا، حتیٰ کہ وہ آج تک اسی لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔

امام حاکم نے ۳ صفر ۴۰۵ھ میں اس طرح اچانک وفات پائی کہ غسل خانے میں غسل کے لیے گئے۔ فراغت کے بعد اس حال میں باہر نکلے کہ جسم پر صرف تہ بند تھا، ابھی کرتا نہیں پہنا تھا کہ ایک آہ منہ سے نکلی اور طائر روح قفص عنصری سے پرواز کر گیا۔

ظاہر ہے کہ جو شخص ایک ظالم، سفاک اور مذہبی انتہا پسند شیعہ حکومت کے دور میں پروان چڑھا ہو، اسی حکومت کی طرف سے محکمہ قضا پر فائز رہا ہو، جس میں قابل و متقابل بھی پایا جاتا ہو، جو ذہنی، جسمانی اور فکری و نظری تخیرات و غفلت کا بھی شکار رہا ہو، اس کا تشیع بھی مشہور و معروف رہا ہو نہ سب شیعہ سے اس کی محبت، رغبت اور اس کی طرف میلان بھی مسلمہ ہوا اور اختلاط مع الروافض سے بھی اجتناب نہ کر سکتا ہو تو ایسا شخص کس طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ”حسن ظن“ رکھ سکتا ہے؟

محدثین اور متقدمین کی اصطلاح کے مطابق صحابہ کرامؓ کے ساتھ بغض رکھنے والا اور ان پر ”سب“ کرنے والا محض رافضی ہی نہیں بلکہ غالی رافضی ہے۔ علامہ ابن طاہر مقدسی امام حاکم کا

علمی مرتبہ و مقام بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

”رافضی خبیث ... کان شدیداً للعصب للعبیعة فی الباطن و کان یظهر التمعن فی التقدیم والخلافة ... کان منحرقاً عن معاویة وآله مظاهراً بذلك ولا یعتذر منه (تذکرۃ الحفاظ للذهبی تحت ابو عبد اللہ الحاکم)

امام ذہبی اپنی ایک دوسری کتاب میں فرماتے ہیں کہ:

و کان منحرقاً غالباً عن معاویة و عن أهل بیته یظاهرون بذلك ولا یعتذر منه

(سیر اعلام النبلاء للذهبی جلد ۷ ص ۱۷۴)

وہ (یعنی امام حاکم) حضرت معاویہؓ اور ان کی آل و پیروکاروں سے سخت مخرف اور بے زار تھے۔ اس چیز کا یہ ملا اظہار کرتے تھے جس کا کوئی عذر بھی بیان نہیں کیا جاسکتا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام حاکم حضرت معاویہؓ سے اعلانیہ و یہ ملاہ اُت کا اظہار کرتے تھے اور یہ انحراف و مخالفت بھی انتہائی درجے کی تھی۔ (کان منحرقاً غالباً)

جب امام حاکم کی اس مایاک جسارت کی وجہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تہر عام ہونے لگا تو ایک جماعت اور گروہ نے اس رویہ سے تنگ ہو کر موصوف کے اس منبر کو (جس پر بیٹھ کر وہ مجس تہر اپنے جیسے تھے) توڑ دیا اور آئندہ کے لئے انہیں گھر سے باہر مسجد کی طرف نکلنے اور خطبہ دینے سے بھی منع کر دیا۔

اس گروہ کا صرف یہی مطالبہ تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول ہیں ابداً ان کے خلاف بد زبانی نہ کی جائے۔ چنانچہ ابو عبد الرحمن السلمی، امام حاکم کے گھر تشریف لے گئے اور ان سے درخواست کی کہ: حضرت لوگوں کا بس یہی ایک مطالبہ ہے کہ آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر جو تہر کرتے ہیں اس سے معذرت کر لیں اور ان کی منقبت و شان میں کوئی حدیث بیان کر دیں تاکہ اس محصور سے نجات مل جائے تو موصوف نے جواباً و اشکاف الفاظ میں کہا کہ: ”لا یحیی من قلبی، لا یحیی من قلبی“

یعنی میرے دل میں اس شخص کی محبت نہیں آ رہی۔ مجھے یہ تکلیف تو گوارا ہے لیکن اس شخص (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کی فضیلت میں حدیث بیان کر کے چھٹکارا حاصل نہیں کرنا چاہتا۔ امام حاکم سے متعلق مزید تفصیل و تحقیق کے متلاشی قارئین کرام راقم الحروف کی کتاب ”حدیث کلاب حوالب کا تاریخی، تحقیقی اور علمی محاکمہ“ اور الکلام الجاوی فی تحقیق عبارة الطحاوی مؤلفہ امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر کی طرف مراجعت فرمائیں۔

☆☆☆☆☆☆

ابوالحسن علی برہان الدین مرغینانی

صاحب ہدایہ (م ۵۹۳ھ)

صاحب ہدایہ کے ہم وطن بادشاہ بام نے ان کے گاؤں کا نام ”رشدان“ بتلایا ہے اس لیے وہ ”رشدانی“ بھی کہلاتے ہیں۔ صاحب ”الحواہر المضیئة“ کے حسب ذیل القابات سے ان کے علمی مقام کا کچھ اندازہ ہوتا ہے:

”کان اماماً ، فقیہاً ، حافظاً ، محدثاً ، مفسراً ، جامعاً للعلوم ، ضابطاً للفنون ، متقناً ، محققاً ، نظاراً ، ملحقاً ، زاهداً ، ورعاً ، بارعاً ، فاضلاً ، ماهرأً ، أصولاً ، أدیباً ، شاعراً۔ لم تری العیون مثله فی العلم والأدب۔“

جب کہ علامہ مرغینانی کی بلند پایہ تصنیف ”الہدایہ“ کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ:

إن الهدایة كالقرآن قد نسخت ما صنفوا قبلها فی الشرع من كتب فاحفظ قرأتها و الزم تلاوتها یسلم مقالک من زیغ و من کذب ہدایہ اس باب میں گویا قرآن سے مشابہ ہے۔ جس نے گند شیشہ شراکے کی کتابوں کو منسوخ کر دیا۔ پس اس کتاب کو پڑھتے رہو اور اس کی تلاوت کو لازم کرلو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تمہاری گفتگو کچی اور غلطیوں سے پاک ہو جائے گی۔

(بحوالہ مصنفین درس نظامی ص ۱۵۶-۱۵۷۔ مؤلفہ مولانا محمد حنیف گنگوہی فاضل دیوبند)

بایں ہمہ علم و فضل علامہ مرغینانی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور امارت کے فیصلوں کے حوالے سے ”السلطان الجائر“ کی اصطلاح استعمال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

”ثم یجوز التقلید من السلطان الجائر کما یجوز من العادل لأن الصحابة تقلدوه من معاویة والحق کان بید علی فی نوبته“ (الہدایہ۔ کتاب ادب القاضی)

پھر سلطان جائز کی طرف سے عہدہ قضا قبول کرنا اسی طرح جائز ہے جس طرح سلطان عادل سے قبول کرنا جائز ہے کیونکہ صحابہ کرامؓ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عہدہ قضا قبول کیا تھا۔ حالانکہ اپنی خلافت کی نوبت آنے پر حق حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھا۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین امام مرغینانی۔ صاحب ہدایہ

علامہ ابن ہمام صاحب ہدایہ کی اس عبارت کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”خذنا تصریح یجوز معاویہ والمراد فی خروجہ لا فی اقصیہ...“
(فتح القدیر جلد ۵۔ ص ۶۱۔ طبع مصر)

”یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ”جوز“ کی تصریح ہے اور اس سے مراد عدالتی فیصلوں میں ان کا جو مراعات نہیں بلکہ ان کا خروج ہے.....“۔

در اصل صاحب ہدایہ نے یہ بات (سلطان جائز) ایک مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھی ہے کہ جس طرح ”سلطان عادل“ سے عہدہ قضا قبول کرنا جائز ہے اسی طرح ”سلطان جائز“ سے بھی عہدہ ومنصب قبول کرنا جائز ہے اور اس کی دلیل میں یہ بات پیش کی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ عہدے اور مناصب صحابہ نے قبول کیے تھے باوجود اس کے کہ حق حضرت علیؓ کی طرف تھا۔ صاحب ہدایہ خود امام اعظم کے اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقوله (أی قبول أبی حنیفہ) وهو ظلم (أی میل عن سواء المسبیل) وهکذا یکشف عن مذهبه رحمه الله أن المجتهد یخطئ ویصيب لا كما ظنه البعض۔

(الهدایہ کتاب ادب القاضی جلد ۲۔ ص ۱۱)

امام اعظم ابو حنیفہ کے قول ”وہو ظلم“ میں ”ظلم“ سے مراد سیدھے راستے سے ایک طرف ہٹ جانے کے ہیں اور اس سے ان کا مذہب ظاہر ہوتا ہے کہ مجتہد خطا پر بھی ہوتا ہے اور صواب پر بھی نہ جیسا کہ بعض نے گمان کیا ہے۔

اس سے یہ بات تو واضح ہو گئی کہ ”ظلم“ سے خود صاحب ہدایہ نے خطائے اجتہادی ہی مراد لی ہے اور خطائے اجتہادی جس طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے سرزد ہو سکتی ہے اسی طرح حضرت علیؓ سے بھی صادر ہو سکتی ہے۔ چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:

”لازم نیست امیر در جمیع امور خلا فیہ محقق باشد ومخالف ایشان بر خطا“

(مکتوبات جلد ۲۔ ص ۵۵، مکتوب نمبر ۶۶)

یہ لازم نہیں کہ حضرت امیر تمام اجتہادی و اختلافی امور میں حق پر ہوں اور ان کے مخالف خطا پر۔

امام ابن ہمام کی توفیح میں دو باتیں بیان ہوئی ہیں۔ ایک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت علیؓ کے خلاف خروج۔ اس وجہ سے ان پر جائز کا اطلاق کیا گیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان کا ”جوز“ تازیست نہیں تھا بلکہ ”مسلح حسن“ تک تھا۔ اس سے پہلے جو عہدے قبول کیے گئے

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

امام مرغینانی۔ صاحب ہدایہ

وہ ”سلطان جائز“ کی طرف سے ہیں اور ان کا قبول کیا جانا بھی جائز ہے لیکن صلح حسنؓ کے بعد ان کی یہ حیثیت بھی باقی نہیں رہی بلکہ ”سلطان عادل“ کی ہو گئی۔ یعنی حضرت حسنؓ کی دست برداری سے قبل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ”جائز“ تھے اور مصالحت کے بعد ”جائز“ نہ رہے۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ امام ابن ہمام کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت حسنؓ کی دست برداری سے پہلے ”جائز“ ہونا بھی اس شرط کے ساتھ شروط ہے کہ جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس ”دور جور“ میں عہدے دیے تھے۔

موصوف صاحب ہدایہ کی عبارت کی تشریح کر کے ان کے استدلال کو غیر تام بتا رہے ہیں یعنی صاحب ہدایہ نے جو دور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ”جور“ کا فرض کیا ہے اس میں انہوں نے نہ کسی کو عہدہ قضا دیا، نہ کسی نے لیا۔ اور جس دور میں یہ لینا دینا باقاعدہ پایا گیا تو وہ دور مصالحت حسنؓ کے بعد کا ہے جسے بالاتفاق وبالاجماع ”دور عدل“ قرار دیا گیا ہے۔

صاحب ہدایہ نے اگر ظلم کا معنی ”مبیل عن سواء المعبیل“ یعنی سیدھے راستے سے ایک طرف ہٹ جانے کے لیے ہیں اور اسے مجتہد کی ”خطا و صواب پر محمول کیا ہے لیکن ان کی یہ تاویل صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ”سلطان عادل“ کے مقابلے میں ”سلطان جائز“ کا ذکر کیا ہے اور ”سلطان عادل“ کے مقابلے میں ”سلطان جائز“ بمعنی مجتہد غلطی کسی لغت میں نہیں ہے۔ یہ درست ہے کہ ”جور“ کا معنی ظلم ہی نہیں بلکہ ”مبیل عن الاستواء والاعتدال“ بھی ہے لیکن یہاں بات مطلق ”جور“ کی نہیں ہو رہی ہے بلکہ ”سلطان عادل“ کے بالمقابل ”سلطان جائز“ کے ”جور“ کی ہو رہی ہے جس کا معنی ظلم ہی بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ صاحب ہدایہ کی اس ”خطا“ کو معاف فرمائے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:

”اور یہ جو بعض فقہاء کی عبارتوں میں ”جور“ کا لفظ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں واقع ہوا ہے اور کہا ہے کہ حضرت معاویہؓ ”جور“ کرنے والے امام تھے تو اس ”جور“ سے مراد یہ ہے کہ حضرت امیرؓ کی خلافت کے زمانے میں وہ خلافت کے حق دار نہ تھے نہ کہ وہ ”جور“ جس کا انجام فسق و ضلالت ہے تا کہ اہل سنت کے اقوال کے موافق ہو۔ اور نیز استقامت والے لوگ ایسے الفاظ بولنے سے جن سے مقصود کے برخلاف وہم پیدا ہو، پر بیزار کرتے ہیں۔

”کیف یکون جائراً وقد صبح انه کان اماماً عادلاً فی حقوق اللہ وحقوق المسلمین کما فی الصواعق۔“ (مکتوبات امام ربانی دفتر اول حصہ چہارم)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین امام مرغینانی _ صاحب بدایہ

وہ کس طرح جائز ہو سکتے ہیں جب کہ یہ بات صحیح ثابت ہو چکی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق اور مسلمانوں کے حقوق میں امام عادل تھے جیسا کہ صواعق میں ہے۔
جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ پر مصالحت حسنؓ سے قبل بھی ”جائز“ کا الزام عائد کرنا بجائے خود ایک ”جور“ ہے۔

صاحب بدایہ کے ہاں صرف یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ کیا ”سلطان جائز“ کی طرف سے عہدہ قضا قبول کیا جاسکتا ہے؟ اس کا جواب بھی انہوں نے دے دیا کہ ہاں ہو سکتا ہے لیکن اس جواب کی دلیل میں انہوں نے حضرت معاویہؓ کو درمیان میں لا کر مشاجرات صحابہ سے متعلق اہل سنت والجماعت کے قوی ترین، رائج ترین اور مقبول ترین مسلک ”مساک“، ”توقف و حکومت“ کو نظر انداز کیا ہے۔
کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی مثال نہیں دی جاسکتی تھی؟ کیا جائز وہی کہلا سکتا ہے جو امام عادل کے مقابلے میں خروج کرے؟ کیا ایک مستقل امام جائز نہیں ہو سکتا؟ کیا اس ”جور“ کا تعلق خروج کے ساتھ ہی ہے؟

اسی زیر بحث عبارت کے بعد صاحب بدایہ نے یہ لکھا ہے:

والسابعین تقلدوا من الحجاج وهو كان جائراً اس عبارت میں بھی موصوف نے بہ تصریح نام خادمو قرآن حجاج بن یوسف کو ظالم و جائز کہہ دیا حالانکہ بیت اللہ کی تعمیر، قرآن کریم کی حفاظت و خدمت اور سرزمین ہند تک اسلام کا دائرہ بڑھانا حجاج کے وہ کارہائے نمایاں ہیں جن کا ان کے مخالفین بھی اعتراف کرنے پر مجبور ہیں لیکن ان کی یہی خوبی سبائیوں کے نزدیک بہت بڑا ”جرم“ تھا۔ اس لئے انہوں نے حجاج پر ظلم و ستم کا الزام لگایا جس سے بعض علمائے اہل سنت بھی متاثر ہو گئے۔
تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ”دولت مروانیہ“ مؤلفہ حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی ص ۲ تا ۸۵۔
زیر عنوان حجاج کے خلاف الزامات کا تحقیقی جائزہ ”مطبوعہ نشریات“ اردو بازار لاہور۔

علاوہ ازیں حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے خلاف نہ تو کوئی لشکر کشی یا فوج کشی کی جسے ”خروج“ کا نام دیا جاسکے اور نہ ہی ان کے مقابلے میں کوئی خلافت کیا وہ تو صرف قاتلین عثمانؓ سے قصاص کے طالب تھے اور وہ یہ مطالبہ کرنے میں بھی حق بجانب تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور دیگر بڑا روں جلیل القدر صحابہؓ اور تابعینؓ ان کے موقف کی حمایت میں تھے بلکہ خود امیر المؤمنین حضرت علیؓ اور حکمتمین نے بھی اس مطالبہ کو درست تسلیم کیا۔ وہ ایک عبوری دور تھا۔ ہر فریق اپنے آپ کو حق پر سمجھتا تھا۔ دشمنان اسلام سبائیوں کی سازش سے وقتی طور پر اختلاف

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

امام مرغینانی _ صاحب ہدایہ

روئنا ہو گیا جس پر جلدی قابو پا لیا گیا۔ بالآخر ۳۷ھ مفروضہ دور ”جور“ میں ثالثوں کی متفقہ رائے اور حضرت علیؓ کی توثیق سے ان ہی کی نوبت (خلافت) میں حضرت معاویہؓ کو اپنے زیر تسلط علاقوں میں اختیار رات سوئپ دیے گئے تھے تو پھر حضرت معاویہؓ پر ”سلطان جائز“ کا اطلاق کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی رسول کی طرف ”سلطان جائز“ کی نسبت خواہ کسی تاویل سے کی جائے انتہائی نامناسب اور احترام صحابیت کے خلاف ہے۔ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ جن صحابہؓ کے درمیان اختلاف واقع ہوا تھا (جسے بالاتفاق اجتہادی اختلاف قرار دیا گیا ہے) سے انہوں نے اپنی زندگی ہی میں طے کر کے باقاعدہ مصالحت کر لی تھی اور ایک دوسرے کی حیثیت بھی تسلیم کر لی تھی تو پھر کسی دوسرے شخص کو کسی بھی دور میں صحابہؓ کے تنازعات پر ”مکرم“ بن کر ایک فریق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ”سلطان جائز“ قرار دینے کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟

اگر بالفرض حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے خلاف خروج کیا تھا یا ان کی اطاعت و بیعت نہیں کی تھی تو جب بعد میں اسی خلیفہ راشد نے اپنی مرضی اور اختیار سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو نہ صرف دور عثمانی کی پوزیشن پر برقرار رکھا بلکہ ان کے دور ”جور“ کے توسیعی علاقے منقسمیت ان کی تولیت میں دے دیے تو اب انہیں ”سلطان جائز“ کیونکر قرار دیا جاسکتا ہے؟

انصاف کا تقاضا اور بین الاقوامی ضابطہ بھی یہی ہے کہ جب کسی کے مطالبات کو درست اور جائز تسلیم کر لیا جائے اور اسے سابقہ پوزیشن پر برقرار بھی رکھا جائے تو اس کے سابقہ اقدامات کا خطیہ نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ خطیہ یا خطا کا امکان تو ”سلطان عادل“ کی طرف سے بھی ہو سکتا ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ صاحب ہدایہ نے شیعہ پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ”جائز“ کا لفظ استعمال کر دیا ہو اور یہ بات کچھ بعید بھی نہیں ہے۔

مفتی اعظم پاکستان جناب مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی فرماتے ہیں:

”شیعہ نے اپنی افترا پر دازیوں کو کچھ اس طرح شہرت دی اور عوام میں اس قدر پھیلا دیا کہ اس عام شہرت سے بعض خواص بھی دھوکہ کھا گئے جس کی بہت سی نظائر موجود ہیں مثلاً: امام مالک کے مذہب میں متعہ کا جواز اس قدر مشہور کیا گیا کہ صاحب ہدایہ جیسے محقق دھوکہ کھا گئے۔ کسی بڑے سے بڑے عالم کا دھوکہ میں آ جانا مستبعد نہیں۔ (احسن الفتاویٰ جلد اول ص ۵۲۳)

صاحب ہدایہ سے ایک ”سبوت“ یہ بھی ہوا کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کی طرف منسوب ایک لغو، جھوٹا اور وضعی قصہ صحیح سمجھ کر اسے ”معرض استدلال“ میں نقل کر دیا جس میں حضرت ابو بکرؓ،

حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ تینوں کی تفصیل پائی جاتی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

”فان اقتصر على ذكر الله جاز عند أبي حنيفة، وقال لا بد من ذكر طويل يسمى خطبة، لأن الخطبة هي الواجبة، والتسبيحة والتحميدة لا تسمى خطبة... وعن عثمان رضي الله عنه أنه قال، الحمد لله، فارتج عليه، فتنزل وصلى... (الهداية جلد اول ص ۱۶۹۔ کتاب الصلوة باب صلوة الجمعة)

پس اگر اس نے اکتفا کی (صرف) اللہ کے ذکر پر تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین نے کہا ذکر طویل ضروری ہے جس کا نام (عادی) خطبہ رکھا جاسکے کیونکہ خطبہ واجب ہے اور تسبیح و تہمید کا نام خطبہ نہیں ہے... اور حضرت عثمانؓ کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے (خلیفہ منتخب ہونے کے بعد اپنے پہلے خطبہ جمعہ میں) الحمد للہ کہا تو ان پر اختلاط واقع ہو گیا، کچکی طاری ہو گئی، زبان بند ہو گئی جس کی وجہ سے وہ منبر سے اتر آئے اور نماز پڑھا دی۔

فاضل کشمی ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ) نے اس ”قصہ“ کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا: ”وہو ما روی أن عثمان رضي الله عنه لما صعد المنبر في أول جمعة ولّى فارتج عليه فقال إن أبابكر وعمر رضي الله عنهما كان يعدان لهذا المكان مقالا وأنتم إلى إمام فعال أخرج منكم إلى إمام قوال“ (حاشیہ الہدایہ)

روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عثمانؓ خلیفہ بننے کے بعد جب پہلے خطبہ کے لیے منبر پر چڑھے تو (الحمد للہ) کہنے کے بعد ان پر کچکی طاری ہو گئی اور زبان بند ہو گئی (اور نیچے اتر آئے اور نماز پڑھا دی۔ بعد میں فرمایا کہ) ابو بکرؓ اور عمرؓ اس جگہ خطبہ کی تیاری کر کے آتے تھے (اس جگہ کلام کرنے کے اہل شمار کیے جاتے تھے) ورتم کو ”قوال“ (زیادہ بولنے والے) امام کی نسبت فعال امام کی زیادہ ضرورت و احتیاج ہے۔

فاضل کشمی نے ”فارتج علیہ“ کے معنی ”توقع فی اختلاط“ کے کیے ہیں۔ یعنی حضرت عثمانؓ اختلاط میں پڑ گئے، ان پر کچکی طاری ہو گئی، ان کی زبان بند ہو گئی اور وہ ”الحمد للہ“ کے سوا اور کچھ نہیں ادا کر پائے۔

اس قصہ کی روایتی حیثیت ”روی“ کے صیغہ سے بخوبی واضح ہو گئی ہے۔ جب کہ امام ابن ہمام صاحب فتح القدیر نے یہ وضاحت فرمائی ہے: ”فانها لم تعرف في كتب الحديث بل في كتب الفقه“

یعنی یہ قصہ کتب حدیث میں نہیں بلکہ کتب فقہ میں پایا جاتا ہے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مآثرین امام مرثیائی صاحب ہدایہ

علامہ ابن العربی لکھتے ہیں: ”حکمی المسؤرخون عن عثمان رضی اللہ عنہ کذبہ عظیمہ“ (عارضۃ الاحوذی جلد ۲ ص ۲۹۶) مورخین نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق بہت بڑا جھوٹا قصہ ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن العربی کہتے ہیں:

”أنکره ابن العربی وغیره من أهل الأثر“ (النبیہ علی مشکلات الهدایہ جلد ۳ ص ۷۶) ”اس قصہ کا ابن العربی اور دیگر اہل اثر نے انکار کیا ہے۔“ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

”ثم أحله مسنداً و ذکره قاسم بن ثابت فی الدلائل بغير إسناد“ (الدرایۃ جلد ۱ ص ۲۱۵) علامہ عینی لکھتے ہیں:

”هَذَا غریب وَلَکِن قَدْ اشتهر فی کتب الفقہ.....“ (البنایۃ جلد ۳ ص ۷۱) یہ غریب ہے مگر فقہ کی کتابوں میں مشہور ہے۔

فاضل محشی نے حضرت عثمانؓ کے اس خطبہ کی حسب ذیل توضیح فرمائی ہے:

”رأى به الخطباء والذين يأتون بعد الخلفاء الراشدين يكونون على كثرة المقال وأنا إن لم أكن قوالاً مثلهم قأنا على الخبر دون الشر فأما أن يريد بهذا تفضيل نفسه على الشيخين فلا - كذا في المحيط -“

(الهدایۃ جلد اول ص ۱۶۹ - حاشیہ نمبر ۸ - کتاب الصلوٰۃ - باب صلوة الجمعة)

”اس سے ان (حضرت عثمانؓ) کی مراد خطباء اور وہ لوگ تھے جو خلفائے راشدین کے بعد آنے والے ہیں وہ بہت زیادہ بولنے والے ہوں گے اور میں اگر ان کی طرح زیادہ بولنے والا نہ ہوں تو میں بہتری پر ہوں نہ کہ شری پر۔ پس اس سے اگر ان کا شیعین پر اپنے آپ کو فضیلت دینا مراد لیا جائے تو ایسا نہیں ہے۔“ ”محیط“ میں اسی طرح ہے

یہ توضیح نفس مضمون کے ساتھ بالکل ہی مطابقت نہیں رکھتی کیونکہ صاحب ہدایہ نے اس جھوٹے اور وضعی قصے کو امام ابو حنیفہ کے اس قول ”فان اقتصر علی ذکر اللہ جلّ“ (یعنی صرف ذکر اللہ سے خطبہ ہو جائے گا) کی دلیل کے طور پر صحیح سمجھ کر نقل کیا ہے لیکن وہ اس قصہ کی ”حقیقت“ پر غور نہیں فرما سکے کہ کس قدر لغو اور بے بنیاد ہے۔ اس میں حضرت عثمانؓ کی توہین بھی پائی جاتی ہے کہ انہیں ’اختلاط‘ ہو گیا تھا، زبان بند ہو گئی تھی، کچکی طاری ہو گئی تھی، وہ خلیفہ منتخب ہو گئے مگر خطبہ

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین امام مرغینانی۔ صاحب ہدایہ

نہیں دے سکے یا بغیر تیاری کے وہ منبر پر چڑھ گئے۔ بعد میں وہ اس پر کوئی عذر تو پیش نہیں کر سکے (کہ اس منبر پر پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین خطبہ دیا کرتے تھے ان کی یاد آگئی اور ”اختلاط“ واقع ہو گیا وغیرہ) لہذا حضرات شیخین کو ”قوال“ (زیادہ باتیں کرنے والا) اور خود کو ”فعال“ (باتیں کم اور کام زیادہ کرنے والا) قرار دے دیا جس سے ان حضرات کی بھی اہانت کا پہلو نکلتا ہے۔

سخت تعجب ہے کہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی بھی حضرت عثمانؓ کے اس ”اولین خطبہ“ کو صحیح سمجھ کر بیان فرما گئے۔ موصوف لاہور میں جمعیت علمائے اسلام کے زیر اہتمام پہلی صوبائی کانفرنس میں خطبہ صدارت دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

”حضرات علمائے کرام! میں نہ کوئی خطیب ہوں اور نہ گویائی کی ایسی ممتاز قوت رکھتا ہوں جس سے دوسرے حضرات محروم ہوں بلکہ اگر آپ مجبور نہ کریں تو اس سے زیادہ ایک لفظ بھی بولنا نہیں چاہتا جو میرے جد بزرگوار خلیفہ ثالث حضرت عثمان ذی النورینؓ نے مدینہ طیبہ کے منبر پر فرمایا تھا کہ: ”ایہا الناس إنکم الی امام فعال أحوج منکم الی امام قوال“ (خطبات اکابر جلد ۳۔ ص ۳۵۔ مطبوعہ دارہ تالیفات اشرافیہ ملتان)

حضرت عثمانی نے کہنے کی حد تک تو حضرت ذی النورینؓ کے اس ”قول“ کو نقل فرما دیا لیکن نذوان پر کچکی طاری ہوئی اور نہ ہی اس قول کے ساتھ ہی انہوں نے اپنا خطبہ ختم کیا۔ البتہ اس سے صاحب ہدایہ کی بات کی تصدیق ضرور ہو گئی ہے۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ”بیعت خلافت“ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا پہلا خطبہ نذر قارئین کر دیا جائے:

بدربن عثمان نے اپنے چچا سے روایت کی ہے کہ عثمانؓ بیعت کے بعد نہایت غمگین ورنجیدہ صورت میں منبر پر رونق افروز ہوئے اور حمد و نعت و درود و سلام کے بعد فرمایا:

”اے لوگو! تم ایک کھنڈر گھر (دنیا) میں رہتے ہو۔ عمروں کا کچھ حصہ باقی ہے۔ اکثر گزر گیا۔ وقت مقرر یعنی موت کے آنے سے پہلے پہلے جو بھلائی کر سکتے ہو کر لو کیونکہ صبح یا شام وہ تمہارا وقت مقرر آنے کو ہی ہے۔ آگاہ رہو یہ دنیا فریب پرست کی گئی ہے۔ کوشش کرو کہ دنیوی زندگی تمہیں وحوش کے میں نہ ڈال دے اور وہ فریب کا یعنی شیطان تمہیں اللہ تعالیٰ کے متعلق فریب میں مبتلا نہ کر دے۔ گزرے ہوئے لوگوں سے عبرت چکڑو۔ پھر جدوجہد کرو اور غفلت نہ رہو تو فرزندِ دنیا کہاں ہیں؟ ہمدردانِ دنیا کیا ہوئے جنہوں نے دنیا میں پلچل مچائی، اسے بسایا اور ملتوں یہاں

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین امام مرغینانی صاحب بدایہ

نعمتوں سے بہرہ مند رہے؟ کیا دنیا نے انہیں پھینک نہیں دیا؟
دنیا کو نظر انداز کر دو جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے نظر انداز کر دیا ہے اور آخرت کے طالب بنو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ عمدہ مثال بیان فرمائی ہے:

وَاصْبِرْ لَهُمْ مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَا أَتَوَلَّاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَأَخْلَطَ بِهِ نَبَاتَ الْأَرْضِ
فَأَصْبَحَ حُشَيْمًا تَذَرُوهُ الرِّيحُ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝ الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْبَاقِيَةُ الصَّالِحَةُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَمَلًا (الكهف ۴۵، ۴۶)

”اے نبی! بتلا دوے ان کو مثال نبوی زندگی کی جیسے پانی جسے ہم نے آسمان سے اتارا۔ پس
رل مل کر نکلا اس سے زمین کا سبزہ۔ پھر دوسرے دن ہو گیا وہ چورا چورا ہوا میں اڑتا ہوا اور اللہ تعالیٰ
ہر چیز پر قادر ہے۔ مال اور بیٹے رونق ہیں دنیوی زندگی کی۔ اور باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب
کے یہاں بہتر ہیں ثواب کے اعتبار سے اور بہتر ہیں توقع و آرزو کے لحاظ سے“

یعنی تم دیکھتے ہو کہ سوکھی، خزاں رسیدہ اور مردہ زمین پر بارش ہوتی ہے تو وہ زندہ ہو کر بہار
وسبزہ زار بن جاتی ہے۔ مگر چند روز گزر رنے کے بعد جب خزاں کا دور آتا ہے تو زمین کا وہ نظر
فریب لہلہاتا ہوا سبزہ جو جنت نگاہ تھا چورہ چورہ اور ریزہ ریزہ ہو کر ہوا میں اڑ جاتا ہے۔ ایسے ہی یہ
دنیوی زندگی ہے جو اپنی رعنائیوں اور بہاروں کے ساتھ چند روز جلوہ گر ہوتی ہے اور بالآخر نیست
ہو جاتی ہے۔ اول بھی عدم تھا آخر بھی عدم ہوا۔

پھر اس فانی زندگی اور اس کی فانی زیب و زینت پر انسان کیوں فریفتہ ہو؟ ہاں اس مہلت
حیات میں جو نیکیاں کر لی جائیں تو وہی آئندہ کام آنے والی ہیں۔ لہذا غفلت مندی کا تقاضا یہی ہے کہ
زیادہ سے زیادہ اعمال صالحہ اور حسنات کا اکساب کیا جائے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر اچھا خطیب نہ ہونے کا الزام:

مگر بہتان طرازوں سے خدا سمجھے اور بہت سے بہتانوں کی طرح ان لوگوں نے حضرت
عثمانؓ پر ایک بہتان یہ بھی باندھا ہے کہ آپ پہلی بار تقریر نہیں کر سکے۔ حضرت عثمانؓ کا خطبہ بالانقل
کرنے کے بعد حافظ ابن کثیر اس بہتان کے متعلق لکھتے ہیں:

وما يذكره بعض الناس من أن عثمان رضي الله عنه لما خطب أول خطبة
أزعج عليه، فلم يدبر ما يقول حتى قال: ”أيها الناس إن أول مركب صعب وإن أعش

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

امام مرغینانی۔ صاحب ہدایہ

فمنسأ تیکم الخطبة علی وجهها“ (البدیة والنهاية جلد ۷ ص ۱۲۸)

”کہ بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ عثمانؓ منبر پر آکر مہموت و در ماندہ رہ گئے اور کچھ نہ بول سکے اور صرف یہ کہہ کر منبر پر سے اتر آئے کہ حضرات پہلی بار کی سواری و شوار ہوتی ہے۔ میں زندہ رہا تو آئندہ تمہارے سامنے تقریر کر سکوں گا۔“
تو یہ العقد الفرید کے مصنف وغیرہ کی اڑائی ہوئی ہے اور اس کی کوئی ایسی اسناد نہیں جس پر اطمینان کیا جاسکے۔

متفداس کو اس سے بھی یہی تھا کہ حضرت عثمانؓ کی موعومہ باطیلت کا ڈھنڈورا پیٹا جائے تاکہ لوگ یہ سوچنے پر مجبور نہ ہوں کہ جو شخص مجمع کے سامنے اپنا مافی النعمیر بھی ادا نہ کر سکے وہ امامت و خلافت کا بارگراں کیسے اٹھا سکتا اور اس کی ذمہ داریوں سے کس طرح عہدہ برآ ہو سکتا تھا؟ (شہادت حضرت عثمانؓ کا تاریخی پس منظر مؤلفہ علامہ شبیر احمد اہر میرٹھی۔ ترتیب و نظر ثانی ڈاکٹر عطر یف شہباز ندوی ص ۲۶-۲۷)

صاحب ہدایہ نے اذان میں ”ترجیع“ کے حوالے سے صحابی رسول حضرت ابو محمد وڈہ کے فہم پر بھی چوٹ کی ہے کہ:

”ولا ترجیع فیہ ... وقال المساقعی فیہ ذلک لہ حدیث نبی محذورة أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أمرہ بالترجیع ولنا أنه لا ترجیع فی المشاہیر وکان مارواه تعلیمًا فقط نہ ترجیعاً۔“ (الہدایة مع الدرایة جلد اول ص ۸۷۔ کتاب الصلوة۔ باب الاذان)
حالانکہ اذان میں ”ترجیع“ حدیث سے ثابت ہے، امام مالک اور امام شافعی اس کے قائل ہیں۔ لیکن صاحب ہدایہ نے حضرت ابو محمد وڈہ کے ساتھ انصاف نہیں کیا اور ان کے فہم پر ”چوٹ“ کر دی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کی غرض سے کلمات شہادتین کو بار بار دہرایا مگر ابو محمد وڈہ سمجھے کہ یہ اذان کا جز ہے۔
شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”لیکن صاحب ہدایہ کی یہ توجیہ حضرت ابو محمد وڈہ کی فہم سے بدگئی پر مبنی ہے جو مناسب نہیں۔“ (درس ترمذی۔ جلد اول ص ۴۵۵)

یہاں موصوف نے حضرت ابو محمد وڈہ کے حوالے سے صاحب ہدایہ کی توجیہ کو ”نامناسب“ کہا لیکن موصوف خود بھی ایک مقام پر ایک جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق ”نامناسب“ انداز اختیار کر گئے۔ چنانچہ وہ ایک مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
”ایک یہ کہ اگر ابن عمرؓ صحیح طریقہ پر طلاق دینے سے عاجز ہو گیا اور اس نے بحالت حیض طلاق دے کر حماقت کا ارتکاب کر لیا تو یہ بات طلاق کے واقع ہونے سے کیسے مانع بن سکتی ہے؟ ... دوسرا مطلب یہ

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین امام مرغینانی۔ صاحب ہدایہ

ہے کہ اگر ابن عمرؓ اپنی بیوی سے رجوع کرنے سے عاجز ہو جاتا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل نہ کر کے حماقت کا ارتکاب کرتا تو بھی ظاہر ہے طلاق واقع ہوئی جاتی۔ (درس ترمذی جلد سوم ص ۴۶۵)

سخت تعجب ہے کہ اپنے مشائخ و اساتذہ کا تذکرہ کس قدر احترا م کے ساتھ کیا جاتا ہے جب کہ ایک صحابی کے بارے میں مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا یہ انداز کہ:

”ام بن عمرؓ عاجز ہو گیا اور اس نے... عاجز ہو جانا... ارتکاب کرتا ہے“

بھلا اس ”اسلوب“ کی کس طرح تحسین کی جاسکتی ہے؟

صاحب ہدایہ نے ایک مسئلہ کے ذیل میں ”وہم“ کا شکار ہو کر راوی کشفۃ بن عباس بن مرداس السلمی کے بجائے حضرت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب مراد لے لئے۔ امام ابن ہمام (م ۸۶۱ھ) نے اسے صاحب ہدایہ کا وہم قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو ہدایہ مع فتح القدر جلد ۲ ص ۲۸۲ تحت باب الاحرام۔

ملاحظی قاری (م ۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں کہ:

”اذا اطلق ابن عباس لا يراد به الا عبدالله بن عباس رضي الله عنه الصحابي، هذا هو اصطلاح العلماء من الفقهاء والمحدثين واما اطلاق صاحب الهداية في اواخر باب الاحرام حيث قال ثم وقف بالمزدلفة ووقف الناس معه ودعاه لأن النبي صلى الله عليه وسلم وقف في هذا الموضع يدعوه حتى روى في حديث ابن عباس ... فهدنا الاطلاق ليس بجيد، فانه ليس بابن عباس الصحابي وإنما هو كنانة بن عباس بن مرداس السلمی“ (ذیل الجواهر المفيدة جلد ۲ ص ۴۳۸۔ بحوالہ ”علمی شگلول“ ص ۱۶۶ مؤلفہ ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف) صاحب ہدایہ کا یہ اطلاق مناسب نہیں، اس لئے کہ ابن عباس سے یہاں مراد سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نہیں ہیں بلکہ کنانہ بن عباس بن مرداس سلمی مراد ہیں جو اس روایت کو عن ابیہ عن جدہ نقل کرتا ہے، اس سے یہ روایت اس کے بیٹے عبداللہ بن کنانہ نے نقل کی ہے جو دونوں ضعیف ہیں اور ان کی وجہ سے امام بخاری امام ابن حبان نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔

اسی طرح بعض دیگر مسائل میں بھی خود غنی علماء نے صاحب ہدایہ کے ساتھ اختلاف کیا ہے۔ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب کے حقیقی بھائی مولانا محمد طاہر قاسمی صاحب کے متعلق مولانا سید انظر شاہ صاحب سعودی فرماتے ہیں کہ:

”تدریس پر بیٹھے تو قدوری کے درس میں ہدایہ کے مصنف پر اعتراضات کی بھرمار کر ڈالی، اہتمام میں پہنچے تو اپنے استاذ مولانا عزازلی صاحب کی درخواست رخصت نام منظور کر کے طلبہ میں

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقلدین امام مرینیانی۔ صاحب ہدایہ

ناراضگی کا بنگامہ کھڑا کر دیا۔ لیگ سے قریب اور کانگریس کے جانی دشمن تھے۔ جوڑوڑ میں پوری مہارت رکھتے تھے لیکن تلون مزاجی نے ترقی کے قدم روک دیے۔۔۔“

(نقش دوام۔ دیوبند۔ ص ۸۷ طبع عہادہ دار ہائے لغات اشرفیہ ملتان، مؤلفہ مولانا سید محمد انظر شاہ، مسعودی) اگر بدگمانی کے شبہ پر صاحب ہدایہ کے قول کو مناسب کہا جاسکتا ہے تو کاتب وحی اور حلیٰ القدر صحابی کو ”جائر“ کہنے پر ان کے ساتھ اختلاف کیوں نہیں کیا جاسکتا؟

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ صاحب ہدایہ کا حضرت معاویہؓ کے متعلق ”سلطان جائز“ کا یہ قول کسی بھی تاویل کے ساتھ صحیح قرار نہیں دیا جاسکتا اور یہ یقیناً سلسلہ مشاجرات حکم ”امساک، توقف اور سکوت“ کے منافی ہے بلکہ اناروائف اور معاندین اس قول سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف دلیل پکڑتے ہیں جیسا کہ محمود شاہ محدث ہزاروی صاحب اور غلام حسین نجفی وغیرہ کا زندگی بھر کا طرز عمل اس پر شاہد ہے۔ مولانا عبدالرشید نعمانی یزید سے متعلق ایک استفتاء کا جواب دینے سے پہلے بطور تمہید لکھتے ہیں کہ:

”اہل عدل سے محبت اور اہل جور سے بغض اہل سنت کا طریقہ ہے۔ امام طحاوی نے فقہائے ملت امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کے عقائد کو ایک رسالہ میں جمع کر دیا ہے جو ”الاعتقاد الطحاوی“ کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ بہت سے علماء نے اس کی شرحیں لکھی ہیں۔ یہ رسالہ مصر اور ہندوستان میں بار بار طبع ہو چکا ہے اور ہر جگہ دستیاب ہے اور مملکت سعودیہ میں داخل درس بھی ہے۔ اس میں ان حضرات ائمہ کا یہ عقیدہ لکھا ہے: ”اور ہم اہل عدل و امانت سے محبت کرتے ہیں اور اہل جور و خیانت سے بغض رکھتے ہیں۔ یہ وہ عقیدہ ہے جس کے بارے میں حدیث پاک میں تصریح ہے:“ (ص ۶۔ طبع دیوبند) جس نے اللہ کے لیے محبت رکھی اور اللہ ہی کے لیے بغض رکھا اور اللہ ہی کے لیے دیا اور اللہ ہی کے لیے نہ دیا اس نے اپنے ایمان کو مکمل کر لیا۔ (مشکوٰۃ)

اسی ہدایت کے مطابق ”عقیدہ طحاوی“ میں یہ بھی مندرج ہے کہ من أحسن القول فی

أصحاب رسول الله عليه وسلم وأزواجه وزياته فقلبي من النفاق۔ (ص ۸)

جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج اور آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کی ذریات کے بارے میں اچھی رائے رکھے وہ نفاق سے بڑی ہے۔“

(حادثہ کربلا کا پس منظر تحت یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں ص ۲۵۸)

کیا ”سلطان جائز“ کا قول ”أحسن القول فی اصحاب...“ میں محسوب کیا جاسکتا ہے؟

☆☆☆☆☆☆

۶۔ علامہ سعد الدین تفتازانی

شرح عقائد نسفی متوفی ۷۹۲ھ

علامہ سعد الدین ماہ صفر ۷۲۲ھ میں ولایت خراسان کے ایک شہر ”تفتازان“ میں پیدا ہوئے۔ تحصیل علم سے فراغت کے بعد درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہوئے اور صرف، نحو، منطق، فقہ، اصول فقہ، تفسیر، حدیث، عقائد اور معانی جیسے علوم و فنون سے متعلق کتب تصنیف فرمائیں۔

موصوف کے فقہی مسلک کے بارے میں اہل علم کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا وہ حنفی تھے یا شافعی؟ اس کے ساتھ ساتھ شجاع بن مظفر کے دربار میں ان کا بہت رسوخ تھا۔ پھر شاہ تیمور لنگ کے ہاں صدر الصدور مقرر ہو گئے تھے۔ شاہ تیموران کا بڑا معتقد تھا اور بہت احترام کرتا تھا۔ امیر تیمور ۷۳۶ھ میں سمرقند میں پیدا ہوا۔ اس کا شجرہ نسب چغتائی خان سے جاملتا ہے۔ تیمور کو بچپن سے ایک شکاری کی حیثیت سے شہرت ملی اور جوانی میں جنگجو سپاہی ہونے کی وجہ سے ساموری حاصل ہوئی۔

امیر تیمور کو ”تیمور لنگ“ بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک جنگ میں ایک تیرپاؤں پر لگا اور ایسا کاری زخم آیا جس کی وجہ سے تمام عمر کے لیے لنگڑا ہو گیا اور ”تیمور لنگ“ کے نام سے مشہور ہوا۔ ایشیا کے فاتحین میں سے جس نے ایشیا اور یورپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا وہ امیر تیمور ہے۔ تیمور سکندر اور چنگیز کی آخری فاتحانہ حدود سے بھی آگے نکل گیا اور اس نے اس قدر فتوحات حاصل کیں کہ کوئی ایشیائی فاتح اس کی فتوحات کو نہیں پہنچ سکا۔ امیر تیمور ۷۷۱ سال ۸۰۷ھ میں سمرقند میں فوت ہوا جسے دنیا کے ایک عظیم اور خوبصورت مقبرے میں دفن کر دیا گیا۔

امیر تیمور رافضی انتہائی سفاک، ظالم اور درندہ صفت شخص تھا۔ اس نے مسلمانوں کو بے دریغ قتل کیا اور تقریباً بارہ لاکھ مسلمانوں کے خون سے ہاتھ رنگ لیں کیے۔

یورپ کے فاتح سلطان بایزید خان اول (جنہیں دشمن پرائی انتہائی سرعت کے ساتھ حملہ آور ہونے کی وجہ سے ”یلدرم“ یعنی بجلی کا لقب دیا گیا تھا) جو اسلام کا جھنڈا بلند کرنے اور عیسائی اقتدار کو ختم کرنے پر تلے ہوئے تھے، امیر تیمور کی رگ سبائیت پھڑکی تو اس نے قیصر روم کے ساتھ سانباہی کر کے بایزید کے ساتھ جنگ چھیڑ دی جسے تاریخ میں ”جنگ انگورہ“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس جنگ

میں بایزید شکست کھا کر گرفتار ہو گئے اور یوں عیسائیوں کو سکھ کا سانس لینا نصیب ہوا۔

شیعہ عالم غلام احمد کا کوروی لکھتے ہیں کہ:

”سب سے پہلا تعزیر امیر تیمور نے رکھا تھا اور اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ تیمور کو حضرت امام حسینؑ سے بے حد عقیدت تھی اور وہ ہر سال کربلائے معلیٰ روضہ اطہر کی زیارت کو جاتا تھا۔ ایک سال جنگ و جدل میں وہ اس قدر مصروف رہا کہ وہ زیارت نہ کر سکا۔ چنانچہ اس نے روضہ اقدس کی شبیہ منگوا کر اس کو تعزیر کی صورت میں بنالیا اور اس کی زیارت سے تسکین حاصل کر لی۔“ (ماہنامہ المعرفت حیدرآباد ۱۳۸۹ھ)

الغرض امیر تیمور اور اس کے جانشینوں کے ایک سو چھبیس سالہ (۸۲۷ھ تا ۹۰۶ھ) دور میں شیعہ اور مذہب شیعہ نے خوب ترقی کی اور اس میں اہل سنت مظالم کا نشانہ بنے رہے۔

بہر حال علامہ تفتازانی امیر تیمور کے دربار کے صدر الصدور اور بے پناہ اثر و رسوخ کے حامل تھے۔ بالآخر اپنے ہم عصر اور نامور عالم میر سید شریف جرجانی کے ساتھ ایک مناظرہ میں شکست کھانے کے صدمے کی وجہ سے صاحب فراش ہو کر ۲۲ محرم الحرام ۹۲۷ھ کو سمرقند میں وفات پا گئے اور وہیں تدفین عمل میں آئی مگر جلد ہی دو ماہ اور سترہ دن کے بعد ان کا جسد خاکی ۹ جمادی الاولیٰ ۹۲۷ھ کو مقام ”سرخس“ کی طرف منتقل کر دیا گیا۔

علامہ تفتازانی اہل سنت کے ہاں امام فی العباد مانے جاتے ہیں مگر وہ بھی اپنے آپ کو شیعہ اثرات و جراثیم سے محفوظ نہیں رکھ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر چوٹ کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں جانے دیتے۔ چنانچہ موصوف مسند اور مسند الیہ کی بحث میں ”بغض معاویہ“ پر چنی ایک انتہائی مکروہ مثال دیتے ہیں کہ:

رکب علی و حرب معلویة..... فالشعوط مآخوذ من لفظ علی لأخذہ من العلوی، ولإهانة مآخوذ من لفظ معلویة لأنه مأخوذ من العروی وهو صراح للذنب والکلاب۔

(مختصر المعانی ص ۱۷ تحت احوال الممندانہ، تعریفہ بالعلمیہ)

”علیؑ سوار ہوئے اور معاویہؓ بھاگ گیا۔“..... موصوف اس مثال کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ”پس تعظیم لفظ علی سے ماخوذ ہے کہ اس میں ”علو“ (یعنی سر بلندی) کا مفہوم پایا جاتا ہے اور ابانت لفظ معاویہ سے ماخوذ ہے کیونکہ ”معوئی“ سے مشتق ہے اور وہ بھیڑیے اور کتے کا بھونکنا ہے۔“

دارالعلوم دیوبند کے ایک جلیل القدر مفسر، محدث اور ستاذ، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن،

تفتازانی کی اس کمزور مثال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

ولا يخفى ما فيه من سوء الأدب في حق سيدنا معلومة والحرث عليه بما لا يليق۔ (حاشیہ مختصر المعانی ص ۷۱)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں جو جرأت، بے ادبی اور گستاخی اس کمزور مثال میں پائی جاتی ہے وہ مخفی اور پوشیدہ نہیں۔ یہ مثال نامناسب ہے۔

حضرت شیخ الہند کی طرف سے تفتازانی کا تعاقب اور گرفت اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ان کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی ہوئی ہے۔

علامہ تفتازانی عقائد منشی کی شرح میں احترام صحابیت کو فراموش کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعنت کے جواز کا مسئلہ زیر بحث لائے ہیں اگرچہ انہوں نے لعنت سے متعلق عدم جواز کا قول نقل کیا ہے لیکن انہیں ”رضی اللہ عنہم ورضوا عنه“ کی ربانی سند کے بعد سرے سے اس مسئلہ کو زیر بحث لانا ہی نہیں چاہیے تھا کیونکہ اس اسلوب میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی واضح طور پر بے ادبی پائی جاتی ہے:

وبالجملة لم ينقل عن السلف المجتهدين والعلماء الصالحين جواز اللعن على معاوية وأحزابه لأن غاية أمرهم البغى والخروج على الإمام وهو لا يوجب اللعن (شرح العقائد ص ۱۱۶)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے گروہ پر لعنت کا جواز مجتہدین اور علماء صالحین سے منقول نہیں ہے کیونکہ زیادہ سے زیادہ ان سے امام بحق (حضرت علیؑ) کے خلاف بغاوت اور خروج کا ارتکاب ہوا تھا اور اس فعل سے لعنت واجب نہیں ہوتی۔

یعنی خروج و بغاوت کے ارتکاب سے لعنت واجب تو نہیں لیکن کیا ”وجوب“ سے کم وجہ کی ”تجانبش“ نکل سکتی ہے؟ موصوف نے اگرچہ یہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے گروہ کو لعنت سے مستثنیٰ قرار دیا ہے لیکن اس اسلوب سے بھی ابانت معاویہ رضی اللہ عنہ کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ علامہ عبد العزیز فرہاروی نے بھی علامہ تفتازانی کے اس تبصرہ کو ”تقصیر“ پر مبنی قرار دیتے ہوئے صاف طور پر لکھا ہے کہ:

”لا يخفى أن المأراح قصر ما في حق هذا الصحابي حيث اكتفى بعدم جواز اللعن، وأقول قد صرح علماء الحديث بأن معاوية رضي الله عنه من كبار الصحابة ونجباءهم

و محتجہدینہم ولو سلم أنه من صغارهم فلا شك في أنه داخل في عموم الأحاديث الصحاح الواردة في تعريف الصحابة رضي الله عنهم بل قد ورد فيه بخصوصه أحاديث... (التبراس شرح لشرح العقائد ص ۵۵۰)

”اور یہ بات مخفی نہیں کہ شارح (علامہ تفتازانی) نے اس صحابی (یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کے حق میں تقصیر کی ہے، بایں طور کہ اس نے عدم جواز لعنت پر اکتفاء کیا ہے اور میں کہتا ہوں کہ علمائے حدیث نے صراحت کی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اکابر صحابہ نیز اشراف اور مجتہدین صحابہ میں سے ہیں۔ اور اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ وہ اصغر صحابہ میں سے تھے تب بھی اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ ان صحیح احادیث کے عموم میں داخل ہیں جو صحابہ کے شرف و فضیلت میں وارد ہوئی ہیں بلکہ خاص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی احادیث وارد ہوئی ہیں۔“

یہ ملحوظ رہے کہ علامہ تفتازانی نے لعنت کے عدم جواز کے متعلق سلف کا مذکورہ قول نقل کیا ہے لیکن آگے انہوں نے یزید کی بحث میں اشارۃً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بھی لعنت کرنے کی ”غجائش“ نکال لی ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس مقام پر مطلقاً ”اعوان و انصار“ کا ذکر کیا ہے۔ (وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَرَادِهِ) چنانچہ موصوف یزید پر لعنت کے جواز اور عدم جواز کے اقوال نقل کرنے کے بعد اپنا عقیدہ بایں الفاظ بیان فرماتے ہیں کہ:

والحق أن رضا يزيد بقتل الحسين واستبشاره بالمالك وإهانة أهل بيت النبي عليه السلام مما تواتر معناه وإن كانت تفاصيله أحاداً فنحن لا نتوقف في شأنه بل في إيمانه لعنة الله عليه وعلى أنصاره وأعدائه۔ (شرح العقائد ص ۱۱۷)

یہی قول علامہ قسطلانی نے بھی اپنی کتاب ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں تحریر کیا ہے:

لا نتوقف في شأنه بل في إيمانه لعنة الله عليه وعلى أنصاره وأعدائه۔

(بحوالہ مقالات جلد دوم ص ۳۳۵۔ پیر کرم شاہ صاحب زہری)

”اور حق یہ ہے کہ حضرت حسینؑ کے قتل پر اس کا راضی ہونا اور اس پر اس کا خوش ہونا اور نبی علیہ السلام کے گھر والوں کی توہین کرنا ایسی بات ہے جو معنایاً متواتر ہے اگرچہ اس کی جزئیات اخبار احاد ہیں۔ ہم اس کی شان بلکہ اس کے ایمان ہی کے بارے میں کوئی توقف نہیں کرتے۔ اللہ کی پھٹکار ہو یزید پر اور اس کے تمام یاروں اور مددگاروں پر۔“

علامہ تفتازانی نے یزید کی ”شان“ میں یہ اشعار بھی کہے ہیں:

اللعن علی یزید فی الشرع یحوز واللعن یحزی حسنات و یفوز
قد صحّ لدى أنه معتل واللعن مضاعف و ذالك مهموز
(حالات مصنفین درس نظامی ص ۲۷۳۔ مؤلفہ مولانا محمد حنیف گنگوہی فاضل دیوبند)

”یزید پر لعنت کرنا شریعت میں جائز ہے اور لعنت کرنے والے کو نیکیوں کے ساتھ بدلہ دیا جائے گا اور وہ کامیاب ہوگا۔ میرے نزدیک یہ درست ہے کہ وہ (یعنی یزید) ”پیاز“ تھا اور ”روگ“ کا شکار تھا۔ اس پر کوئی لعنت ہو وہ معیوب و مطعون تھا۔“

شرع عقائد کی عبارت اور مذکورہ اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف خود امیر تیمور راغبی کی مصاحبت سے ”یزید فویا“ کا شکار ہو گئے تھے۔ اسی لیے انہوں نے جمہور علماء کے موقف کے برعکس یزید پر سنگین ترین ”فرد جرم“ عائد کی ہے۔

یزید کے اعوان و انصار کے عموم سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور دیگر مجوزین و مباہنین صحابہ و تابعین کو کیوں کر مستثنیٰ کیا جاسکتا ہے؟ جن کی مساعی جیلہ سے وہ منصب خلافت پر فائز ہوا تھا۔ یا جن صحابہ و تابعین نے واقعہ کربلا کے بعد بھی اس بیعت کو نہیں توڑا تھا اور بیعت و اطاعت پر قائم رہے۔ علاوہ ازیں یزید پر لعنت کے جواز میں جو تین وجوہات (قتل حسینؓ پر رضا مندی، اس پر خوشی کا اظہار اور اہانت اہل بیت) بیان کی گئی ہیں وہ بھی صحیح نہیں ہیں۔ نیز موصوف کے نزدیک یہ امور موجب لعنت و کفر ہیں۔ اسی لیے انہوں نے اس پر کفر کا حکم لگاتے ہوئے اسے اعوان و انصار سمیت لعنت کا مستحق قرار دیا ہے۔ حالانکہ اگر بالفرض یزید کا حضرت حسینؓ کو قتل کرنے کا حکم دینا ”تابت“ بھی ہو جائے تو پھر بھی اس پر ”کفر“ کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ ایسا حکم گناہ کبیرہ کے زمرے میں ہی آتا ہے۔ لیکن یہاں یزید کا قتل حسینؓ کا حکم دینا، اس قتل پر خوشی کا اظہار کرنا اور قافلہ اہل بیت کی اہانت کرنا تینوں امور تابت نہیں ہیں۔

مزید برآں یزید کا حال کفر پر مبرا بھی یقینی طور پر کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا کیونکہ وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے لہذا یزید کی نہ تو تکفیر کی جاسکتی ہے اور نہ ہی مع اعوان و انصار اس پر باہتیین لعنت۔ کسی بھی مسلمان کو معین طور پر کافر اور لعنت کا مستحق قرار دینے کا شرعی حکم اہل علم سے مخفی نہیں ہے۔ یہاں حضرت معاویہؓ اور دیگر مباہنین صحابہ و تابعین سے متعلق گنگوہی یہ ہے۔ یزید کی تکفیر اور اس پر لعنت کا مسئلہ ایک علیحدہ اور مستقل عنوان ہے جس پر یہاں بحث کا موقع نہیں ہے۔

علامہ تفتازانی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مزید لکھتے ہیں کہ:

وینسأول تاولیلا فاسدا، ولهذا ذهب الأكثرون إلى أن أول من بغى في الإسلام
(شرح المصابہ جلد ۲ ص ۳۰۶)

معاویہؓ فاسدناویل کرتا تھا۔ لہذا اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ اول جس نے اسلام میں
بغاوت کی ہے وہ معاویہؓ ہے۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جمہور نے اسے اجتہادی اختلاف قرار دیا ہے اور موصوف کا یہ دعویٰ
بھی غلط ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ پہلا شخص ہے جس نے اسلام میں بغاوت کی۔ حالانکہ جنگ
جمل پہلے ہوئی ہے اور حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے توڑی
ہے۔ کوئی مسلمان ان حضرات کی طرف بغاوت کی نسبت نہیں کر سکتا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ
نے تو بیعت ہی نہیں کی تھی تو پھر ان کی طرف کس طرح ”اول من بغی فی الإسلام“ کی نسبت
کی جاسکتی ہے؟ قاتلین عثمانؓ کے بارے میں کیا فتویٰ ہے جو بالاتفاق سب سے پہلے بغاوت
اور قتل و غارت کے مرتکب ہوئے تھے؟

معلوم ہوتا ہے کہ علامہ تفتازانی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ”چوٹ“ یا ”تعریض“ کا کوئی
ساموئیل بھی ضائع نہیں جانے دیتے۔ چنانچہ وہ ”شرح تلخیص“ میں لکھتے ہیں کہ:
”حضرت معاویہؓ بیمار تھے، حضرت حسن بن علیؓ عیادت کے لیے تشریف لائے تو حضرت
حسنؓ کے سامنے انہوں نے یہ شعر پڑھے (ترجمہ):

۱۔ اور بدخواہوں کے سامنے میرا ظہار بہادری اس مقصد کے لیے ہے کہ میں زمانے کے
حوادث کے سامنے جھکنے والا نہیں ہوں۔

۲۔ اور جب موت اپنے پنجے گاڑ لیتی ہے تو تم کسی تعویذ کو کارگر نہیں پاؤ گے۔

مولانا عبدالعزیز فرباروی اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

”إن الرواية غير صحيحة ولو سلمت فليس فيها تصريح بإرادته الحسن“

(الناحية عن طعن أمير المؤمنين معاوية رضي الله عنه ص ۳۷)

”یہ روایت صحیح نہیں اور یہ تقدیر تسلیم اس میں تصریح نہیں کہ انہوں نے حضرت حسنؓ کو مراد

لیا تھا۔“

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں علامہ تفتازانی کے ”ارشادات“ قارئین ملاحظہ
فرمائیے ہیں اب جمہور اہل سنت کے عقیدے کے برعکس شیعہ فرقہ ”تفضیلیہ“ کی موافقت

میں موصوف کا ایک اور عقیدہ! حفظ فرمائیں:

جمہور اہل سنت خلفائے اربعہ کی ترتیب افضلیت کے قائل ہیں اور وہ حضرت علیؓ پر حضرت عثمانؓ کو فضیلت دیتے ہیں لیکن اس کے برعکس علامہ تفتازانی فرماتے ہیں:

”وَأَمَّا نَحْنُ فَقَدْ وَجَدْنَا دَلَالَاتِ الْجَانِبِينَ مُنْعَارِضَةً (أَي فَي أَفْضَلِيَّةِ عِثْمَانَ عَلَيَّ) وَلَمْ نَجِدْ هَذِهِ الْمَسْأَلَةَ مِمَّا يَنْعَلِقُ بِهِ شَيْءٌ مِنَ الْأَعْمَالِ أَوْ يَكُونُ الشُّوْقُفُ فِيهِ مَخْلًا بِشَيْءٍ مِنَ الْوَاجِبَاتِ، وَالسَّلَفُ كَانُوا مُتَوَقِّفِينَ فِي تَفْضِيلِ عِثْمَانَ حَبِثُ جَعَلُوا مِنْ عِلَامَاتِ السَّنَةِ وَالْجَمَاعَةِ تَفْضِيلَ الْمُشْبِخِينَ وَ مُحِبَّةِ الْخُتَنِينَ - وَالْإِنْصَافُ أَنَّهُ إِنْ أُرِيدَ بِالْأَفْضَلِيَّةِ كَثَرَةُ الثَّوَابِ فَلِلنُّوْقِفِ جِهَةٌ وَإِنْ أُرِيدَ كَثَرَةُ مَا يَعْدُهُ ذُو الْعُقُولِ مِنَ الْفَضَائِلِ فَلَا -“ (شرح العقائد ص ۱۰۸)

”رہے ہم، تو ہم نے جانبی کے دلائل کو متعارض پایا اور اس مسئلہ کو ایسا نہیں پایا کہ اس سے کسی عمل کا تعلق ہو اور اس بارے میں توقف کسی واجب میں نکل ہو اور سلف حضرت عثمانؓ کا فعل قرار دینے میں توقف کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اہل سنت والجماعت کی علامات میں سے تفصیل شیعینؓ اور محبت شیعینؓ کو قرار دیا۔ اور انصاف یہ ہے کہ اگر افضلیت سے کثرت ثواب مراد ہو تو توقف کی وجہ ہے اور اگر وہ چیزیں مراد ہوں جن کو اہل دانش فضائل اور کمالات میں سے شمار کرتے ہیں تو (توقف کی) کوئی وجہ نہیں۔“

علامہ تفتازانی کا موقف یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کو حضرت علیؓ پر ترجیح دینے کا مسئلہ ظنی ہے۔ ہمارے اسلاف سے یہی ترتیب منقول ہے۔ اگر ہم اسلاف کے ساتھ حسن ظن کی بنیاد پر ان کی تقلید نہ کرتے تو اس بارے میں توقف ہی افضل تھا۔ ایک تو اس لیے کہ اس سلسلے میں شیعہ اور اہل سنت کے دلائل متعارض ہیں۔ لہذا کسی بات کا یقین نہیں کیا جاسکتا۔

دوم یہ کہ مسئلہ اعتقادی ہے، ظنی نہیں اور اعتقادیات میں غلطیات کافی نہیں ہوا کرتے۔ سوم یہ کہ اس مسئلے میں توقف اور سکوت کسی واجب شرعی میں نکل نہیں۔

علامہ تفتازانی کی یہ تینوں باتیں خلاف واقع، ضعیف اور کمزور ہیں۔ اسی طرح موصوف کا یہ کہنا (کہ ہمارے اسلاف نے توقف کو ترجیح دی ہے) بھی اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اہل سنت اور اہل تشیع کے درمیان متنازع فیہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان افضلیت کی بات نہیں بلکہ حضرت ابو بکرؓ کے حضرت علیؓ سے افضل ہونے کا مسئلہ ہے۔ لہذا انہوں نے توقف نہیں کیا بلکہ ”تفصیل شیعینؓ“ کو اہل سنت والجماعت کی علامات سے شمار کیا ہے۔

اس موقف کے آخر میں موصوف نے جو ’انصاف‘ فرمایا ہے وہ شیعیت ہی کی ترجمانی ہے۔ بعض علماء نے ان کے اس ’انصاف‘ کی بناء پر پورا پورا انصاف کرتے ہوئے فرمایا کہ علامہ تفتازانی کے اس ’انصاف‘ سے شیعیت کی بڑھتی ہے۔ یعنی ان کا یہ کہنا کہ اگر فضیلت سے مراد کثرت ثواب ہے پھر تو توقف کی کوئی زیادہ ہے کیونکہ کثرت ثواب کا تعلق عقل سے ممکن نہیں اور نقل واریز نہیں۔ اور اگر ان اشیاء کی زیادتی مراد ہے جن کو لوگ کمالات میں شمار کرتے ہیں تو پھر تو توقف کی کوئی وجہ نہیں۔ اس لیے کہ حضرت علیؑ کے کمالات اور کرامات زیادہ ہیں۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اسلاف نے حضرت عثمانؓ کو حضرت علیؑ پر فضیلت ترجیح دی ہے اور اس کے برعکس عقیدے کو شیعیت قرار دیا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

قال الشیخ فی عرف المتقدمین هو اعتقاد تفضیل علیؑ علی عثمانؓ و أن علیاً کان مصیبا فی حرو بہ، ان مخالفہ مخطی مع تقدیم الشیخین و تفضیلہما، و أما الشیخ فی عرف المتأخرین فهو الرقص المحض فلا تقبل رواۃ الرافضی الغالی ولا کرامۃ۔“
(تہذیب التہذیب جلد اول ص ۹۴)

متقدمین کے عرف و اصطلاح میں تشیع کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علیؑ کو عرف عثمانؓ پر فضیلت دی جائے اور یہ کہ حضرت علیؑ ان جنگوں میں حق بجانب تھے اور ان کے مخالف خطاء پر تھے اس کے ساتھ ساتھ وہ شیخینؓ کی تفضیل کے بھی قائل تھے۔ (مگر پھر بھی انہیں شیعہ سمجھا جاتا تھا) جب کہ متأخرین کے نزدیک شیعیت خالص رفض کا نام ہے لہذا نہ تو اس غالی رافضی کی روایت قبول کی جاسکتی ہے اور نہ ہی اس کی عزت کی جاسکتی ہے۔

اس سے واضح ہو گیا ہے کہ متقدمین، سلف صالحین اور محدثین نے اس شخص کو جو تمام اصول و فروع میں اہل سنت والجماعت کے ساتھ متفق ہے لیکن حضرت علیؑ کو حضرت عثمانؓ پر فضیلت دیتا ہے، شیعہ قرار دیا ہے۔ محدث کبیر مولانا بدر عالم صاحب فرماتے ہیں:

”واضح رہنا چاہیے کہ سلف میں جو شخص حضرت علیؑ کو حضرت عثمانؓ پر فضیلت دیتا تھا وہ شیعیت سے متہم ہو جاتا تھا۔“ (ترجمان السنۃ جلد اول ص ۲۶۸)

حضرت مجدد الف ثانیؒ ’کیسویں عقیدے‘ کے ذیل میں فرماتے ہیں:

”اور فضیلت کی ترتیب خلفائے راشدین کے درمیان خلافت کی ترتیب کے موافق ہے

لیکن شیخین کی فضیلت صحابہ اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہوئی ہے... لیکن حضرت عثمانؓ کی فضیلت حضرت علیؓ پر، پس اکثر اہل السنۃ اس بات پر ہیں کہ شیخین کے بعد افضل حضرت عثمانؓ ہیں۔ حضرت علیؓ اور ائمہ اربعہ مجتہدین کا بھی یہی مذہب ہے اور وہ توقف جو حضرت عثمانؓ کی فضیلت میں امام مالک سے نقل کیا ہے، اس کے بارہ میں قاضی عیاض نے کہا ہے کہ امام مالک نے توقف سے حضرت عثمانؓ کی تفصیل کی طرف رجوع کیا ہے اور قرطبی نے کہا ہے ”ھو الاصح ان شاء اللہ تعالیٰ“ یہی درست ہے ان شاء اللہ۔

اور ایسے ہی توقف جو بعض نے امام اعظم کی اس عبارت سے سمجھا ہے کہ:

”من علامات السنة والجماعة تفضيل المصنفين ومحبة المصنفين“ یعنی شیخین کی تفصیل اور شیخین کی محبت سنت و جماعت کی علامات میں سے ہے۔

اس فقیر کے نزدیک اس عبارت کے اختیار کرنے کا محل اور ہے چونکہ حضرات محدثین کی خلافت کے زمانے میں فتنہ و فساد لوگوں میں بہت ظاہر ہو گیا تھا اور اس سبب سے لوگوں کے دلوں میں بہت کدورت آ گئی تھی اس لیے امامؓ نے اس بات کو مد نظر رکھ کر ان کے حق میں محبت کا لفظ اختیار کیا ہے اور ان کی دوستی کو سنت کی علامات سے فرمایا ہے بغیر اس امر کے کہ کسی قسم کا توقف ملحوظ ہو، اور یہ بھی کیونکہ جب کہ حنفیہ کی کتابیں اس مضمون سے بھری ہیں کہ ان (خلفاء) کی فضیلت ان کی خلافت کی ترتیب پر ہے۔ الغرض شیخین کی فضیلت یقینی ہے اور حضرت عثمانؓ کی فضیلت اس سے کم تر ہے لیکن احوط یہی ہے کہ حضرت عثمانؓ کی فضیلت کے منکر بلکہ شیخین کی فضیلت کے منکر کو بھی کفر کا حکم نہ کریں اور مبتدع اور ضال جانیں... اور جو کچھ مولانا سعد الدین نے شرح عقائد نسفی میں اس فضیلت کے حق میں انصاف سمجھا ہے وہ انصاف سے دور ہے اور وہ تردید جو اس نے کی ہے وہ سراسر لاجواب ہے۔

کیونکہ علماء کے نزدیک یہ بات مقرر ہے کہ اس جگہ فضیلت سے وہ مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بکثرت ثواب کے اعتبار سے ہے نہ کہ وہ فضیلت جو فضائل اور مناقب کے بکثرت ظاہر ہونے کے اعتبار سے ہے کیونکہ ایسی فضیلت عقل مندوں کے نزدیک سمجھ اعتبار نہیں رکھتی۔ کیونکہ سلف صحابہ و تابعین نے جس قدر فضائل و مناقب حضرت امیرؓ کی نسبت نقل کیے ہیں وہ اور کسی صحابی کی نسبت منقول نہیں ہیں۔ حتیٰ کہ امام احمد نے فرمایا ہے کہ:

”اور جو فضائل حضرت علیؓ کے بارے میں آئے ہیں وہ کسی اور صحابی کی نسبت نہیں آئے“ اور باوجود اس امر کے امام مذکور نے خلفائے ثلاثہ کی فضیلت کا حکم کیا ہے۔ پس معلوم

ہوا کہ افضلیت کی وجہ ان فضائل و مناقب کے سوا کچھ اور ہے۔ اور اس افضلیت پر اطلاع پامان دولت و جی کی ان مشاہدہ کرنے والوں کو میسر ہے جنہوں نے صریح طور پر یا قرائن سے معلوم کی ہے اور وہ صحابہ پیغمبر علیہ وعلیہم صلوٰۃ والتسلیمات ہیں۔

پس جو کچھ شارح عقائد نسفی نے کہا ہے اگر مراد افضلیت سے کثرت ثواب ہے تو پھر تو قف کی جہت ساقط ہے۔ کیونکہ تو قف کی تب ہی گنجائش ہوتی ہے جب کہ اس افضلیت کو صاحب شریعت کی طرف سے صریح طور پر یا ولایت کے طور پر معلوم نہ کیا ہو اور جب معلوم ہو چکی ہو تو پھر کیوں تو قف کریں؟ اور اگر معلوم نہ کیا ہو تو پھر افضلیت کا حکم کیا کریں؟ اور جو شخص سب کو براہ جانے اور ایک کو دوسرے پر فضیلت دینا فضول سمجھے وہ بوالفضول اور احمق ہے۔“ (مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی جلد دوم۔ دفتر اول حصہ چہارم ص ۶۱۷-۶۱۸)

مولانا محمد ادریس کاندھلوی فرماتے ہیں:

”تمام اہل حق کا اس پر اجماع ہے کہ پیغمبروں کے بعد تمام انسانوں میں افضل اور بہتر اور خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد امام برحق اور خلیفہ مطلق ابو بکر صدیقؓ ہیں اور ان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ اور ان کے بعد حضرت عثمان ذی النورینؓ اور ان کے بعد حضرت علیؓ بن ابی طالب اور ان کی فضیلت ان کی خلافت کی ترتیب کے موافق ہے۔۔۔

غرض یہ کہ کل صحابہ کرامؓ نے حضرت عثمانؓ کو حضرت علیؓ سے اور تمام صحابہ سے افضل سمجھ کر خلیفہ بنادیا اور صحابہ کرامؓ کو حضرت عثمانؓ کی افضلیت میں کوئی شبہ اور تردد نہ تھا، سب نے بالاتفاق اور بلا تردد اور بلا کسی بحث کے عثمانؓ کو افضل سمجھ کر خلیفہ مقرر کیا۔

لہذا علامہ تفتازانی کو اگر حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی افضلیت میں کوئی تردد پیش آئے تو صحابہ کرامؓ کو تو تردد نہ تھا اور یہی اہل السنۃ کا مسلک ہے کہ عثمانؓ غنیؓ کا مرتبہ حضرت علیؓ سے بڑھا ہوا ہے۔“ (عقائد الاسلام ص ۱۶۳، ۱۷۹)

علامہ عبدالعزیز فرہاروی (م ۱۲۳۹ھ) نے بھی ”شرح عقائد“ کے اس مقام پر نہایت مدلل انداز کے ساتھ حضرت عثمانؓ کی حضرت علیؓ پر افضلیت ثابت کرتے ہوئے بعض سلف کا رجوع نقل کیا ہے:

”وذكر القاضي عياض عن الامام مالك أنه رجع عن التوقف إلى هذا وحكي القسطلاني عن سفيان الثوري أنه رجع عن تفضيل عليؓ إلى تفضيل عثمانؓ۔ فاحفظ هذا التحقيق۔ بقى ههنا بحثان الأول قال ببعض المحققين في الكلام

للمسارح (تفتازانی) لهذا شائبة من الرقص وتعقبه محشي آخر و قال: الاعتراف
بفضائل علي و مناقبه ليس رقصا - قلت الاعتراف بمناقبه ركن الإيمان لكن لم يكن
يخفى على المسارح أن مراد أهل السنة بالفضيلة أكثرية الثواب فالترديد ليس على
ما ينبغي^٢ (النمر اس شرح الشرح العقائد ص ٢٩٢)

اس عبارت کا مفہوم پیچھے واضح کر دیا گیا ہے؛ بہر حال مذکورہ تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ علامہ
تفتازانی تیموری و بار میں بے پناہ رسوخ کی وجہ سے بعض شیعہ عقائد و افکار سے متاثر ہو گئے تھے۔

☆☆☆☆☆☆

۷۔ میر سید شریف جرجانی

(م ۸۱۶ھ)

علی نام، ابو الحسن کنیت، زین الدین لقب، والد کا نام محمد اور دادا کا نام علی ہے۔ میر سید شریف کے ساتھ مشہور ہیں۔ علوم ادبیہ اور علوم نقلیہ میں درجہ کمال تک پہنچے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ علم باطن کے زیور سے بھی آراستہ تھے۔ آپ نے علم تصوف خلوہ عطار سے حاصل کیا تھا اور فرمایا کرتے تھے کہ ”ہم نے خدا کو کما بطنی اس وقت تک نہیں پہچانا جب تک کہ ہم خلوہ عطار کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے۔“

موصوف علامہ سعد الدین تفتازانی کے ہم عصر تھے اور ان ہی کی بیہ سے تیموری دربار میں رسوخ حاصل کیا (تیمور کے افکار و نظریات پیچھے گزر چکے ہیں)، لیکن بعد میں ”معاصرانہ چشمک“ کی بیہ سے اپنی تحریرات میں علامہ تفتازانی پر خوب اعتراضات کرنے کے علاوہ قطبی کے حاشیہ میں سخت الفاظ میں چونٹیں بھی کیں بلکہ تیمور کے دربار میں اپنی اپنی علمی دھاک بٹھانے کے لیے دونوں فضلاء کے درمیان نوک جھونک، بحث و مباحثہ اور مکالمہ و مناظرہ رہتا تھا۔

اس نوعیت کے ایک مناظرہ میں ”تنگم“ نے میر سید شریف کے حق میں فیصلہ کر دیا جس کے نتیجے میں شاہ نے علامہ تفتازانی پر میر سید شریف کا رتبہ بڑھا دیا۔ بعد میں اسی شکست کے صدمہ کی بیہ سے علامہ تفتازانی کچھ عرصہ صاحب فراش رہ کر ۹۲۷ھ میں انتقال کر گئے۔

میر سید شریف جرجانی کی بہت سی کتب اور شروح درس نظامی کے نصاب میں شامل ہیں۔ جمہور اہل سنت والجماعت کے نزدیک حضرت علیؑ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جو اختلاف ہوا وہ ”اجتہادوی“ تھا جب کہ میر سید شریف جرجانی شارح موافق نے کہا ہے کہ ”ہمارے بہت سے اصحاب کا قول ہے کہ یہ اختلاف اجتہاد پر مبنی نہیں تھا۔“ امام ربانی مجدد الف ثانی بحوالہ شیخ ابن حجر مکی لکھتے ہیں:

”حضرت معاویہؓ اور امیر کے درمیان جھگڑے از روئے اجتہاد کے ہوئے ہیں اور اس قول کو اہل سنت کے معتقدات سے فرمایا ہے۔ اور شارح موافق نے جو یہ کہا ہے کہ ہمارے بہت سے اصحاب اس بات پر ہیں کہ وہ منازعات از روئے اجتہاد کے نہیں ہوئے۔ معلوم نہیں، اصحاب

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

میر سید شریف جر جانی

سے اس کی مراد کون سا گروہ ہے؟ جب کہ اہل سنت اس کے برخلاف حکم دیتے ہیں اور قوم کی کتناہیں خطائے اجتہادی سے بھری پڑی ہیں جیسے کہ امام غزالی اور قاضی ابوبکر وغیرہ نے تصریح کی ہے۔ پس حضرت امیرؓ کے ساتھ لڑائی کرنے والوں کے حق میں ”فسق و نفاق“ کا گمان جائز نہیں ہے۔“ (مکتوبات امام ربانی اردو۔ مکتوبات حصہ چہارم دفتر اول جلد دوم ص ۸۷۸۔ مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی مندر روڈ کراچی)

علامہ عبدالعزیز مباروی فرماتے ہیں کہ:

”اور جولوگ ان (جمل اور صفیں) اور جھگڑے صحابہ کرامؓ کے درمیان ہوئے... تو ان کے لیے اچھی تو جہات و نایات ہیں اور وہ تو جیہ یہ ہے کہ بے شک وہ حضرات حق کے طلب گار تھے لیکن بعض ان میں سے اپنے اجتہاد میں مصیبت ہوئے اور بعض غلطی۔ اور اجتہادی خطاء والے پر کوئی مواخذہ نہیں بلکہ وہ بھی اجر و ثواب کا مستحق ہے۔ سلف صالحین کی یہی عادت رہی ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ کے افعال کو نیک مقاصد پر محمول کرتے ہیں۔“ (الہم اس شرح لشرح العقائد ص ۵۴۹)

علامہ خفاجی شرح شفاء میں لکھتے ہیں کہ:

”یہ کچھ ایسے امور تھے جو ان سے اجتہاداً صادر ہوئے۔ ان کا منشاء کوئی اغراض نفسانیہ نہ تھیں نہ ان کا مطمح نظر کوئی دنیوی امور تھے (كما يظنه الجہلۃ) جیسا کہ جاہلوں نے سمجھ رکھا ہے۔“ (نسیم الریاض جلد ۳ ص ۲۶۷)

علمائے اہل سنت کی تصریحات سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ صحابہ کرامؓ کے باہمی اختلافات اجتہاد پر مبنی تھے لہذا علامہ میر سید شریف جر جانی کی یہ بات خلاف حقیقت ہے کہ یہ اختلافات اجتہادی نہیں تھے۔

☆☆☆☆☆☆

۸۔ مولانا عبدالرحمن جامی

(م ۸۹۸ھ)

نام عبدالرحمن، لقب اصلی عماد الدین، لقب مشہور نور الدین، کنیت ابو البرکات اور تخلص جامی ہے۔ علوم عقلیہ اور نقلیہ کی تحصیل کے بعد تصوف و سلوک کی منازل طے کیں۔ شعر و شاعری سے نہ صرف یہ کہ آپ کو دلچسپی تھی بلکہ فارسی شعراء میں آپ کو ممتاز مقام بھی حاصل ہے۔ ”کلیات جامی“ کے نام سے آپ کا مستقل دیوان طبع ہو چکا ہے۔

مختلف علوم و فنون میں تصانیف کی تعداد چون (۵۴) ہے جن میں سے ایک اہم تصنیف ”شرح جامی“ ہے جو کافہ کی مشہور و معروف شرح ہے۔ اسی طرح ”مثنوی جامی“ کے نام سے ”یوسف زلیخا“ کے شروع میں ۱۳۲ اشعار پر مشتمل آپ کی ایک مشہور نعت فارسی میں ہے جسے مولانا محمد زکیا صاحب کاندھلوی نے مع ترجمہ اپنی کتاب فضائل درویش ریف میں درج کیا ہے۔ اس سے پہلے موصوف نے اپنے والد صاحب کی زبانی مولانا جامی کے متعلق ایک قصہ بھی نقل کیا ہے کہ:

”مولانا جامی یہ نعت کہنے کے بعد ایک مرتبہ حج کے لیے تشریف لے گئے تو ان کا ارادہ یہ تھا کہ روضہ اقدس کے پاس کھڑے ہو کر اس نظم کو پڑھیں گے۔ جب حج کے بعد مدینہ منورہ کی حاضری کا ارادہ کیا تو امیر مکہ نے خواب میں حضور اقدس کی زیارت کی۔ حضور اقدس نے خواب میں ان کو یہ ارشاد فرمایا کہ اس کو (جامی کو) مدینہ نہ آنے دیں۔ امیر مکہ نے ممانعت کر دی مگر ان پر جذب و شوق اس قدر غالب تھا کہ یہ چھپ کر مدینہ منورہ کی طرف چل دیے۔

امیر مکہ نے دوبارہ خواب دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ آ رہا ہے۔ اس کو یہاں نہ آنے دو۔ امیر نے آدمی دوڑائے اور ان کو راستہ سے پکڑوا کر بلایا، ان پر سختی کی اور جیل میں ڈال دیا۔

اس پر امیر کو تیسری مرتبہ حضور اقدس کی زیارت ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ کوئی مجرم نہیں بلکہ اس نے کچھ اشعار کہے ہیں جن کو یہاں آ کر میری قبر پر کھڑے ہو کر پڑھنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ اگر ایسا ہو تو قبر سے مصافحہ کے لیے ہاتھ نکلے گا جس میں فتنہ ہوگا۔ اس پر ان کو جیل سے

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدین مولانا عبدالرحمن جامی

نکالا گیا اور بہت اعزاز و کرام کیا گیا۔ (فضائل درود شریف ص ۱۳۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی پہچان تو صحابہ کرامؓ سے محبت ہے۔ تعجب ہے کہ مولانا جامی جیسے ”عاشق رسول“ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ”اجتہادی خطائے“ کو نہ صرف ”خطائے منکر“ کہا بلکہ ان معظم پر تعریف کرتے ہوئے ان کا نام لینا بھی گوارا نہ کیا۔

بیر نفیس الدین گولڑوی نے جمہور اہل سنت والجماعت کے نظریہ کے برعکس اپنے باطل نظریے کو مولانا جامی کے نظریہ سے ثابت کیا ہے۔ چنانچہ پیر گولڑوی لکھتے ہیں:

”اس میں شک نہیں کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ خلیفہ برحق تھے اور اس پر اجماع امت ہے کہ جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علیؓ کے خلاف جو رویہ اختیار کیا وہ کسی بھی لحاظ سے پسندیدہ نہ تھا۔ ان کے اس رویے کو محض خطائے اجتہادی قرار دے کر موجد جبر و ثواب سمجھنا محل نظر ہے۔ کسی شرعی مسئلہ میں حتیٰ الوسع جدوجہد کے بعد اجتہادی غلطی کا معاملہ کچھ اور ہے مگر دنیوی اور ملکی امور میں ایسی اجتہادی خطائے کو جو موجد جبر و ثواب، باعث اجر و ثواب قرار دینا قرین دانش مندی و انصاف نہیں۔

ہمیں درجہ صحابیت کا لحاظ ہے اور ہم جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی عناد نہیں رکھتے مگر اتنی بات ضرور ہے کہ ہم ان کے اس طرز عمل کو اجتہادی کارنامہ سمجھنے سے قاصر ہیں۔ (بیر صاحب کے خیالات و افکار آگے مستقل عنوان کے تحت آرہے ہیں)

ہم اپنے اس نقطہ نظر کی تائید میں اہل سنت والجماعت کی چند نامور اور معتبر شخصیات کی عبارات و نظریات پیش کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

مشہور عاشق رسولؐ اور عارف حضرت مولانا عبدالرحمن جامی قدس سرہ السامی نقشبندی فرماتے ہیں:

جمعے از متحش اباً کردند و ندراں سرکشی خطا کردند
ترجمہ: ایک جماعت نے حضرت علیؓ کی بیعت سے انکار کیا اور اس جماعت نے سرکشی میں خطا کی۔

اپنی اسی تصنیف میں مولانا جامی ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

واں خلائی کہ داشت با حیدرؑ در خلافت صحابی و دیگر
حق در آنجا بدست حیدرؑ بود جنگ با او خطائے منکر بود

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین مولانا عبدالرحمن جامی

ترجمہ: اور وہ دوسرا صحابی جو یہ سلسلہ خلافت حضرت علیؓ سے اختلاف رکھتا تھا (یعنی جناب معاویہ رضی اللہ عنہ) اس وقت حق علی المرتضیٰؓ کی طرف تھا اور ان سے جنگ کرنا خطائے منکر تھا یعنی ناپسندیدہ خطائی۔ (۱۴م و نسب ص ۵۳۳)

پیر نسیم الدین صاحب گولڑوی ”لعنت بریزید“ سے متعلق مولانا جامی کا ایک مکالمہ نقل کرتے ہیں:

”عارف جامی حضرت مولانا عبدالرحمن جامی (م ۸۹۸ھ) کے دور میں بھی یہ مسئلہ زیر بحث آیا۔ چنانچہ مولانا جامی کے فارسی کلیات کے مقدمہ نگار ہاشم رضا اپنے طویل مقدمے میں یہ روایت تذکرہ کرنی، خزینۃ الاصفیاء، لطائف الطوائف اور مولانا فخر الدین علی کا شفی کے حوالے سے رقم طراز ہیں...

مرزا باہر کے زمانے میں سمرقند کے ایک ”مزید“ نامی دانش مند فقیہ ہرات آئے۔ مولانا جامی اور مولانا مزید دونوں مرزا باہر کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مرزا نے لعن بریزید کے بارے میں ”مزید“ سے سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ بریزید پر لعنت کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ اہل قبلہ میں سے تھا۔ چنانچہ مرزا نے یہی سوال مولانا جامی سے کیا کہ مولانا مزید کا تو یہ خیال ہے، آپ اس سلسلے میں کیا فرماتے ہیں؟

اس پر مولانا جامی کہنے لگے کہ ہم کہتے ہیں ”صد لعنت بریزید و صد دیگر بریزید“، سو لعنت بریزید پر اور سو بریزید۔

اس کے دو معنی نکلتے ہیں۔ یعنی سو لعنت بریزید پر ہو اور سو ”مزید“ پر۔ یعنی جو شخص بریزید کو مستحق لعنت نہ سمجھتا ہو اس پر بھی لعنت۔ اس طرح حضرت جامی نے لفظ ”مزید“ سے زائد کا مفہوم نکال لیا اور مولانا مزید جو لعن بریزید کے مخالف تھے ان کا نام لے کر ان پر بھی چار حرف بھیج دیے۔ ایسے واقعات اور نکتہ آفرینیاں ان لوگوں کی حاضر جوابی اور ذہانت و فطانت کا بین ثبوت ہیں۔“ (۱۴م و نسب ص ۵۳۰)

بہر حال مولانا جامی کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تعریف اور ان کی خطائے منکر کہنا ہی ہی ماروا جبارت ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا جامی نے ”مگر“ کے ساتھ لعنت کی بھی نسبت کی ہے یعنی ”مگر وہ لعنت کا مستحق ہے“ چنانچہ فرماتے ہیں:

حضرت مولانا جامی نے جو خطائے منکر کہا ہے اس نے بھی زیادتی کی ہے۔ خطا پر جو کچھ زیادہ کریں خطا ہے اور جو کچھ اس کے بعد کہا ہے کہ اگر وہ لعنت کا مستحق ہے... الخ یہ بھی نامناسب

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین مولانا عبدالرحمن جامی

کہا ہے۔ اس کی تردید کی کیا حاجت ہے؟ اور اس میں کون سا محل اشتباہ ہے۔ اگر یہ بات یزید کے حق میں کہتے ہیں تو بے شک جائز تھا لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں کہنا بڑا ہے۔ اور احادیث نبوی میں معتبر اور ثقات کی اسناد سے مروی ہے کہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ دعا کی ہے:

”اللّٰهُمَّ عَلِّمَهُ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقَدْ الْعَذَابُ“

یا اللہ تو اس کو کتاب و حساب سکھا اور عذاب سے بچا۔

اور دوسری جگہ دعا میں فرمایا:

”اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِياً وَمُهْدِياً“۔ یا اللہ تو اس کو ہادی اور مہدی بنا۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مقبول ہے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات مولانا (جامی) سے سبب و نسیان کے طور پر سرزد ہوئی ہوگی اور نیز مولانا (جامی) نے ان ہی آیات میں (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے) نام کی تصریح نہ کر کے کہا ہے وہ صحابی اور ہے اور یہ عبارت بھی ناخوشی سے خبر دیتی ہے۔“
(مکتوبات امام ربانی جلد دوم ص ۵۸۰)

☆☆☆☆☆☆

۹۔ ملا علی قاری

متوفی ۱۰۱۴ھ

حضرت شیخ نور الدین علی بن سلطان محمد ہروی الشہیر بہ ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں زیر عنوان ”۴۰ مختلف اہل السنۃ فی تسمیۃ للمعاویۃ باغیا“ لکھتے ہیں کہ:

ثم کان معاویۃ مخاطبا الا انه فعل ما فعل عن تاویل قلم بصرہ فاسقا واختلف اهل السنۃ والجماعۃ فی تسمیۃ باغیا فمنہم من امتنع من ذالک والصحیح من اطلق (بلفظ الباغی ای علی معاویۃ) لقوله لعمار تغتلب الفئۃ الباغیۃ وکان علی مصیبا فی التحکیم وزعمت الخوارج انه کان مخاطبا قبه وقد کفر اذا الواجب فی اهل البغی المحاربۃ لقوله سبحانه وتعالی: ”فان بغت احدهما علی الاخری فقاتلوا الّٰتٰی تبغی حتی تفتیء الٰی امر اللّٰہ“

ولکننا نقول المقصود اراد دفع الشر وتالیف القلوب وذا فیما فعل علی۔

(شرح فقہ اکبر ص ۸۲)

پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خطی تھے مگر انہوں نے جو کچھ کیا تاویل کے ساتھ کیا۔ پس وہ اس فعل کی وجہ سے فاسق نہیں ہو گئے۔ اور اہل سنت والجماعت نے انہیں ”باغی“ کا نام دینے میں اختلاف کیا ہے۔ پس بعض نے اس سے منع کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ پر باغی کا اطلاق درست ہے۔ آخر حضرت علی رضی اللہ عنہ وسلم کے حضرت عمارؓ کے لئے اس قول کی بناء پر کہ تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تحکیم میں مصیب تھے اور خوارج نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ اس ^۱ ناقم الحروف کی کتاب ”تذکرہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ“ مطبوعہ ۱۹۹۵ء میں ملا علی قاری کے عنوان کے تحت ”حمل بصرہ فاسقا“ کے ترجمہ اور اس سے اخذ کردہ نتیجے میں مؤلف کی نفاذی کے باوجود کتاب، کمپوزر اور پروف ریڈر کے سہ سے صحیح نہیں ہو سکی۔ اب بعض ناشرین بلا اجازت اور باہمیج اسے شائع کر رہے ہیں جو اخلاقا اور قانوناً درست نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس غلطی سمیت جملہ خطاؤں کو معاف فرمائے۔ آمین

میں جھٹی تھے اور انہوں نے کفر کا ارتکاب کیا۔ ان پر باغیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی بناء پر لڑنا فرض تھا کہ ”مگر ان دونوں گروہوں میں سے ایک دوسرے گروہ پر بغاوت کرے تو تم اس کے ساتھ قتال کرو جس نے بغاوت کی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔“
اور لیکن ہم کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے دفع شر اور تالیف قلوب کی وجہ سے تکمیل قبول کی تھی۔
(شرح فقہ اکبر ص ۸۲)

اس عبارت سے درج ذیل امور ثابت ہوئے:

۱۔ حضرت معاویہ جھٹی تھے۔

۲۔ اس فعل کی وجہ سے وہ فاسق نہیں ہوئے۔

۳۔ جو اہل سنت ان پر باغی کا اطلاق نہیں کرتے وہ غلط ہے۔

۴۔ انہیں باغی کہنا صحیح ہے۔

۵۔ حضرت علیؓ بھی انہیں باغی سمجھتے تھے مگر انہوں نے حکم الہی: ”فقاتلوا النبی تبغی“ کی خلاف ورزی ”دفع شر اور تالیف قلوب“ کی خاطر کی تھی۔

موصوف اپنی ایک دوسری کتاب میں حدیث عمارؓ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:

”اعلم ان عمارا قتلہ معاویہ وقتہ فکانوا طاغین باغین بغذا الحدیث“

جاننا چاہیے کہ حضرت عمارؓ کو معاویہ اور اس کے گروہ نے قتل کیا تو وہ اس حدیث کی رو سے طاغی (سرکش) باغی ہو گئے۔

جن حضرات نے لفظ (باغی) کی تاویل طالب دم عثمانؓ سے کی ہے انہیں جواب دینے ہوئے موصوف فرماتے ہیں کہ:

قلت فاذا کان الواجب علیہ ان یرجع عن بغیہ باطاعنہ الخلیفۃ یشترک المخالفة و طلب الخیلة المنفیة عنین بغذا انه کان فی الباطن باغیا و فی الظاهر مستترا بدم عثمان
مراعیا مرائبا فحاء هذا الحدیث علیہ ناعیا وعن عمله ناهیا لکن کان ذلك فی الکتاب
مسطورا فصار عنده کل من القرآن والحدیث مهجورا فرحم الله من انصف ولم
یتعصب ولم یتعسف وتولی الاقتصاد فی الاعتقاد لئلا يقع فی جانی سبیل الرشاد من
الرفض والنصب بان یحب جمیع الآل والصحب۔ (المرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح
جلد ۱ ص ۱۷۷ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

میں کہتا ہوں کہ جب معاویہ پروا جب تھا کہ وہ خلیفہ کی اطاعت کر کے اپنی باغیانہ سرگرمیوں سے رجوع کرنا اور خلیفہ کی مخالفت اور منفی خلافت کی طلب و خواہش ترک کر دیتا (مگر اس نے یہ کام نہیں کیا) تو ظاہر ہو گیا کہ وہ باطن (حقیقت) میں باغی تھا اور ظاہری طور پر اس نے قصاص عثمانؓ کا لبادہ اپنی حفاظت کے لئے ریاکارانہ طور پر اوڑھ رکھا تھا سو یہ حدیث اس کے گناہ کو ظاہر کرنے اور اس کے عیب کا اعلان کرنے اور اس کے عمل بغاوت سے روکنے کے لئے آگئی۔ لیکن یہ سب کچھ مقدر ہو چکا تھا۔ پس قرآن و حدیث دونوں معاویہ کے نزدیک متروک ہو گئے۔ سو اللہ رحم کرے اس شخص پر جس نے تعصب نہ کیا اور نہ ہی ظلم کیا اور اعتقاد میں میانہ روی اختیار کی تاکہ عرطہ مستقیم سے بہت کر رافضیت اور نصیبت میں نہ چپڑے اور تمام آل و اصحاب سے محبت رکھے۔

ملا علی قاری کی مذکورہ تشریح سے حسب ذیل امور ثابت ہوئے:

- ۱۔ معاویہؓ کو چاہیے تھا کہ بغاوت سے رجوع کرنا۔
 - ۲۔ معاویہؓ کو خلیفہ کی اطاعت کرنی چاہیے تھی۔
 - ۳۔ معاویہؓ کو چاہیے تھا کہ وہ خلیفہ کی مخالفت اور ناجائز خلافت کی طلب ترک کر دیتا۔
 - ۴۔ معاویہؓ حقیقت (باطن) میں باغی تھے۔
 - ۵۔ معاویہؓ نے دکھلاوے اور ریاکارانہ طور پر دم عثمانؓ کی آڑ لے رکھی تھی۔
 - ۶۔ حدیث عمارؓ معاویہؓ کے باغی ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر رہی ہے۔
 - ۷۔ معاویہؓ نے قرآن و حدیث کے واضح احکام کی خلاف ورزی کی۔
 - ۸۔ انصاف اور اعتدال یہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو مذکور بالا امور کا مرتکب سمجھا جائے۔
- حضرت ملا علی قاری کے نزدیک محاربین اہل بیت کی مذمت کرنا امت کا ”اجماعی“ مسئلہ ہے چنانچہ وہ ایک دوسرے مقام پر اس ”اجماعی عقیدے“ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

قف فضل اهل البيت و ذم من حاربهم امر مجمع عليه عند العلماء السنة و الاخبار
أئمة الامة“ (مرقاۃ المفاتیح۔ کتاب المناقب و الفضائل جلد ۱۔ ص ۵۳۴)

پس اہل بیت کی فضیلت بیان کرنا اور جن حضرات نے ان کے ساتھ جنگ کی ہے ان کی مذمت بیان کرنا ایسا مسئلہ ہے جس پر اہل سنت کے علماء اور امت کے اماموں کا اجماع ہے۔

سخت حیرت ہے کہ ملا علی قاری ”محاربین اہل بیت“ کے تخطیہ ہی کو نہیں بلکہ ان کی مذمت کو امت کا اجماعی مسئلہ قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ محدثین کرام کے نزدیک ایسا رجحان تشیع کے

زمرے میں آتا ہے۔

”فالتشیع فی عرف المنقلبین هو اعتقاد تفضیل علی علی عثمان وان علیا کان مصیبا فی حروبه وان مخالفه مخطی مع تقدیم الشیخین و تفضیلہما“ (تہذیب المعجم جلد اول ص ۹۴، فتح الملہم جلد اول ص ۶۵)

مقدمین کی اصطلاح میں تشیع کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علیؑ کو صرف حضرت عثمانؓ پر فضیلت دی جائے اور یہ کہ حضرت علیؑ اپنی جنگوں میں حق بجانب اور ان کے مخالف خطا پر تھے، اس کے ساتھ ساتھ وہ شیخین کی تفضیل کا بھی قائل ہو۔

امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ:

یہ ضروری نہیں ہے کہ حضرت امیر (یعنی علیؑ) تمام اجتہادی و اختلافی امور میں حق پر ہوں اور ان کے مخالف خطا پر۔ (مکتوبات جلد دوم ص ۵۵۔ مکتوب نمبر ۲۶)

حضرت موصوف ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:

اے برادر! اس امر میں بہتر طریق یہ ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحابؓ کے لڑائی جھگڑوں سے خاموش رہیں۔ ان کی خطا کو بھی زبان پر نہ لانا چاہیے۔ ان کے ذکر خیر کے سوا اور کچھ نہ بیان کرنا چاہیے۔ (مکتوبات امام ربانی جلد دوم ص ۵۸۲)

مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں کہ: ”زلک انبیاء سے بھی ہوئی، حضرت علیؑ بھی خطا سے مامون نہ تھے۔“ (ملاحظہ ہوتا لیفات رشیدیہ۔ ہدیۃ الشیعہ ص ۵۸۴)

بہر حال یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ صحابہ کرامؓ کے مشاجراتی اختلافات میں اصل مذہب سکوت و توقف ہے۔ مشاجرات میں وہی قوی ترین، مقبول ترین، رائج ترین اور صریح نصوص کے عین مطابق ہے۔ائمہ اربعہ کے مذاہب سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ اس معاملہ میں سکوت و توقف ہی کے قائل تھے۔

ملا علی قاری کا یہ جارحانہ انداز (میں کہتا ہوں کہ جب معاویہ پر واجب تھا کہ وہ خلیفہ کی اطاعت کر کے اپنی باغیانہ سرگرمیوں سے رجوع کرنا...) تو سراسر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین پر مبنی ہے جس میں یقینی طور پر مطلق صحابیت کی رعایت بھی ملحوظ نہیں رکھی گئی۔ پھر معلوم نہیں کہ انہوں نے ”شرح فقہ اکبر“ میں ”قلم بصرہ فاسقا“ کے جملے سے ”فسق“ کی نفی کس طرح کر دی؟ موصوف نے معاویہ رضی اللہ عنہ پر جو ”فروجہ“ عائد کی ہے کیا وہ امور ”فسق“ کی تعریف میں نہیں آتے؟

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ:

”فسق کے لفظی معنی خروج اور باہر نکل جانے کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل جانے کو ”فسق“ کہتے ہیں اور اطاعت الہیہ سے نکل جانا کفر و انکار کے ذریعہ بھی ہوتا ہے اور عملی یا فرامانی کے ذریعہ بھی۔ اس لیے لفظ ”فسق“ کافر کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں بیشتر لفظ ”فاسقین“ کافروں ہی کے لیے استعمال ہوا ہے اور مومن گناہ گار کو بھی فاسق کہا جاتا ہے۔ فقہاء کی اصطلاح میں عموماً لفظ فاسق اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ان کی اصطلاح میں فاسق کو کافر کے بالمقابل اس کی قسم قرار دیا گیا ہے۔ جو شخص کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے اور پھر اس سے توبہ بھی نہ کرے یا صغیرہ گناہ پر اصرار کرے، اس کی عادت بنا لے وہ فقہاء کی اصطلاح میں فاسق کہلاتا ہے اور جو شخص یہ فسق کے کام اور گناہ اعلانیہ جرأت کے ساتھ کرتا پھرے اس کو فاجر کہا جاتا ہے۔“ (معارف القرآن جلد اول ص ۱۶۸۔ تحت آیت تَوَّابُ يُضِلُّ بِهٖ اِلَّا الْفَاسِقِيْنَ ۝)

حضرت ملا علی قاری کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ”خطی کہنا، باغی طاعی بنانا، خلیفہ راشد حضرت علی کا فرمان اور حکم عدول ثابت کرنا، اس بغاوت سے رجوع نہ کرنا، منفی خلافت کی طلب کرنا، قصاص عثمان کا لبا و محض اپنی حفاظت کے لیے ریاکارانہ طور پر اوڑھنا اور قرآن و حدیث دونوں (کے احکام کو) ترک کر دینا“ جیسے امور کا مرتکب قرار دینا۔ یقیناً یہ جملہ امور لفظ ”فسق“ کی لغوی، لفظی، اصطلاحی اور فقہی تعریف میں داخل ہیں۔

مذکورہ جملہ امور کے ارتکاب کی صورت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ”فسق کی نفی کس طرح ممکن ہے؟ پس ملا علی قاری کے اس قول کہ ”قلہم یصربہ فاسقا“ میں فسق کی نفی کو صرف ”کفر و انکار“ کی نفی پر ہی محمول کیا جاسکتا ہے، اس کے علاوہ دوسری کوئی صورت ممکن نہیں۔

محقق اہل سنت مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی ملا علی قاری کے مذکورہ منصفانہ اور معتدلانہ نظریہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

کیا خوب! اگر یہ بھی اعتدال و انصاف، تعصب و تعسف سے پاک سبیل الرشاد اور حب آل و اصحاب ہے تو ملا علی قاری کو تسلی رکھنی چاہیے کہ پھر آل و اصحاب کے حق میں بے اعتدائی و بے انصافی، تعصب و تعسف اور بغض آل و اصحاب نامی کوئی چیز دنیا میں نہیں، پھر رافضی و ماصی اور خارجی و سبائی دنیا میں کوئی نہیں۔ (سبائی فتہ جلد ۱ ص ۲۹۹ طبع اول، جلد ۲ ص ۲۲۰ طبع دوم)

☆☆☆☆☆☆

۱۰۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی

(۱۰۵۲ھ)

آپ کے آباء واجداد بخارا سے وہلی میں آکر کونٹ پذیر ہوئے۔ یہیں ۹۵۸ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ اپنے زمانے کے ”فقیر، محقق، محدث، مدق، بقیۃ السلف، حجة الخلف، فخر مسلمانان برصغیر اور جامع علوم ظاہری و باطنی“ تھے۔ آپ صاحب تصنیف بزرگ ہیں جن میں سے ۱۳۰۰۰۰ السمعات شرح مشکوٰۃ، مدارج النبوت، اخبار الانبیاء، جذب القلوب الی دیار المحبوب اور تکمیل الایمان و تقویت الایقان ”نزیلا و شہواریں۔

آپ نے ۱۰۵۲ھ میں رحلت فرمائی اور آپ کا مقبرہ حضرت قطب صاحب مہرولی وہلی میں حوض شمس کے کنارہ پر واقع ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی آپ کے ہم عصر تھے۔ دین اسلام پر مذاہب باطلہ بنو و نصاریٰ، و شمنان اصحاب رسول، صوفیہ ملاحدہ اور مبتدعین کی طرف سے یلغار جاری تھی۔ ان باطل گروہوں کو اکثر بادشاہ کی بھرپور تائید و حمایت حاصل تھی لیکن حضرت سرہندی نے مشکلات کی پروا کیے بغیر معرکہ حق و باطل میں اپنی مجاہدانہ سرگرمیاں جاری رکھیں۔

مگر صدافسوس ان کے راستے میں بعض ”اپنے“ بھی رکاوٹ بنے اور جہانگیر کو ان کے خلاف سخت ترین کارروائی پر آمادہ کرنے کے لیے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا نام بھی آتا ہے۔ چنانچہ شیخ المشائخ مولانا خان محمد صاحب کے مرید خاص مولانا محمد محبوب الہی صاحب لکھتے ہیں کہ: ”من اہلی دشمنوں نے سمجھ لیا کہ وار خانی گیا اور مراد حاصل نہ ہوئی۔ تھوڑے عرصہ کے بعد موقع پا کر پھر بادشاہ سے عرض کیا کہ شیخ احمد نے ایک بہت بڑی جماعت فراہم کر لی ہے۔ لاکھوں جاں نثار مریدان کے گرد جمع ہیں عنقریب یہ لوگ کوئی فتنہ برپا کریں گے اور ملک و سلطنت پر متصرف ہونے کی کوشش کریں گے۔ (یہ وہم و دل میں ڈال کر) بادشاہ کو اس پر آمادہ کیا کہ بادشاہوں کے لیے سجدہ تعظیسی جائز ہے۔ اگر شیخ احمد بھی بادشاہ کے حضور میں آکر سجدہ تعظیم کر لیں گے تو سمجھا جائے گا کہ وہ بادشاہ کے مخالف نہیں (ورنہ مخالف ہونا کھل جائے گا)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

شاہ عبدالحق محدث دہلوی

جہانگیر نے پھر حضرت شیخ کو اپنے پاس بلایا اور مجددِ تعظیم کا مطالبہ کیا۔ چونکہ حضرت شیخ نے اس کی تعمیل نہ کی تو مخالفین نے پھر ہنگامہ آرائی کی اور اسی سابق ذکر کردہ مکتوب کے ساتھ دوسرے مکتوبات کی ایسی عبارتیں شامل کر لیں کہ ظاہر بین لوگوں کی سمجھ و باں تک نہیں پہنچ سکتی اور اعتراضات کی بھرمار کر دی۔ خصوصاً مولوی عبدالحق دہلوی نے بھی (دشمنوں کے ورغلا نے میں آ کر) اعتراضات کے خطوط لکھے اور ان کے شافی جواب پائے۔ غرض سب علماء نے درباری امراء کی خاطر داری سے حضرت شیخ (مجدد الف ثانی) کے قتل کا فتویٰ دے دیا اور بادشاہ نے (ہوش مندی سے کام لے کر) آنجناب کو قلعہ گوالیار کے قید خانہ میں بند کر دیا۔ حضرت شیخ دو سال تک وہاں قید رہے۔“

(تائیدِ ہبائل سنت اردو ترجمہ رد الفاضل ص ۳۴-۳۵۔ مطبوعہ دارہ سعیدیہ مجددیہ لاہور)

”ممکن ہے کہ یہ ”معاصرانہ چشمک“ کی کارفرمائی ہوتا ہم دونوں بزرگوں کا اہل سنت کے

باں ممتاز مقام ہے۔

یہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ”نقد“ کے حوالے سے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا کردار زیر بحث ہے۔ موصوف نے ”شرح سفر السعاده“ میں اس بات کی تائید کی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہوئی۔ علامہ عبدالعزیز فرباروی اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

”ولم ینصف الشیخ عبدالحق الدہلوی فی شرح سفر السعاده فانہ اقر کلام المصنف ولم ینتقبہ کتعبہ علی سائر تعصباتہ“ (الناہبہ عن ضعن امیر المؤمنین معلوۃ۔ ص ۲۴)

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے شرح سفر السعاده میں انصاف نہیں کیا۔ کیونکہ انہوں نے مصنف کے اس فقرہ پر تعصب نہیں کیا جیسا کہ اس کے دوسرے تعصبات پر تعصب کیا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنے ایک مضمون زیر عنوان ”فضائل مدینہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ میں فرماتے ہیں:

”امام احمد بن حنبل صحیح حدیث میں جامہ بن عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ فتنہ پرداز سرداروں میں سے ایک سردار مدینہ میں آیا۔ جامہ رضی اللہ عنہ اس وقت مدینہ میں تھے اور آپ کی بیانی کبرنی کی وجہ سے جاتی رہی تھی۔ ان سے کہا کہ معاملت وقت اس میں ہے کہ اس ظالم کے مقابلے سے تھوڑے دنوں کے لئے کنارہ کشی اختیار کی جائے تاکہ اس فتنہ کی آفت اور اس ابتلاء کے خوف سے محفوظ رہیں۔ چنانچہ آپ اپنے دونوں صاحبزادوں کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر مدینہ منورہ

سے باہر جا رہے تھے۔ ضعف پیری اور مینائی کے نہ ہونے کی وجہ سے یکا یک زمین پر گر پڑے۔ اس وقت آپ نے کہا بلاکت ہو اس شخص کی جس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈرایا۔ آپ کے ایک لڑکے نے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ڈرانا کس طرح ہے۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دار فانی سے دار بقاء کو تشریف لے جا چکے ہیں۔ اس پر جامعہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جس شخص نے اہل مدینہ کو ڈرایا بے شک گویا اس نے مجھ کو ڈرایا۔ نسا کی روایتوں میں آیا ہے: ”جو شخص اہل مدینہ کو ڈرائے اس کو اللہ ظلمنا ڈراتا ہے اور اس پر اللہ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔“

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ: ”اس کا کوئی عمل فرض یا نفل مقبول نہیں ہے۔“ نیز اس باب میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ سید فرماتے ہیں کہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امیر مثنیٰ جس سے جامعہ بھاگے تھے، امیر ابن ارقطہ تھا۔ اس لئے کہ قرطبی ابن عبد البر سے روایت لاتے ہیں کہ معاویہؓ نے دو حکموں کے فیصلہ کرنے کے بعد، امیر ابن ارقطہ کو ایک بڑی فوج کے ساتھ مدینہ منورہ بھیجا، تاکہ اس شہر کے باشندوں سے ان کی خلافت پر عہد بیعت لیں۔ حضرت ابوالیوب انصاریؓ اس وقت امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے مدینہ میں عامل تھے۔ خوف فرار کی وجہ سے جناب ولایت مآب مرتضوی سے جا ملے۔ مگر مدینہ میں آیا اور کہا کہ اگر امیر المؤمنین کا عہد اور ان کا حکم نہ مانو گے تو اس شہر میں ایک شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا اور سب کو تیغ سیاست سے ہلاک کر دوں گا۔ اس کے بعد تمام اہل مدینہ منورہ کو معاویہؓ کی بیعت کے لئے طلب کیا اور ایک قاصد بنی سلمہ میں بھیجا کہ اگر تم جامعہ ابن عبد اللہؓ کو حاضر نہ کرو گے تو میرے ذمہ اور امان میں نہیں ہو۔ جامعہ نے جب یہ خیر سنی تو ام سلمہؓ کی خدمت میں آئے اور ان سے صورتحال بیان کی اور اُس کی مجلس میں حاضر ہونے کی بابت مشورہ کیا اور کہا کہ یہ بیعت منکرات ہے اس میں فلاح کی امید نہیں ہے۔ لیکن ترک بیعت میں امان بھی نہیں ہے۔ ام سلمہؓ نے حضرت جامعہ کو چاروں

ماچار بیعت کی اجازت دے دی۔ اکثر اہل مدینہ بھاگ کر حرہ بنی سلیم میں جا چکے۔ علماء نے فرمایا ہے یہ لعنت جو اہل مدینہ پر ظلم و فساد کا ارادہ کرنے والوں پر وارد ہوئی ہے لعنت کفار اور اہل شرک کے مثل نہیں ہے۔ جس میں رحمت الہی اور نعمت غیر متناہی سے مطلقاً امید پائی جاتی ہے یا جنت میں داخلہ سے محرومی کے نتائج مترتب ہوتے ہیں۔ بلکہ اس لعنت کا مال دربار جل جلالہ میں رحمت خاص حاصل کرنے سے دور رہنا ہے اور اول اہل قرب اور اصحاب پاکیزہ کے گروہ کے ساتھ بہشت میں داخل ہونے سے محروم رہنا ہے۔ جن کا دامن عصمت ظلم و فساد کی نجاست سے پاک رہا ہے۔ اس لعنت کا مقصد حقیقت میں

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

شاہ عبدالحق محدث دہلوی

لوگوں کو بے ادبی پر ڈرانا دھمکا رہا ہے کہ اس مقام پاک کا احترام کیوں نہیں کیا اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس شہر میں گناہ صغیرہ، کبیرہ کا حکم رکھتا ہے جس طرح بعض علماء حرم مکہ میں گناہ کے دو گنا ہو جانے کے قائل ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم! (ماہنامہ لولاک صفر ۱۴۳۷ھ مطابق دسمبر ۲۰۱۵ء)

موصوف نے زیر نظر مضمون میں حضرت معاویہؓ، حضرت بسر بن ارحط، حضرت جابرؓ، حضرت علیؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہم اجمعین کو بدفہم تنقید بنا ڈالا۔ اور اس ”ظلم“ میں نہ صرف ماہنامہ لولاک کے بلکہ پوری عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے کرتا دھرتا ”مولانا اللہ وسایا صاحب“، براہ کے شریک ہیں، جنہوں نے حسب عادت بالکل غیر ضروری طور پر دو درمشا جرات کے غیر ثابت واقعات کو لولاک کے وراق کی زینت بنایا۔

پھر تصویر کا دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ حضرت بسر رضی اللہ عنہ کے مقابلے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت جابر بن قدامہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا جنہوں نے بقول انہی مورخین کے پوری ہستی کو جلا ڈالا اور حامیان سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو کچڑ کچڑ کر ان کی گردنیں اڑا دیں۔ مسجد نبوی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے تو حضرت علی کے سپہ سالار جابر بن قدامہ رضی اللہ عنہ کی آہٹ سن کر حالت نماز میں ہی وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے تو حضرت جابر بن قدامہ رضی اللہ عنہ نے حسرت بھرے لہجے میں کہا کہ:

”وَاللّٰهُ لَوْ اَخَذْتُ اَبَا سَنُوْر (ابا ہریرہ) لَضَرَبْتُ عُنُقَهُ“

”اللہ کی قسم بلی والا (ابو ہریرہ) اگر میرے قابو میں آ جاتا تو میں اس کی گردن مار دیتا“

(تاریخ طبری جلد ۲ ص ۸۱ تحت ۴۰ھ، البدایہ والنہایہ لابن کثیر جلد ۷ ص ۳۲۲ تحت ۴۰ھ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرستادہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے مظالم، قتل و غارت، آگ میں جانے کی سزا دینا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی توہین کرنا نیز پہلے مدینہ کو خوف زدہ کرنا کیا شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی بیان کردہ مذکورہ احادیث کی وعید میں شامل نہیں ہیں؟ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو ان مظالم کے پچا کرنے پر کوئی سزا دی؟

تفصیل کے خواشمند قارئین سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جلد دوم از ص ۱۰۲ تا ۱۰۹ مولفہ حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تاریخ حقائق از ص ۱۸۹، ۵۱۲ تا ۵۱۹ مولفہ شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی طرف مراجعت کریں۔

یہ ملحوظ رہے کہ حافظ ابن عبد البر (م ۴۶۳ھ) نے حضرت بسر بن ارحط رضی اللہ عنہ کو

صحابہ کے ذیل میں ذکر کیا ہے۔

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۴ھ) نے بھی حضرت بسر بن اریط رضی اللہ کا ذکر ”المقسم الاول“ کے تحت کرتے ہوئے واضح طور پر لکھا ہے کہ:

”وقال الدارقطني له صحبة و قال ابن يونس كان من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال ابن حبان وله اخبار شهيرة في الفتن لا ينبغي التنازل بها“ (الاصابة به في تمييز الصحابة مع الاستيعاب ص ۱۴۸، ۱۵۹ تحت حرف الباء - المقسم الاول طبع بيروت، لبنان ۱۳۲۸ھ)

امام دارقطنی نے کہا کہ بسر بن اریط رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہے۔

اور ابن یونس نے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں شامل ہیں۔

اور ابن حبان نے کہا کہ ان کے دو فتن کے کچھ واقعات مشہور ہیں، ان میں مشغول نہیں ہونا چاہئے۔

کاش! کہ مولانا اللہ وسایا صاحب بھی اس نصیحت پر عمل کر کے حضرت معاویہؓ اور ان کے گروہ میں شامل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کردار کشی کے ”شغل پاک“ سے باز آجاتے۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی ۱۰۵۲ھ میں فوت ہوئے تھے، ان کے غیر تحقیقی اور توہین صحابہ پر مبنی اس مضمون کو تقریباً چار سو سال بعد ۱۴۲۳ھ میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے ترجمان رسالہ مابنامہ لولاک میں مولانا اللہ وسایا صاحب نے کس طبقہ کی خوشنوی کی خاطر اور کن مقاصد کے حصول کے لئے شائع کرا کر مناسب سمجھا؟

اس مضمون میں واضح طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص سیدنا معاویہؓ کی توہین و تنقیص کے علاوہ ان کی بیعت کو ”بیعت ضالہ“ قرار دیا گیا ہے۔ مزید برآں حضرت جابر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی پر بھی الزام لگایا ہے کہ انہوں نے جان کے خوف سے ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مشورہ پر چاروں چار بیعت ضالہ کر لی تھی۔

اس کے علاوہ حضرت شاہ عبدالحق دہلوی کی دوسری کتاب ”ما ثبت بالمسنة في أيام السنة“ مع ترجمہ ”مومن کے ماہ و سال“ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی راقم الحروف کے پیش نظر ہے۔ اس میں سے چند امتیاسات بدیع قارئین کیے جاتے ہیں:

حضرت شیخ زمر عنوان ”اسنطراذ بذکر مصالحة امام المسلمین حسن بن علیؓ ومعاویہ بن ابی سفیانؓ“ (امام المسلمین حضرت حسن بن علیؓ اور حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیانؓ

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

شاہ عبدالحق محدث دہلوی

کی مکر و فریب سے بالکل علیحدگی اور باہمی میل ملاپ (لکھتے ہیں کہ:

”اسی سال یعنی ۴۳ھ میں امیر معاویہؓ نے زیاد بن ابیہ کو اپنا نائب بنایا اور (اسلام میں) یہی وہ پہلا عمل ہے جس کے ذریعے احکامات رسالت مآب کی نفی (تبدیلی) کی گئی (عاجلی وغیرہ)

معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کاتب اور مترجم مولانا محمد الدین احمد دونوں سے مسبوٰ ہوا ہے کہ انہوں نے ”اسنلحق“ کے بجائے ”استخلف“ لکھ دیا۔ اصل میں یہ عبارت اس طرح ہے:

”استلحق معاویہ زیاد بن سمیہ و هو اول قضبة غبر فیہا حکم النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الاسلام ذکر الثعلبی وغیرہ“ (از مؤلف کتاب ہذا)

(موصوف بحوالہ حسن بصری لکھتے ہیں کہ) لوگوں میں فتنہ و فساد کی آگ ساگنے والے صرف دو آدمی ہیں جن میں سے ایک عمرو بن عاص ہیں جنہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو نیزوں پر قرآن کریم اٹھانے کا مشورہ دیا۔۔۔

فسادیوں میں سے دوسرے شخص مغیرہ بن شعبہ ہیں جو کوفہ میں امیر معاویہؓ کے گورنر تھے جن کے نام امیر معاویہؓ کا یہ فرمان پہنچا کہ اس حکم نامہ کی وصولیابی اور خواندگی کے بعد تم خود کو معزول سمجھو اور کوفہ سے فوراً ہمارے دربار میں حاضری دو۔ لیکن مغیرہ نے تعمیل حکم میں تعویق کی اور بتعویق دربار میں پہنچنے پر امیر معاویہؓ نے تعویق کا سبب پوچھا تو جواب دیا کہ ایک معاملہ پیش تھا جسے سلجھانے اور مفید مطلب بنانے کی وجہ سے دیر ہو گئی۔ امیر معاویہؓ نے پوچھا کیا معاملہ تھا؟ بتاؤ؟ مغیرہؓ نے جواب دیا آپ کے بعد زید کی بیعت لینے کے لیے زمین ہموار کر رہا تھا۔ دریافت کیا آیا تم نے یہ پورا کر لیا؟ جواب دیا: جی ہاں۔

یہ سن کر امیر معاویہؓ نے کہا اچھا اپنی گورنری پر واپس جاؤ اور حسب سابق اپنے فرائض انجام دو۔ یہاں سے لوٹ کر مغیرہؓ جب اپنے احباب کے پاس پہنچا تو انہوں نے پوچھا: بتاؤ کیسی رہی؟ مغیرہؓ نے کہا میں نے معاویہؓ کے پاؤں اس ناواقفیت کے رکاب میں رکھ دیے ہیں جس میں قیامت تک وہ گرفتار رہیں گے۔ (مومن کے ماہ و سال ص ۳۰-۳۲)

موصوف ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

”ابن ابی ہریرہ صحیح روایت بیان کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے بعض بزرگ بیان کرتے تھے کہ معاویہ نے جان کنی کے وقت یزید پلید کو اپنے سامنے بلایا اور کہا کہ مجھ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تجھ کو اہل مدینہ سے ایک سخت دن پیش آئے گا۔ تجھے چاہیے اس کی تدبیر مسلم ابن عقبہ کے ذریعے سے کرنا۔ اس

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین شاہ عبدالحق محدث دہلوی

لیے کہ میں اپنی رائے میں کسی شخص کو اس سے زیادہ مدبر نہیں دیکھتا ہوں۔ جب باپ کے بعد یزید پلید تخت امارت پر بیٹھا، جب اہل مدینہ سے جنگ کا موقع پیش آیا تو اس وقت اس نے باپ کی وصیت ہی پر عمل کر کے اہل مدینہ کی لڑائی کا اختتام پر پہنچایا۔۔۔

واقعی کتاب اطرہ میں نقل کرتے ہیں کہ یزید پلید مسرف (مسلم بن عقبہ) کے پاس آیا۔ اس کو دیکھا کہ فالج کے مرض میں گرفتار رستہ بلاکت پر پڑا ہوا ہے۔ یزید نے کہا کہ اگر تجھ میں یہ ضعف اور مرض نہ ہوتا تو اس لڑائی کا حاکم اور وائی تجھ کو بناتا۔ اس لیے کہ میں تجھ سے بڑھ کر مختص اور ماصح دوسرا آدمی نہیں پاتا ہوں۔ امیر المؤمنین یعنی میرے والد بزرگوار معاویہ ابن ابی سفیان نے مجھ کو اپنے مرض موت میں یہ وصیت کی تھی کہ اگر تجھے اہل حجاز کی طرف سے کوئی لڑائی پیش آئے تو اس کی تدبیر مسلم بن عقبہ کے ذریعے سے کرنا۔

مسرف اٹھ بیٹھا اور کہنے لگا کہ اے امیر المؤمنین تجھے خدا کی قسم اگر تو میرے سوا کسی کو متولی بنائے کیونکہ اس کام میں اہل مدینہ کا دشمن میرے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ میں نے اس بارے میں ایک خواب دیکھا ہے۔ ایک درخت کو درختان غرقہ سے دیکھتا ہوں جو اپنی شاخوں کے ساتھ عثمان بن عفانؓ کے انتقام کے متعلق فریاد کر رہا ہے۔ آگے گیا تو سنتا ہوں وہی درخت کہتا ہے کہ اس کا انجام مسلم بن عقبہ کے ہاتھ سے ہو گا۔ اس دن سے میں نے اہل مدینہ سے جنگ کی فال لٹی ہے اور اپنے دل کو قاتلان عثمانؓ سے انتقام لینے کی تسلی دی ہے۔

یزید پلید نے جب اس کام کے اجراء میں اس کا پختہ ارادہ پایا تو کہا کہ ہوشیار رہ اور بے ہمت خدا اہل مدینہ کی طرف متوجہ ہو۔ جو لوگوں کا حریف ہو گا اگر وہ لوگ مدینہ میں داخل ہونے کو میری بیعت اور اطاعت قبول کرنے میں تیرے سد راہ ہوں تو تنگ بے دریغ قہر و سیاست سے کام لےنا اور ان کے چھوٹے بیڑوں میں سے کسی کو بھی باقی نہ چھوڑنا۔ تین دن تک لوٹ اور غارت کی وا دینا اور اگر یہ لوگ تجھ سے جنگ نہ کریں تو ان سے تم بھی تعرض نہ کرنا۔ ہاں عبداللہ بن زبیرؓ کی مہم پوری کرنے کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ (راحت القلوب ص ۴۰-۴۱) ردیتر جملہ ”جذب القلوب الی ديار المحبوب“

”مومن کے ماہ و سال“ کا تعارف کراتے ہوئے مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع

صاحب فرماتے ہیں کہ:

”انہیں کتابوں میں سے ایک بہت ہی اہم کتاب ”مناہت بالمسنة“ ہے۔ اس کے مصنف حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا نام ہی اس کتاب کے مستند، معتبر اور بلند پایہ ہونے کی ضمانت

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین
ہے۔ اہل علم میں وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اس کتاب میں اس معاملے کے متعلق وارد شدہ
روایات حدیث کو جمع بھی کیا گیا ہے اور اس کے مستند یا غیر مستند ہونے کی تحقیق بھی کی گئی ہے
اور مزید ضروری اور مفید معلومات کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔

یہ کتاب عرصہ سے نایاب تھی، الحمد للہ اب بر خوردار مولوی محمد رضی سلمہ نے اس کا اصل متن
عربی اور اس کے شروع میں اس کا اردو ترجمہ اپنے مکتبہ دارالاشاعت سے شائع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ
قبول فرمائیں اور دین و دنیا میں سب کے لیے نافع و مفید بنادیں۔ (مومن کے ماہ و سال ص ۴)
مذکورہ تعارف اور ضمانت کے بعد کم از کم کوئی ”دیوبندی“ یہ جہارت نہیں کر سکتا کہ وہ اس کتاب کے
کسی حصے پر اعتراض کرے یا اسے صحیح، مستند، معتبر اور بلند پایہ تسلیم کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس کرے۔

لیکن اس ”عظیم شہادت اور ضمانت“ کے باوجود یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اس
کتاب میں بہت سی ایسی غیر مستند اور غیر معتبر روایات جگہ پا گئی ہیں جنہیں سبائیوں اور کذابوں
نے روایت کیا ہے۔ صدافسوس کہ ناشر اور مترجم دونوں نے ایسی واہی اور مذبذب روایات کی کوئی
نشاندہی نہیں کی اور انہیں صحیح اور معتبر و مستند سمجھ کر نقل کر دیا۔

حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو فساد قرار دیا گیا ہے۔ اول الذکر حضرت
خالد بن ولیدؓ کے ہمراہ جب مشرف بہ اسلام ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مکہ نے
اپنے دل کے ٹکڑے مدینہ کو پیش کر دیے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اسلام قبول کرنے
پر ایک ایسا جملہ ارشاد فرمایا جو ان کی سیرت و کردار پر بہترین تبصرہ ہے۔ ”اسلم الناس وامن عمرو بن
العاص“ لوگ اسلام لائے اور عمرو بن العاص ایمان لائے ہیں۔ (مسند احمد جلد ۲ ص ۱۵۵)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے علم و عرفان اور شجاعت کی وجہ سے انہیں اپنے قریب رکھتے
تھے۔ (الاصابہ تحت عمرو بن العاصؓ)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: تم اسلام میں ایک صائب
الرائے آدمی ہو۔ (کنز العمال ص ۱۸۶ جلد ۶)

چنانچہ ان کی اسی زیرکی اور تدبیر کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر مہمات ان کے سپرد فرماتے بلکہ
بعض مرتبہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ پر بھی انہیں امیر بنایا گیا۔ (تہذیب التبذیب ص ۱۵۶ جلد ۸)
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے ذہین اور عبقری انسان بھی ان کی اصابت رائے اور عقل
و دانش کے معترف و مداح تھے اور ان پر ہمیشہ اعتماد کرتے تھے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین شاہ عبدالحق محدث دہلوی

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو اسلام کی خدمت کے لیے وقف کیے رکھا۔ مصر کا ملک ان ہی کی تیغ زنی کی یادگار ہے۔

دوسرے صحابی جنہیں ”مفسد“ (العیاذ باللہ) کہا گیا ہے وہ حضرت مغیرہ بن شعبہ ہیں۔ یہ ۵ھ میں شرف بہ اسلام ہوئے، مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی، اصحاب الشجرہ یعنی مبہدین ”رضوان“ میں شامل ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے باڈی گارڈ کے فرائض انجام دیے، متعدد غزوات میں شرکت کے علاوہ حجۃ الوداع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی کا شرف بھی حاصل کیا۔

انہیں اس لیے ”فسادی“ قرار دیا گیا کہ انہوں نے اپنی گورزی بچانے کے لیے یزید کی ولی عہدی کے لیے زمین ہموار کی تھی۔ یہ ایک جلیل القدر صحابی کی شدید ترین توہین کے علاوہ ان کی ذات اور نیت پر بھی بدترین حملہ ہے۔

یہ غلط رہے کہ ”تیزوں پر قرآن“ بلند کرنے کی داستان کاری ابوحنیفہ لوط بن تکی راوی کی ہے۔ یہ کذاب، مفتری اور آگ لگانے والا شیعوں تھا۔ یہ ۷۰ھ میں فوت ہوا جب کہ جنگ صفین ۳۷ھ میں ہوئی۔ معلوم نہیں کہ راوی نے اپنی ولادت سے پہلے ہی عالم ارواح میں تیزوں پر بلند قرآن کیونکر دیکھ لیے؟

(میزان الاعتدال ص ۳۶۰ جلد ۳ ذکر لوط بن تکی، لسان المیزان ص ۴۹۲۔ جلد ۴ تحت لوط بن تکی) اسی طرح بقول حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی یزید نے واقعہ ”حزہ“ میں مدینہ منورہ پر یلغار اور اسے تاراج کرنے کے لیے مسلم بن عقبہ کو جو سپہ سالار مقرر کیا تھا تو وہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وصیت کے عین مطابق کیا تھا۔

ظاہر ہے اس واقعہ میں جو قتل و غارت، لوٹ مار اور ”عصمت دری“ کے جو سانحات رونما ہوئے تو اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بھی حصہ ہے۔ اس روایت میں بھی ابوحنیفہ لوط بن تکی ہی کی طرح ایک اور کذاب (عندالمحدثین) جناب واقدی تشریف فرما ہیں۔

”قال أحمد بن حنبل: هو كذاب يُقَلِّبُ الْأَحَادِيثَ قال ابن معين: ليس بشقة وقال مرة لا يُكْتَبُ حَدِيثُهُ۔ قال بخاری مرفوعاً قال أبو حاتم والنسائی يضع الحديث“ (میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۱۱۰۔ تحت محمد بن عمرو واقدی، تہذیب المعجم جلد ۹ ص ۶۴۳) امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ واقدی بہت بڑا جھوٹا راوی ہے۔ احادیث کو بدل کر دیا کرتا تھا۔ ابن معین نے کہا یہ ثقہ نہیں ہے اور ایک مرتبہ کہا کہ اس کی بیان کردہ حدیث کتابت کے قابل نہیں ہے۔ امام بخاری نے کہا واقدی متروک السند ہے جب کہ ابو حاتم اور نسائی نے اسے احادیث وضع کرنے والا بتایا۔

۱۱۔ ملا جیون، صاحب نور الانوار

(م ۱۱۳۰ھ)

آپ کا نام احمد، والد کا نام شیخ ابوسعید ہے اور ملا جیون کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ ۱۰۴۸ھ میں دہلی کے ایک مشہور قصبہ ”امٹھی“ میں پیدا ہوئے۔

تحصیل علوم سے فراغت کے بعد مسند صدارت تدریس کو زینت بخشی اور اپنے وطن میں درس دیتے رہے قوت حافظہ میں یگانہ تھے۔ درسی کتابوں کی عبارتوں کے پورے پورے وراق و صفحات حفظ اور بڑے بڑے قصیدے ایک مرتبہ سننے سے یاد ہو جاتے تھے۔ مغل بادشاہ شہاب الدین شاہجہاں نے اورنگزیب عالمگیر کا اہلیق مقرر کیا۔ ۱۱۱۶ھ میں طریق سلوک و تصوف کی طرف زیادہ توجہ فرمائی اور شیخ سلیمان قادری سے خرقہ خلافت حاصل کرنے کے بعد دہلی میں درس و افتادہ میں مشغول ہو گئے۔ آپ نے اپنی پوری زندگی درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں صرف کی۔ ”آداب احمدی، مناقب الاولیاء، السوانح، التفسیرات الاحمدیہ فی بیان آیات الشریعہ مع تالیفات المسائل النظمیہ“ کے علاوہ اصول فقہ میں مشہور زمانہ کتاب ”نور الانوار“ (شرح المنار) آپ کی زندہ یادگار ہے جو اپنے قیام مدینہ منورہ کے دوران میں صرف دو ماہ کے قلیل عرصہ میں لکھی ہے۔ آپ نے ۱۱۳۰ھ میں رحلت فرمائی اور پچاس دن کے بعد آپ کے جسد خاکی کو دہلی سے امٹھی لے جا کر اپنے مدرسہ میں دفن کر دیا گیا۔

ملا جیون نے ”نور الانوار“ کے نام سے امام فاضل (م ۱۰۷۰ھ) کی کتاب ”المنار“ کی شرح تحریر فرمائی ہے جو درس نظامی کے نصاب میں شامل ہے۔ اس میں موصوف فرماتے ہیں کہ:

”جب ہم امور ”معتزہ سماویہ“ کے بیان سے فارغ ہو گئے ہیں تو اب ہم امور ”معتزہ مکتبہ“ یعنی ایسے امور کہ جن کے حصول میں بندوں کا بھی اختیار ہوتا ہے کو شروع کریں گے اور ایسے امور کی بہت سی اقسام ہیں۔ پھر جہالت کی بھی بہت سی قسمیں ہیں ان میں سے ایک قسم ”جہل باطل“ ہے جو آخرت میں عذر کی صلاحیت نہیں رکھتا، جیسے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسولوں کی رسالت کے دلائل واضح ہو جانے کے بعد ایک کافر کی جہالت اور خواہشات کے پیروکار کی جہالت، اللہ تعالیٰ کی صفات اور آخرت کے احکام میں جیسے ”معتزلہ“ کی جہالت کہ انہوں نے صفات الہی، عذاب قبر،

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین

ملا جیون

روایت باری تعالیٰ اور شفاعت کا انکار کیا۔

اور ”باغی“ کی جہالت، امام حق کی اطاعت سے دلیل فاسد سے استدلال کرتے ہوئے انکار کرنے والا....

اور اس شخص کی جہالت جو کتاب اللہ کی مخالفت کرے... اور اس شخص کی جہالت جو سنت مشہورہ کی مخالفت کرے۔

”وَالْجَهْلُ فِي نَحْوِهِ كَجَهْلِ الْمُسَافِعِ فِي جَوَازِ الْقَضَا بِشَاهِدٍ وَبِمَنْ فَاَنه مَخَالِفٌ لِلْحَدِيثِ الْمَشْهُورِ وَهُوَ قَوْلُهُ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) ”الْبَيْتَةُ عَلَى الْمَدْعَى وَالْيَمِينُ عَلَى مَنْ اَنْكَرَ“ وَاَوَّلُ مَنْ قَضَى بِهِ مَعَاوِيَةُ وَقَدْ نَقَلْنَا كُلَّ هَذَا عَلَى نَحْوِ مَا قَالَ اسْلَافُنَا وَاِنْ كُنَّا لَمْ نَجْزِءْ عَلَيْهِ“ (نور الانوار ص ۲۹۹-۳۰۰)

اور سنت کی مخالفت کے مثل میں جہالت کی مثال جیسے امام شافعی کی جہالت ہے ”ایک گواہ اور قسم سے فیصلے کے جواز میں کیونکہ یہ حدیث مشہورہ کے مخالف ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

”الْبَيْتَةُ عَلَى الْمَدْعَى وَالْيَمِينُ عَلَى مَنْ اَنْكَرَ“

”کہ گواہی دہنی کرنے والے پر ہے اور جو انکار کرے اس پر قسم ہے۔“

اور سب سے پہلے مدعی کی قسم پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ دیا اور یہ سب سمجھے ہم نے اس طرح نقل کیا ہے جس طرح اسلاف نے نقل کیا ہے۔ اگرچہ ہم اس پر جرأت نہیں کرتے۔ مذکورہ بحث میں ”جہل باطل“ کی مختلف اقسام بیان کی گئی ہیں۔ ”جہل باطل“ کا حکم یہ ہے کہ یہ آخرت میں ”عذر“ کی صلاحیت نہیں رکھتا، جس طرح ایک کافر کے لیے توحید و رسالت کے دلائل واضح ہو جانے کے بعد اس کی جہالت آخرت میں عذر نہیں بن سکتی، البتہ ”ذمی کافر“ کے لیے دنیا میں مفید ثابت ہو سکتی ہے۔

”جہل باطل“ کے تحت ایک قسم ”جہل الباغی باطاعة الامام الحق متمسكاً بدليل فاسد“ بھی بیان کی گئی ہے، اگرچہ ”ناقدین و معاندین“ معاویہ رضی اللہ عنہ اس قسم کا بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اطلاق کرتے ہیں لیکن اسے عمومی حیثیت میں بیان کیا گیا ہے۔ ”جہل باطل“ کی بحث میں آگے ملا جیون نے ”وَالْجَهْلُ فِي نَحْوِهِ“ میں سنت کی مخالفت کی مثال میں بے موقع و بے محل اور بالکل غیر ضروری طور پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ”جہل باطل“ کی مثال پیش فرمائی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سنت کی مخالفت کی ہے جس کے متعلق

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

ملا جیون

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ ”البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر“ (کہ گواہی دہنئی کرنے والے پر ہے اور قسم اس پر جو انکار کرے)، لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس سنت کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مدعی کی قسم پر فیصلہ صادر کیا۔

ملا جیون نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف جہالت کی نسبت اور انہیں مخالف سنت ”ثابت“ کر کے یہ سارا ”بوجھ“ اپنے ”اسلاف“ پر ڈال دیا ہے اور کہا ہے کہ ”وقد نقلنا کل هذا علی نحو ما قال اسلافنا وان کنّا لم نحترء علیہ“

لیکن یہ مثالیں ”ممثل لہما“ کے مطابق نہیں ہیں، کیونکہ ایسا اجتہاد جو قطعی کے مخالف ہو اور وہ نص تاویل کو قبول نہ کرتی ہو تو ایسا اجتہاد قطعی طور پر ”جہل باطل“ ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور امام شافعی کی جو مثالیں ملا جیون نے پیش کی ہیں وہ ”جہل باطل“ میں ہرگز نہیں آتیں۔ یہی وجہ ہے کہ ملا جیون نے آخر میں یہ لکھ دیا کہ ”یہ سب کچھ ہم نے اسلاف سے نقل کیا ہے اگرچہ ہم اس پر جرأت نہیں کرتے۔“

حالانکہ کتاب ”المنار“ (جس کی شرح ملا جیون نے ”نور الانوار“ کے نام سے تحریر فرمائی ہے) میں یہ مثالیں موجود نہیں ہیں۔ ملا جیون نے خود ہی انہیں ”والجہل فی نحوہ“ کے تحت لاکر ”جہل باطل“ میں شامل کر دیا۔

نکتہ حیرت ہے کہ موصوف اسے ایک صحابی کی شان میں بے ادبی بھی سمجھتے ہیں اور اسے اپنے اسلاف سے صحیح سمجھ کر نقل بھی فرما رہے ہیں۔ نور الانوار کے فاضل عشی علامہ محمد عبدالحلیم (م۔ ۱۲۸۵ھ) اپنے حاشیہ ”قمر الاقمار“ میں ”تم نحترء علیہ“ کے تحت فرماتے ہیں کہ:

”لانی فی هذا البیان سوء الادب“ کیونکہ اس بیان میں ”سوء ادب“ پایا جاتا ہے۔

اس مثال میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کی طرف ”جہل باطل“ کی نسبت بالکل خلاف واقع اور نہایت ہی ماروا جسامت ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ زیادہ سے زیادہ ”اجتہادوی اختلاف“ کے زمرے میں آتا ہے۔

دیگر ماقدرین کے علاوہ اہل تشیع نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہی اعتراض کیا ہے۔ چنانچہ غلام حسین نجفی لکھتا ہے کہ:

”امیک گواہ اور ایک قسم سے فیصلہ کرنا بدعت ہے اور اس کا بانی بھی معاویہؓ ہے۔“

”و اول من قضی بہ معاویۃ“ (خصائل معاویہ ص ۲۲۶)

حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ میں ہرگز سنت کی مخالفت نہیں کی، وہ بھی اس اصول کہ (”البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر“) کے ساتھ متفق تھے لیکن اس کے برعکس زیر بحث مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایسا دعویٰ ہے جس میں ثبوت کے لیے صرف ایک گواہ ہے اور اس کے ساتھ قسم شامل کر دی جائے تو کیا اس کے مطابق فیصلہ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ ملا جیون صاحب نور الانوار اور اہل تشیع نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس کے مطابق فیصلہ کیا۔ اول تو اس روایت کے راوی بھی جناب ابن شہاب زہری ہیں۔ جن روایات میں صحابہؓ پر طعن پایا جاتا ہے ان میں سے بیشتر کے راوی جناب زہری ہی ہیں جو ”ارسال، اوراج اور تشیع“ سے بھی ہم ہیں۔ اہل سنت اور اہل تشیع کے مابین جتنے بھی اختلافی مسائل ہیں تقریباً ان سب میں جناب زہری ہی نمایاں ہیں، مثلاً ”جمع وتدوین قرآن، اختلاف قرأت، مآخ و منسوخ کی طبع زاد روایتیں، روایت الکلب میں افسانہ طرازی، حقیفہ بنی ساعدہ، مسئلہ مذک، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت فاطمہؓ کی مفروضہ راضی اور اختلاف کی تفسیر، حضرت علیؓ کا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعت سے چھ ماہ تک تخلف، حدیث قرطاس میں رنگ آمیزی اور حضرت عباسؓ کی زبان سے حضرت علیؓ اور ان دونوں کی زبان سے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بارے میں ”الکاذب، الاثم، الغادر، الخائن“ (ملاحظہ ہو صحیح مسلم جلد دوم ص ۹۰۔ کتاب الجہاد۔ باب حکم الفئی) جیسے الفاظ کے استعمال کے علاوہ دیگر اختلافی مسائل پر مبنی بیسیوں روایات کی سند میں یہی بزرگ تشریف فرما ہیں۔

امام زہری کے تفصیلی تعارف کے لیے راقم الحروف کی کتاب ”عقیدہ امامت اور خلافت راشدہ“ (از ص ۲۰۲ تا ۲۲۷) کی طرف مراجعت فرمائیں۔

ملا جیون کا یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس طرح کا فیصلہ کیا، کیونکہ بعض دیگر حضرات سے بھی ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کرنا ثابت ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ اور ابی بن کعب کے نزدیک ”القضاء بٹا حد و یحییٰ“ جائز ہے اور وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ:

”ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضی یمین و شہاد“

(المنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۱۰ ص ۱۷۲۔ ابواب القضاء بالیمین مع الشاہد)

امام مسلم نے بھی یہ حدیث بروایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کی ہے، ملاحظہ ہو صحیح

مسلم، کتاب الاقضية باب وجوب الحكم بشاهدین۔

جمہور علماء امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا یہی قول ہے کہ جب مدعی کے پاس ایک ہی گواہ ہو تو قاضی اس سے قسم لے کر اس کے مطابق فیصلہ کر دے جب کہ امام ابو حنیفہ، امام اوزاعی اور امام لیث کے نزدیک ایک گواہ اور ایک قسم سے دعویٰ ثابت نہیں ہوگا۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ:

”قال عطاء أول من قضی به عبد الملك بن مروان عطا کہتے ہیں کہ سب سے پہلے عبد الملك بن مروان نے اس کے ساتھ فیصلہ کیا تھا۔ (اعلاء السنن جلد ۱۵ ص ۳۸۱۔ کتاب الدعوی تحت مسئلة اليمين مع الشاهد)

ظاہر ہے کہ صحابہؓ میں اختلاف کی وجہ سے فقہاء میں بھی یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے۔ بلکہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر قسم صرف ایک گواہ کی بنیاد پر فیصلہ فرمایا ہے۔

(ملاحظہ ہو صحیح بخاری کتاب فرض الخمس و کتاب المغازی باب غزوة حنین و باب غزوة الطائف، صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ و کتاب الجہاد، باب استحقاق القتل و باب غزوة حنین عن براء و سلمہ، سنن ابی داؤد باب اذا علم الحاكم صدق الشاهد الواحد يجوز له ان يحكم به)

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام ہرگز عائد نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے سب سے پہلے ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کیا ہے۔ اگر بالفرض حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اس فعل کی نسبت صحیح بھی ہو تو پھر بھی یہ مسئلہ مختلف فیہ، مجتہد فیہ اور صحابہؓ کا عمل ہونے کی وجہ سے ”جہل باطل“ یا بدعت کا موضوع ہرگز نہیں بن سکتا۔

مزید تفصیل کے لیے راقم الحروف کی کتاب ”سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ“ (۱۷۱ ص ۷۸۱ تا ۷۸۲) کی طرف مراجعت کریں۔

☆☆☆☆☆☆

۱۲۔ بیہقی وقت، علم الہدیٰ قاضی ثناء اللہ پانی پتی

المتوفی ۱۲۲۵ھ

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا شمار شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ممتاز تلامذہ میں ہوتا ہے۔ موصوف علی و دینی حلقوں میں شیخ زماں، امام وقت، مجتہد عصر، مفسر قرآن، محدث، فقیہ، محقق و شیخ طریقت کی حیثیت سے معروف تھے۔

انہوں نے مجددی سلسلہ طریقت میں اس عہد کے سب سے بڑے شیخ مرزا مظہر جان جاناں (شہیداموس صحابہؑ) کے ہاتھ پر بیعت کی اور بعد میں ان کے خلیفہ اعظم مقرر ہوئے۔ پانی پت میں کچھ عرصہ تک ”قننا“ کے منصب پر فائز رہے۔ شاہ عبدالعزیز نے ہم عصر ہونے کے باوجود انہیں ”بیہقی وقت“ جب کہ مرشد نے ”علم الہدیٰ“ جیسے القاب سے نوازا تھا۔ موصوف نے تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف کے ساتھ ساتھ اہل سنت کے عقائد و نظریات کے فروغ اور تحفظ کے لیے بھی مجاہدانہ کردار ادا کیا اور اہل تشیع کے افکار و نظریات کی تردید میں ”السیف المسلول“ کے نام سے ایک معرکہ الآراء کتاب تصنیف فرمائی، مگر صد افسوس! کہ وہ بعض مقامات پر بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مطلوب ”اعتدال“ نہ قرار نہ رکھ سکے اور انہیں ”باطل“ پر قرار دے دیا۔ چنانچہ موصوف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ”خلافت“ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: ”گوکہ انہوں (حضرت حسنؑ) نے یہ صلح مسلمانوں میں خون ریزی نہ کرنے کے لئے کی تھی۔ ہاں اس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی دوسروں پر افضلیت ثابت نہیں کیونکہ ان کی خلافت، خلفاء اربعہ کی خلافت کی طرح اہل حل و عقد کے اجتہاد اور مشورہ سے نہیں ہوئی تھی۔“ (السیف المسلول ص ۲۰۱ مطبوعہ داروقی کتب خانہ ملتان)

موصوف آگے زیر عنوان ”حضرت معاویہؓ کی اجتہادی خطا“ لکھتے ہیں کہ:

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت برحق تھی اور حضرت معاویہؓ باطل پر تھے اور بغاوت کر رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمارؓ کو فرمایا تھا: ”تقتلک الفقة الباغية“ تجھے باغی گروہ قتل کرے گا۔ (حوالہ مذکور ص ۳۷۵)

حضرت موصوف کی یہ دونوں باتیں صحیح نہیں ہیں کہ ”حضرت معاویہؓ بیعت اہل حل و عقد

کے ساتھ اور مشورہ سے نہیں ہوئی تھی، اور حضرت معاویہؓ باطل پر تھے۔۔۔“
ہر دور کے اپنے اہل حل و عقد ہوتے ہیں۔ حضرت حسنؓ کے عہد میں یہ دو حصوں میں تقسیم تھے۔ ان میں سے کچھ حضرات حضرت حسنؓ کے ساتھ اور کچھ حضرات شام میں حضرت معاویہؓ کی ولایت میں تھے۔

حضرت حسنؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی:

”اِنَّ ابْنِيْ هَذَا سَيِّدٌ لِّعَلَّ اللّٰهُ اَنْ يُّصْلِحَ بِهِ بَيْنَ قَتْنَيْنِ عَظِيْمَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ“ (صحیح بخاری) کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں نہ صرف خلافت سے دست برداری اختیار کر لی بلکہ اپنے اہل حل و عقد سمیت ان کے ہاتھ پر بیعت بھی کر لی۔

علامہ ابن عبد البر اندلسی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں کہ: ”وَاجْتَمَعَ النَّاسُ عَلَيْهِ حِينَ بَايَعَ لَهُ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ وَجَمَاعَةٌ مِّنْهُ مَعَهُ وَذَلِكَ فِي رَجَبِ الْاَوَّلِ اَوْ جُمَادَى سَنَةِ اَحَدِيْنَ وَاَرْبَعِيْنَ فَيُسَمَّى عَامَ الْجَمَاعَةِ.... قَالَ الْاَوْزَاعِيُّ: اَذْرَكَتْ خِلَافَةَ مُعَاوِيَةَ جَمَاعَةٌ مِّنْ اَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَنْتَزِعُوا يَدًا مِّنْ طَاعَةٍ وَلَا فَارَقُوا جَمَاعَةً.“ (الاستيعاب مع الاصابہ جلد ۲ ص ۳۹۸، ۴۰۰)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور ان کی جماعت کے بیعت کرنے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر امت کا اجماع ہو گیا اور یہ واقعہ رجب الاول یا جمادی الاولیٰ ۴۱ھ کا ہے۔ پس اس سال کا نام ”عام الجماعة“ (یعنی اتحاد و اتفاق کا سال) رکھا گیا۔۔۔ امام اوذاعی نے کہا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بہت سے صحابہؓ نے پایا لیکن کسی نے نہ ان کی اطاعت سے ہاتھ کھینچا اور نہ ہی جماعت سے علیحدگی اختیار کی۔

اس وقت کے جملہ اہل حل و عقد سمیت ملت اسلامیہ کے اس عظیم الشان اتحاد اور انتخاب کو اس وقت بھی سبائیوں کی طرف سے نفرت کی نگاہ سے دیکھا گیا اور ان کی اتباع و پیروی میں آج بھی اسے بنظر حقارت دیکھا جا رہا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ”باطل“ پر کہنا جمہور اہل سنت کے مسلک سے انحراف اور ایک جلیل القدر صحابی کے حق میں بڑی جسارت ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دونوں گروہوں کے متعلق یہ ارشاد فرمائیں کہ ”قَتْنَيْنِ عَظِيْمَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ، فَتَنَانِ دَعَاؤُهُمَا

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

قاضی ثناء اللہ پانی پتی

واحلقہ (صحیح بخاری) ولسی الطائفین بالحق (صحیح مسلم) مسلمانوں کے دونوں عظیم گروہ، دونوں کی دعوت ایک ہوگی (مسلمانوں کے باہمی اختلاف کے وقت ایک گروہ امت سے نکل جائے گا اور اس کو وہ گروہ قتل کرے گا جو) مسلمانوں کے دونوں گروہوں میں حق سے زیادہ قریب ہوگا۔

امت سے نکل جانے والے گروہ سے مراد بالاتفاق خوارج ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اختلاف حق اور باطل کا نہیں تھا بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی یہ حق تھے۔

علامہ عبد العزیز فرباروی فرماتے ہیں کہ:

اور جو لڑائیاں اور جھگڑے صحابہ کرامؓ کے درمیان ہوئے..... تو ان کے لیے اچھی توجیہات و تاویلات ہیں۔ بے شک وہ حضرات حق کے طلب گار تھے لیکن بعض ان میں سے اپنے اجتہاد میں مصیب ہوئے اور بعض خطئی اور اجتہادی خطا والے پر کوئی مواخذہ نہیں بلکہ وہ بھی اجر و ثواب کا مستحق ہے۔ (المراسم شرح لشرح العقائد ص ۵۴۹)

امام نووی شافعی فرماتے ہیں کہ: واما معاویہ فہو من العدل الفضلاء والصحابۃ النجباء واما الحروب فبجرت فکانت لکل طائفة شبهة اعتقدت تصویب انفعما وکلہم عدل ومتأولون فی حروبہم وغیرہا..... (شرح صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۷۲)

اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عادل، فاضل اور نجیب صحابہ میں سے ہیں مگر جو جنگیں آپس میں لڑی گئیں تو ان میں سے ہر ایک گروہ کو ایک شبہ لاحق تھا جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو مصیب اعتقاد رکھتا تھا اور سب صحابہ عادل ہیں اور ان جنگوں وغیرہ کے اختلاف میں تاویل کرنے والے ہیں اور کوئی چیز بھی ان میں سے کسی کو وصف عدالت سے خارج نہیں کرتی کیونکہ وہ مجتہد ہیں۔

۱۳۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

(م ۱۲۳۹ھ)

امام الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے لخت جگر ہونے کے علاوہ ان کے مسند نشین بھی تھے جسے انہوں نے درس و تدریس، دعوت و تبلیغ، تصنیف و تالیف، شریعت و طریقت اور جہاد و عزیمت کے میدان میں خوب نبھایا۔

موصوف کے ”علمی آثار“ میں سے ”تفسیر فتح العزیز“، بیتان المحدثین، فتاویٰ عزیزی اور تحفہ اثنا عشریہ نے بہت زیادہ قبولیت حاصل کی۔ موصوف آخر عمر میں ”ناہیا“ ہو گئے تھے۔

حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی نے ان کے اس دور کا ایک واقعہ یہ روایت مدنی الاصل سید مولوی نعیم الدین صاحب نقل کیا ہے جس میں لفظ ”اللہ“ کے حرف ”الف“ کی انتہائی خش و قبح انداز میں (مگر بزع حضرت تھانوی صاحب) ”حکیمانہ“ وضاحت کی گئی ہے جس سے ”اللہ“ کی بھی تو چن ہوتی ہے۔ اس ”توضیح“، کیونکہ محفل میں کسی ”دوست“ کے سامنے بھی زبان پر نہیں لایا جاسکتا چہ جائیکہ اس ”واقعہ“ کو ایک دینی کتاب کی زینت بنا کر آخر میں ان الفاظ کے ساتھ اس کی تائید و تصدیق بھی کر دی جائے کہ:

”غرض ان حکمتوں سے شاہ صاحب نے باطل کو شکست دی ہے“
معلوم نہیں کہ اس توہین آمیز واقعہ میں کون سی ”حکمت“ پوشیدہ تھی۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

اگر شاہ صاحب سے اس وقت ”اصلاح“ کے غلبے میں بشری تقاضے کے تحت غلطی سرزد ہو گئی تھی تو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کو یہ واقعہ تحریر میں نہیں لانا چاہیے تھا۔ یہ ”واقعہ“ ہندوستان میں بھی اکابر کے رسائل میں شائع ہوتا رہا۔ پاکستان میں مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب کی نظر ثانی اور ترامیم کے ساتھ خود ان ہی کے ادارے ”دارالاشاعت“ کراچی سے نہایت ہی اہتمام کے ساتھ شائع کیا گیا۔ راقم الحروف اسے نوک زبان یا نوک قلم پر پر لانے کی جسارت نہیں کر سکتا۔ اہل علم و تحقیق خود ہی ”ارواحِ ثلاثہ المعروف بہ حکایات اولیاء“ (اضافہ شدہ

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

جدید عکسی ایڈیشن اشاعت فروری ۱۹۷۶ء) میں زیر عنوان ”حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کی حکایات“ ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت شاہ صاحب کو یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ انہیں حضرت علیؓ کی خواب میں نہ صرف ”رؤیت“ حاصل ہے بلکہ وہ ”بیعت“ سے بھی سرفراز ہوئے۔ ملاحظہ ہو: فتاویٰ عزیزی کا کل صفحہ ۲۰۴۔ علاوہ ازیں حضرت علیؓ نے ایک مرتبہ خواب میں ان سے فرمایا کہ:

”فلا شخص نے ایک کتاب لکھی پشتو زبان میں، ہماری خدمت میں لکھی ہے اور اس کے باپ کا نام نام اور مقام، سکونت اور کتاب کا نام بھی ظاہر فرمایا۔ آپ نے عرض کیا: میں زبان پشتو نہیں جانتا ہوں۔ حضرت امیر المومنینؓ نے فرمایا: کچھ مضائقہ نہیں۔ آپ خواب سے بیدار ہوئے بعد تلاش کتاب دست یاب ہوئی۔ آپ نے اس کا جواب زبان پشتو میں لکھ کر منتشر کیا۔“ (کمالات عزیزی ص ۱۷) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق ”فتاویٰ عزیزی“ اور ”تحفۃ الشاعریہ“ میں موجود بعض عبارات کو اگر ”ملاحی“ تسلیم نہ کیا جائے تو ان مقامات پر ان کا ”قلم“ یقیناً ”لغزش“ کا شکار ہو گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

”یہاں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ بعض جاہل امامیہ انتہائی عناد و تعصب کی بناء پر کہتے ہیں کہ اہل سنت حضرت عثمان غنیؓ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو امام مانتے ہیں۔“

یہ قول انتہائی بے شرمی اور شوخ چٹشی پر مبنی ہے اور اس کو منہ پر جھوٹ بولنا کہتے ہیں ورنہ معمولی پرہا لکھا فارسی خواں جس نے اہل سنت کے مولانا عبدالرحمن جامی کا مرتبہ عقائد نامہ فارسی پر ہلایا دیکھا ہے۔ یقین سے جانتا ہے کہ اہل سنت سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ:

حضرت معاویہؓ، حضرت علیؓ کی ابتدائے امامت سے لے کر حضرت حسنؓ کے معاملہ امامت حوالہ کرنے تک حق پر نہیں تھے بلکہ باغی جیسا کردار ادا کر رہے تھے۔ اس لئے کہ امام وقت کی اطاعت چھوڑ بیٹھے تھے۔

امام حسنؓ نے جب امامت سپرد کی تو اس وقت وہ بادشاہ ہوئے یا ان کی حیثیت کے لئے زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک عام بادشاہ تھے۔ تمام اسلامی ممالک کے فرمانروا اور جناب امیرؓ نے کسی مآگزیر مصلحت کے سبب ان کی سلطنت کی وسعت کو گوارا کر لیا تھا اور وہ امام کی اتباع جیسا کہ چاہیے نہ کرتے تھے۔

جس طرح بعض صوبہ داروں کا رویہ اپنے بادشاہ کے ساتھ ہوتا ہے یا جیسے ہمارے زمانہ کے

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

بادشاہ، شاہ عالم کے مختار کار، کہ بادشاہ کے علم میں لائے بغیر امور سلطنت انجام دیتے ہیں اور سوائے مقررہ روزینہ کے پہنچانے، اس کی طرف عرضیاں لکھنے یا اس سے القاب و خطابات حاصل کرنے کے اپنے بادشاہ سے کوئی سروکار نہیں رکھتے۔ لہذا ان حالات کے ماتحت وہ بادشاہ تھے جو بظاہر امام کی رائے اور رضامندی کے تحت سلطنت حاصل کر چکے تھے۔ اس لئے اہل سنت ان کو پہلا بادشاہ اسلام کہتے ہیں۔

اب رہا یہ شک کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کردار باغیانہ تھا اور وہ باحق غلبہ حاصل کرنے والے تھے تو ان پر لعن کیوں نہیں کرتے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک گناہ کبیرہ کے مرتکب پر لعن جائز نہیں اور چونکہ بغاوت بھی گناہ کبیرہ ہے اس لئے ان پر بھی لعن منع اور ناجائز ہے.....

(موصوف اسی بحث میں آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:)

اس فرقہ کو یہ اشتباہ پیش آنے کا راز یہ ہے کہ جناب معاویہؓ اور ان کے بعد آنے والے مروانی و عباسی اپنے آپ کو خلیفہ کہلاتے تھے اور خود بھی کہتے تھے اور یہ صرف ان کاموں میں ظاہری مشابہت کی وجہ سے تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رکھتے تھے۔

مثلاً جہاد کا سرانجام کرنا، شہروں کی فتح، فوجوں اور لشکروں کی تیاری، غنائم اور صدقات کی تقسیم اور کفار کی دست برد سے دارالاسلام کی حفاظت اور علمائے اہل سنت بھی کاموں کی اس ظاہری مشابہت کی وجہ سے ان کے لئے خلیفہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

اور کچھ اس وجہ سے بھی کہ ہر فرد اور طبقہ کے القاب یا نام خود ان کی اپنی مرضی و اصطلاح کے مطابق ہوتے ہیں۔ دوسروں کو ان میں الجھنے کی کیا ضرورت؟

چنانچہ آج کل جو شخص کر بلا جا کر ملائمیر اور خوان باقر سے کتاب شرائع پڑھ کر آتا ہے تو اس فرقہ کے نزدیک وہ مجتہد کہلاتا ہے۔

اسی طرح ان کے زمانے میں خلیفہ کا لفظ کافی معروف اور کثیر الاستعمال تھا اس لئے اس کو امام کا مرادف سمجھ کر اختیار کر لیا۔

اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اہل سنت ان حضرات کو خلفائے اربعہ کی طرح برحق جانتے ہیں، ایسا سمجھنے والوں کی غلط فہمی ہے۔ محققین اہل سنت تو اس معاملہ میں زیادہ محتاط تھے وہ ان حضرات کے لئے خلیفہ کا لفظ استعمال نہیں کرتے تھے۔

چنانچہ حدیث صحیحہ ”الخلافة بعدی ثلاثون سنة“ خلافت کا زمانہ میرے بعد تیس سال (ہے) کے ایک راوی سعید بن جبہ ان سے امام ترمذی نے نقل کیا ہے کہ جب اس سے کہا گیا کہ مروانیوں کو بھی تو خلیفہ کہتے ہیں تو اس نے کہا بنو امیہ کا خیال غلط ہے وہ تو بادشاہ ہیں اور بادشاہ بھی شریعہ..... (تحدیثا عشر یہ اردو ص ۶۰، ۶۱، ۶۲ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

ماقدین، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض یہ بھی کرتے ہیں کہ انہوں نے زیاد بن سمیہ کو سیاسی اغراض کے لیے اپنے نسب میں شامل کر کے شریعت کے ایک مسلم قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی۔ حیرت انگیز طور پر حضرت شاہ صاحب نے بھی اس اعتراض کا جواب دینے کے بجائے خود ہی اسے درست سمجھ کر نقل کر دیا۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ: ”یہ مرد وہ زمانہ جس کی اصل بھی قائل اعتراض رہی، زیاد بن سمیہ (عرف زیاد بن ابی سفیان) تھا۔ وہ اتنا بے حیاء تھا کہ اپنی بے نیسی پر فخر کرتا اور علی الاعلان اپنی والدہ پر جو ایک لونڈی تھی زنا کی کواہی دیتا تھا۔۔۔ حضرت علیؑ نے اس کو فارس کا حاکم بنایا تو نظم مملکت قائم کرنے، ان شیروں کی حالت درست کرنے اور فتنہ و فساد پر قابو پانے میں اس کی کارکردگی بڑی شاندار رہی اور اس کی تدابیر و تجاویز کے اچھے نتائج برآمد ہوئے۔

یہ حالت دیکھ کر جناب معاویہؓ نے اس سے خفیہ رابطہ قائم کیا تا کہ وہ حضرت علیؑ کو چھوڑ کر ان سے آملے اور اسے لالچ دیا کہ اگر وہ اس کے لیے تیار ہو تو اسے شریک نسب بھی کر لیا جائے گا۔ کیونکہ ایسا خوش تدبیر اور لائق فائق اور کام کا آدمی اگر حریف سے کٹ کر اپنے سے آملے تو یہ بڑی سیاسی کامیابی تھی۔ آپ (یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) نے اس کو لکھا کہ اگر تو میرے پاس آگیا تو میں تجھے اپنا بھائی کہوں گا، اولاد ابوسفیانؑ میں تجھے شامل قرار دوں گا کیونکہ تو آخر ابوسفیان ہی کا نطفہ ہے اور تیری دامائی، شرافت، سوجھ بوجھ تیرے دعویٰ کی صداقت کے منہ بولتے گواہ ہیں۔ جب اس پخت و پز کی اطلاع حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملی تو آپ نے زیاد کو اس مضمون کا خط لکھا:

مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ معاویہؓ نے تجھے خط لکھا ہے۔ وہ تجھے بے وقوف بنا کر تیری تیزی کو ماند کرنا چاہتا ہے تم اس سے ڈرتے رہو۔ وہ (یعنی معاویہؓ) اس شیطان کی مانند ہے جو آدمی کو آگے سے، پیچھے سے، دائیں سے، بائیں سے ہر طرف سے گھیرنے کی فکر میں رہتا ہے تا کہ جب اسے غافل یا بے فکر پائے تو قابو پا کر تباہ کر دے۔ تم اس سے ہوشیار رہو.....

مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت تک (زیاد) آپ کا رفیق رہا، ساتھ نہ چھوڑا اور جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت و سیاست کا معاملہ جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کے

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدین

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

سپر دکر دیا اور دسر جناب معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے ساتھ لانے کی حد سے زیادہ کوشش کی اور ابوسفیانؓ کے اسی قول کو دلیل بنا کر جو جناب عمرو بن عاصؓ اور حضرت علیؓ کے روئے و کہا تھا اس کو اپنا بھائی قرار دیا اور ”۴۴ھ میں ”زیا و بن ابوسفیان“ اس کا لقب تجویز کر کے تمام قلمرو میں اعلان کر دیا کہ آئندہ اسے زیا و بن ابوسفیان کہا جائے۔۔۔۔۔

بہر حال جناب معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی سیاسی تدبیر میں کامیاب ہوئے اور وہ آپ کا رفیق و معاون بن گیا۔“ (حوالہ مذکور ص ۵۹۴-۵۹۵)

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اقتدار کے عروج میں تمام مصلحتوں اور پراپیگنڈوں کی پروا کیے بغیر محض احترام شریعت میں اس استلحاق کے متعلق واشکاف الفاظ میں یہ اعلان فرمایا تھا: ”اللہ کی قسم سارا عرب جانتا ہے کہ میں جاہلیت میں بھی سب سے زیادہ عزت والا تھا اور اسلام نے بھی میری عزت میں اضافہ ہی کیا۔ لہذا بتو یہ بات ہے کہ میں نے زیادہ ذکر دینے اپنی قلت کو کثرت میں تبدیل کیا ہوا ورنہ میں کبھی کمزور تھا کہ زیادہ کی وجہ سے مجھے قوت و عزت مل گئی ہو بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں نے اس کا حق پہچان لیا اور اس کے حق دار تک پہنچا دیا۔“ (تاریخ طبری جلد ۴ ص ۱۶۳)

اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد جن چند حضرات نے اس استلحاق کی مخالفت کی تھی انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اپنے طرز عمل پر معذرت و معافی طلب کرتے ہوئے رجوع کر لیا تھا۔ (الاستیعاب مع الاصابہ جلد اول ص ۵۵۱)

صحیح بخاری میں ہے کہ ”ان زیاد بن ابی سفیان کذب الی عائشہ۔۔۔“ (جلد ۴ ص ۲۳۰)

بخاری کے علاوہ مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد اور طحاوی وغیرہ کتب میں زیا و بن ابی سفیانؓ ہی لکھا گیا ہے۔ حضرت عائشہؓ بھی زیا و بن ابی سفیانؓ ہی لکھتی اور کہتی رہیں: عن عائشہ ام المؤمنین الی زیا و بن ابی سفیان۔۔۔۔۔“

معلوم نہیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو ایک طے شدہ بات کو پھر سے متنازعہ بنانے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ پھر وہ بھی ایسے انداز سے جس سے ماقدین معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف کو تقویت ملتی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی صحیح مسلم کی حدیث ”ما منعك ان تسمی ابائنا اب“ کے تحت ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ: ”بعض طرف دار معاویہ بن ابی سفیان کے اس لفظ کی تاویل کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ کس واسطے حضرت علی المرتضیٰؓ

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

کے ساتھ تم سخت کلامی نہیں کرتے اور تم نہیں سمجھاتے کہ تاحسان عثمانؓ کی طرف داری سے وہ دست بردار ہو جائیں اور ان پر قصاص جاری کرنے کے لیے ان کو ہمارے سپرد کریں۔

لیکن اس توجیہ میں دو خدشے ہوتے ہیں.... (لہذا یہ صحیح نہیں) بلکہ بہتر یہی ہے کہ اس لفظ سے اس کا ظاہر معنی سمجھا جائے (کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو حکم دیا تھا کہ وہ حضرت علیؓ کو سب یا حکم سب کریں) غایۃ الامر اس کا یہی ہو گا کہ ارتکاب اس فعل قبیح یعنی سب یا حکم سب حضرت معاویہؓ سے صادر ہونا لازم آئے گا تو یہ کوئی اول امر قبیح نہیں ہے جو اسلام میں ہوا ہے اس واسطے کہ درجہ سب قتل و قتال سے بہت کم ہے..... جب قتال اور حکم قتال کا صادر ہونا یقینی ہے اس سے چارہ نہیں تو بہتر یہی ہے کہ ان کو مرتکب کبیرہ کا جاننا چاہیے لیکن زبان طعن و لعن بند رکھنا چاہیے اسی طور سے کہنا چاہیے جیسا صحابہؓ سے ان کی شان میں کہا جاتا ہے جن سے زنا اور شراب خمر صادر ہوا، رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اور ہر جگہ خطائے اجتہادی کو دخل دینا بے باکی سے خالی نہیں ہے۔“ (فتاویٰ عزیزی ص ۲۳۸-۲۳۹ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۴۰۸ھ)

یہ ملحوظ رہے کہ موصوف کے نزدیک حضرت معاویہؓ اور حضرت سعدؓ کے مابین یہ گفتگو حضرت علیؓ کی شہادت اور حضرت حسنؓ کی مصالحت کے بعد دو خلافات معاویہ رضی اللہ عنہ میں ہوئی۔ سخت تعجب ہے کہ جب صاحب معاملہ کے ساتھ جنگ صفین کے بعد باقاعدہ صلح ہو گئی بعد ازاں حضرت حسنؓ نے بھی بے مثال ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے امور خلافت تفویض کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے رفقاء سمیت بیعت بھی کر لی اس کے باوجود ایک جلیل القدر صحابی اپنے اس عظیم محسن کے ساتھ اس ”سلوک“ کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اگر یہ احسانات نہ بھی ہوتے تو پھر بھی ”اذکروا موتا کم بالخیر“ کے نبوی فرمان کی روشنی میں کسی صحابی تو درکنار کسی ”مسلمان“ سے بھی اس ”سلوک“ کی توقع نہیں ہو سکتی۔ زیر بحث حدیث کے مفصل جواب کے لیے راقم الحروف کی کتاب ”سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ“ کی طرف مراجعت فرمائیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ حضرت شاہ صاحبؒ اسے ”خطائے اجتہادی“ تسلیم کرنے پر بھی آمادہ نہیں ہیں اور بحوالہ ”سبب المنوم من فسوی و قتالہ کفر“ سے کبیرہ گناہ قرار دیتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ اس سوال کہ ”حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور مروان کو برا کہنے کے بارے میں اہل سنت کے نزدیک کیا ثابت ہے؟“ کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

”اہل بیت کی محبت فرائض ایمان سے ہے نہ کہ لوازم سنت۔ اور محبت اہل بیت سے ہے کہ مروان علیہ اللعنة کو برا کہنا چاہیے اور اس سے دل سے بے زار رہنا چاہیے۔ علی الخصوص اس نے نہایت بدسلوکی کی حضرت امام حسین اور اہل بیت کے ساتھ اور کامل عداوت ان حضرات سے رکھنا تھا، اس خیال سے اس ”شیطان“ سے نہایت بے زار رہنا چاہیے۔

لیکن حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ صحابی ہیں اور آنجناب کی شان میں بعض احادیث بھی وارد ہیں۔ آنجناب کے بارے میں علماء اہل سنت میں اختلاف ہے۔ علماء ماوراء النہر اور مفسرین اور فقہاء کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حرکات جنگ و جدال جو حضرت علیؓ کے ساتھ ہوئیں وہ صرف خطائے اجتہادی کی بناء پر تھیں۔

محققین اہل حدیث نے بعد تتبع روایات دریافت کیا ہے کہ یہ حرکات ثنائہ نفسانی سے خالی نہ تھے، اس تہمت سے خالی نہیں کہ جناب ذوالنورین حضرت عثمانؓ کے معاملہ میں جو تعصب امویہ اور قریشیہ میں تھا۔ اسی وجہ سے یہ حرکات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے وقوع میں آئے جس کا غایت نتیجہ یہی ہے کہ وہ مرتکب کبیرہ اور باغی قرار دیے جائیں۔“

”و الفاسق لبس باهل اللعن“ فاسق قابل لعن نہیں۔

تو اگر مراد برا کہنے سے اسی قدر ہے کہ ان کے اس فعل کو برا کہنا اور برا سمجھنا چاہیے تو بلاشبہ اس امر کا ثبوت محققین پر واضح ہے اور اگر برا کہنے سے مراد لعن و شتم ہے تو معاذ اللہ کہ اہل سنت سے کوئی شخص اس کے گرد جائے اس واسطے کہ اہل سنت کے نزدیک یہ حکم ثابت ہے کہ فاسق اور مرتکب کبیرہ کے حق میں استغفار کرنا چاہیے تو لعن کرنا حرام ہے۔ علی الخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جو کہ صحابی ہیں۔ آپ کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی زیادہ امید ہے اور یہ بھی زیادہ متوقع ہے کہ صاحب حق یعنی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنا حق معاف فرمادیں گے۔“ (فتاویٰ عزیزی کامل ص ۴۱۳ تا ۴۱۴)

حضرت موصوف نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ”علماء ماوراء النہر، مفسرین اور فقہاء کے قول کو رد کرتے ہوئے اسے ”اجتہادی اختلاف“ کے بجائے ”نفسانیت“ اور قبائلی و خاندانی تعصب یعنی قرار دیا جو بالکل خلاف واقع ہے:

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں کہ:

”وما وقع من المخالفات والمحاربات (بین علی و معاویہ) لم یکن من نزاع فی

خلافہ بل عن خطاء فی الاجتهاد“ (شرح عقائد ۱۰۹)

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین جو لڑائی، جھگڑا ہوا وہ ان کی خلافت میں اختلاف کی وجہ سے نہ تھا بلکہ خطائے اجتہادی سے تھا۔

علامہ خفاجی شرح شفاء میں لکھتے ہیں کہ:

”انہما امور وقعت باجتهاد منهم لا یأغراض النفسانية ومطامع دنیویة کما یظنہ المجہلہ“ (نسیم الریاض جلد ۳ ص ۳۶۷)

یہ امور ان سے اجتہاد و اصدار ہوئے، ان کا منشا کوئی اغراض نفسانی نہ تھیں، نہ ہی ان کا مطمع نظر کوئی دنیوی امور تھے۔

امام نووی شافعی فرماتے ہیں کہ:

”و اما معاویة فهو من العدول الفضلاء والصحابۃ النجباء و اما الحروب النبی جرت فکانت لکل طائفة شبهة اعتقدت تصویب انفسها و کلهم عدول و مثأولون فی حروبهم وغیرھا....“ (شرح مسلم ص ۲۷۲ جلد ۲)

اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عادل، فاضل اور نجیب صحابہ میں سے ہیں مگر جو جنگیں آپس میں لڑی گئیں تو ان میں سے ہر ایک گروہ کو ایک شبہ لاحق تھا جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو صواب پر ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے اور سب صحابہ عادل ہیں اور ان جنگوں وغیرہ کے اختلاف میں تاویل کرنے والے ہیں اور ان میں سے کوئی چیز بھی انہیں وصف عدالت سے خارج نہیں کرتی کیونکہ وہ مجتہد ہیں۔

علاوہ ازیں حضرت شاہ صاحبؒ نے حضرت مروانؓ کے بارے میں اہل سنت کا جو نظریہ پیش فرمایا جو ابھی محل نظر ہے۔ اس میں موصوف نے نہ صرف حضرت مروانؓ کو ”برا“ کہنے کی نہایت ہی فراخ دلی کے ساتھ جازت دی ہے بلکہ خود بھی ان کے نام کے ساتھ ”علیہ اللعنة وشیطان“ لکھ کر یزاری کا اظہار فرمایا ہے۔ شاہ صاحبؒ نے اپنے فتویٰ میں واضح طور پر لکھا ہے کہ:

”مرکب کبیرہ، باغی اور فاسق مستحق لعنت نہیں ہے۔ جب کہ حضرت مروانؓ کو مستحق لعنت سمجھتے ہی نہیں بلکہ خود بھی ان پر لعنت کرتے رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ کے نزدیک حضرت مروانؓ کا شمار صحابہ و تابعین میں تو درکنار عام مسلمانوں میں بھی نہیں ہوتا۔ (اس عنوان پر مکمل معلومات کے خواہش مند حضرات راقم الحروف کی کتاب ”سیدنا مروانؓ شخصیت اور کردار“ کی طرف مراجعت کریں۔) حالانکہ ابن کثیر کے نزدیک حضرت مروانؓ کثیر جماعت کے نزدیک صحابی

امام ابن تیمیہ نے انہیں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے طبقے میں سے شمار کیا ہے۔ حضرت مروانؓ نے اکابر صحابہؓ سے احادیث روایت کی ہیں جو صحیح بخاری سمیت مختلف کتب حدیث میں پائی جاتی ہیں۔ حضرت معاویہؓ نے انہیں ان القاب سے یا فرمایا ہے:

”اما القاری لکتاب اللہ، الفقیہ فی دین اللہ، الشہید فی حدود اللہ“ (حوالہ مذکور)

حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ ”وکان يعد فی الفقہاء ووفقیہاء میں شمار کیے جاتے تھے۔

سخت حیرت ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے ان کے نام کے ساتھ ”علیہ اللعنة اور

شیطان“ لکھ دیا۔ فیا اسفا!

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے موصوف

کے ”مضمون“ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

”حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی جیسے جامع علوم بزرگ کی طرف اس کی نسبت کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی اور ”فتاویٰ عزیزی“ کے نام سے جو مجموعہ شائع ہو رہا ہے اس کے متعلق یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے نہ خود ان کو جمع فرمایا ہے نہ ان کی زندگی میں وہ شائع ہوا ہے۔ وفات کے معلوم نہیں کتنے عرصہ بعد مختلف لوگوں کے پاس جو ان کے خطوط و فتاویٰ دنیا میں پھیلے ہوئے تھے ان کو جمع کر کے یہ مجموعہ شائع ہوا ہے۔ اس میں بہت سے احتمالات ہو سکتے ہیں کہ کسی نے کوئی تدلیس اس میں کی ہو اور غلط بات ان کی طرف منسوب کرنے کے لیے فتاویٰ کے مجموعہ میں شامل کر دی ہو۔

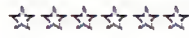
اور اگر بالفرض یہ واقعی حضرت شاہ عبدالعزیز ہی کا قول ہے تو وہ بھی بمقابلہ جمہور علماء و فقہاء

کے متروک ہے۔ (مقام صحابہؓ ص ۷۴-۷۵۔ بار اول ۱۹۷۱ء)

مولانا حافظ محمد میا نوالویؒ ”جذبہ نفسانی“ کے تحت لکھتے ہیں کہ:

”یہ غیر صحابہؓ افراد کی بعض صحابہؓ پر یک طرفہ سخت رائے ہے، دل کا حال اور نفسانی جذبہ خدا ہی جانتا ہے۔ پچھلے فقہاء کے فیصلے صحابہؓ کے اعمال پر لاگو نہیں ہو سکتے تو ہم حضرت علیؓ سے شدید محبت ایمانی کی وجہ سے طالبین قصاص کے حضرت علیؓ سے مطالبہ اور اختلاف کو جذبہ نفسانی یا تعصب قومی پر عمل کر کے بدظنی کا گناہ شیعوں کی طرح کیوں کریں اور کتابوں میں لکھ کر دشمن کو کیوں ہتھیار پکڑوائیں۔ کیا ان اختلافات میں حضرت امیر معاویہؓ پر پہل کرنے والے حضرت علیؓ پر بھی یہ سوچ اور جذبہ مانا جائے گا؟ معاذ اللہ تو ایک پر یہ تہمت گناہ ہوگی۔ (ایمانی دستاویز بحواب تحقیقی دستاویز ص ۷۵)

کاش کہ دیگر فتاویٰ کی اشاعت کی طرح اہل حق کا کوئی ادارہ ”فتاویٰ عزیزی“ کی اشاعت کی ذمہ داری قبول کر لیتا اور خرچ کے علاوہ حاشیہ میں غلط طور پر منسوب اقوال کی وضاحت کر دی جاتی لیکن فتاویٰ عزیزی کا کل و مبوب بطرز جدید طبع جدید (۱۴۰۸ھ) میں زیر عنوان ”عرش مرتب“ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فتاویٰ کی جمع و ترتیب اور تصحیح کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے بلکہ اس کے ترجمہ میں مغلق عبارات کو آسان کر کے اور اس کے ترجمہ کو دور حاضر کے مطابق بنانے کی کوشش بھی کئی گئی ہے۔ آج ۱۴۳۴ھ ہے ۱۳۲۲ھ میں پہلی مرتبہ فتاویٰ عزیزی کی کافاری سے اردو میں ترجمہ کرایا گیا، اس کے بعد مسلسل یہ فتاویٰ شائع ہو رہا ہے اور ہر لائبریری کی زینت ہے۔ اعدائے صحابہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اس فتویٰ کو بطور دلیل پیش کر رہے ہیں۔ دوسرے اداروں کا کیا ذکر؟ خود حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کے ادارے ”دارالاشاعت“ کی طرف سے حضرت شاہ صاحب کی مایہ ناز کتاب ”تتمہ اشاعریہ“ شائع ہوئی ہے، اس میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف کافی مواد موجود ہے۔



۱۴۔ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

المتوفی ۱۲۹۷ھ

ضلع سہارنپور کے مرموز خیر قصبہ ”نانوتہ“ میں ۱۲۲۸ھ / ۱۸۳۳ء میں شیخ اسد علی بن غلام شاہ کے ہاں آپ کی ولادت ہوئی۔ ریختی نام خورشید حسین ہے۔ مشہور نام (محمد قاسم) کا اگر کسی مصلحت سے اخفاء مقصود ہوتا تو فرماتے میرا نام ”خورشید حسین“ ہے۔ بعض خاندان والوں کی طرف سے اذیت کے پیش نظر والد نے دیوبند منتقل کر دیا۔

آپ نے مولانا مملوک علی نانوتوی سے مروجہ درسی کتب پڑھیں اور شاہ عبدالغنی محدث دہلوی سے حدیث کی سند حاصل کی۔ آپ نے ہندو پنڈتوں اور عیسائی پادریوں کے ساتھ مناظرے کر کے اسلام کی برتری قائم کر دی۔ شیخ الہند آپ کے مایہ ناز شاگردوں میں سے تھے۔ ”آب حیات، تحذیر الناس، تقریر دل پذیر، انتخاب المؤمنین، مباحثہ شاجہاں پور، ہدایت الشیعہ، اجوبہ الرعین اور قلیڈنا“ ہم تصانیف ہیں۔

آپ کا جملہ علمی کام آپ کے بچپن کے ایک ”خواب“ کی عملی تعبیر بن کر سامنے آیا۔ ”ایام طفلی میں یہ خواب دیکھا تھا کہ گویا میں اللہ جل شانہ کی گود میں بیٹھا ہوا ہوں۔ ان کے والد نے یہ تعبیر فرمائی کہ تم کو اللہ تعالیٰ علم عطا فرمائے گا اور بہت بڑے عالم ہو گے اور نہایت شہرت ہوگی۔“ (سوانح قاسمی حصہ اول ص ۲۵)

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی کے ہاتھ پر بیعت اور تکمیل سلوک کے بعد ”سلاسل اربعہ“ میں ان کے مجاز بھی ہوئے۔ تصوف میں اس قدر رتہ فرمائی کہ خود مرشد پکارا گئے:

”جو آدمی کہ اس فقیر سے محبت اور عقیدت رکھتا ہے، مولوی رشید احمد صاحب سلمہ اور مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ کو جو تمام کمالات علوم ظاہری اور باطنی کو جامع ہیں، بجائے میرے بلکہ مجھ سے بڑھ کر جانے۔ اگرچہ معاملہ برعکس ہے وہ بجائے میرے اور میں بجائے ان کے ہوتا۔ ان کی صحبت نصیحت جانی چاہیے۔ ان جیسے آدمی اس زمانہ میں مایاب ہیں۔“

(بحوالہ مشابیر علمائے دیوبند جلد اول ص ۵۵۶)

”مگر حق تعالیٰ مجھ سے دریافت کرے گا کہ امداد اللہ کیا لے کر آیا تو مولوی رشید احمد اور مولوی محمد قاسم کو پیش کر دوں گا کہ یہ لے کر آیا ہوں۔“ (مالاحظہ ہو: تذکرۃ الرشید جلد دوم)

یہی نہیں بلکہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ:

”حق تعالیٰ شانہ اپنے بندوں کو جو اصطلاحی عالم نہیں ہوتے ایک لسان (زبان) عطا کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت شمس تہریزی کو مولانا رومی لسان عطا ہوئے تھے جنہوں نے شمس تہریزی کے علوم کو کھول کھول کر بیان فرما دیا۔ اسی طرح مجھ کو مولوی محمد قاسم لسان عطا ہوئے۔“ (سوانح قاسمی حصہ اول ص ۲۹۴)

حضرت حاجی صاحب نے جس ”باطنی سیر و سلوک“ کے مشاغل میں آپ کو لگایا تھا اور اس عجیب و غریب کیفیت کا جو ”ذکر“ شروع کرتے ہوئے آپ پر طاری ہوئی تھی آپ نے خود ان الفاظ میں اس کا اظہار فرمایا ہے کہ:

”جہاں تسبیح لے کر بیٹھا بس ایک مصیبت ہوتی ہے اس قدر گرائی کہ جیسے سوسون کے پتھر کسی نے رکھ دیے ہوں، زبان و قلب سب بست ہو جاتے ہیں۔ پھر روتے ہوئے بے ساختہ آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہوئے کہ:

میں ہی بد قسمت ہوں، ایسا ہوتا ہے کہ جیسے کسی نے زبان کو جکڑ دیا ہو۔

آپ کی اس کیفیت کو سننے کے بعد حضرت حاجی صاحب نے بٹارت دیتے ہوئے فرمایا: مبارک ہو یہ نبوت کا آپ کے قلب پر فیضان ہوتا ہے اور یہ عقل ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے وقت محسوس ہوتا تھا۔“ (سوانح قاسمی حصہ اول ص ۳۰۱)

نہ صرف یہ ”عقل“ نبوت کا فیضان ہے بلکہ دیگر مشاغل تصوف (جن کی نسبت ماقدرین تصوف کی طرف سے ”بدھ بھکشوؤں، ہندو جوگیوں یا عیسائی راہبوں“ کی طرف کردی جاتی ہے) کی اصل بھی نبوت کبریٰ کے نمونوں میں پائی جاتی ہے چنانچہ سید مناظر احسن گیلانی فرماتے ہیں کہ:

”بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ شق صدر، وحی و معراج و معجزات وغیرہ بیسیوں چیزیں جو نبوت کی طرف منسوب ہیں، ان کا سراغ خود ہمایئے کہ ان نمونوں کے سوا جو صوفیوں کی زندگی میں پائے جاتے ہیں، کیا کسی اور ذریعہ سے ممکن ہے؟ آج تو مثلاً لطائف سے شق صدر کو، الہام و کشف سے وحی کو، سیر و سلوک اور اس کے مشاہدات سے معراج کو، کرامتوں سے معجزات کو ہم کچھ نہ کچھ سمجھ بھی لیتے ہیں..... کیونکہ ہندو اگر ہوا ہے تو صرف نبوت کا دروازہ بند ہوا ہے اور وہ اب کسی کے لیے

رہتی دنیا تک کبھی کھولائیں جاسکتا لیکن غیب سے رشتہ قائم کرنے کی صوفیا نہ راہیں نہ پہلے بند تھیں نہ ہی اب بند ہیں، نہ آئندہ بند ہوں گی۔“ (سوانح قاسمی حصہ اول ص ۳۱۴)

حضرت مانوٹویؒ کی سیرت و سوانح اور ان کا علمی و روحانی مقام جاننے کے لیے ”سوانح قاسمی“ مؤلفہ مولانا سید مناظر احسن گیلانی اور ”الامام الکبیر“ مؤلفہ مولانا عبد التیوم حقانی کی طرف مراجعت فرمائیں۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں ہے کہ تمام تر احتیاط کے باوجود بسا اوقات انسان اپنے ”ماحول“ اور ”مشرّب“ سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، بلکہ اس کے نام کے بھی اس کے افکار و خیالات پر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

حضرت مانوٹویؒ بلکہ جملہ اکابر دیوبند کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر کیؒ کا والد کا رکھا ہوا اصلی نام ”امداد حسین“ تھا اور اسی نام سے پکارے جاتے رہے۔ بہت بعد میں حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلویؒ نے انہیں ”امداد اللہ“ کا لقب عطا فرمایا جو اب نام پر غالب آگیا۔ دارالاشاعت کراچی نے ان کے دس رسائل کا مجموعہ ”کلیات امدادیہ“ کے نام سے شائع کیا ہے۔ کوئی قیصر عالم دین ہی کتاب و سنت کی روشنی میں اس کتاب کے ”ادق مضامین“ کی تحقیق و تجزیہ کر سکتا ہے، لیکن چند دیگر اہم امور کے علاوہ یہ بات بھی بڑی واضح ہے کہ حضرت حاجی صاحب نے کہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ”مشکل کشا“ کہا ہے اور کہیں حضرت علیؑ کو:

یا رسولی کبریا فریاد ہے یا محمد مصطفیٰ فریاد ہے
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد ہو، میرا یا نبیؐ حال اتر ہوا فریاد ہے
سخت مشکل میں پھنسا ہوں آج کل
اے میرے مشکل کشا فریاد ہے
دور کر دل سے حجاب جہل و غفلت میرے رب
کھول دے دل میں در علم حقیقت میرے رب
بادی عالم علی مشکل کشا کے واسطے
(حوالہ مذکور تحت ارشاد مرشد ص ۱۰۳)،

پھنسا ہوں بے طرح گرداب میں نا خدا ہو کر
میری کشتی کنارے پر لگاؤ یا رسول اللہ

یہ ساری نعت ہی اس نوعیت کی ہے، جس کا مضمون کسی تاویل سے بھی صحیح قرار نہیں دیا جاسکتا۔
خلیفہ مجازو ”لسان“ حضرت حاجی صاحب جناب ”امام الکبیر“ حضرت نانوتوی نے بھی
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے سرشار ہو کر ڈیڑھ سو سے زائد اشعار پر مشتمل ”قصیدہ
بہاریہ“ میں ”نعت“ پیش فرمائی ہے۔ یہ قصیدہ، ”قصائد قاسمی“ میں شائع ہو چکا ہے۔ ساتھ سے
زائد اشعار شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نے اپنی کتاب ”فضائل درود شریف“ کے بالکل
آخر میں شامل کیے ہیں۔

شیخ الاسلام حضرت حسین احمد مدنی نے ”اشباب الثاقب“ میں خوف طوالت کے پیش
نظر چند اشعار ہی نقل فرمائے ہیں۔ اس قصیدے میں حضرت موصوف نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
اور حضرت موتی، کو یہ طور و مزعراج کا بلا ضرورت تقابل فرمایا ہے حالانکہ دونوں واقعات کا تعلق معجزات
کے ساتھ ہے اور ”عجزہ“ پیغمبر کا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت فرماتے ہیں:
کہاں بلندی طور اور کہاں تیری معراج
کہیں ہوئے ہیں زمین و آسمان ہموار

اسی قصیدے میں آگے چل کر فرماتے ہیں:

یہ سن کے آپ شفیع گناہ گاراں ہیں
کیے ہیں میں نے اکٹھے گناہوں کے انبار
کفیل جرم اگر آپ کی شفاعت ہو
تو قاسمی بھی طریقہ ہو صوفیوں میں شمار
گناہ کیا ہیں اگر کچھ گنہ کیے میں نے
تجھے شفیع کہیے کون گر نہ ہوں بدکار
مدد کر اے کرم احمدے کہ تیرے سوا
نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار
جو تو ہی ہم کو نہ پوچھے تو کون پوچھے گا؟
بنے گا کون ہمارا تیرے سوا غم خوار
یہ اشعار نقل کرنے کے بعد حضرت مدنی فرماتے ہیں کہ:

”بوجہ خوف طوالت تمام قصیدہ کو نہیں لکھتا ہوں مگر اہل فہم سمجھ گئے ہوں گے کہ مولانا کو کس قدر عقیدت و محبت عشقیہ ذات پاک کے ساتھ ہے اور کس قدر تعظیم آنحضرت علیہ السلام کی ان کے قلب انور میں بھری ہوئی ہے۔ فی الحقیقت یہ قصیدہ نہایت سچا اور پاکیزہ واقع ہوا ہے کہ جس کو دیکھتے ہی حرز جان کرنے کو بے اختیار جی چاہتا ہے۔

رسالہ آب حیات و قبلہ نماوا جو بالبعین وغیرہ رسائل علیہ تو حضرت مجدد دہلیوی صاحب کیا دیکھ سکتے ہیں؟ کہاں اتنی لیاقت و فہم رکھتے ہیں کہ ان کے مضامین تک پہنچیں اور اپنے سیاہ قلب کو اس کی شعاعوں سے منور کریں؟ اس کی تو ہم کو ان روافض سے امید ہی نہیں.....
وہابیہ کثرت صلوة و سلام و درود و غیرہ الامام علیہ السلام اور قرأت دلائل الخیرات و قصیدہ ہمدہ و قصیدہ ہمزہ وغیرہ اور اس کے پڑھنے اور اس کے استعمال کرنے و درود بنانے کو سخت قبیح و مکروہ جانتے ہیں اور بعض اشعار کو قصیدہ ہمدہ میں شرک وغیرہ کی طرف منسوب کرتے ہیں مثلاً:

يا اشرف الخلق مالى من الوذيه

سوانك عند حلول الحادث العمم

اے افضل مخلوقات، میرا کوئی نہیں جس کی پناہ کچڑوں، بجز تیرے بروقت نزول حوادث، حالانکہ ہمارے مقدس بزرگان دین اپنے متعلقین کو دلائل الخیرات وغیرہ کی سند دیتے رہے ہیں اور ان کو کثرت درود و سلام قہریب قرأت دلائل وغیرہ کا امر فرماتے رہے ہیں۔ ہزاروں کو مولانا گنگوہیؒ و مولانا نانوتویؒ نے اجازت عطا فرمائی اور مدتوں خود بھی پڑھتے رہے ہیں اور مولانا نانوتویؒ مثل شعر برو فرماتے ہیں:

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا

نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار

جو تو ہی ہم کو نہ پوچھے تو کون پوچھے گا؟

جنے گا کون ہمارا تیرے سوا غم خوار

(الہباب الثاقب ص ۱۹۱، ۲۰۹)

اس سلسلے میں حضرت نانوتویؒ کے ”ایک قصیدہ طویلہ دربارہ توسل مشائخ سلسلہ عالیہ چشتیہ صامیہ“ (مندرجہ ادا السلوک و دیگر رسائل) کے چند اشعار بھی قائل توجہ ہیں۔ جنہیں نبیؐ کے ساتھ ”محبت و عقیدت“ کے طور پر قبول کر لیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اب نبیؐ، علیؑ یا کسی فوت شدہ ولی سے استمداد یا مشکل کشائی کی استمداد ”ما تحت الاسباب“ کے زمرے میں نہیں آتی بلکہ ”ما فوق الاسباب“ کے حکم میں ہی شامل

ہوگی۔ اس کے علاوہ خاتمانہ حاجات میں مختار کل سمجھ کر ”یا اللہ مدد“ کہے گا تو یہ اللہ کی عبادت ہوگی اور اگر ”یا نبی مدد“ یا علی مدد، یا علی مشکل کشا“ پکارے گا تو یہ نبی و علیؑ کی عبادت متصور ہوگی۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر یہ اعلان فرمایا ہے کہ:

أَمَّا مَنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَا وَيَكْشِفُ السُّوءَ۔ (النحل ۶۲)

”بھلاؤ کون ہے جو بے قرار کی پکار سنتا ہے اور مشکل کشائی کرتا ہے؟“ (یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسا نہیں)

غیر اللہ سے استمداد ”إِلَآئِكَ نَعْبُدُ وَإِلَآئِكَ نَسْتَعِينُ“ کے روزمرہ کے ”اقرار“ سے انحراف اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ”إِذَا اسْتَعْنَتْ فَاَسْتَعْنِ بِاللَّهِ“ کے بھی خلاف ہے۔

دوسری طرف حضرت نانوتویؒ کے دور میں پورے ہندوستان میں رفق و شیعت نے مختلف اسباب کی بناء پر پنجے گاڑے ہوئے تھے۔ مراسم تعزیر داری، ماتم زنی، سیدہ کو بی، مرثیہ خوانی اور شہادت حسینؑ کے ضمن میں شیعہ موضوعہ روایات سے جذباتی تعلق رکھنے میں سنی شیعوں سے پیچھے نہیں تھے۔ رسم تعزیر داری تو شیعوں سے گزر کر عام مسلمانوں کے دلوں میں رچ بس گئی تھی۔ یہاں تک کہ دیوبند کی تمام سنی مساجد میں بھی تعزیر رکھے جانے لگے۔ اسی طرح یہ مسلمان اہل تشیع کے بعض دوسرے عقائد سے متاثر ہو کر کم از کم ”تفضیلی“ ضرورین گئے تھے۔ علامہ سید مناظر حسن گیلانی لکھتے ہیں کہ:

مغل حکومت کے آخری دور میں بارہہ کے جن سادات نے سنگ میکر (بادشاہ گر) ہونے کی حیثیت حاصل کر لی تھی وہ اسی اطراف و جوانب کے رہنے والے تھے جن کا اثر پھیلنا قدرتی تھا، ان کے سوا دوسرے اسباب بھی تھے، اول تو اور ضلع سہارنپور کا یہی قصبہ دیوبند جو آج سینوں کا سارے ہندوستان میں ماوی و بلجاہا ہوا ہے کسی موقع پر امیر شاہ خان مرحوم کی اس اطلاع کا ذکر کر چکا ہوں کہ میرٹھ، پاپوڑ، گلاؤنچی، بلند شہر کے ساتھ ساتھ وہی کہتے تھے کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ”دیوبند میں بھی سب تفضیلی تھے۔“

اسی موقع پر اگرچہ خان صاحب کا یہ بیان بھی درج ہے کہ حضرت سید شہید کی کوششوں سے ابتداء اس علاقے کے مسلمانوں کے تفضیلی رجحانات کے ازالہ میں غیر معمولی کامیابی ہوئی لیکن صدیوں سے لوگوں میں جو زیرِ سرایت کیے ہوئے تھا، اس کا کلی استیصال ظاہر ہے کہ اچانک نہیں ہو سکتا تھا۔

سیدنا الامام الکبیر جن دنوں میں دیوبند کو وطن بنا کر یہاں مقیم ہو چکے تھے اسی زمانہ کے اچھے اچھے متنازعہ گھرانوں میں تفضیل کا اثر موجود تھا۔ بلکہ سوانح مخطوطہ کے مصنف نے بجائے ”تفضیل“ کے لکھا ہے کہ: ”ماوہ رفق کا غالب تھا“ (سوانح قاسمی حصہ دوم ص ۷۷)

حضرت نانوتویؒ نے اپنے طور پر ”تفضیلیت ورفض“ کے اس سیلاب کے آگے بند باندھنے کی سعی فرمائی لیکن صدافسوس کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ”مشاجرات کے شرعی حکم“، امساک، توقف اور سکوت پر کماحقہ گامزن نہ رہ سکے۔ اس تمہید اور پس منظر کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں موصوف کے چند افکار ملاحظہ فرمائیں:

”باقی رہے امیر معاویہؓ ہر چند ان کو بظاہر حکمین میسر آئی لیکن حقیقت میں وہ حکمین دین نہ تھے، حکمین ملک و سلطنت تھے۔ چنانچہ واقفان فہم سیر پر پوشیدہ نہیں کہ خلفاء اربعہ کے اطوار اور انداز اور امیر معاویہ کے اطوار اور انداز میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ ان کی گزران فقیرانہ اور زائدانہ تھی اور امیر معاویہ کا طور ملوک کا سا تھا۔ اس لئے اہل سنت ان کو باوجودیکہ صحابی سمجھتے ہیں خلفاء میں نہیں سمجھتے ملوک میں شمار کرتے ہیں۔

لیکن ملوک، ملوک میں بھی فرق ہے ایک نوشیروان تھا، ایک چنگیز خان۔ سو یہ ہر چند ملوک میں سے تھے لیکن اس کے یہ معنی ہیں کہ خلفاء راشدین کے مقابلے میں دنیا دار معلوم ہوتے تھے۔ (ہدیۃ الشیخہ ص ۶۶ مطبوعہ دارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

موصوف ایک دوسری کتاب میں اہل تشیع کے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ: اور یہ بھی ہے کہ سنی اصحاب اربعہ یعنی چار یا رکوبہ ترتیب معلوم جانشین حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتے ہیں اور خلیفہ راشد اعتقاد کرتے ہیں، پر امیر معاویہ اور یزید پلید اور عبد الملک وغیرہ کوسینوں میں کوئی ایک بھی خلیفہ راشد نہیں سمجھتا ہاں جھوٹے کا جواب جھوٹے ہے..... اہل صحابہ اہل سنت ان لوگوں کو بادشاہ سمجھتے، خلیفہ راشد نہیں سمجھتے۔ اگر کسی نے ان کو خلیفہ لکھ دیا تو اس سے خلیفہ راشد مراد نہیں.....

اجی حضرت! اہل سنت گو سب کو خلیفہ کہیں پر خلیفہ برحق اور خلیفہ راشد چار یا رہی کو سمجھتے ہیں، اور یہ ایسی بات ہے کہ جیسے اولاد کو ہر کوئی خلف کہتا ہے پر خلف الرشید اس کو کہتے ہیں جو فرزند کامل ہو ورنہ یا تو ما خلف ہے یا کوئی صفت بھلی بری اس کے ساتھ کچھ نہیں لگاتے۔ سو خلیفہ راشد تو چار یا رہی تھے اور یزید، ولید، عبد الملک وغیرہ مروانی عباسی اکثر ما خلف تھے۔

اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس باب میں نہ خلیفہ راشد ہیں نہ ما خلف ہیں۔ ہاں فضیلت صحبت اور بزرگی صحابیت اور اخوت ام المؤمنین ام حبیبہؓ کی ان کو حاصل تھی اور اس لئے سب کے واجب التعظیم ہیں جو یہ کہے وہ اپنی عاقبت کھوتا ہے..... بالجملہ اہل سنت خلیفہ بھی کو کہہ

دیا کرتے ہیں اس لفظ میں کچھ بزرگی نہیں اس کے معنی فقط جانشین ہیں۔ سو ہمیں کہو اس میں کیا بزرگی ہے۔ اگر کسی نیک آدمی کی جگہ کوئی بد معاش بیٹھ جائے تو اس کو جانشین (یعنی خلیفہ) تو ضرور کہیں گے پر اس میں کچھ بزرگی نہ نکلے گی۔

ہاں لفظ راشد بزرگی پر دلالت کرتا ہے۔ اس صورت میں خلیفہ کی دو قسمیں ہوں گی ایک خلیفہ راشد یہ تو چار یا دو پانچوں پانچ چھ مہینے کے لئے حضرت امام حسنؑ ہو گئے تھے۔ دوسرا خلیفہ غیر راشد اور خلیفہ غیر راشد کو بادشاہ اور ملک بھی سنیوں کی اصطلاح میں کہتے ہیں۔ یزید اور عبدالملک وغیرہ سب اسی قسم کے ہیں ہاں عمر بن عبدالعزیز البتہ مروانیوں میں سے خلیفہ راشد ہوئے ہیں۔ (۱) جو باربعین ص ۱۸۵-۱۸۸ مطبوعہ مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ)

حضرت نانوتویؒ زیر عنوان ”مذہب امیر معاویہؓ دربارہ خلافت“ لکھتے ہیں کہ: ”حضرت امیر معاویہؓ کا نظریہ خلافت کے متعلق یہ تھا کہ جس کسی کو مملکت کے انتظام کا سلیقہ دوسروں سے زیادہ ہو، گو اس سے افضل ہوں تو دوسروں سے اس کا خلیفہ بنانا افضل ہے۔ اس بات پر نظر رکھتے ہوئے یزید کو انہوں نے دوسروں سے افضل جانا اور اگر (بالفرض) افضل نہ بھی جانا جاتا تو اس سے زیادہ بات آگے نہیں یہ جتنی کہ انہوں نے افضل کو چھوڑ دیا۔ جیسا کہ گذشتہ مقدمات میں واضح ہو گیا کہ افضل کا خلیفہ بنانا افضل ہے نہ کہ واجب۔ لیکن اتنی بات کے باعث ترک افضل کا ان پر گناہ نہیں تھوپا جاسکتا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عالم گلوچ سے ہم پیش آئیں۔ اور پھر ہم امیر معاویہؓ کو جلیل القدر صحابہ میں شمار نہیں کرتے ہیں (ازاجلہ صحابہؓ فی شاریم) کہ افضل اور اولیٰ کے ترک کرنے کے باعث ان جیسے معاملات میں ہم ان کی طرف سے معذرت پیش کریں۔“ (انوار الجوامع ص ۱۷۱-۱۷۲ مترجمہ مولانا پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی فاضل دارالعلوم دیوبند) یہ ملحوظ رہے کہ حضرت نانوتویؒ کا یہ فارسی مکتوب (بنام مولانا فخر الحسن گنگوہی) ان کے مجموعہ مکتوبات بنام ”قاسم العلوم“ میں شائع ہو چکا ہے۔

(ملاحظہ ہو ”یادگار حسین“ ص ۲۴۔ مؤلفہ مولانا قاضی مظہر حسینؒ)

پروفیسر محمد نور الحسن صاحب شیرکوٹی نے حضرت نانوتویؒ کے اس قول کو ”ہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جلیل القدر صحابہ میں شمار نہیں کرتے“ کی تاویل کرتے ہوئے نیچے حاشیہ پر لکھا ہے کہ ”یعنی چونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کی طرح ایسے صحابہ میں سے نہ تھے کہ یزید کا پانا جانشین بنانے پر ان کی طرف سے ہم معذرت پیش کریں۔“ (حوالہ مذکور)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

مولانا محمد قاسم مانوٹوی

یعنی اگر حضرت معاویہؓ جلیل القدر صحابی ہوتے تو پھر ہم یزید کی ولی عہدی وغیرہ جیسے معاملات پر ”سب و تنقید“ کی صورت میں ان کی طرف سے معذرت پیش کرتے۔

اول تو حضرت مانوٹویؒ کی یہ بات ہی خلاف حقیقت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی نہیں تھے۔ علامہ عبد العزیز فرباروی فرماتے ہیں کہ:

”اقول قد صرح علماء الحديث بأن معاوية رضي الله عنه من كبار الصحابة ونجباءهم ومجتهديهم ولو سلم انه من صغارهم فلا شك في انه داخل عموم الاحاديث الصحيحة الواردة في تشریف الصحابة رضي الله عنهم بل قد ورد فيه بخصوصه احاديث.... (النمر اس شرح لشرح العقائد ص ۵۵۰)

میں کہتا ہوں کہ علماء حدیث نے صراحت کی ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اکابر صحابہ، اشراف اور مجتہد صحابہ میں سے ہیں۔

اور اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ وہ اصغر صحابہ میں سے تھے تب بھی اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ ان صحیح احادیث کے عموم میں داخل ہیں جو صحابہ کے شرف و فضیلت میں وارد ہوئی ہیں، بلکہ خاص امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی احادیث وارد ہوئی ہیں جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ”اللہم اجعلہ ہادیا مہدیا و اھدیا“ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”اللہم علّم معاوية الحساب و الكتاب و فقه العذاب“ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔ اور جو یہ کہا گیا ہے کہ ان کی فضیلت میں کوئی حدیث ثابت نہیں، یہ بات محل نظر ہے اور اسلاف تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر سب و شتم اور طعن کرنے سے سخت غصے ہوتے۔۔۔

امام نووی شافعی فرماتے ہیں کہ:

”واما معاوية فھو من العدول الفضلاء والصحابة النجباء.....“

(شرح صحیح مسلم جلد ۲۔ ص ۲۷۲)

اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عادل، فاضل اور نجیب صحابہ میں سے ہیں۔

بہر حال حضرت مانوٹویؒ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع سے معذرت خواہی کے بارے میں یہی عرض کیا جاسکتا ہے کہ رع

معذرت را خندہ می آید بہ استغفار

☆☆☆☆☆☆

۱۵۔ قطب عالم مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

(م ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء)

حضرت گنگوہی نے اہل تشیع کے ”سوال اول“ کا جواب دیتے ہوئے نہایت ہی اصولی بات ارشاد فرمائی کہ:

”اور جو کچھ بعض سے حرب امیرؓ یا کچھ اور نہ شریعت سے تقصیر ہوئی وہ خطائے اجتہادی تھی اور جو امر مخطا یا اجتہاد سرزد ہوتا ہے وہ بصورت معصیت ہے نہ خود معصیت۔ چنانچہ اہل عقل و علم پر واضح ہے اور اگر بالفرض گناہ ہی تھا تو وہ انجام کار اس سے تا سب اور نام ہو کر پھر درجہ عدالت کو فائز ہو گئے کیونکہ وہ کچھ معصوم گناہ سے نہیں تھے۔ سواب صحابہ کا یہ اجانے والا ملت اسلامیہ سے خارج ہوا اور قرآن کا منکر۔“ (ہدایہ الشیخ ص ۲۹۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

حضرت موصوفؒ اس کے بعد بتدریج نام فرماتے ہیں کہ:

”اور معاویہؓ کا محاربہ حضرت امیرؓ کے ساتھ جو ہوا تو اہل سنت اس کو کب بھلا اور جائز کہتے ہیں۔ ذرا کوئی کتاب اہل سنت کی دیکھی ہوتی۔ اہل سنت ان کو اس فعل میں خاطی کہتے ہیں مگر معاویہؓ اس خطا کے سبب ایمان سے نہیں نکل گئے جیسا تمہارا اور تمہارے اسلاف کا زعم ہے کیونکہ حق تعالیٰ خود قرآن شریف میں فرماتا ہے:

وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینہما۔۔۔۔۔ الآیہ

اور اگر دو طائفے مومنین کے آپس میں مقاتلہ کریں تو ان میں صلح کرا دو۔

تو دیکھو کہ حق تعالیٰ باوصف مقاتلہ باہمی ان کو مومنین کہہ کر تعبیر فرماتا ہے اور سوا اس کے صد با آیات ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فسق و گناہ کبیرہ سے مسلمان کافر نہیں ہوتا اور حضرت امیرؓ کا قصہ مشہور ہے کہ معاویہؓ و ان کے ساتھ والوں کو آپ نے لعن کرنے نہیں دیا اور منع لعن سے فرمایا اگر کافر ہوتے تو کیا وجہ منع لعن کی ہوتی۔

اور نبیؐ اہل ائمہ میں حضرت امیرؓ کا قول شریف منقول ہے..... ”صبح کی ہم نے قتال کرتے ہوئے اپنے بھائیوں مسلمانوں سے سبب اس کے کہ داخل ہوئی اس میں کچھ کچی اور ٹیڑھاپن اور شہ اور تاویل۔“

حضرت امیران کو خود مسلمان بھائی فرماتے ہیں۔ ہاں البتہ اس میں بسبب شبہ بنا ویل سبکی آگئی تھی اور یہ خود بخود ہے کہ گناہ کرنے سے اسلام کامل نہیں رہتا نہ یہ کہ بالکل اسلام سے خارج ہو جائے۔ سو اس نص سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ حرب (حضرت) معاویہؓ سے خطا ہوئی مگر بتا ویل۔ منقول ہے کہ حضرت معاویہؓ آخر عمر میں اس مارت اور اپنے کردار سے ماموم ہوئے تھے۔ سو نہ امت کے بعد جو کچھ گناہ ان سے ہوا بالیقین معاف ہوا کہ حق تعالیٰ تو بہ کے سبب گناہ معاف کرتا ہے بلکہ کفر بھی تو بہ سے معاف ہو جاتا ہے اور یہ مسئلہ متفق علیہ فریقین ہے حاجت سند نہیں اور عادل کے واسطے یہ ضروری نہیں کہ کبھی اس سے کوئی تقصیر نہ ہو بلکہ اس سے کوئی گناہ ہوا اور پھر تو بہ کر لی تو پھر عادل ہو جاتا ہے۔

اور شیعہ تو گناہ کبیرہ سے عصمت کو بھی ساقط نہیں کرتے چہ جائیکہ عدالت۔ (بحوالہ کلمی) حضرت یونسؑ نے ایسا گناہ کیا کہ موت اس پر مو جب ہلاکت تھی۔ پھر جب عصمت انبیاء کی ایسے گناہ سے ساقط نہیں ہوتی تو بے چارے معاویہؓ تو معصوم نہیں تھے اور معاویہؓ نے تو یہ گناہ خطا سے کیا ہے۔۔۔۔۔ جب کہ انبیاء سے ایسا کچھ سرزد ہو جائے معاویہؓ وغیرہ پر کیا مو جب طعن ہے وہ تو کچھ معصوم نہ تھے۔ علاوہ بریں اگر تقصیر حرب معاویہؓ اور چند دیگر سے ہوئی آپ نے کمالیہ بحر اور ہمہ دانی سے سارے مہاجرینؓ اور انصارؓ (کہ بقول امام جعفرؓ بارہ ہزار تھے) کو ایک درجہ کر دیا۔ بڑے فسوس اور حیرت کی جا ہے کہ صحابہؓ باوصف مدح ثقلین کے کافر ہوں اور شیعہ باوجود مخالفت ثقلین و گستاخی اہل بیت کے مومن و مختص رہیں؟ بڑے شرم کی بات ہے اگر آپ کو ہوش ہو۔ اللہ اعلم (حدایۃ الشیعۃ ص ۳۰۲)

حضرت گنگوہیؒ کے مذکورہ ”نکات“ کے بارے میں اگرچہ یہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ وہ اہل تشیع کو ”الزانی“ جواب دے رہے ہیں یا ”خطا“ سے ان کی مراد ”خطائے اجتہادی“ ہی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ موصوف نے جو ”انذار اور لب و لہجہ“ اٹھتیا فرمایا ہے وہ برگز برگز ”فاتح عرب و عجم، خال المسلمین، مدبر اسلام، بانی اسلامی بحریہ، کاتب وحی اور امیر المؤمنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ“ کے شایان شان نہیں ہے بلکہ حسب ذیل کلمات تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے موقف کے حامی دیگر صحابہؓ و تابعینؓ کی توہین و تنقیص کے زمرے میں آتے ہیں:

”اور معاویہؓ کا بخار بہ حضرت امیرؓ کے ساتھ جو ہوا تو اہل سنت اس کو کب بھلا اور جائز کہتے ہیں۔ نہ را کوئی کتاب اہل سنت کی دیکھی ہوتی۔ اہل سنت ان کو اس فعل میں خاطی کہتے ہیں مگر معاویہؓ اس خطا کے سبب ایمان سے نہیں نکل گئے۔۔۔۔۔ فسق و گناہ کبیرہ سے مسلمان کافر نہیں ہوتا اور حضرت

امیرؓ کا قصہ مشہور ہے کہ معاویہؓ اور ان کے ساتھ والوں کو آپؐ نے لعن کرنے نہیں دیا اور منع لعن سے فرمایا، اگر کافر ہوتے تو کیا یہ منع لعن کی ہوتی..... ہاں البتہ اس میں بسبب شبہ و تاویل کچھ آگئی تھی اور یہ خوفین ہے کہ گناہ کرنے سے اسلام کامل نہیں رہتا نہ یہ کہ بالکل اسلام سے خارج ہو جائے۔

سواس ”نفس“ سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ حرب معاویہؓ سے خطا ہوئی مگر بتاویل۔

منقول ہے کہ حضرت معاویہؓ آخر عمر میں اس امارت اور اپنے کردار سے مادم ہوتے تھے۔ سوند امت کے بعد جو کچھ گناہ ان سے ہوا بالیقین معاف ہوا.....“

حضرت مجد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ:

”اے بھائی حضرت معاویہؓ اس معاملے میں تنہا نہیں ہیں۔ کم و بیش آدھے اصحاب کرامؓ ان کے ساتھ اس معاملے میں شریک ہیں....“ (مکتوبات امام ربانی اردو جلد ۲۔ ص ۵۸۰)

ظاہر ہے کہ صحابہؓ کا بعض پر مشتمل تقریباً نصف تعداد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فعل ”حرب“ کو ”جائز“ ہی سمجھ رہی تھی تب ہی تو انہوں نے ان کا ساتھ دیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ حضرات بھی اہل سنت میں شمار ہوتے ہیں؟ اس کا جواب نفی میں تو ہو نہیں سکتا تو پھر اس ”فتوے“ یا فیصلے کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے کہ ”معاویہ رضی اللہ عنہ کا محاربہ حضرت امیرؓ کے ساتھ جو ہوا تو اہل سنت اس کو کب بھلا اور جائز کہتے ہیں۔ اہل سنت ان کو اس فعل میں خاطی کہتے ہیں۔“

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے حرب وائی ”خطا“ تو ۳۷ھ میں سرزد ہوئی تھی جو کبیرہ گناہ میں شمار ہوتی ہے جب کہ ”حضرت موصوف“ کی طرف سے معافی کا ”پروانہ“ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ”آخر عمر میں اس امارت اور کردار سے توبہ وندامت“ کے بعد جاری کیا گیا۔ کیا حضرت علیؓ نے اپنے دو خلافت میں ”مصالحت“ کے بعد انہیں اس ”امارت“ پر برقرار نہیں رکھا تھا؟

حضرت معاویہؓ تو خیر ایک صحابی ہیں، موصوف نے تو ایک موقع پر ”قرآن و حدیث“ کے نکات و معاملات بیان کرتے ہوئے حضرت موتی کی دعا ہی کو ”ناتمام“ قرار دے دیا چنانچہ وہ اس استفسار کہ: ”حضرت موتی نے حق تعالیٰ سے دعا فرمائی تھی کہ میری زبان کی گرہ کھول دے کہ لوگ میری بات سمجھنے لگیں، حق تعالیٰ نے قبولیت دعا کا اظہار بھی فرمایا ہے کہ تمہاری درخواست منظور ہے اے موتی۔ حالانکہ موتی کی لکنت عمر بھر نہ گئی، جب بات کرتے تو غلط لسان کے باعث رانوں پر جوش غضب میں ہاتھ مارا کرتے؛ کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

مولانا رشید احمد گنگوہی

”موسیٰ کی دعا ہی ناقص تھی..... اگر نیکو فہم افسوس ہی عرض نہ کرتے تو دعا تام ہوتی اور ساری کائنات جاتی رہتی۔“ (تذکرۃ الرشید جلد اول ص ۱۵۰۔ مطبوعہ دارہ اسلامیات لاہور۔ کراچی)

قارئین کرام! بطور بالا میں آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی رسول کے بارے میں قطب الاقطاب حضرت گنگوہی کا ”مسلوب اور انداز“ ملاحظہ فرمایا اب ایک یہ انداز بھی ملاحظہ فرمائیں جو انہوں نے اپنے پیرومرشد ”حاجی امداد اللہ مہاجر کئی“ اور مولانا محمد عاشق الہی میرٹھی نے ”حضرت گنگوہی“ کے متعلق اختیار فرمایا ہے:

”حضور (یعنی حضرت کئی) نے جو بندہ بالائق کے حالات سے استفسار فرمایا ہے اس ناکس کے کیا حالات اور کس وجہ کی کوئی خوبی ہے جو آفتاب کمالات کے روبرو عرض کروں بخدا سخت شرمندہ ہوں، کچھ نہیں ہوں۔ اور حضرت کے اقدام نعلین کی حاضری کے شرہ کا یہ خلاصہ ہے۔۔۔ اور یہ اثر اسی نسبت یادداشت ہیرنگ کا ہے جو مشکوٰۃ انوار حضرت سے پہنچا ہے۔ بس زیادہ عرض کرنا گستاخی اور شوخ چٹخی ہے یا اللہ معاف فرما کہ حضرت کے ارشاد سے تحریر ہوا ہے۔ کچھ نہیں ہوں تیرا ہی نقل ہے، تیرا ہی وجود ہے۔ میں کیا ہوں کچھ نہیں ہوں اور وہ جو میں ہوں وہ تو ہے اور میں اوقو شرک و شرک ہے۔ استغفر اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ، لا حول والاقوۃ الا باللہ۔ اب عرض سے معذوریہ قبول فرمادیں۔ (مکاتیب رشیدیہ ص ۱۰۔ مرتبہ مولانا محمد عاشق الہی میرٹھی۔ مطبوعہ المکتبۃ المدینہ لاہور)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی نے یہی واقعہ اپنی کتاب میں یوں الفاظ نقل فرمایا ہے:

”اس جگہ دو واقعے اپنے اکابر کے، نمونہ کے لیے لکھنے کو دل چاہتا ہے۔ ایک تو وہ مکتوب گرامی جو شیخ المشائخ، قطب الارشاد حضرت گنگوہی قدس سرہ نے اپنے مرشد شیخ العرب والجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب اعلیٰ اللہ مراتبہ کی خدمت میں لکھا جو مکاتیب رشیدیہ میں طبع بھی ہو چکا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں، (ما الاحظہ ہو: فضائل صدقات حصہ اول ص ۵۵۷-۵۵۸)

حضرت گنگوہی نے اپنی کتاب ”امداد السلوک“ میں اپنے شیخ حضرت کئی کو حسب ذیل ”لقاب“ سے یاد فرمایا ہے:

”وبینام نامی واسم سامی وافتنخل المضائق الاعلام مرکز الخواص والعوام، منبع البرکات القدسیۃ، مظہر الغیوضات المرضیۃ، معدن المعرف الالہیۃ، مخزن الحقائق لجمع الدقائق، سراج اقرانہ، قدوة اهل زمانہ، سلطان العلوقین، ملک التلکین، غوث الکاملین، غیث المطالبین الذی کلت المنة الاقلام عن مدائحہ البالغۃ واعجزت

التوصیف شمس اللہ الکرام المساطعة بغيظ الألوان والآخرون من شعلة ويحسده
الغاجرون والغفلون، من دله مرشدي، معتمدي، وسيلة يومي وغدي، مولاي و
معتمدي، سيدی وسندی، المشيخ، الحاج، المشتبه بامداد الله، الغلوقي، التهانوي
سلمه الله تعالى بالارشاد والهداية و ازال بذاته المطهرة الضلالة والغواية الخ

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد دینی ان ”القاب“ کی توثیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں
کہ: ”صاحبو! اس عبارت کے الفاظ ومعانی پر غور کرو اور نظر انصاف فرماؤ کہ فرقہ واپیہ کیا اس قسم کے
الفاظ اور اس قسم اور اس نوع کے اعتقادات کسی کی نسبت رکھتے ہیں یا نہیں؟ اس عبارت سے یہ بھی
واضح ہو گیا کہ حضرت قطب العالم حاجی امداد اللہ قدس سرہ العزیز کی جتنی تصانیف و عقائد ہیں ان کے
حضرت مولانا گنگوہی بالکل موافق اور متبع ہیں اور وہی عقائد رکھتے ہیں کہ جن کے ذریعہ سے دھبہ
و بابت بالکل زائل ہے۔ رسالہ امداد السلوک کا صفحہ صفحہ اور سطر سطر پوری دلیل اور قوی برہان حضرت
مولانا قدس سرہ العزیز کے ربانی، سنی اور حنفی ولی کامل ہونے کی ہے اگر ان کو نقل کیا جائے تو ذرا طویل
ہو جائے....“ (شہاب الثاقب علی المشرق الکاذب ص ۲۰۳)

کسی مسئلہ کے بارے میں حضرت گنگوہی، حضرت تھانوی سے ناراض ہوئے تو انہوں
نے ”رجوع نما“ ایک خط کے ذریعے اپنی منافی پیش کی اور دیگر باتوں کے علاوہ اکابر کے ساتھ
اپنی عقیدت کا بایں الفاظ اظہار فرمایا:

”انسی واللہ فدرضیت بللہ رباً وبالاً سلام دینا وبمحمد نیاً وبشیخی امداد اللہ للعالمین
مرشدنا وولیا ویکم یامولانا (لا رشید احمد گنگوہی) خلافاً مہدیاً...“ (مذکرۃ الرشید جلد اول ص ۱۶۹)
مولانا محمد عاشق الہی میرٹھی حضرت گنگوہی کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

”حق تعالیٰ کے چہیتے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مرحومہ امت میں جن خوش نصیب اور پاک
طینت حضرات کو مرتبہ قرب و ولایت کے ساتھ نوازا گیا اور سچے ایمان کی حیثیت اور اطمینان کے ساتھ
یقین و اذعان کی روشنی جن کے قلوب میں ڈالی گئی ہے ان میں حضرت امام ربانی قدس سرہ کے دل فیض
منزل کو ایک خاص خصوصیت کے ساتھ یہ اندرونی لذت عطا ہوئی تھی جس کا ثمرہ یہ تھا کہ زمانہ کے
صاحب نسبت مشائخ اور اہل دل مجاز طریقت اولیاء اللہ کے آپ سردار تھے، عالم کے باوی اور راہبر،
مائتین رسول گروہ کی سیادت آپ کے حوالہ کی گئی تھی، علماء عصر کا آپ کا امیر الخدیش بنایا گیا تھا۔ پیشوا ایمان
خلق کا امام و پیشوا اور مصلحان قوم و ملت و جماعت کا مصلح اور حاکم آپ کو گروا گیا تھا۔ مقبولان بارگاہ

صمدیت کی پاک باز جماعت تختہ عالم پر سدا بہار گلاب اور بہکانے والے پھول کا کام دیتے تھے اور حضرت امام ربانی قدس سرہ کی ذات مقدس بمنزلہ عطر گلاب بلکہ روح بنی ہوئی عالم کو بہکا رہی تھی۔

احتمال خطا اور امکان ذلت کے درجہ میں آپ یقیناً بشر تھے مگر ہادی و راہبر عالم ہونے کی حیثیت سے چونکہ آپ اس بے لوث مسند پر بٹھائے گئے تھے جو بطحائے پیغمبر کی میراث ہے اس لیے آپ کے قدم قدم پر حق تعالیٰ کی جانب سے نگرانی و نگہبانی ہوتی تھی۔ آپ اولیاء اللہ کے اس اعلیٰ طبقہ میں رکن اعظم بن کر داخل ہوئے تھے جن کے اقوال و افعال اور قلب و جوارح کی ہر زمانہ میں حفاظت کی گئی ہے اور جن کی زبان اور اعضاء بدن کو ناسید و نافیق خداوندی نے مخلوق کو گمراہی سے بچانے کے لیے اپنی تربیت و کفالت میں لے رکھا ہے۔

آپ نے کئی مرتبہ بحیثیت تبلیغ یہ الفاظ زبان فیض تر جہان سے فرمائے:

”من لوقی وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے اور زہم کہتا ہوں کہ میں کچھ نہیں ہوں مگر اس زمانہ میں ہدایت و نجات موقوف ہے میرے اتباع پر“ اوکا قال۔ ظاہر بین علماء جن مسائل میں دلائل و شواہد کے پابند ہو کر اختلافی جھگڑوں میں پڑتے اور حق و باطل میں امتیاز کامل نہ ہو سکتے کی وجہ سے تذبذب و تحیر کے بیابان میں سرگرداں پھرا کرتے تھے، حضرت امام ربانی قدس سرہ مشکوٰۃ نبوت سے سلگائی ہوئی مشعل قلبی کے نور کی بدولت واقعی حق جانب بیان فرماتے اور شق صحیح معین فرما کر بلا اشتہاد فیصلہ کر دیا کرتے تھے۔“ (تذکرۃ رشید جلد ۲۔ ص ۱۶-۱۷)

قارئین کرام! کیا حضرت کا یہ فرمانا بھی حق ہے؟ کہ:

”ہم سب اہل سنت ائمہ اثنا عشر کو امام اور مقتدائے دین و قطب ارشاد عقیدہ رکھتے ہیں اور امام ظاہر بجز حضرت امیرؓ اور جیسے مہینے حضرت حسنؓ کے اور کسی کو نہیں جانتے اگرچہ ان میں لیاقت امامت ظاہرہ کی سب معاصرین سے زیادہ تھی مگر وقوع اس کا بسبب ان کے زہد کے تقدیر الہی سے نہ ہوا۔

(تالیفات رشیدیہ تحت ہدایت الشیعہ ص ۵۸۴۔ مطبوعہ دارہ اسلامیات لاہور۔ کراچی)

اس عبارت میں موصوف نے اہل تشیع کے بارہویں فرضی امام مہدی کو بھی اہل سنت کا پیشوا، مقتدا اور قطب ارشاد (بحیثیت عقیدہ) قرار دیا ہے جو بعد از ظہور حضرت عائشہؓ پر حد جاری کرنے کے علاوہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو روضہ نبویؐ سے نکال کر ہزار مرتبہ روزانہ قتل کرے گا۔

حضرت گنگوہی کی اس عبارت میں ’ائمہ اثنا عشر‘ سے کسی فاسد ترین تاویل کے ذریعے بھی ہرگز ’سنی مہدی‘ مراد نہیں لیا جاسکتا۔

حضرت گنگوہی کی روحانی طاقت قوت کے متعلق مولانا محمد عاشق الہی میرٹھی لکھتے ہیں کہ:

”ایک دن مولوی امیر شاہ خان صاحب نے حضرت قدس سرہ سے ایک قصہ بیان کیا کہ میں ایک روز مسجد حرام میں ایک بزرگ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، ان کے پاس ایک نو عمر درویش آئے اور بیٹھ گئے۔ وہ بزرگ جن کے پاس میں بیٹھا ہوا تھا اس درویش کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ بھائی تمہارے قلب میں بڑی اچھی چیز ہے۔ ان بے چاروں نے اپنا حال چھپانا چاہا مگر انہوں نے پردہ ہی فاش کر دیا۔ کہنے لگے تمہارے قلب میں ایک عورت کی شبیہ ہے۔ اس کی ناک ایسی ہے اور آنکھیں ایسی ہیں اور بال ایسے ہیں۔ غرض تمام حلیہ بیان کر دیا۔ اس وقت وہ درویش بہت مام ہوئے اور اقرار کیا بے شک آپ سچ فرماتے ہیں۔ ابتداء جوانی میں مجھے ایک عورت سے عشق ہو گیا۔ ہر وقت اس کے ہسیان میں رہنے سے اس کی شبیہ میرے قلب میں آ گئی ہے۔ اب جب کبھی طبیعت بے قرار ہوتی ہے تو آنکھ بند کر کے اس کو دیکھ لیتا ہوں کچھ مکون ہو جاتا اور طبیعت ٹھہر جاتی ہے۔

مولوی امیر شاہ خان صاحب یہ قصہ بیان کر کے منتظر رہے کہ حضرت (گنگوہی) کچھ ارشاد فرمائیں مگر حضرت امام ربانی قدس سرہ نے کچھ بھی جواب نہ دیا۔ سن کر خاموش ہو گئے۔ جب کئی مرتبہ مولوی صاحب نے بات اٹھائی تب حضرت نے ارشاد فرمایا:

”بھائی یہ کچھ زیادہ غلبہ نہیں ہے کیونکہ ان کو آنکھیں بند کرنے اور قلب کی طرف متوجہ ہونے کی نوبت پہنچتی تھی۔ میرا حضرت حاجی (امداد اللہ مہاجر کی) صاحب کے ساتھ برسوں یہ تعلق رہا کہ بغیر آپ کے مشورہ کے میری نشست و برخاست نہیں ہوتی۔ حالانکہ حاجی صاحب مکہ میں تھے اور اس کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہی تعلق برسوں رہا ہے۔“ اس کے بعد اتنا فرما کر آپ خاموش ہو گئے کچھ نہ فرمایا اور دیر تک ساکت و سرگرم رہے۔

مطلب ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی اجازت کے بغیر نہ حرکت ہوتی ہے نہ مکون۔

(تذکرۃ الرشید جلد دوم ص ۱۹۶-۱۹۷)

مولانا محمد عاشق الہی میرٹھی حضرت گنگوہی کے ”مستجاب الدعوات“ اور ”مشکل کشا“ ہونے کے بارے میں مولانا فضل الرحمن خجندہ آبادی کی گواہی و شہادت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”مولوی عبدالسمان صاحب انسپکٹر پولیس ضلع کوالیار فرماتے ہیں کہ مولوی محمد قاسم صاحب کمشنر ہندو بست ریاست کوالیار ایک بار پریشانی میں مبتلا ہوئے اور ریاست کی طرف سے تین لاکھ روپیہ کا مطالبہ ہوا۔ ان کے بھائی یہ خبر پا کر حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب کی خدمت میں خجندہ آباد پہنچے۔

حضرت مولانا نے وطن دریافت فرمایا: انہوں نے عرض کیا: ”ویہ بند“ مولانا نے تعجب کے ساتھ فرمایا: گنگوہ حضرت مولانا کی خدمت میں قریب تر کیوں نہ گئے؟ اتنا دور سفر کیوں اختیار کیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت یہاں مجھے عقیدت لائی ہے۔ مولانا نے ارشاد فرمایا: ”تم گنگوہ ہی جاؤ۔ تمہاری مشکل کشائی حضرت مولانا رشید احمد صاحب ہی کی دعا پر موقوف ہے۔ میں اور تمام روئے زمین کے اولیاء بھی اگر دعا کریں گے تو نفع نہ ہوگا۔“

چنانچہ واپس ہوئے اور بوسیہ حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حکیم صاحب نے سفارش کی تو حضرت امام ربانی نے ارشاد فرمایا کہ میرا کوئی قصور نہیں کیا۔ یہ صاحب مدرس عربی دیوبند کے مخالف ہیں جو اللہ کا ہے۔ سو قصور وار بھی اللہ پاک کے ہوئے۔ حق تعالیٰ سے توبہ کریں۔ بندہ دعا کرے گا۔ چنانچہ ادھر انہوں نے توبہ کی اور ہر مطالبہ سے برأت کا کمشنر صاحب کے پاس سے حکم آگیا۔“ (تذکرۃ الرشید جلد ۲۔ ص ۲۱۵)

مولانا عاشق الہی میرٹھی حضرت گنگوہیؒ کی محفل کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

”آپ کی مجلس مبارک کو غور کر کے دیکھا ہے تو نمونہ محفل سرور عالم پایا۔ آپ کی مجلس مبارک میں بے ضرورت کوئی کلام نہ کرتا جس وقت آپ کوئی بات فرماتے سب خاموش متوجہ ہو کر سنتے اور جب کوئی شخص کچھ سوال کرتا جب بھی سب خاموش رہتے، آپ جواب دیتے۔ مجلس مبارک میں شور و غلبہ، غل غپاڑا، لغو باتیں ہرگز نہ ہوتیں..... چونکہ اس مجلس شریف میں حسب ضرورت تکلم ہوتا تو اکثر اوقات حاضرین ساکن و ساکت ”کائن علی رؤسہم الطیر“ رہتے۔ یہ کات و انوار و خیرات سے مجلس شریف معمور اور شہر و رفساد سے سراسر محال دور تھی۔“ (تذکرۃ الرشید جلد دوم ص ۹۲)،

”آپ کے مزاج میں صداقت کی شان چونکہ جلوہ گر تھی اس لیے نبوی مزاج کا پورا نمونہ تھا..... یہ نمونہ ہے عادات و معمولات اور شاکل و خصائل میں سرور کائنات کے اتباع تام اور اقتدائے کامل کا جو حق تعالیٰ نے حضرت امام ربانی کو عطا فرمایا تھا۔“ (حوالہ مذکور ص ۱۰۰، ۱۱۱)،

”حضرت گنگوہی نے ایک بار ارشاد فرمایا: میں نے ایک بار خواب دیکھا تھا کہ مولوی محمد قاسم صاحب عروس کی صورت میں ہیں اور میرا ان سے نکاح ہوا ہے۔ سو جس طرح زن و شوہر میں ایک کو دوسرے سے فائدہ پہنچتا جیسا طرح مجھے ان سے اور انہیں مجھ سے فائدہ پہنچتا ہے۔

انہوں نے حضرت کی تعریف کر کے ہمیں مرید کرایا اور ہم نے حضرت سے سفارش کر کے انہیں مرید کرا دیا۔“ (حوالہ مذکور ص ۲۶۲-۲۶۳)،

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے نزدیک حضرت گنگوہی کا کمال یہ تھا کہ ”رنگ فنا“ جلالت پر غالب تھا جب کہ مولانا نانوتویؒ کا یہ کمال تھا جلالت پر فنا کو مجاہدہ سے غالب کر دیا۔ حضرت تھانویؒ ان دونوں بزرگوں کے اس ”کمال“ کی مثال حسب ذیل واقعہ سے بیان فرماتے ہیں کہ:

ایک دفعہ گنگوہی کی خانقاہ میں مجمع تھا۔ حضرت گنگوہیؒ اور حضرت نانوتویؒ کے مرید و شاگرد سب جمع تھے اور یہ دونوں حضرات بھی وہیں مجمع میں تشریف فرما تھے کہ حضرت گنگوہیؒ نے حضرت نانوتویؒ سے محبت آمیز لہجہ میں فرمایا کہ یہاں ذرا لیت جاؤ۔ حضرت نانوتویؒ کچھ شرمائے۔ مگر حضرت نے پھر فرمایا تو بہت ادب کے ساتھ چیت لیت گئے۔ حضرت بھی اسی چارپائی پر لیت گئے اور مولانا کی طرف کوکروت لے کر اپنا دانا ہاتھان کے سینے پر رکھ دیا جیسے کوئی عاشق صادق اپنے قلب کو تسکین دیا کرتا ہے۔

مولانا (نانوتوی) ہر چند فرماتے ہیں کہ میاں کیا کر رہے ہو، یہ لوگ کیا کہیں گے؟ حضرت نے فرمایا لوگ کہیں گے، کہنے دو۔“

(ارواحِ ثلاثہ المعروف بحکایات اولیاء، حکایت نمبر ۳۰۴۔ ص ۲۶۳۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

حضرت تھانویؒ ”تصویر شیخ“ کے مسئلہ میں حضرت گنگوہیؒ کا ایک ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ:

”ایک دفعہ حضرت گنگوہیؒ جوش میں تھے اور تصویر شیخ کا مسئلہ درپیش تھا فرمایا کہ کہہ دوں؟ عرض کیا گیا کہ فرمائیے۔ پھر فرمایا: کہہ دوں؟ عرض کیا گیا: فرمائیے۔ تو فرمایا:

کہ تین سال کامل حضرت امداد کا چہرہ میرے قلب میں رہا ہے اور میں نے ان سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کیا۔ پھر اور جوش آیا۔ فرمایا کہہ دوں؟ عرض کیا گیا حضرت ضرور فرمائیے:

فرمایا کہ (استغفر اللہ علیہ وسلم میرے قلب میں رہے اور میں نے کوئی بات آپ سے پوچھے بغیر نہیں کی۔

یہ کہہ کر اور جوش ہوا۔ فرمایا اور کہہ دوں؟ عرض کیا گیا کہ فرمائیے۔ مگر خاموش ہو گئے۔

لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ بس رہنے دو۔ اگلے روز بہت سے اصراروں کے بعد فرمایا کہ بھائی پھر احسان کا مرتبہ رہا۔“ (حوالہ مذکور۔ حکایت ۳۰۶۔ ص ۲۶۵)

ممتاز عالم دین مولانا عبدالقیوم حقانی لکھتے ہیں کہ:

”حضرت الامام الکبیر (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) کی مقدس زندگی کے آخری لمحات میں یہ امتیاز بھی آپ ہی کی ولایت کاملہ کا مکمل مصداق بن کر سامنے آیا کہ عالم نزع میں توسلین و مجاہدین

نے ”تلقین“ شروع کی۔ لیکن الامام الکبیر انقباض کے ساتھ کبھی چہرہ وقتی جانب پھیر لیتے اور کبھی بائیں جانب۔ جس سے تلقین کنندگان تشویش و حیرت کے ملے جلے جذبات سے دوچار تھے اور الامام الکبیر کے اس انقباض کی کوئی توجیہ نہیں کر پا رہے تھے کہ اس وقت الامام الکبیر کے بحر معرفت کے شناور، رفیق لبیب، فقیہ الاسلام حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی شریف لے آئے اور تلقین بند کر کے خود الامام الکبیر کی جانب متوجہ ہو کر بیٹھ گئے۔ چند لمحے بعد وقت موعود پہنچا اور الامام الکبیر رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

اس کے بعد متوسلین نے بوقت تلقین الامام الکبیر کے انقباض کے بارے میں استفسار کیا۔ حضرت فقیہ الاسلام نے فرمایا کہ: ”میرے بھائی! اپنی قوت معنوی سے مسمیٰ تک یعنی ذات باریکات حق تک واصل ہو چکے تھے اور آپ لوگ تلقین کے ذریعہ اسم کی جانب متوجہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے تو یہ عروج سے نزول کی طرف لانا ہے۔“

ظاہر ہے کہ اسے موجب انقباض ہونا ہی چاہیے تھا وہی ہوا۔ تلقین بند کرنے کے بعد انقباض ختم ہو گیا اور ان شاء اللہ وہ مقبولیت کے ساتھ اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

(تذکرہ و سوانح الامام الکبیر مولانا محمد قاسم نانوتوی ج ۱ ص ۵۶۹-۵۷۰۔ مطبوعہ القاسم اکیڈمی نوشہرہ، پشاور)

اس تفصیل سے حضرت حاجی صاحب اور ان کے مرید خاص حضرت گنگوہیؒ کے علمی، عملی، روحانی اور باطنی مقام کا کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ تفصیل کے طالب اصل کتب کی طرف مراجعت فرمائیں۔

یہاں دونوں قسم کے اسلوب قارئین کرام کے سامنے لانے کا مقصد صرف یہ ہے کہ چودہویں صدی میں حضرت لکی کی تعلیم و تربیت سے حضرت گنگوہیؒ اس مقام تک پہنچ گئے کہ بتھانضائے بشریت ان سے خطا و لغزش کا صرف ”احتمال اور امکان“ ہے، دوسری طرف سید المرسلین محمد مصطفیٰؐ کی تعلیم و تربیت اور ترکیب کے باوجود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ”خطاؤں اور کجائز“ کا ”احتمال و امکان“ ہی نہیں بلکہ فی الواقع عملی طور پر ”صدور و ارتکاب“ بھی ہوا ہے البتہ اس کی وجہ سے وہ ”لحن“ کے مستحق نہیں ہیں۔ بھلا اہل سنت ان کے اس فعل کو کس طرح ”اچھا اور جائز“ کہہ سکتے ہیں؟ وہ اس فعل میں ”خاطی“ ہیں۔ اہل سنت کی ساری کتابوں میں یہی تحقیق پائی جاتی ہے۔

یہ غور رہے کہ ملک غلام علی صاحب نے بھی اپنی کتاب ”خلافت و ملکیت پر اعتراضات کا تجزیہ“ کے صفحہ ۲۳۹ پر حضرت معاویہؓ کے خلاف حضرت گنگوہیؒ کی زیر بحث عبارت سے استدلال کیا ہے۔



۱۶۔ علامہ وحید الزمان خان

(م ۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۰ء)

مشہور سلفی اور غیر مقلد عالم اور شارح صحاح ستہ، علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں کہ:
 ”یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن خلق تھا اور مصلحت بھی تھی کیونکہ ابوسفیان
 کافروں کا سردار تھا۔ اس کی تالیف قلب بھی ضروری تھی۔ ہر چند ابوسفیان کا اسلام پہلے پہل جان
 کے ڈر سے تھا مگر بعد کو شاید پختہ ہو گیا ہو گا اور جب آذی اسلام لایا تو اس کے قصور کفر کے وقت
 کے سب معاف ہو جاتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحشی قاص حمزہؓ کا اسلام قبول کیا۔ اس
 پر بھی ابوسفیان کا خاندان، خاندان نبوی کا ہمیشہ دشمن رہا۔ ابوسفیان عمر بھر حضرت سے
 لڑتا رہا اور صد ہا مسلمانوں کو اس نے شہید کیا۔

اور اس کے بیٹے معاویہؓ بن ابی سفیانؓ نے جناب امیر المؤمنین خلیفہ برحق علیؓ مرتضیٰ شیر خدا کا مقابلہ
 کیا اور جنگ صفین میں ہزاروں مسلمانوں کا خون کیا۔ ان کے بیٹے یزید پلید نے تو ستم ہی ڈھلایا امام حسنی
 کو زہر دلویا اور امام حسینی کو ایسے ظلم سے شہید کر دیا جس کا حال لکھنے سے قلم کا پتہ ہے۔ پھر یزید کے بعد بھی
 سارے خلفاء بنو امیہ سو عمر بن عبدالعزیز کے خاندان نبوی کے دشمن رہے اور ہمیشہ درپے ایذا رہے
 اور دنیا کے واسطے اپنی آخرت کو تباہ کرتے رہے۔ (شرح صحیح مسلم جلد ۶ ص ۱۷۴)

”امان (حضرت معاویہ) کے والد ابوسفیان تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے
 براہمہ جنگ کرتے رہے۔ اخیر میں مجبور ہو کر مسلمان ہوئے۔ معاویہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
 منشی بھی تھے، ۶۰ھ میں دمشق میں مرے۔ بیاسی سال کی عمر پائی۔

امام بخاری نے اور بابوں کی طرح یوں نہ کہا کہ معاویہ کی فضیلت، کیونکہ ان کی فضیلت
 میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہوئی۔ امام نسائی اور اسحاق بن راہویہ نے ایسا ہی کہا۔

مترجم کہتا ہے کہ صحابیت کا ادب ہم کو اس سے مانع ہے کہ ہم معاویہ کے حق میں کچھ کہیں۔ لیکن
 سچی بات ہے کہ ان کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کی اہمیت اور محبت نہ تھی۔
 جب امام حسنؓ کا انتقال ہوا تو کہنے لگے ایک انگارہ تھا جس کو اللہ نے بجھا دیا۔

ان کا باپ ابو سفیان ساری عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑتا رہا، یہ خود حضرت عائشہؓ سے لڑے، ان کے بیٹے مائل نے تو غصب ڈھالایا۔ امیر المومنین امام حسین علیہ السلام کو مع اکثر اہل بیت کے بڑے ظلم و ستم کے ساتھ شہید کرایا۔ (تیسرا الباری ترجمہ شرح صحیح بخاری جلد ۵ ص ۹۰ تحت باب ذکر معاویہ) ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دو گانہ (عصر کے بعد دو رکعتوں) کو گھر میں آن کر پڑھتے

تھے شاید معاویہ نے نہ دیکھا ہوگا۔ امام بخاری نے ایک مرفوع حدیث بھی معاویہ کی فضیلت میں بیان نہیں کی۔ اوہراوہر کے تذکرے کر دیے۔ امام نسائی نے ایک خاص کتاب خصائص کبریٰ جناب عائشہؓ کے فضائل میں مرتب کی تو خارجیوں نے ان پر بلوہ کیا اور کہا کہ معاویہ کی فضیلت میں بھی تم نے کوئی کتاب لکھی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان کی فضیلت کہاں سے آئی؟ یا ان کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہوئی البتہ ایک حدیث یہ ہے کہ اللہ ان کا پیٹ نہ بھرے۔ اس پر ان خارجی مردودوں نے امام نسائی کو گھونٹوں اور لالتوں سے شہید کر ڈالا۔“ (حوالہ مذکور ص ۹۱-۹۲)

ایک سچے مسلمان کی جس میں ایک ذرہ بہ ایمہ بھی پیغمبر صاحب کی محبت ہو، دل گوارا کرے گا کہ معاویہ کی تعریف و توصیف کرے۔ البتہ ہم اہل سنت کا یہ طریق ہے کہ صحابہ سے سکوت کرتے ہیں اس لیے معاویہ سے بھی سکوت کرنا ہمارا مذہب ہے اور یہی اسلام اور قرین احتیاط ہے۔ مگر ان کی نسبت کلمات تعظیم مثل حضرت رضی اللہ عنہ کہنا سخت دلیری اور بے باکی ہے۔ اللہ محفوظ رکھے... بھلا ان پاک نفوس پر معاویہ کا قیاس کیونکر ہو سکتا ہے جو نہ مہاجرین میں سے، نہ انصار میں سے، نہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی خدمت اور جان نثاری کی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑتے رہے اور فتح مکہ کے دن ڈر کے مارے مسلمان ہو گئے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عثمانؓ کو یہ رائے دی کہ علیؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ کو قتل کر ڈالیں۔“

(وحید المصنفات مادہ عمر، حیات وحید اترمان مؤلفہ مولانا محمد عبدالحلیم چشتی ص ۱۰۹)

ہم اہل سنت والجماعت معاویہ اور عمرو بن العاص اور حجاج وغیرہم کی تکفیر نہیں کرتے، نہ ان پر لعنت کرنا بہتر جانتے ہیں بلکہ ان کو ظالم اور فاسق سمجھتے ہیں اور جن لوگوں نے معاویہ اور عمرو بن العاص کو صحابیت کی جیبہ سے واجباً تعظیم اور واجب المدح سمجھا ہے انہوں نے غلطی کی ہے۔

لفظ صحابیت سے بدون ادائے حقوق صحبت کے کچھ نہیں ہوتا۔ جیسے نبی سلمہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض اصحاب میرے ایسے ہیں جو دنیا سے جانے کے بعد پھر مجھ کو نہ دیکھیں گے۔“ (انوار اللغۃ پارہ ۱۴ ص ۹۔ مطبوعہ بنگلور)

”یٰ تو میرا اعتقاد ہے کہ ۱۱ اللہم اجعلہ ہادیامہدیا“ کی حدیث (معاویہ کے حق میں) صحیح نہیں ہے جیسے امام احمد اور امام نسائی نے فرمایا کہ معاویہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہوئی اور اس کی عدم صحت کے قرائن یہ ہیں کہ معاویہ نے ایسے ایسے خلاف شرع کام کیے ہیں جو عین ضلالت ہیں نہ کہ ہدایت۔ مثلاً زیادہ کے نسب کا الحاق ابوسفیان سے، حجر بن عدی کا قتل، یزید کے لیے بالجبر وہ مکروہ فریب بیعت کرا، نقض اس معاہدہ کا جو امام حسنؑ سے کیا تھا وغیرہ وغیرہ۔“ (حوالہ مذکور پارہ ۲ ص ۲۰)

”جناب امیر علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ قسم خدا کی میری محبت اور معاویہ کی محبت دونوں مومن کے دل میں جمع نہ ہوں گی۔“ (حوالہ مذکور پارہ ۲ ص ۱۴۵)

مولانا عبدالحلیم چشتی علامہ وحید اترمان خان کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

”انسوس حیدر آباد میں مرا کی محبت، ”دراسات السلیب“ مؤلفہ ملا معین الدین ٹھکڑی اور شیخ طوسی کی مجمع البحرین کے مطالعہ نے اخیر عمر میں اہل بیت سے محبت غلو کے درجے میں پہنچا دی تھی اور تفضیلی قسم کے تسنن کا رنگ غالب آ گیا تھا۔ آپ نے اس کو تبلیغی انداز میں جا بجا بیان کیا ہے لکھتے ہیں: ”اس مسئلے میں قدیم سے اختلاف چلا آ رہا ہے کہ عثمانؓ اور علیؓ دونوں میں کون افضل ہیں؟ لیکن شیخین کو اکثر اہل سنت حضرت علیؓ سے افضل کہتے ہیں اور مجھ کو اس امر پر بھی کوئی دلیل قطعی نہیں ملی۔ نہ یہ مسئلہ کچھ اصول اور ارکان دین میں سے ہے۔ نہ یہ وہی اس کو متکلمین نے عقائد میں داخل کر دیا ہے۔“ (وحید المغات مادہ عثم، حیات وحید اترمان ص ۱۰۳)

”حضرت علیؓ اپنے تئیں سب سے زیادہ خلافت کا مستحق سمجھتے تھے اور یہ بھی یہی آپؐ بلحاظ قرابت قریبہ اور فضیلت اور شجاعت کے سب سے زیادہ پیغمبر کی قائم مقامی کے مستحق۔ مگر چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی صاف اور صریح نص خلافت کے باب میں وفات کے وقت نہیں فرمایا اور صحابہؓ نے اپنی رائے اور مشورے سے بلحاظ مصلحت وقت ابو بکر صدیقؓ کو خلیفہ بنا لیا تو آپ صبر کر کے خاموش رہے۔ اگر اس وقت تلوار نکالتے اور مقابلہ کرتے تو دین اسلام مت جاتا۔

اور خدا کو یہی منظور تھا کہ ابو بکرؓ پہلے خلیفہ ہوں پھر عمرؓ، پھر عثمانؓ پھر علیؓ۔ اس میں یہ حکمت تھی کہ چاروں کو خلافت مل جائے۔ اگر جناب پہلے پہل خلیفہ ہو جاتے تو یہ تینوں صاحب اس فضیلت سے محروم رہتے۔“ (وحید المغات مادہ عجز، حیات وحید اترمان ص ۱۰۶-۱۰۷)

موصوف حضرت حسینؓ کے مدفن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

”مگر صحیح قول یہ ہے کہ آپ کا سر مبارک مدینہ طیبہ میں قبہ اہل بیت میں مدفون ہے اور جسد مبارک

بالا اتفاق کربلائے معلیٰ میں ہے۔ دمشق میں عجیب اتفاق ہوا؛ جب میں اس گنبد کی زیارت کو گیا تو اس کے پاس جاتے ہی واقعہ شہادت آنکھوں میں پھر گیا اور میں دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ سارے عرب جو حاضر تھے تعجب کرنے لگے اور میرا رونا تھمتا ہی نہ تھا۔ بار بار عربی زبان میں کہتا: ہلے ہماری قسمت کہ آپ کے بعد پیدا ہوئے۔ اگر اس وقت ہوتے جب آپ کربلائے معلیٰ میں گھر گئے تو پہلے ہم آپ سے تصدیق ہو جاتے پھر کوئی ملعون آپ پر ہاتھ ڈالتا۔“ (وحید اللغات مادہ ذرف، حیات وحیدالزمان ص ۱۱۲)

اکثر لوگوں نے سال ہجری کا شروع محرم سے رکھا ہے مگر جب سے امام حسینؑ کی شہادت محرم میں ہوئی تو یہ مہینہ خوشی کا نہیں رہا۔ مترجم کہتا ہے اگر سب مسلمان مل کر سال کا آغاز شوال سے کر لیں تو بہت مناسب ہوگا اور غرہ شوال کا پہلا دن ہو، اس دن خوشی کریں، کھائیں، پینیں۔ محرم کا مہینہ شہادت کی وجہ سے غم کا مہینہ ہو گیا ہے۔ دوسری تو میں سال کے پہلے دن میں خوشی کرتی ہیں اور مسلمان روتے پینتے اور غم کرتے ہیں۔“ (وحید اللغات مادہ عود، حیات وحیدالزمان ص ۱۱۳)

”موصوف نے اپنی کتاب ””حدیث المہدی من تحفہ المہمدی“ میں بنو امیہ کی مذمت کرتے کرتے تمام اہل سنت کو ہی ”ماصبی“ قرار دے دیا کیونکہ وہ ”ماصبیوں“ کے حامی ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

”اس کتاب پر ہمارے زمانے کے مسلمانوں کو بڑا غصہ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ کتاب کل مسائل میں کسی فریق کے موافق نہیں ہے بلکہ ’خدمہ صفا و دع ماسکدر‘ پر عمل کیا ہے۔ نہ اہل حدیث ہمارے زمانے کے اس کو پسند کرتے ہیں نہ مقلدین نہ امامیہ نہ نام کے سنی جو درحقیقت ماصبی ہیں۔۔۔“ (وحید اللغات - مادہ ”رجی“)

اہل تشیع کا دعویٰ بھی یہی ہے کہ سنی ہی ”ماصبی“ ہیں۔

علامہ وحیدالزمان کے مذکورہ نظریات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ کفر قسم کے رافضی تھے محض اہل سنت کو دھوکہ دینے کے لیے نقیبان کی صفوں میں گھسے ہوئے تھے اور ان کے لیے شارح صحاح ستہ اور شارح مؤطا امام مالک و امام محمد کی حیثیت سے کام بھی کیا۔ بعض حضرات نے ان کے مختلف ادوار کے متعلق یہ لکھا ہے کہ وہ پہلے کفر سنی حنفی تھے، پھر حنفیت ترک کر کے غیر مقلد ہو گئے پھر مسلک اہل حدیث کو بھی خیر باد کہہ کر مذہب شیعہ اختیار کر لیا۔

☆☆☆☆☆☆

۱۔ مولانا محمد انور شاہ کاشمیریؒ

المتوفی ۱۳۵۲ھ

عظیم القدر محدث، محقق و مدقق جامع معقول و منقول حضرت علامہ محمد انور شاہ کاشمیری ۲۷ شوال ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء کو وادی کشمیر کے علاقہ ”لولاہ“ کے مقام ”دوان“ میں مولانا معظم شاہ کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ کے آباء واجداد کا اصل وطن بغداد تھا۔ وہاں سے ملتان اور لاہور منتقل ہوئے پھر کشمیر میں سکونت اختیار کر لی۔ آپ نے خود اپنا سلسلہ نسب اپنی کتب ”نبیل الفرقدین، کشف المسر“ کے آخر میں اس طرح تحریر فرمایا ہے:

محمد انور شاہ بن مولانا محمد معظم شاہ بن شاہ عبدالکبیر بن شاہ عبدالخالق بن شاہ محمد اکبر بن شاہ جنید بن اکمل الدین بن میمون شاہ بن ہومان شاہ بن شاہ ہرمز

اس طرح حضرت کا سلسلہ نسب حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کے خاندان سے ملحق ہو جاتا ہے۔ {مقدمہ انوار الباری جلد ۲ ص ۲۳۳} بعض حضرات نے آپ کو ”سباً“ سید لکھا ہے یہ صحیح نہیں ہے البتہ سادات خاندان سے سلسلہ مناکحت رہا ہے۔ اس لئے خانوادہ انوری کے بعض حضرات اپنے نام کے ساتھ ”سید“ لکھتے رہے ہیں۔ معترضین کے جواب میں مولانا انظر شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ:

”مفسرین و محققین علماء نے بعض آیات کے تحت واضح طور پر لکھا ہے کہ شرف نسب حاصل کرنے کے لئے اگر تنسیل سادات سے ہو تو اس کی جانب امتساب کرتے ہوئے خود کو سید کہنا اور لکھنا جائز ہے اس لئے خانوادہ انوری کے بعض افراد اگر خود کو سید لکھتے ہیں یا حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے نام کے ساتھ سید کے ضمیمہ کو حرف غلط قرار نہیں دیا تو یہ کوئی مجرمانہ اقدام نہیں تھا جس کے لئے نصف صدی کے گزرنے پر بعض عاقبت اندیش قلم مزاوی کے لئے پرتول رہے ہیں۔“ (نیش دوام ص ۳۱۔ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان) آپ نے کشمیر اور ہزارہ سمیت مختلف مدارس سے علوم متداولہ کی تحصیل کے بعد دارالعلوم دیوبند سے شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے دورہ حدیث پڑھ کر تکمیل کی۔ بعد ازاں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے سند حدیث کے علاوہ باطنی فیوض سے بھی مستفیض ہوئے اور ”خلافت“ سے نوازے گئے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین علامہ محمد انور شاہ کا شمیری

فراغت کے بعد دہلی، کشمیر، دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ الاسلامیہ ڈابھیل میں تدریسی فرائض سرانجام دیے۔ تدریس کے ساتھ ساتھ مختلف موضوعات پر ایک درجن سے زائد معرکہ الآراء کتب تصنیف فرمائیں۔

بزرگوں کے اصرار پر تیتالیس (۴۳) سال کی عمر میں شادی کی اور سات صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں تولد ہوئیں اور بالآخر ۵۹ سال ۳ ماہ ۵ دن کی عمر میں ۳ صفر ۱۳۵۲ھ / ۲۹ مئی ۱۹۳۳ء کو دیوبند میں وفات پائی۔

آپ کے وصال پر علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ایک ”تقریری نوٹ“ میں فرمایا:

”مرحوم کم سخن لیکن وسیع النظر عالم تھے۔ ان کی مثال اس سمندر کی سی تھی جس کی اوپر کی سطح ساکن لیکن اندر کی سطح موتیوں کی گراں قیمت خزانوں سے معمور ہوتی ہے۔ وہ وسعت نظر، قوت حافظہ اور کثرت حفظ میں اس عہد میں بے مثال تھے۔ علوم حدیث کے حافظ اور کتب شناس، علوم ادب میں بلند پایہ، معقولات میں ماہر، شعر و سخن سے بہرہ مند اور زہد و تقویٰ میں کامل تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنی نوازشوں کی جنت میں ان کا مقام اعلیٰ کرے کہ مرتے دم تک علم و معرفت کے اس شہید نے قال اللہ وقال الرسول کا نعرہ بلند رکھا۔

مرحوم معلومات کے دریا، حافظہ کے بادشاہ اور وسعت علمی کی ماور مثال تھے۔ ان کو زندہ کتب خانہ کہنا بجا ہے۔ شاید ہی کوئی کتاب مطبوعہ ہو یا قلمی ان کے مطالعہ سے بچی ہو۔“ (یا در فنگان کراچی ۱۹۵۵ء ص ۱۶۹-۱۷۰)

دارالعلوم دیوبند سے علیحدگی بھی ”کلمہ حق“ بلند کرنے کی بناء پر عمل میں آئی جب ”مہتمم دارالعلوم مولانا حبیب الرحمن صاحب نے مجلس شوریٰ سے اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے یہ قرار دے منظور کرائی کہ ”مہتمم“ ”خاندان قاسمی“ میں سے ہی ہوگا اور اس پر شرعی دلائل بھی قائم کئے مگر حضرت شاہ صاحب نے اس کے خلاف آواز اٹھائی اور دارالعلوم کی مسجد میں تقریر کرتے ہوئے اس کلمہ ”حق“ کا اعلان فرمایا کہ ”مدرسہ وقف ہے ارٹ نہیں“ اس کلمہ ”حق“ کا حوالہ دیتے ہوئے حضرت شاہ صاحب نے فرمایا تھا کہ اس زمانہ میں کلمہ ”حق“ کہنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ ہم نے صرف ایک کلمہ ”حق“ کہا تھا تو اس کی وجہ سے آج آٹھ سو میل دور (ڈابھیل میں) پھینک دیئے گئے۔“ ملاحظہ ہو: انوار الہادی جلد ۶ ص ۲۱۶، جلد ۲ ص ۴۸۔

صدافسوس ”بنائے دیوبند“ نے حضرت شاہ صاحب کے تبحر علمی کے قائل ہونے کے باوجود آج بھی ان کے موقف کو قبول نہیں کیا تقریباً ہر مدرسہ ”وقف“ کے بجائے ”ارٹ“ میں تبدیل ہو گیا

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین علامہ محمد انور شاہ کاشمیری

ہے اور کوئی فرد یا ادارہ ہتھم حضرات کی ”سپر پاؤز“ سے نگر لینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے علو مرتبت اور عظمت کے اعتراف کے ساتھ ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہاں ان کا ”تغزو اور اس پر تبصرہ ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے کیونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظمت منصوص اور یقینی ہے۔ وہ تو خیر ایک جلیل القدر صحابی ہیں، مسلک اہل سنت کے مطابق یہ جملہ اکابر اولیاء و تابعین کسی دینی صحابی کی خاک پا کے بھی مایہ نہیں ہو سکتے:

امام بخاری اپنی صحیح بخاری میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت و منقبت میں یہ روایات لائے ہیں جن میں یہ بتایا گیا کہ:

أوتر معاوية بعد العشاء بركعة وعند مولی لابن عباس، فاتی ابن عباس، فقال دعه فإنه قد صحب رسول الله صلى الله عليه وسلم..... قبل لابن عباس: هل لك في امير المؤمنين معاوية فإنه ما اوتر الا بواحدة قال: احساب انه فقيه۔

(صحیح بخاری۔ کتاب فضائل اصحاب النبی، باب ذکر معاویہ بن ابی سفیان۔ رقم الحدیث ۳۷۶۵، ۳۷۶۶)

حضرت معاویہؓ نے عشاء کے بعد وتر کی ایک رکعت پڑھی۔ ان کے پاس ابن عباسؓ کا ایک غلام (کریب) بیٹھا تھا۔ وہ حضرت ابن عباسؓ کے پاس آیا (اور ایک رکعت وتر پڑھنے پر اعتراض کیا) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ان کے متعلق کچھ نہ کہو، حضورؐ کی صحبت میں رہ چکے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ کو امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کچھ اعتراض ہے انہوں نے وتر کی ایک رکعت پڑھی ہے؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: انہوں نے ٹھیک اور درست کام کیا کیونکہ وہ فقیہ و مجتہد ہیں۔

حضرت علامہ محمد انور شاہ کاشمیریؒ مذکورہ روایت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

قلت وليس فيه تصويب له بل اغماض ونحو تمامح عنه وعند الطحاوي فقام معاوية فركع ركعة واحدة وقال ابن عباس من اين ترى اخذها الحمار، فان الكلمة شديدة (فيض الباري جلد ۴ ص ۷۰)

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباسؓ کے اس قول ”احساب انه فقیہ“ میں حضرت معاویہؓ کی تائید و تصویب نہیں ہے بلکہ ”چشم پوشی“ اور ”تسامح“ ہے اور طحاوی کے نزدیک یہ روایت یوں ہے کہ حضرت معاویہؓ کھڑے ہوئے تو انہوں نے ایک رکعت وتر نماز پڑھی اور ابن عباسؓ نے کہا: اس ”حمار“ نے ایک رکعت کہاں سے لے لی؟

گویا موصوفہ کے نزدیک صحیح بخاری کی روایت کے مقابلے میں طحاوی کی توہین معاویہؓ پر مبنی مذکورہ روایت زیادہ صحیح اور رائج ہے۔ حالانکہ رکعات وتر میں اختلاف فقہی، فروعی اور اجتہادی ہے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رکعات وتر کی مختلف تعداد بتا ہے۔ اس اختلاف کے باعث کسی کو ”حمار“ کہنے کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے؟ طحاوی کی زیر بحث روایت کے بعد اسی سند سے یہ روایت بھی منقول ہے جس میں ”حمار“ کا لفظ نہیں پایا جاتا۔

حدثنا عمران و ذکر ہاسنۃ مثله الا انہ لم یقل الحمل (طحاوی جلد ۱ ص ۱۹۹ باب الوتر)
کاش حضرت شاہ صاحب صحیح بخاری کی زیر بحث حدیث کی تدلیس کے دوران طحاوی کی اس روایت کا حوالہ دے دیتے جس میں لفظ ”حمار“ منقول نہیں ہے۔

یہ ملحوظ رہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی جس تصویب کو حضرت شاہ صاحب نے ”اغماض و تسامح“ قرار دیا ہے اسے امام طحاوی نے ابن عباسؓ کا ”تقیہ“ کہا ہے۔

وقد یجوز ان یکون قول ابن عباس اصحاب معاویۃ علی التقیۃ لہ ای اصحاب فی شئی اخر لانہ کان فی زمنہ۔ (طحاوی جلد ۱ ص ۱۹۹ باب الوتر)

یعنی حضرت عبداللہ بن عباسؓ چونکہ حضرت معاویہؓ کے دور خلافت میں ان کے ماتحت تھے اس لئے وہ حق بات کے اظہار کی جرأت نہ کر سکے اس لئے انہوں نے بطور تقیہ حضرت معاویہؓ کے ایک رکعت وتر پڑھنے کی تائید و تصویب کی۔ ان کی زبان پر تو ”اصحاب معاویہ“ کے الفاظ تھے لیکن دل میں انہوں نے معاویہؓ کی کسی دوسری بات کی تصویب کا قصد کیا ہوا تھا۔

لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

طحاوی کی اس روایت سے اور حضرت شاہ صاحب کے تردیدی بیان ”قلت لبس فیہ تصویب لہ بل اغماض و نحو تسامح عنہ“ سے حضرت معاویہؓ اور حضرت ابن عباسؓ دونوں کی توہین ظاہر ہوتی ہے۔

مولانا حافظ محمد میاں نالوٹی اس روایت کی سند پر جرح نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:
”ہمارے بزرگوں اور سب خطا کاروں کو اللہ معاف فرمائے۔ تین وتر کے خلاف یہی طحاوی کی کمزور روایت فیض الباری میں نقل کر دی۔ پھر ان کو خود بھی پسند نہیں کہتے ہیں یہ سخت کلمہ ہے“ (ایمانی دستاویز بجواب تحقیقی دستاویز ص ۲۴، مطبوعہ مرکز اتحاد اہل سنت والجماعت پاکستان)

مذکورہ روایت کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے راقم الحروف کی کتاب ”سیدنا معاویہ رضی

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین علامہ محمد انور شاہ کاشمیری

اللہ عنہ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ“ کی طرف مراجعت فرمائیں۔

حضرت کاشمیری نے ایک مسئلہ کی توفیق میں بالکل غیر ضروری طور پر حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو ”مفسد اور فتنہ پرداز“ قرار دے دیا:

”وكان المغيرة من دهاة الحرب حتى قال الحسن البصري: أفسد الناس اثنا عشر المغيرة و عمرو بن العاص“ (فيض الباری - الجزء الثالث ص ۳۸۶) اس پر بحث پیچھے زیر عنوان ”شاہ عبدالحق محدث دہلوی“ گزر چکی ہے۔

حضرت شاہ صاحب فیض الباری میں ہی ایک دوسرے مقام پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قبل از نبوت ایک ”واقعہ“ یوں نقل فرماتے ہیں کہ:

”قد بلغنا أن النبي صلى الله عليه وسلم قد ذكرها يوماً فقال: لقد احدثت للعزى شاة عفران وأنا على دين قومي“ (فيض الباری ص ۴۰۴، جلد ۵ بذیل حدیث ۴۸۵۸ - بحوالہ المجموعة فی الاحادیث الضعيفة ص ۹۶ - مؤلفہ ڈاکٹر مرآج الاسلام حنیف)

ابوالمندر کہتے ہیں: ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عزی دیوی کا ذکر کیا اور فرمایا: کہ میں نے عزی کے نام پر ایک خاکی رنگ کی بکری کی منت کی تھی جب کہ میں اپنی قوم (کفار مکہ) کے دین پر تھا۔

اس روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبوت ماننے سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین مکہ کے دین شرک پر تھے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”عزی“ دیوی کے نام پر ایک بکری مذکر کی تھی۔ اس حدیث کا راوی ”ابوالمندر“ ہے جو ہشام بن محمد بن سائب کلبی کی کنیت ہے۔ یہ مشہور کذاب و دجال محمد بن سائب کلبی کا بیٹا ہے جسے اپنے والد کی خلافت کے علاوہ ایک دوسرے کذاب اور جلع بھنے شیعہ ابو جعت لوط بن یحییٰ سے شرف تلمذ بھی حاصل ہے۔ ائمہ رجال کے نزدیک یہ خود بھی کذاب اور خبیث رافضی تھا۔

یہ روایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کے منافی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے بھی شرک اور غیر و کبیرہ گناہوں سے پاک تھے۔ معلوم نہیں کہ یہ لغو، باطل اور خلاف واقع نیز ایک کذاب اور خبیث رافضی سے مروی روایت ”فیض الباری“ میں کس مقصد کی خاطر شامل کی گئی ہے؟ یہ ملحوظ رہے کہ فیض الباری میں اس روایت پر کوئی حرج و نقد نہیں ہے۔ حالانکہ صحیح بخاری میں اس مقام یا اس سے آگے پیچھے بھی اس قسم کا دو رک رک کوئی اشارہ بھی نہیں پایا جاتا بلکہ حدیث ۴۸۶۰ کے تحت تو یہاں تک فرمایا

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

علامہ محمد انور شاہ کا شمیری

گیا ہے کہ اگر کسی نے ”ولات والہوی“ تظہیراً کہا تو تجدید ایمان کرنی پڑے گی اور اگر ویسے ہی لاعلمی میں زبان سے یہ الفاظ نکل گئے تو بھی چونکہ بت کا نام لیا ہے جس سے قلب میں کچھ خلعت ضرور آئے گی اس لئے اس کے زالہ کی خاطر کلمہ حیدر پڑھنا چاہئے۔ ملاحظہ ہو کشف الباری، کتاب التفسیر ص ۶۳۸۔

امام بخاری نے ”کتاب الصلوٰۃ باب القراءة فی المغرب“ میں حضرت مروانؓ سے ایک حدیث بیان کی ہے کہ:

”کیا بات ہے کہ تم مغرب کی نماز میں چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھتے ہو حالانکہ میں نے نبی کریمؐ کو وہ بڑی سورتوں سے بھی بڑی سورتیں پڑھتے ہوئے سنا ہے۔“

اس حدیث کے نفس مضمون اور متن میں ”بظاہر“ کوئی خرابی نظر نہیں آتی لیکن حضرت شاہ صاحب حدیث کی سند میں حضرت مروانؓ کا نام دیکھ کر فرماتے ہیں کہ:

”امام بخاری کی حدیث الباب میں مروان سے روایت ہے اور مجھے یہ بات اوپر ہی معلوم ہو رہی ہے کیونکہ مروان فتنہ پرداز، خون ریز یوں کا باعث اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کا سبب بنا ہے۔ اس کی غرض ہر جگہ میں یہ ہوتی تھی کہ بڑوں میں سے کوئی نہ رہے تاکہ خود صاحب حکومت بنے۔

جنگ جمل کے واقعہ میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ کون ہے جو حرم نبیؐ پر دست درازی کرتا ہے؟ پھر کوئی آیا اور اونٹ کے تلواریں جس سے غماری گرنے لگی اور حضرت علیؓ نے دیکھ کر فوراً پہنچ کر حضرت عائشہؓ کو گرنے سے بچایا اور جنگ ختم ہو گئی اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ حدیث نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سن کر مدینہ طیبہ کو لوٹ گئے۔ مروان نے پیچھے سے جا کر حضرت طلحہؓ کو تیر مارا اور زخمی کر دیا جس سے وہ شہید ہوئے۔ مروان کا مقصد یہ تھا کہ حضرت علیؓ سے جنگ جاری رہے اور کوئی میدان سے نہ جائے۔

غرض مروان کے اندر حکومت کی طبع اور فتنہ پردازی اس قدر تھی کہ لٹکانہ نہیں ہے۔ اسی نے حضرت محمد بن ابی بکرؓ کے لیے بجائے ”فاقبلوہ“ کے ”فاقفلوہ“ لکھ دیا تھا...

(مولانا عبداللہ خان صاحب کرتپوری تلمیذ رشید حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ) اس زمانہ میں مسجد نبویؐ کا خطیب مروان تھا جو سلطنت ماریضہ بنی امیہ کی جانب سے واپس مدینہ تھا۔ مروان حکومت متسلطہ (خلافت معاویہؓ) کا ایک رکن ہونے کے علاوہ خود بھی بڑا ظالم و جاہل تھا۔ صحابہ کرامؓ کے ساتھ ان بد بخت حکام کا طرز عمل بے حد گستاخانہ تھا حتیٰ کہ خطبوں میں دلائل و کلمات کہنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے اور اپنے امراء کی قصیدہ خوانی کرتے

تھے۔ اس لیے علماء کرام ان لوگوں کے خطبے سنا بھی پسند نہ کرتے تھے اور غالباً حضرت ابو سعید خدریؓ نے مروان کا خطبہ سننے کی نسبت سے یہی بہتر سمجھا ہوگا کہ کچھ نمازی پڑھ لیں۔“ (انوار الباری جلد ۱۶ ص ۳۳۷-۳۳۸۔ مطبوعہ دارہ ایلغات اشرفیہ ملتان)

حضرت مروانؓ کے بارے میں حضرت کا شمیریؒ کا یہ نظریہ جناب سید مودودی صاحب کے وکیل صفائیؒ چوہدری محمد اسلم صاحب نے بھی فیض الباری جلد دوم کے حوالے سے نقل کیا ہے:

”محمد بن ابی بکر کو خسر کا والی مقرر کر کے (حضرت عثمانؓ نے مروان کو جوان کا کاتب تھا حکم دیا کہ وہ یہ لکھے ”اذا جاء کم محملین ابی بکر فاقبلوه“ جب محمد بن ابی بکر تمہارے پاس آئیں تو انہیں قبول کرلو۔

مروان نے ”فاقبلوه“ کے بجائے ”فاقتلوه“ (ان کو قتل کر دو) لکھ دیا.... اس پر یہ نکتہ بھڑک اٹھے۔“ (خلافت و ملوکیت اور علمائے اہل سنت ص ۸۵)

ان عبارات میں حضرت شاہ صاحبؒ نے حضرت مروانؓ پر وہی الزامات دہرائے ہیں جو سبائیوں نے حضرت عثمانؓ کی زندگی میں عائد کیے تھے۔ ”فاقبلوه“ کو ”فاقتلوه“ بنانے والے بھی سبائی فتنہ پر داز اور مفسدین ہی تھے۔ جس کی صفائی اسی موقع پر پیش کر دی گئی تھی۔

نکتہ حیرت ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ جیسی علمی شخصیت نے حضرت مروانؓ کے بارے میں سبائیوں کی وضع کردہ روایات کو صحیح سمجھ کر کیسے نقل کر دیا!!

اگر موصوف خط میں ”فاقبلوه/فاقتلوه“ کے الفاظ پر ہی ادنیٰ تا مل فرمائیے تو کم از کم حضرت مروانؓ پر اس قسم کے الزامات سے تو بچ جاتے۔ کیونکہ کورز کی تقرری کا معاملہ کوئی پہلی مرتبہ تو عمل میں نہیں آ رہا تھا بلکہ اس سے پہلے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور خود حضرت عثمانؓ کے عہد میں بھی حسب ضرورت عمل میں آتا رہا۔ کیا کسی ایک کورز کی تقرری کے موقع پر بھی ”فاقبلوه“ کے لفظ سے رعایا کو حکم دیا گیا تھا؟

امام ابن کثیر جلی خطوط کے سلسلے میں فرماتے ہیں کہ:

”صحابہؓ کے نام سے بہت سے فرضی خطوط لکھے گئے، جس طرح باغیوں نے اپنے ساتھ ملنے والے سادہ لوح لوگوں کو مضمتین کرنے کے لیے ان کی طرف علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ کے نام سے من کھڑے خطوط لکھے جن کا مذکورہ حضرات نے بعد میں انکار کیا۔ اسی طرح یہ خط بھی حضرت عثمانؓ کے نام سے گھڑا گیا درآں حاکمہ عثمانؓ نے نہ اس کا حکم دیا، نہ انہیں اس کا کوئی علم تھا۔“ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۷۵)

ابن خلدون کے مطابق حضرت عثمانؓ اور حضرت مروانؓ دونوں نے حلف اٹھا کر خط کے

سید معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

علامہ محمد انور شاہ کاشمیری

لکھنے سے انکار کیا تھا۔ (ملاحظہ ہو مقدمہ ابن خلدون، فصل ولایت العہد ص ۳۸۱-۳۸۲)

اسی طرح حضرت شاہ صاحب کا حضرت مروانؓ کو پورے یقین کے ساتھ حضرت علیؓ کا قاتل قرار دینا بھی کچھ کم افسوس ناک نہیں ہے۔ پھر حرم نبیؐ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ پر ”دوست درازی“ کی نسبت انتہائی لغو اور خلاف حقیقت ہے۔

انوار الباری میں حضرت مروانؓ امیر مدینہ منورہ اور خطیب مسجد نبویؐ کو ”بد بخت، جاہ پرست، اقتدار پرست، قاتل، ظالم، جاہل اور خطبات جمعہ میں (حضرت علیؓ کے خلاف) دل آزار کلمات کہنے والا“ قرار دینے کے علاوہ انہیں حکومت متسلطہ (یعنی خلافت معاویہؓ) کا رکن کہا گیا ہے۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مروانؓ ۴ھ میں پیدا ہوئے جس کی وجہ سے امام ابن کثیر نے انہیں صحابی کہا ہے:

”وہو صحابی عند طائفة کثیر لانه ولد فی حیات النبیؐ“ (البداية والنهاية جلد ۸- ص ۲۵۷)

امام ابن تیمیہ نے انہیں ”من اقران ابن الریحہ“ یعنی ابن زبیرؓ کے طبقے میں سے شمار کیا ہے۔

حضرت مروانؓ نے اکابر صحابہ کرامؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عبدالرحمن بن الاسود سے احادیث روایت کی ہیں اور خود ان سے صحابی رسولؐ عمل بن سعد الساعدی اور تابعین کرام علی بن حسینؓ، عروہ بن زبیر، سعید بن مسیب اور مجاہد وغیرہم نے روایت کی ہے؛ ملاحظہ ہو: کتاب البحر والنعوذ لابی ابی حاتم رازی، تہذیب التہذیب، الاصابہ۔

امام مالک نے حضرت مروانؓ سے اپنی کتاب المؤطا میں بعض شرعی مسائل باسند نقل کیے ہیں اور ان پر مکمل اعتماد کیا ہے۔

اسی طرح امام محمد بن حسن شیبانیؒ نے بھی حضرت مروانؓ سے متعدد دینی مسائل نقل کیے ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ نے ایک مستقل عنوان قائم کر کے اس میں مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم کی مرویات کو ملا کر درج کیا ہے۔

انوار الباری میں حضرت مروانؓ کو ”جس سلطنت ما مرضیہ اور حکومت متسلطہ“ یعنی خلافت معاویہؓ کا ولی قرار دیا گیا ہے اسی ”سلطنت متسلطہ اور ما مرضیہ“ کے ”ما جدار“ حضرت معاویہؓ نے انہیں ان القاب سے نوازا ہے:

”ما القاری لکتاب اللہ، الفقیہ فی دین اللہ، الشدید فی حدود اللہ“

(البداية والنهاية لابن کثیر جلد ۸- ص ۲۵۷)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

علامہ محمد انور شاہ کاشمیری

حضرت مروان بن الحارث کے قاری، دین کے فقیہ اور اللہ کی حدود قائم کرنے میں بڑے سخت ہیں۔

حافظ ابن حجر آل مؤصوف کا وثن اور علمی مقام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:
”وكان يعد في الفقهاء... یعنی حضرت مروان اپنے دور میں فقہاء میں شمار کیے جاتے تھے۔
امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ:

”أخرج من أهل الصحاح عدة أحاديث عن مروان وله قول مع أهل الفتناء“
(منهاج السنة جلد ۲ ص ۱۸۹)

یعنی صحاح کے جامعین نے متعدد احادیث مروان سے تخریج کی ہیں اور اہل فتاویٰ میں ان کا قول لیا جاتا ہے۔

قاضی ابوبکر ابن العربی لکھتے ہیں کہ:

”مروان رجل عدل من كبار الأئمة عند الصحابة والتابعين وفقهاء المسلمين“
(العواصم من القواصم ص ۸۹)

مروان ایک عادل انسان تھے اور صحابہ، تابعین اور فقہاء مسلمین کے نزدیک امت کے اکابرین میں سے تھے۔

سخت تعجب ہے کہ ایسی عظیم وثن شخصیت کو مذکورہ القاب سے نوازا گیا ہے اور اس تسلسل میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی نہیں بخشا گیا۔ ”سلطنت نامرضیہ بنی امیہ اور سلطنت متسلطہ“ کے الفاظ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کی خلافت مراد ہے کیونکہ حضرت مروان کو انہوں نے ہی مدینہ منورہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔

حضرت مروان نے مسجد نبوی میں خطبہ جمعہ کے دوران حضرت علیؓ کی شان میں آزار کلمات کس کے دور میں کہے تھے؟ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سب سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی نے حضرت مروان کو مدینہ منورہ کا والی مقرر فرمایا تھا۔

صدائے فوس! حضرت معاویہ اور حضرت مروان رضی اللہ عنہما کے خلاف اس ”فرد جرم“ کو صحیح بخاری کی مستند شروح ”فیض الباری“ و ”انوار الباری“ میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا گیا۔ اس موضوع پر مزید تفصیل کے خواہش مند حضرات راقم الحروف کی کتاب ”سیدنا مروانؓ“ شخصیت اور کردار کی طرف مراجعت فرمائیں۔

۱۸۔ ابو حنیفہ ثانی مفتی کفایت اللہ دہلویؒ

(م ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۲ء)

صدر جمعیت علماء ہند، ابو حنیفہ ثانی مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلویؒ صغیر کی ایک نامور علمی شخصیت ہیں، ان کی دینی و ملی خدمات کا ایک زمانہ معترف ہے جن کا مقصد حیات ہی مسلمانوں کو فرتی باطلہ سے بچانا تھا۔

حضرت تھانویؒ کا یہ قول بھی بجا ہے کہ ابو حنیفہ ثانی مفتی محمد کفایت اللہ صاحب کی تحریروں کا ایک ایک لفظ موزوں اور مناسب ہوتا ہے اور قید احترازی کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔ اس لیے مجھے ان کی کسی تحریر میں کتر ویونت کی گنجائش معلوم نہیں ہوتی۔

حضرت مفتی صاحب کی تحریرات پر مشتمل ایک اہم کتاب ”کفایت المفتی“ ہے۔ یہ کتاب کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے بلکہ سائلین اور مستفتی حضرات کے سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے۔ دارالعلوم جامعہ فاروقیہ کراچی کے شعبہ تخصص فی الفقہ الاسلامی کے اساتذہ اور مخصصین کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ جنہوں نے نہ صرف اس کی تخریج کی ہے بلکہ ہر مسئلے کا عنوان بھی قائم کیا ہے۔ لیکن اس تمام تر محنت و جانفشانی کے باوجود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید کے ہاتھ پر ولی عہدی کی بیعت کرنے والے جملہ صحابہ و تابعین کے بارے میں مفتی صاحب سے حسب ذیل ایک غیر موزوں اور نامناسب بلکہ خلاف واقع فتویٰ صادر ہو گیا:

(سوال نمبر ۲) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نسبت غصب خلافت کا الزام نیز یزید کو آپ کا ولی عہد سلطنت باوجود اس کے فسق و فجور کے بنانا جس کو بعض سنی بھی کہتے ہیں کس حد تک صحیح و درست ہے؟

جواب۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسنؓ سے صلح کر لی تھی اور اس کے بعد وہ جائز طور پر خلافت کے حامل تھے۔ انہوں نے یزید کے لیے بیعت لینے میں غلطی کی کیونکہ یزید سے بہتر اور اولیٰ و افضل افراد موجود تھے۔ لیکن اس غلطی کے باوجود یزید کے اعمال و افعال کی ذمہ داری ان پر عائد نہ ہوگی۔ کیونکہ اسلام اور قرآن پاک کا اصول ہے ”لا تسزر وازدۃ وذر اخری“ اس

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین مفتی کفایت اللہ دہلوی

لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی اور دشمنی نہیں کرنی چاہیے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ۔ دہلی

(کفایت المفتی جلد اول ص ۲۳۸۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی۔ جولائی ۲۰۰۱ء)

یہ کسی عالم کا عام قول نہیں ہے بلکہ ابوحنیفہ ثانی اور مفتی اعظم کا انتہائی غور و خوض کے بعد باقاعدہ تحریری صورت میں ایک فتویٰ (جسے شرعی حکم کا درجہ حاصل ہے) کی حیثیت سے سامنے آیا ہے۔ جس سے ایک قاری کے لیے صحابہ کرامؓ بالخصوص حضرت معاویہؓ کے بارے میں مطلوبہ ”حسن ظن“ قائم رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کیا چودہ صدیاں بیت جانے کے بعد کسی بھی شخص کو خواہ وہ کتنا ہی بڑا عالم کیوں نہ ہو، یہ حق حاصل ہے کہ وہ صحابہؓ کے فعل کی صریح اور یقینی طور پر ”تعلیظ“ کرے۔

یہ ملحوظ رہے کہ حضرت مفتی صاحب نے اپنے فتوے (شرعی حکم) میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جس فعل کو ”غلطی“ سے تعبیر فرمایا ہے اس فعل کی تو صحابہ و تابعین کی غالب ترین اکثریت نے اپنے زمانے کے حالات کے پیش نظر توثیق و تصویب ہی نہیں کی تھی بلکہ عملی طور پر پہلے ولی عہدی اور پھر خلافت کی بھی باقاعدہ بیعت کر لی تھی۔

سوال یہ ہے کہ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت لینے میں ”غلطی“ کی تھی تو پھر جن صحابہ و تابعین نے بلا خوف و طمع اور بہ رضا و رغبت یزید کی بیعت کی تھی تو کیا وہ حضرات اس فتویٰ کی زد میں نہیں آئیں گے؟

کیا ان سب ”مباہنین“ نے جانتے بوجھے ایک ”غلط“ کام پر اتفاق کر لیا تھا؟

حضرت مفتی صاحب نے اپنے اس فتوے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جس فعل کی تعلیظ کی ہے یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ شریعت میں ’ولی عہدی‘ بھی ایک جائز امر ہے۔ پھر موصوف نے اس ”تعلیظ“ پر جس دلیل سے استدلال فرمایا ہے (کہ اولیٰ اور افضل افراد کی موجودگی میں غیر اولیٰ اور غیر افضل کو مقرر کرنا) وہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ شریعت میں ’مغضول‘ کی امامت و خلافت بھی جائز ہے۔ پھر معلوم نہیں کہ حضرت مفتی صاحب نے ایک جائز فعل کو ناجائز اور غلطی کیونکر قرار دے دیا؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی رسول اور کاتب وحی ہیں۔ انہوں نے امت کی خیر خواہی، دور فتن کے مخصوص حالات اور مسلمانوں میں آئندہ اختلاف و خلفشار سے بچنے

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

مفتی کفایت اللہ دہلوی

کے لیے اس وقت کے اہل حل و عقد کی رائے اور مشاورت کے ساتھ نیک نیتی سے یہ کام سرانجام دیا تھا جسے کسی طور پر بھی خلاف اسلام اور شریعت کے متصادم قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ اسلام میں تقرر خلیفہ کی چار شرعی صورتوں میں سے دوسری صورت یہ ہے کہ ”خلیفہ سابق کسی کو اپنے بعد متعین و نامزد کر دے اور اس کے جواز پر اہل السنۃ والجماعت کا اتفاق ہے۔“

”طریقہ الثانی نصّ الامام السابق و هذا باجماع اهل السنة“

(العبر اس شرح لشرح العقائد ص ۵۳۷)

قاضی ابوبعلی محمد بن حسین الفراء لکھتے ہیں:

”خلیفہ کے لیے یہ بالکل جائز ہے کہ وہ اپنے بعد کسی شخص کو اپنا ولی عہد بنائے۔ اس معاملہ میں اہل حل و عقد کی موجودگی ضروری نہیں اس لیے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو اپنا ولی عہد بنایا تھا اور حضرت عمرؓ نے چچھے صحابہ کو نامزد کیا تھا اور یہ نامزدگی کرتے وقت ارباب حل و عقد کی موجودگی کو ضروری نہیں سمجھا۔ (الاحکام السلطانیہ ص ۹۔ تحت فصول فی الامامۃ)

امام ابن حزم لکھتے ہیں:

”پس ہمارے نزدیک امامت اور خلافت کا انعقاد کوئی صورتوں سے صحیح ہو سکتا ہے ان میں سے پہلی اور سب سے افضل صحیح صورت یہ ہے کہ مرنے والا خلیفہ اپنی مرضی سے کسی کو اپنی موت کے بعد خلیفہ مقرر کر جائے۔ اس نامزدگی میں یہ ہدایت ہے کہ وہ اپنی حالت صحت میں اس کو نامزد کرے یا اپنی بیماری میں اور یا اس دنیا سے رحلت کے وقت۔ کیونکہ نص اور اجماع کے لحاظ سے یہ کسی صورت میں بھی ناجائز و منہج نہیں ہے۔“ (الفصل فی الملل والنحل ص ۱۶۹۔ جلد ۲)

علامہ عبدالرحمن ابن خلدون لکھتے ہیں:

”امام کی حقیقت یہی ہے کہ وہ قوم کے دینی و دنیوی مصالح پیش نظر رکھتا ہے لہذا امام قوم کا یہی خواہ، شخص، ہمدرد اور محافظ ہوتا ہے۔ شریعت مطہرہ میں اجماع سے ولی عہد کی جواز و انعقاد ثابت ہے۔ اس سلسلے میں امام پر بدگمانی روا نہیں اگرچہ وہ اپنے باپ یا بیٹے کی ولی عہد بنا جائے۔“

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہی حسن ظن رکھنا چاہیے کیونکہ آپ کی عدالت اور صبیح رسالت کا یہی تقاضا ہے اور پھر بڑے بڑے صحابہ کا اجماع اور ان کی خاموشی اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ اس سلسلے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بدگمانی سے بری ہیں کیونکہ صحابہؓ کی یہ شان نہ تھی کہ وہ حق سے چشم پوشی فرمائیں اور مروت سے کسی کے ساتھ نرمی نہ کریں اور نہ ہی حضرت

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

مفتی کفایت اللہ دہلوی

معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ شان تھی کہ وہ اقتدار شاہی کے سامنے حق ماننے سے انکار کر دیں۔ تمام صحابہ کی شان بلند و ممتاز ہے اور ان کی عدالت ان کے ساتھ اس قسم کی بدگمانیوں سے مانع ہے۔“ (مقدمہ ابن خلدون اردو۔ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی ص ۲۶، ۲۸۔ جلد ۲)

جہاں تک اختلاف یزید کا تعلق ہے تو وہ باقاعدہ و باضابطہ طور پر اہل حق، اہل عدل، اہل رائے، اہل حل و عقد اور تمام صوبوں کے نمائندوں کے مشورے اور کامل استصواب عامہ کے بعد عمل میں آیا جب کہ اس کے جواز کے لیے خلیفہ کا محض ایک اعلان یا صرف دمشق کے اہل حل و عقد کا مشورہ ہی کافی تھا۔ جہاں تک حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی کے اس استدلال کا تعلق ہے کہ:

”یزید سے بہتر اور اولیٰ و افضل افراد موجود تھے“ یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ خلیفہ کے لیے اپنے زمانہ میں سب سے افضل ہونا شرعاً و عملاً کسی حیثیت سے بھی ضروری نہیں۔ خود حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا تھا: ”اگر معاویہ بن جبلی غیری وفات تک زندہ رہے تو اپنے بعد ان ہی کو خلیفہ بناؤں گا۔“ مسند احمدی میں حضرت عمرؓ کا یہ قول بھی منقول ہے کہ:

اگر سالم مولیٰ حذیفہؓ زندہ ہوتے تو امور خلافت ان کے سپرد کر دیتا۔

حالانکہ اس وقت ان سے بدرجہا افضل لوگ موجود تھے اسی طرح حضرت حسنؓ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی ان سے افضل لوگ بقید حیات تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی متعدد مواقع پر افضل افراد کی موجودگی میں مفضل کو مارت کے فرائض سوئے۔ اسی طرح خلفائے راشدین نے بھی افضل افراد پر غیر افضل افراد کو ترجیح دی۔

بلکہ اللہ تعالیٰ نے بھی افضل (یعنی نبی) کی موجودگی میں غیر افضل (طالوت) کو باو شاہ مقرر کر دیا تھا تو قال لہم نبیہم ان اللہ قد بعث لکم طالوت ملکاً“ (البقرة آیت ۲۴۷)

اس تفصیل سے واضح ہو گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ فعل حد جواز میں داخل تھا اور انہوں نے اہل حل و عقد کے ساتھ مشاورت کے بعد اس کام کو سرانجام دیا تھا جسے کسی طور بھی ”غلطی“ قرار نہیں دیا جاسکتا۔

امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی اس سوال کہ:

”حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے روئے و یزید پلید کو ولی عہد کیا ہے یا نہیں؟

کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

”حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو خلیفہ کیا تھا اس وقت یزید اچھی صلاحیت

میں تھا“ (تالیفات رشیدیہ، فتاویٰ رشیدیہ ص ۲۴۲۔ مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور۔ کراچی) تعجب ہے کہ جو حضرات نہ اس دور میں موجود تھے اور نہ ہی انہیں اس معاملے میں رائے (ووٹ) دینے کا کوئی حق حاصل تھا وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فعل کی ”تغلیط“ فرما رہے ہیں۔

جامعہ فاروقیہ کراچی کے اساتذہ اور متخصصین کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ مفتی صاحب کے فتوے کے اس حصے (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت لینے میں غلطی کی) کی تخریج کرتے لیکن انہوں نے کوئی ”دلیل“ نہ پا کر خاموشی ہی میں مصلحت سمجھی البتہ فتوے کے آخری حصے (اس لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی اور دشمنی نہیں کرنی چاہیے) کی تخریج کر کے قارئین کی رہنمائی کر دی۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

”تلفظه عليه السلام: اكرموا اصحابي فانهم خيلكم... وفي العقيدة الطحاوية: ومن احسن القول في اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم... فقد برى من النفاق۔“

لیکن سوال یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے شرعی طور پر ایک جائز، درست اور صحیح عمل (جس کی اس وقت موجود صحابہ و تابعین کی غالب ترین اکثریت نے تائید کی تھی) کو ”غلط“ قرار دینا کیا مذکورہ تخریج کے تقاضے پر پورا اترتا ہے؟

کیا صحابہ کی ”تغلیط“ اکرام صحابہ ہے؟ کیا صحابہ کی ”تغلیط“ کو بھی ”حسن القول فی اصحاب“ میں شمار کیا جاسکتا ہے؟ اسلام نے تو عام مسلمانوں کے ساتھ ”حسن ظن“ کا حکم دیا ہے تو پھر کیا صحابہ کرامؓ کے ساتھ ”حسن ظن“ کا یہ تقاضا نہیں تھا کہ ان کے فعل کی تغلیط نہ کی جاتی؟

اس سے تو یہ ثابت ہو رہا ہے کہ جامعہ فاروقیہ کے اساتذہ اور متخصصین نے بھی حضرت مفتی صاحب کے ”تغلیطی“ قول کی ”تغلیط“ نہ کر کے گویا ان کے ”فتویٰ“ کی تصدیق و تائید کر دی۔ اس طرح حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی کے ساتھ ”کفایت المفتی“ کے جامعین و مرتبین اور دیگر تصدیق کنندگان بھی صحابہ کرامؓ کے ساتھ ”سوء ظن“ کے جرم میں براہ کے شریک ہو گئے۔



۱۹۔ پیرسید عبدالقاضی شاہ محدث ہزاروی

(م ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۳ء)

یہ سید محمود شاہ صاحب محدث ہزاروی کے بڑے بھائی ہیں اور ان سے پہلے خانقاہ محبوب آباد شریف کے سجادہ نشین رہے ہیں۔ سید محمود شاہ صاحب ان کے ”وصال“ کے متعلق لکھتے ہیں: ”امام اہل سنت حضرت قبلہ عالم پیرسید عبدالقاضی شاہ صاحب محدث ہزاروی شہیدی سنی حنفی محبوب آبادی“

”وصال شریف“

شاہ عبدالقاضی عالی تبار ذی شرف، ذی علم و فخر روزگار اہل سنت والجماعت را امام داشتہ اہل عقیدت بے شمار مرشد کامل، محدث، عارف باللہ ولی بے بہا تصنیف از وئے یادگار نمہ محرم روز دوشنبہ بوقت قرب چاشت درجناں شد زاہد شب زندہ دار یکبرار و سہ صد و ہفتاد و دو سال ہجری شد رقم با حال زار مزار اقدس خانقاہ شریف محبوب آباد متصل حویلیاں اسٹیشن ضلع ہزارہ ہے۔ آخری طعام دودھ، آخری کلام الحمد للہ اور ذکر اللہ کرتے خاتمہ حیات جسمانی فرما کر واصل باللہ ہوئے۔ پرواز روح مبارک کی جگہ مزار اقدس ہے۔ یوم ولادت و وفات دوشنبہ ہے۔ رضی اللہ عنہ و عنابہ آمین (مقام المعنۃ لقمع الامثالہ۔ در آخر فہرست مضامین)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں محمود شاہ صاحب کے عقائد و نظریات آگے مستقل عنوان کے تحت آ رہے ہیں۔ اس تیز آئی خاندان کے ہر چھوٹے بڑے فرد کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں عقیدہ یکساں ہے۔

عبدالقاضی شاہ صاحب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

”میں کہتا ہوں اگر سچ پوچھو تو اس زمانہ کی مثال ایسی تھی جیسے حضرت حسن حسین علیہما السلام مظلومین کی کہ اس وقت صحابہ کرام بھی موجود تھے۔ لیکن بے دست و پا ہونے کی حیثیت رکھتے

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین پیر سید عبدالقاضی شاہ محدث ہزاروی

اور کچھ نہ کر سکتے تھے۔ دیکھو جب امیر معاویہ نے مولائے کائنات علی المرتضیٰ پر لعنت کرنا اور آل علی پر لعنت کرنا جبری صورت میں شروع کر دیا اور ستر ہزار اور دس منبروں پر بے خوف خدا اور رسول، اہل بیت پر لعنت کی جاتی تھی اور اکثر صحابی موجود تھے مگر کچھ نہیں کر سکتے تھے اور جو کوئی اس پر انکار کرتا اس کی گردن اڑا دی جاتی تھی۔

اور مدینۃ الرسولؐ میں منبر رسولؐ پر مسجد نبوی میں ہر جمعہ کے خطبہ میں لعنت اور گالیاں اہل بیت رسولؐ پر برسائی جاتی تھیں۔ کیا اس چیز کو سند جواز بنایا جاسکتا ہے کہ معاویہ اور اس کے مانجوں نے آل محمد پر لعنت کی اور صحابہ خاموش رہے؟

غرض ایسے اعمال و افعال سند نبوی کے مکران ہی جیسوں کے لیے، باقی مسلمانوں کے لیے سند جواز ہرگز نہیں ہو سکتے....

ان کے مروان نے مدینۃ الرسولؐ میں منبر رسولؐ پر بیٹھ کر مسجد نبوی میں حسینؑ بنائے رسولؐ کو گالیاں دی تھیں اور آل رسولؐ پر ہمیشہ اپنی جبروتی قوت سے بھگم امیر معاویہ لعنت کیا کرتے تھے....

ان کے بیٹے باپ یزید نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کو پیغام نکاح بھیجا تھا اور اس وقت ان کے بیٹے دادا امیر المومنین معاویہ صاحب بدستخت حکومت متمکن تھے جب کہ اہل اسلام نے اس حرم رسولؐ کی بے حرمتی کی خبر سنی تو بھڑک اٹھے۔ جن کی تڑپ کو امیر معاویہ کی حکمت عملی نے فرو کیا۔“ (الانظار لا کرام العارض ص ۵۲، ۹۵)

موصوف اسی کتاب میں ابولہب کی بیوی کا ذکر اس انداز سے کرتے ہیں جس سے (العیاذ باللہ) حضرت معاویہ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہما کا دشمن رسولؐ ہونا ثابت ہوتا ہے:

”جو سید عالمؐ اور ان کی آل اصحاب کی عداوت میں پھانسی لگی۔ جو امیہ کی پوتی، حرب کی بیٹی اور ابوسفیان کی بہن، امیر معاویہ صاحب کی عہدہ تھی۔ یہ یزید ابوزرگ کنبہ تھا، نبی اور ان کے اصحاب و اولاد کی عداوت میں زندہ رہا اور اسی پر مرا۔“ (حوالہ مذکور ص ۹۲)

☆☆☆☆☆☆

۲۰۔ شمس العلماء خواجہ حسن نظامی دہلوی

(۱۹۵۳ء تا ۱۳۷۲ھ)

پیر سید نصیر الدین نصیر گیلانی کولڑوی زیر عنوان ”خواجہ حسن نظامی کی شگفتہ بیانی“ لکھتے ہیں:
اسی رنگ کا ایک اور علمی لطیفہ ملاحظہ ہو، جس کا ذکر حکیم فیض عالم صدیقی نے اپنی کتاب
میں کیا۔

خواجہ حسن نظامی مرحوم جو حضرت نظام الدین اولیاء کے خواہر زادوں اور مجاورین میں سے
تھے اور یہ صغیر کی معروف علمی اور ادبی شخصیت ہونے کے ساتھ حضرت اعلیٰ سید پیر مہر علی شاہ قدس
سرہ سے بیعت تھے۔ حکیم صاحب ان کے بارے میں لکھتے ہیں:
ان کے متعلق غالباً مولانا غفر علی خان مرحوم کا اس قسم کا ایک شعر ہے:

سید بھی ہیں، فقیر بھی ہیں اور بنگ بھی اور خواجہ جانتے ہیں صحافت کا ڈھنگ بھی
حسن نظامی بریلویوں کے بہت بڑے پیر ہوئے ہیں۔ ان کی مشہور تصنیف ”فاطمی دعوت
اسلام“ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا حنفیت کے ساتھ اسی قدر تعلق تھا جس قدر پیری
کا ڈھنگ رچانے کے لیے کافی ہو سکتا تھا۔ آپ حنفیت اور شیعیت کا مجموعہ مرکب تھے اور آپ
نے پوری طرح باطنیت کی تکنیک سے کام لے کر کوچہ گردی سے ترقی کرتے کرتے بہت بڑے
پیر کا روپ دھارا اور لاکھوں میں کیلیے ہوئے راہی ملک عدم ہوئے۔

نورایمان میں لکھا ہے کہ حسن نظامی سے ایک بار کسی نے پوچھا:

”معاویہ کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ تو اس نے جواب دیا:

”وہ تو یزید کا بھی باپ تھا“

اس فقرہ سے جو بغض باطن چمکتا ہے اسے اہل نظر ہی سمجھ سکتے ہیں۔

(اختلاف امت کا المیہ تیسرا ایڈیشن ص ۳۲۱۔ مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان)

پیر نصیر الدین صاحب، خواجہ حسن نظامی کے بغض معاویہ رضی اللہ عنہ پر چنی اس قول پر تبصرہ
کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”حکیم صاحب کو دراصل خولجہ حسن نظامی کے اس پہلو دار فقرے نے کاٹ کھایا اس لیے وہ خولجہ صاحب کی پیری فقیری اور ان کی ذاتیات کے تبصرہ پر اتر آئے۔ حالانکہ خولجہ صاحب مرحوم کے اس فقرہ پر اگر غور کیا جائے تو اس میں ایک شاعرانہ بات پائی جاتی ہے جو ان کی ذہانت و فطانت کی غمازی کرتی ہے۔ اس میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ جناب امیر معاویہؓ یزید کے باپ تھے۔

حکیم فیض عالم اور ان کے ہم خیال تو یزید کو ایک باخدا اور متقی انسان ثابت کرتے ہیں۔ اگر خارجیوں کے نزدیک یزید واقعی ایک پاکباز انسان تھا تو خولجہ حسن نظامی کے اس فقرے سے جل کر راکھ کیوں ہو گئے؟

خولجہ صاحب نے یہی تو کہا تھا کہ جناب ”امیر معاویہؓ تو یزید کے بھی باپ ہیں“، یعنی حکیم صاحب کے نظریے کے مطابق تو یہ نسبت تو جناب امیر معاویہؓ کے لیے باعث افتخار ہے کہ وہ اپنے پاک نبادولی عہد کے والد ہونے کے شرف سے مشرف ہیں۔

اگر کوئی یہ پوچھے کہ حضرت علیؓ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ تو یہ کہا جائے کہ بھائی ان کے بارے میں کیا پوچھتے ہو؟ وہ تو ”حسنؓ و حسینؓ کے بھی باپ تھے۔“ تو اس میں ہمارے لیے کوئی وجہ رنجش نہیں۔

مگر حکیم صاحب نے یہ روایت لکھنے کے بعد خولجہ حسن نظامی کے لیے خاصا درشت جملہ استعمال کیا کہ ”اس فقرے سے جو فیض باطن پکیتا ہے اسے کوئی اہل نظر ہی سمجھ سکتا ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ خود خارجیوں کے نزدیک بھی یزید بدکردار اور بدسیرت انسان ہے اور لفظ یزید کو وہ بھی ذہنی طور پر اچھے معنوں میں نہیں سمجھتے۔ ورنہ وہ خولجہ صاحب کے اس فقرے کا نوٹس نہ لیتے بلکہ اپنی جگہ مطمئن رہتے۔ اگر خولجہ صاحب نے شاعرانہ انداز میں ایک پہلو دار بات کہہ دی تو اس پر اس قدر ماتم کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ مگر یہ بھی سچ ہے۔

جس کا جو ہوتا ہے رکھتا ہے اسی سے نسبت
بنو امیہ خارجیوں کے بزرگ جو ٹھہرے، ان کو ان کا نعم نہ ہو تو اور کسے ہو۔

(نام و نسب ص ۵۳۵-۵۳۶۔ مطبوعہ گیلانی پبلشرز۔ درگاہ گلڑہ شریف)

پیر صاحب کس ”مہارت و ذہانت“ کے ساتھ خولجہ حسن نظامی کے ”توین آمیز“ قول کا دفاع کرتے ہوئے نہ صرف حکیم صاحب پر برس گئے بلکہ خود بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توین کے مرتکب ہو گئے۔ (موصوف کے توین معاویہ رضی اللہ عنہ پر مبنی اقوال آگے مستقل عنوان

کے تحت آ رہے ہیں) اگرچہ حضرت علیؓ کو جماعت صحابہ میں بعد از خلافت افضل ترین مقام حضرات حسنین کریمینؓ کی وجہ سے نہیں ملا، اس کے باوجود انہیں ان حضرات کا باپ کہنا بطور مدح و تعریف ہے لیکن ایک جلیل القدر صحابی، کاتب وحی، فاتح عرب و عجم، مدبر اسلام، خال المسلمین، امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعارف ”یزید“ کے حوالے سے کرنا یقیناً بطور ”ذم“ ہے۔ کیونکہ پیر صاحب گولڑوی خود بھی یزید کو بدسیرت، بدکردار، فاسق و فاجر، شرابی، بدکار اور ظالم و سفاک“ ہی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ پیر صاحب ایک ایسے شخص کو جو یہ کہتا ہے کہ ”جو لوگ یزید کو گالیاں دیتے ہیں اور اس پر لعنت بھیجتے ہیں مجھے ان سے اختلاف ہے، انہیں ہرگز ایسا نہیں کرنا چاہیے“ ان رحمٰنی سبقت غصبی“ (بے شک میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی) کے مطابق ہو سکتا ہے کہ وہ ذات کریم قیامت کے دن جوشِ رحمت میں آکر یزید کو بھی بخش دے اور اس کے مامہ سیاہ پر قلم عنقوی پھیر دے“

کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

”بلاشبہ باری تعالیٰ کی رحمت ایک قلم بے کراں ہے جس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، مگر اتنا سن لیجیے کہ اگر باری تعالیٰ ایک فاسق و فاجر، شرابی، بدکار اور ظالم و سفاک کو جس نے خانوادہ رسالت کا خون بہایا، بخش سکتا ہے تو کیا ایسے مامرد پر لعنت کے چند کجرے نچھاور کرنے اور اسے دوچار گالیاں دینے والے کو نہیں بخش سکتا۔ اتنے بڑے مجرم کے لیے اگر اس قدر رحمت و عنقا کا امکان ہے تو کیا اسے چند گالیاں دینے والے اور صرف اس پر لعنت بھیجنے والے کے لیے کوئی امکان بخشش نہیں؟

(پیر صاحب نے اسی نشست میں فارسی میں ایک رباعی کہی جس کا ترجمہ انہی کے الفاظ میں یہ ہے:

اے مخاطب اگر شیعہ تیرے نزدیک مردود ہیں تو پھر خارجیوں کو بھی پلید اور ناپاک پیٹ کی

پیداوار سمجھ۔ میرا ایمان تو آلؓ و اصحابؓ کی محبت ہے۔

”لعنت بہ سر یزید و اتباع یزید“ یزید پر بھی لعنت ہو اور ساتھ ہی اس کے مام لیواؤں پر۔

(نام و نسب ص ۱۷-۱۸ تحت ’’ایک مسکت جواب‘‘)

پیر صاحب کے حوالے سے پیچھے زیر عنوان ”مولانا عبد الرحمن جامی“ لعنت یزید پر یہ لطیفہ

گزر چکا ہے کہ ”صد لعنت بہ یزید و صد ویکر بہ مزید“ یعنی سو لعنت یزید پر ہو اور سو بہ مزید۔

اگر یزید فی الواقع ان مزعومہ مختصر افعال کا مرتکب ہوا بھی ہے تو از روئے شریعت باپ

بیٹے کے ان افعال سے بری الذمہ ہے، اسے اس بناء پر کیونکر مٹھون کیا جاسکتا ہے؟

پیر صاحب کو خوابہ حسن نظامی کے بارے میں حکیم فیض عالم صدیقی کا یہ جملہ کہ ”اس فقرے سے جو بغض باطن چمکتا ہے اسے کوئی اہل نظری سمجھ سکتا ہے، تو خاصا درشت محسوس ہوا لیکن انہوں نے خوابہ حسن نظامی کے معنی پر توہین اور گستاخانہ قول کو ”صحیح معنی پر حقیقت اور پہلو ہذا قرار دے دیا۔

حالانکہ حکیم صاحب کے ”تبصرہ“ پر اگر غور کیا جائے تو انہوں نے کوئی غلط بات تو نہیں کی تھی بلکہ آیت کریمہ کی روشنی میں اصل حقیقت کو طشت ازبام کرتے ہوئے خوابہ حسن نظامی اور ان کے وکلائے صفائی کے چہروں سے ”ردائے تقیہ“ کھینچ لی تھی۔ وہ آیت یہ ہے:

”قَدْ بَدَلْتُ الْبَغْضَاءُ مِنْ قَوَاهِبِهِمْ وَمَا تُخْفِي صَلُورُهُمْ اكْبَرُ..“ (سورہ آل عمران آیت ۱۱۸)

ظاہر ہو چکا ہے بغض ان کے مونہوں (یعنی زبانوں) سے اور جو چھپا رکھا ہے ان کے سینوں نے وہ اس سے بھی بڑا ہے۔

حکیم صاحب نے اگر خوابہ حسن نظامی کی سبائیت کو طشت ازبام کرتے ہوئے ایک حقیقت واضح کر دی تو اس پر پیر صاحب کو اس قدر سیخ پا ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ مگر یہ بھی سچ ہے: جس کا جو ہوتا ہے رکھتا ہے اسی سے نسبت

آخر ”دشمنان معاویہ“ تفصیلیوں کے بزرگ جو بظہرے اُن کو اُن سے محبت نہ ہو تو اور کسے ہو؟ حضرت پیر نعیم الدین گیلوی نے خوابہ حسن نظامی کے بارے میں حکیم صاحب کے حاشیہ پر ایک ”توضیحی نوٹ“ کی وجہ سے اتنا شدید رد عمل ظاہر کیا لیکن جس پس منظر میں حکیم صاحب نے کتاب کے اصل متن میں خوابہ صاحب کی جو گواہی نقل کی تھی اسے پیر صاحب بڑی آسانی سے ہضم کر گئے اور تمام تر نزاع بے موقع و بے محل یزید کی آڑ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر گردا دیا۔ دراصل پیر صاحب کو حکیم صاحب کے اس معنی پر حقیقت اقتباس نے کاٹ کھایا اس لیے وہ اس سطح پر اتر آئے۔ وہ اقتباس آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

”آج شیعیت اور بدیلویت کا چوٹی دامن کا ساتھ ہے۔ بدیلویت کی اصل روح پیری مریدی کی شکل میں شیعیت ہے۔ بدیلوی خفیوں کی بے خبری ملاحظہ ہو کہ انہوں نے جن لوگوں کو ولایت کے مرتبے تفویض کر رکھے ہیں ان میں سے اکثریت باطنی شیعوں کی ہے۔

ایک گھر کے بھیدی یعنی حسن نظامی (نیچے حاشیہ میں وہ بات لکھی جسے پیر صاحب نے بدنیہ تنقید بنایا ہے) کی زبان سے سنئے:

ہندوستان میں اسماعیلی خوجوں کی تعداد بے شمار ہے جن کو پیر نور الدین (ست گورنور)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

خواجہ حسن نظامی

حضرت پیر شمس الدین، پیر صدر الدین، پیر حسن کبیر نے ہدایت کی تھی اس کے علاوہ ایک گہنی فرقہ ہے جن کو فی الحال ہدایت کی جاتی ہے اور عرب، پٹھان، مغل وغیرہ کی تعداد بے انتہا ہے جن کو نیچے درج کیے ہوئے داعیوں نے ہدایت کی تھی۔

۱۔ داعی ناصر خسرو ۲۔ داعی ابن صباح ۳۔ داعی محی الدین عربی ۴۔ سید سہراب ۵۔ داعی ابو ظلم ۶۔ عبدالمجید ۷۔ شیخ فرید الدین عطار ۸۔ حکیم بوعلی سینا وغیرہ۔

(فاطمی دعوت اسلام ص ۱۹۵ مؤلفہ خواجہ حسن نظامی بحوالہ اختلاف امت کا المیہ ص ۳۲۱)

خواجہ حسن نظامی کی اس بات (کہ ”معاویہ تو یزید کا بھی باپ ہے“) سے اگرچہ ”بغض معاویہ“ ہی نکلتا ہے لیکن ان کی خود اپنی زبان اور قلم سے تو اس کے علاوہ بھی بہت کچھ نکلا ہے۔ موصوف نے جریدہ ”پیشوا“ دہلی کے علی گڑھ کے لیے ایک مضمون بہ عنوان ”علی ولی اللہ“ تحریر کیا جس میں یہ بتایا گیا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ غار ثور میں دشمنان دین کی آمد کی آہٹ سن کر حزن میں مبتلا ہوئے، اس سے ان کا کمال ولایت ثابت نہیں ہوتا اور حضرت علیؓ شب ہجرت میں بے خوف و ترن بستر رسولؐ پر لیٹے رہے اور بموجب آیت کریمہ ”آلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ“ یہ ان کے کمال ولایت پر واضح دلیل ہے۔“

مولانا ظہور احمد گونئی نے اس کے جواب میں ایک مضمون بہ عنوان ”الفضل البشر بعد الانبياء“ لکھا جو ماہنامہ شمس الاسلام بھیرہ شہر جنوری ۱۹۳۴ء میں شائع ہوا۔ اس میں موصوف فرماتے ہیں:

”خواجہ صاحب نے اپنی تصانیف ”ظمانچہ بر خسار یزید، محرم نامہ، یزید نامہ وغیرہ میں بھی اہل سنت کے مسلک کے خلاف روش اختیار کی ہے۔ دراصل خواجہ صاحب غالی تہرائی اور تفریقہ باز راغبی ہیں۔ ہم بھی چشتی نظامی ہیں اور حضرت سیدنا علیؓ ہمارے روحانی پیشوا ہیں مگر حضرت سیدنا علیؓ کے ارشادات کی بناء پر سیدنا ابو بکر صدیقؓ کو الفضل البشر بعد الانبياء ماننے پر مجبور ہیں۔

علامہ ابن میثم بحرانی نے شرح نہج البلاغہ میں سیدنا علیؓ کا ایک اعلان نقل کیا ہے جو آپؐ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں تمام بلاد اسلامیہ میں جاری کیا تھا۔ جس کے الفاظ درج ذیل ہیں:

”من فضلتی علی ابی ہر جلدتہ خدا المفتری“ جو مجھے ابو بکرؓ پر فضیلت دے گا میں اسے مفتری کی حد (۸۰ درجے) لگاؤں گا۔

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفاء میں اسی (۸۰) سندوں سے حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے:

خبر الامۃ بعد نبیہا ابو بکر ثم عمر — اس امت میں نبیؐ کے بعد سب سے بہتر ابو بکرؓ پھر عمرؓ ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان تو اتر کا دہجہ اختیار کر چکا ہے اور سنی و شیعہ ہر دو مذاہب کی کتب میں موجود ہے۔

خوارج صاحب لکھتے ہیں کہ ”میں نہ شیعہ ہوں نہ سنی۔“ پس خوارج آئندہ اپنے آپ کو چشتی نظامی وغیرہ نہ لکھا کریں۔ جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ یعنی اہل سنت کے خلاف ہو، وہ چشتی نہیں ہو سکتا۔ آپ تقیہ کی چادر کو اتار کر بے خوف ہو کر اپنے عقیدہ کا اعلان کر دیجیے۔ آپ نے سنت کی چادر اوڑھ کر آج تک اپنے زہر پیلے لٹریچر کے ذریعے نفس کی ترقی و اشاعت کے لیے خاص کوشش کی ہے۔ شکر ہے آج آپ نے اپنے سنی نہ ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔ امید ہے کہ آئندہ سادہ لوح سنی بھائی آپ کے دام فریب میں نہ آئیں گے۔“ (ماہنامہ شمس الاسلام بمبیرہ۔ اکتوبر ۱۹۸۶ء ص ۵۷، ۶۰)

اسی شمارہ کے صفحہ نمبر ۴۸ پر مولانا ظہور احمد گوی کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے:

”آج غزالی و رازی، رومی و عطار کی جانشینی کا منصب حسن نظامی جیسے سرکاری ولی کو حاصل ہے۔“

حضرت گوی صاحب نے تو خوارج صاحب کا یہ قول نقل کر دیا ہے کہ ”میں نہ شیعہ ہوں نہ سنی“ لیکن وہ اپنی ایک دوسری کتاب میں اپنے ”سنی“ ہونے کا صاف طوراً اعلان فرماتے ہیں: چنانچہ موصوف اپنی مایہ ناز (اور پیر نصیر الدین گولڑوی کی پسندیدہ) کتاب ”طمانچہ یزید“ کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

”اس میں جن لوگوں کے حالات بیان کیے گئے ہیں وہ سب کے سب اسلامی تاریخ کے دور اول میں شہرہ آفاق رہ چکے ہیں اور ان میں سے ہر فرد کا نام مسلمانوں کے بچے بچے کی زبان پر رہتا ہے۔ اہل بیت کا موافق ہو یا مخالف، شیعہ ہو یا سنی، خارجی ہو یا ماضی، ہر مسلمان خواہ کوئی عقیدہ رکھتا ہو یزید کے نام کو جانتا ہے اور ابن زیاد کے نام سے بھی اس کو واقفیت ہوتی ہے۔ یزید امیر معاویہ کا بیٹا تھا۔ امیر معاویہ تاریخ اسلام میں پہلے شخص تھے جنہوں نے اسلامی تاریخ کے جمہوری اصول کو مٹایا اور انتخاب سے بادشاہ بنانے کا طریقہ بند کر کے اور تلوار کے زور سے وہی قدیمی، استبدادی، شخصی سلطنت کا طریقہ اور اولاد کو ولی عہد مقرر کرنے کا دستور جاری کیا اور اس

اصول کے بدلنے میں انہیں بڑی خون ریزی کرنی پڑی۔

حضرت امام حسن ابن علیؑ اور حضرت عبدالرحمن ابن خالد ابن ولید اور مالک ابن اشتر اور حجر بن عدی وغیرہ بکثرت سرداران اسلام محض اس وجہ سے قتل کرائے گئے تھے کہ ان کی شخصی حکومت قائم کرنے کے رستے میں حارج معلوم ہوتے تھے اور بھی طرح طرح کی بدعتیں اور خرابیاں امیر معاویہ کے سبب اسلام جیسے پاک و صاف مذہب میں داخل ہو گئیں۔ مگر اس کے باوجود امیر معاویہ کا نام بے علم مسلمانوں میں اتنا مشہور نہیں ہے جتنا ان کے ولی عبد اور بیٹے یزید کا نام مشہور ہے.....

ہندوستان کے بعض مقامات پر بعض لوگوں نے اس کتاب کے واقعات کو بطور ڈرامے کے دکھایا اور حاضرین نے اس کو بہت پسند کیا۔ دہلی میں بھی شیعہ جماعت کی طرف سے اس کا ڈرامہ ہوا تھا۔ مجھ کو بھی اس کے دیکھنے کی دعوت دی گئی مگر میں علالت کی وجہ سے نہ جاسکا مگر محمد انور صاحب ہاشمی مالک رسالہ دین و دنیا میری نیابت میں یہ ڈرامہ دیکھنے گئے تھے اور بہت کامیابی سے واقعات کتاب کا خلاصہ سچ پر دکھایا گیا تھا اور تماشا نیوں پر اس کا بہ اثر ہوا تھا.....

اس کتاب کو دیکھ کر بعض لوگوں کو شبہ ہوتا ہے کہ میں شیعہ ہو گیا ہوں۔ اس واسطے یہ لکھنا ضروری ہے کہ میں پکاسنی ہوں اور خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر قسم کھاتا ہوں کہ مجھ کو شیعہ مذہب کے کسی اصول سے اتفاق نہیں ہے اور اہل سنت کے تمام اصول برحق مانتا ہوں۔ اہل بیت کے محبت تو صرف سنی لوگ ہیں ورنہ شیعہ جماعت تو اہل بیت سے صرف سیاسی محبت رکھتی ہے۔“

(طہانچہ بر خسار یزید ص ۹۲۵۔ مطبوعہ مکتبہ کاظمیہ۔ شاہد روناؤن لاہور۔ ۲ ٹھواں ایڈیشن ۱۹۶۹ء)

اللہ تعالیٰ اس طرح کے سنیوں سے اپنے دین اسلام کی حفاظت فرمائے، آمین۔ سچی بات یہ ہے کہ خوبہ حسن نظامی کی کتب پڑھنے کا کوئی ”مسلمان“ حوصلہ نہیں کر سکتا اور اگر سطحی طور پر اس کی ”ورق گردانی“ کر بھی لے تو وہ اس نتیجہ پر باسانی پہنچ جائے گا کہ یہ کسی خالص اور کمر سبائی کی تصانیف تو ہو سکتی ہیں لیکن کسی سچے اور حقیقی مسلمان کی برگزین نہیں۔

☆☆☆☆☆☆

۲۱۔ مولانا ابوالکلام آزاد

(م ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء)

مولانا ابوالکلام کا لقب محی الدین احمد اور تخلص آزاد جب کہ نام فیروز بخت تھا۔ ۱۱ نومبر ۱۸۸۸ء کو مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۹۸ء میں کلکتہ واپس آئے۔ موصوف کو ایک انشا پر واز، عالم دین، مفسر قرآن اور سیاست دان کی حیثیت سے زبردست شہرت حاصل ہوئی۔ انہوں نے ۱۳ جولائی ۱۹۱۲ء میں اپنا ذاتی اخبار ’’الہلال‘‘ جاری کیا۔ ۱۹۲۰ء میں گاندھی جی سے ملاقات کے بعد ان کے ساتھ عقیدت اور غلوں کا رشتہ قائم ہوا۔ پھر ترقی کرتے ہوئے کانگریس کے صدر بن گئے۔ پارلیمنٹ میں کانگریس پارٹی کے ڈپٹی لیڈر اور تعلیم، قدرتی ذرائع اور سائنسی تحقیق کے وزیر بھی رہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں خوبہ حسن نظامی کے ’’ہم خیال‘‘ تھے۔ بالآخر ایک بھرپور زندگی گزارنے کے بعد ۲۲ فروری ۱۹۵۸ء کو دہلی میں انتقال کر گئے۔ اب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کے چند خیالات ملاحظہ فرمائیں:

مولانا ابوالکلام آزاد حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے تقابل میں یہ شعر نقل کرتے ہیں کہ:

فاسین الثریا واین الثری واین معاویۃ من علی (تذکرہ ص ۸۶) تا جیلشر زلاہور
موصوف ایک دوسرے مضمون میں بشمول حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بنو امیہ کی دشمنی میں دل کے ارمان پورے کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:

ازاں جملہ بنی امیہ اور آل مروان کی ایک سب سے بڑی بادم شریعت اور پر معصیت و فسق و عدوان بدعت شنیعہ و تہی جس کا انتقام انداج برادران شیعہ نے شروع کیا..... یعنی سب سے پہلے سر زمین اسلام میں جو رحم و محبت اور صلح و اخوت ہی کی تہم ریزی کے لئے بنی تھی، سب و شتم اور لعن و تہرے کا تہم انہوں نے بویا۔ مقدس مساجد اسلام میں جو صرف عبادت و اطاعت الہی و اذکار و اشغال مقدسہ کے لئے بنائی گئی تھیں، اپنے اغراض نفسانیہ منکرہ سیاسیہ سے اہل بیت نبوت اور حضرت امیر علیہ السلام پر اعلانیہ لعنت بھیجتے تھے اور پھر شمشیر ظلم سے لوگوں کی زبانوں کو اس طرح لرزاں و ترساں رکھتے تھے کہ کسی کو اس صریح فسق و معصیت کبریٰ و جنگ شریعت اللہ کے خلاف لب کشائی کی جرأت نہیں

ہوئی تھی، الا ماشاء اللہ و ہم الذین لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون۔

لیکن تاریخ اسلام حضرت عمر بن عبدالعزیز کی ہمیشہ رہن منت رہے گی کہ انہوں نے تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی اس بدعت کا انسداد کیا اور مساجد اسلام کو ان کی چھٹی ہوئی عزت و حرمت واپس دلا دی۔ چنانچہ لعن و تعرے کی جگہ خطبہ ثانیہ میں ”اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ.....“ داخل کیا۔ یہ آیت کریمہ آج تک خطبہ جمعہ کا جزو آخری ہے اور ہر نئے سیاست بنی امیہ اور حسنت عمر بن عبدالعزیز پر گواہی دیتی ہے۔

اس بزرگ جلیل اموی کا یہ ایک ایسا عمل عظیم تھا کہ سادات عظام اور دودمان حضرت خیر الامام نے بھی اس کا اعتراف کیا۔

ازاں جملہ بنی امیہ کا سب سے بڑا ظلم جو انہوں نے اسلام پر کیا تھا یہ تھا کہ خلافت راشدہ اسلام کو جس کی بناء اجتماع و شورہ مسلمین پر تھی حکومت شخصی و مستبدہ و سلطنت ملکیہ و سیاسیہ میں تبدیل کر دیا اور حکومت کی بنیاد شریعت پر نہیں رکھی بلکہ محض قوت اور سیاست پر اور تاریخ اسلام کے تمام صفات و کبار و اعلیٰ و ادنیٰ اس پر متفق ہیں اور تمام اہل سنت و جماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ ایک سخت بدعت تھی اور مطابق ارشاد صادق و صدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام ملک عضو کا آغاز تھا، یہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سد باب کا پہلا دن ہے اور یہی دن ہے کہ تاریخ اسلام ہمیشہ اس پر ماتم فرمایا و کرے گی۔

(آزاد صاحب کی ان باتوں پر مولانا عبید اللہ صاحب نے اعتراض کیا تھا کہ آپ بلا استثنیٰ بنی امیہ کو ظالمین کے الفاظ سے مخاطب کرتے ہیں اور انتہائے غصہ میں رسول علیہ السلام کی قرابت داریوں کو بھی بھول جاتے ہیں بلکہ امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا لا ابلا نداد از سے ذکر فرماتے ہیں اور تم تو یہ ہے کہ جناب ان کے اسی ضرب المثل حلم اور ساتھ برس کی پڑھیا کی ہفوات سے درگزر فرما جانے کو کون نگاہوں سے ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ (الہلال جلد ۳ ص ۳۶۱، ۳۶۲)

اس کے جواب میں موصوف لکھتے ہیں کہ:

استثنیٰ بنائے اعمال صالحہ ہر حال میں قدرتی طور پر موجود ہے اور حکم اکثر پر ہوتا ہے۔ حضرت عثمان خود بخود مستثنیٰ ہو گئے۔ جبکہ خلفائے راشدین سے الگ بنی امیہ کا ذکر کیا گیا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز اپنے اعمال غیر امویہ و اتباع سنت شریفین جلیلہ کی بناء پر....

بنی امیہ کے حسنت سیاسیہ و ملکیہ سے کسی کو انکار نہیں..... پس ہم ان کی سیاست دینیہ کی برائی

کرنے میں باک نہیں رکھتے اور اسی طرح ان کے حسنات ملکیت و سیاسہ کے اعتراف میں بھی بخیل نہیں۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ زید کے ذہن و طباع ہونے کے صلہ میں اس کے شرب خمر و ظلم و فسق کی بھی تعریف کریں یا چونکہ ایک شخص خوش تقریر ہے لہذا کوئی مضائقہ نہیں کہ اگر تارک صلوٰۃ بھی ہو۔

مقتصد اصلی یہ ہے کہ بنی امیہ نے خلافت دینی کو جس کا عمود کا راتب شریعت تھا محض حکومت و سیاست کی صورت میں تبدیل کر دیا اور جو بنیا و خلفائے راشدین نے رکھی تھی اس کو اپنے اغراض نفسانیہ و ہوائے شخصیت پر قربان کر کے منہدم کر دیا۔ ظلم و منکرات کا بازا گرم ہو گیا، مشورہ کا سد باب ہو گیا، آزادی رائے کو بزدل و شمشیر بند کرنا چاہا اور علی الخصوص سب سے پہلے تاریخ اسلام میں احکام شریعت پر اپنے اغراض نفسانیہ و سیاسہ کو مقدم کرنے اور حسب ضرورت اس میں تحریف تو جیہ نما کرنے کی بنیاد رکھی۔ یہی بنیاد تھی جس پر بعد کو آنے والوں نے بڑی بڑی عمارتیں کھڑی کیں اور ہمیشہ کے لئے تاریخ اسلام اپنے ابتدائی ہی سالہ عہد اصلی کو ماتم و حسرت کے ساتھ یاد کرتی رہی۔

دور اوائل اور ظہور منکرات :- آپ متعجب ہیں کہ میں نے اس ابتدائی عہد کو دو درمختصات و بدعات کہا لیکن شدت تعجب و فوجیرانی سے میں اس کے جواب پر تاقادر نہیں۔ فی اللجب!

یہ جملہ لکھ کر جناب نے تاریخ اسلام کے نہیں معلوم کتنے خنجریم ابواب و فصول کو دنیا سے مابود کر دینا چاہا۔ یہ آپ کہاں ہیں؟ اور کیا فرما رہے ہیں؟

کیا زیاد بن سمیہ کا اطمحاق اور اس کے لئے مسجد میں شہادت مقرر کرنی ایک اولین بدعت اسلام میں نہ تھی..... سمیہ جاہلیت کی ایک زانیہ و فاحشہ عورت تھی۔ ابوسفیان اس کے پاس رہا تھا اور اسی سے زیاد پیدا ہوا تھا لیکن اغراض سیاسہ سے اس کا پھر اطمحاق کیا گیا..... مجلس شہادت بھی منعقد ہوئی تھی..... ایسی شہادتوں سے بالآخر غریب زیاد بھی شرمایا گیا اور چیخ اٹھا.....

کیا خلافت علی منہاج النبوة کو حکومت اور ملک عضو فوض میں بدل دینا بھی بدعت نہ تھی، کیا مشورے کا سد باب ایک اشد شدید بدعت فی الدین نہ تھی۔ کیا مسلمانوں پر جنگ میں پانی کا روک دینا بھی بدعت نہ تھا جبکہ دوسرا فریق غالب ہو کر بھی نہیں روکتا، کیا سخت سے سخت کمرو و خدع سے کام لینے میں بھی باک نہ ہوا، خفیہ وسائل سے مسئلہ حکمیت کا فیصلہ کرنا، اپنے اغراض سیاسہ کو ہر موقع میں شریعت پر ترجیح دینا اور اس کے لئے لوگوں کو خفیہ و علانیہ بیت المال سے روپیہ دینا، شخصی طور پر بیز و روجرا اپنے لڑکے کو ولی عہد بنانا، عجمی شان و شکوہ اور علو و رفعت سے دربار آرائی کی اساس اولین قائم کرنا، مسجد میں عام مسلمانوں سے الگ مقصورہ بنانا کر نماز پڑھنا اور شمشیر نہ ہنہنہ بنانا

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مآثرین مولانا ابوالکلام آزاد

کے حصار کے اندر جمعہ کرنا اور اسی طرح کی بیسیوں محادثات کو بھی بدعت تسلیم نہیں کیا جائے گا۔
اور پھر یہ تو خود امیر معاویہ کے زمانے کے حالات ہیں آگے چل کر جو کچھ ہوا اس پر نظر
ڈالیں۔ (الہلال ۲۱ جمادی الثانیہ ۱۳۳۱ھ بمطابق ۲۸ مئی ۱۹۱۳ء تکلمہ ص ۱۰۱، الہلال اکیڈمی
۱۳۳۱ء شاہ عالم مارکیٹ لاہور جلد ۲ ص ۳۶۲-۳۶۳)

خال المسلمین اور ایک جلیل القدر صحابی رسول سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت و کردار
پر جس طرح مولانا سید ابوالکلام آزاد صاحب نے تبصرہ فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قلم
تو حضرت آزاد صاحب کا ہے لیکن اسے یقیناً کوئی شیعہ سکالر چلا رہا ہے۔
موصوف ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

ہمارا عقیدہ ہے کہ اگر قیامت کے دن دنیا کے ظالموں کی صفوف عام فساق و فجار سے الگ
قرار دی جائیں گی تو ان میں سب سے پہلی صف یقیناً بنی امیہ کی ہوگی۔ ان ہی ظالموں نے اسلام
کی اس روح حرکت کو غارتِ ظلم و استبداد کیا اور اس کے عین عروج اور نشو و نما کے وقت اس کی
قوت نہ کو اپنے اغراضِ شخصیت کے لیے پھیل ڈالا۔ ان کا اقتدار و تسلط فی الحقیقت ”مربا المعروف“
کے سد باب کا پہلا دن تھا۔

نہ صرف یہ کہ انہوں نے اسلام کی جمہوریت کو غارت کر کے اس کی جگہ شخصی حکومت کی بنیاد ڈالی
جو یقیناً اعتقادِ قرآنی کی رو سے کفرِ جلی ہے بلکہ سب سے بڑا ظلم یہ کیا کہ انہیں راجہ اور امرا بالمعروف کی
قوت کو تلوار کے زور سے دبانا چاہا اور مسلمانوں کی حق گوئی کے ترقی کننا ولولے کو مضحک کر دیا۔
(مولانا ابوالکلام کے ادبی شدہ پارے ص ۲۰۱۔ مرتبہ مولانا محمد اصغر مغل۔ مطبوعہ دار
الاشاعت کراچی ۲۰۰۲ء)

”خلافت راشدہ کے بعد بنو امیہ کا دور فتن و بدعات شروع ہوتا ہے جنہوں نے نظام
حکومت اسلام کی بنیادیں متزلزل کر دیں تاہم جب ان ہی میں قانع بدعت محی النبیہ حضرت عمر بن
عبد العزیز پیدا ہوئے تو گو حسب سنت ”ملک عنوض“ سلیمان بن عبد الملک نے انہیں اپنا جانشین
مقرر کر دیا تھا۔“ (حوالہ مذکور ص ۳۸۴)



۲۲۔ علامہ بابا خلیل احمد داس

(م، اندازاً ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء)

خلیل احمد صوبہ بہار کے مشہور قصبہ سیدوان کے باشندے ہیں اور ”بابا خلیل احمد داس“ کے نام سے معروف ہیں۔ ان کا ہیڈ کوارٹر ”بنارس“ ہے اور خواجہ حسن نظامی کے مرید، معتقد اور اندھے مقلد ہیں۔ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تفسیق اور تکفیر پر مبنی اپنی ۴۳۵ صفحات پر مشتمل ضخیم کتاب ”مولیٰ اور معاویہ“ کا دیباچہ خواجہ صاحب کی ”رسوائے زمانہ“ کتاب ”یزید نامہ“ کی عبارات و اقتباسات سے ہی مرتب کیا ہے۔ چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

”یہ بھی عرض کیے دیتا ہوں کہ صحابہ کرام سے لے کر تابعین، تبع تابعین، علمائے سلف اور علمائے خلف تک کون سے ایسے بزرگ اور امام ہیں جنہوں نے معاویہ کو بد نہیں کہا اور معاویہ کی ذات پر اعتراض نہیں کیا۔ حتیٰ کہ آج کے علماء محققین بھی اپنے جذبہ تحقیق ایمانی سے مجبور ہو کر معاویہ کی بد اعمالیوں پر قلم اٹھانے سے نہ رکے۔ چنانچہ میں نے کتاب کے حصہ دوم کا یہ جو دیباچہ لکھا ہے وہ حضرت خواجہ حسن نظامی کی کتاب ”یزید نامہ“ کی عبارتوں کو ہی قرار دیا ہے تاکہ میرے کرم فرمایہ دیکھ لیں کہ ان عبارتوں میں میرا کوئی لفظ نہیں ہے بلکہ وہ خواجہ صاحب جیسے ایک تجربہ کار اور پرانے مبلغ اور ایک مانے ہوئے اہل سنت کے مذہبی پیشوا اور ادیب کے الفاظ ہیں اور یہ بھی سمجھ لیں کہ ایام سلف کو چھوڑ کر اس موجودہ زمانہ میں بھی معاویہ کی زندگی پر آزادانہ طور سے تبصرہ فرمانے والے مجھ سے پہلے مصروف فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی ہیں جنہیں آج تک کسی عالم نے بھی نہ برا کہا اور نہ ان کی اس تحقیق کو ناجائز یا شریعت کے خلاف قرار دیا۔“ (مولیٰ اور معاویہ ص ۱۸۸)

خواجہ حسن نظامی صاحب کی ”سنیت و مشیخت“ پر پیر نصیر الدین گولڑوی بھی مہر تصدیق ثبت کر چکے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بابا خلیل احمد داس اپنے جد امجد ”جناب حضرت“ عبداللہ بن سبا کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں تو جن و تذلیل اور شام بدری کا فیصلہ بدداشت نہیں کر سکے اور انہوں نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے دیگر حامی صحابہ کے خلاف ہفوات اور مغالطات بک کر اور زہرا گل کر واقعی اپنے ”حلالی“ ہونے کا ثبوت فراہم کر دیا۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

بابا خلیل واس

اس سلسلے میں انہوں نے سیکڑوں صفحات سیاہ کر ڈالے اور مرتے دم تک ان کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا۔ ان کی چند قابل تذکرہ کتب حسب ذیل ہیں:

۱۔ معاویہؓ پر جو زلعنت کے شرعی دلائل ۲ قول فیعل ۳۔ اصحاب رسول اللہ اور معاویہ کی صحابیت ۴۔ مولیٰ اور معاویہ ۵۔ رد فضائل معاویہ ۶۔ حق اور اہل حق کی شاندار فتح

راقم الحروف کے سامنے اس وقت ان کی تالیف ”مولیٰ اور معاویہ“ ہے اس میں حضرت معاویہ، حضرت ابوسفیان اور سیدہ ہند رضی اللہ عنہم کو جن مغفلات سے نوازا گیا ہے انہیں نقل کرنے میں حیا مانع ہے۔ البتہ چند دیگر ”غرمواد“ ہدیہ قارئین کیے جاتے ہیں:

اور تاریخوں کا بیان بالکل درست ہے کہ معاویہ نے زیر دلو اکرام حسن علیہ السلام کو قتل کرادیا۔ تو کیا یہ قتل عمد نہیں تھا؟ اور کیا اس قتل عمدا اور اس خونِ ناحق کی سزا میں معاویہ اس دفعہ قرآنی کی حد میں نہیں آتا؟

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمَدًا فَجَزَاءُ ۖ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعْنَهُ وَاعْتَمَلَهُ عَذَابًا عَظِيمًا۔

اس دفعہ قرآنی میں پانچ وعیدیں یا پانچ سزائیں ہیں۔ پہلی سزایہ ہے کہ وہ داخل جہنم ہو گا۔ دوسری سزایہ ہے کہ جہنم سے اس کا کبھی چھٹکارا نہ ہو گا بلکہ وہ اسی میں ہمیشہ رہے گا۔ تیسری سزا یہ ہے کہ وہ مغضوب خدا ہو گا۔ چوتھی سزایہ ہے کہ وہ ملعون یا مستحق لعنت ہو گا اور پانچویں سزایہ ہے کہ جہنم میں اس پر بہت سخت عذاب ہوں گے۔

پس اس دفعہ قرآنی کے مطابق معاویہ قاتلِ امام حسن علیہ السلام ہونے کی وجہ سے:

۱۔ جہنمی ہے ۲۔ ہمیشہ جہنم میں رہے گا ۳۔ مغضوب خدا ہے ۴۔ مستحق لعنت ہے اور ملعون ہے ۵۔ اور اس پر جہنم میں بڑے بڑے عذاب ہوں گے۔

مگر یہ یاد رہے کہ یہ وعیدیں یا سزائیں تو محض اس شخص کے لیے ہیں جو کسی عام مومن کا قاتل ہو گا مگر معاویہ تو فرزند رسول کا قاتل ہے...

ایسی ہستی مقدسہ کا قاتل کس درجہ ملعون اور مردود ہے اور اس کے اوپر جہنم میں اللہ پاک کی طرف سے کیا عذاب اور کیسے کیسے عتاب ہوں گے اور پھر (مسلمانو!) یہ بھی سمجھ لو کہ ایک ایسے ملعون اور مردود کے لیے مسلمانوں کو یہ کہہ کر ڈرانا اور دھمکانا کہ ”ہو لا یوحب اللعن“ ”وہ لعنت کے قابل نہیں ہے یا اس پر لعنت واجب نہیں ہے، کس قدر اندھیرا اور کتنی گمراہی اور برداری کی بات

ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر ایسا بے دین، ایسا سفاک اور اتنا زیر دست ظالم خونخوار و محسن کش لعنت کے قائل نہیں ہے تو پھر اس آسمان کے نیچے اور اس زمین کے اوپر لعنت کے قائل ہے کون؟
اللہ پاک تو فرمائیں ”وَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ“ ظالم پر اللہ کی لعنت ہے اور ہم اس دنیا کے سب سے بڑے ظالم کو ”لَا يُوْجِبُ اللَّعْنُ“ کے تارنگہ بوت سے ڈھک کر پناہ دینا چاہیں، میں کچھ نہیں کہتا تم خود ہی انصاف کرو کہ یہ انکا قرآن ہے یا نہیں؟

اگر فرزند رسول کا قاتل لعنت کے قائل نہیں ہے تو بخدا لعنت کا لفظ ہی بے کار اور بے معنی ہے۔
بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ اللہ پاک اپنے مقدس کلام میں کسی مومن کے قتل عمد کرنے والے پر صاف صاف لعنت کریں اور اسے ”لَعْنَةُ“ فرمائیں پھر رسول اللہ اس پر لعنت فرمائیں اور ہم خدا اور رسول کی صریح مخالفت اور بغاوت کریں اور یہ غوغا مچائیں کہ اس پر لعنت نہ کرو۔

میرے دوستو اور عزیزو! حضور مام (حسن) علیہ السلام کا قتل عمقہ بڑی چیز ہے، حضور کے والدین کو راجا بن مولیٰ کے ساتھ جنگ و قتال کرنے والے کو رسول خدا نے کافر اور جہنمی فرمایا ہے جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے: ”مَنْ نَلَّصَ عَلَيَّا لِلْخِلَافَةِ بَعْدِي فَهُوَ كَقَرِّ وَقَدْ حَلَبَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ“ جس شخص نے میرے بعد علی سے ان کی خلافت کے معاملہ میں جھگڑا کیا وہ کافر ہے اور اس نے خدا اور رسول سے جنگ کی۔

اس حدیث کو ابن معاویہ شافعی نے اپنی کتاب مناقب میں حضور سے بروایت حضرت ابوذر غفاری نقل کیا ہے۔ جب ہمارے سامنے خدا اور رسول کے یہ احکام موجود ہیں تو پھر کیا ہم اپنا دین و ایمان کھودیں، خدا اور رسول کی بغاوت کریں اور پھر معاویہ جیسے ظالم کے لیے

مکوت _____ مکوت _____ مکوت _____ کا شور غوغا مچائیں؟ (مولیٰ اور معاویہ ص ۳۱۶-۳۲۰)
”معاویہ کو حضرت معاویہ کہنا یا معاویہ رضی اللہ عنہ کہنا یا اس کی عزت یا بڑائی کرنی یا اس سے رضا اور خوشنودی کا اظہار کرنا حضرت انسؓ اور حضرت بریدہؓ کی حدیث کے مطابق موجب غضب پروردگار ہے۔ اور حضرت ابن عمرؓ کی حدیث کے مطابق اس شریعت مطہرہ کی توہین ہے جس کو اللہ پاک نے اپنے رسول پر نازل فرمایا ہے۔

اور حضرت بریدہؓ کی حدیث کے مطابق اللہ پاک سے دشمنی اور عداوت کرنی ہے۔
اور حضرت حسنؓ کی حدیث کے مطابق اللہ کی مافرمائی کی رغبت اور گناہ اور عصیان کے ساتھ محبت کرنی ہے۔“ (حوالہ مذکور ص ۴۲۲)

بابا خلیل احمد داس کی اس جیسی کتابوں کے منظر عام پر آنے کے بعد ہندوستان بھر کے اہل سنت

والجماعت کا خون کھول انجا اور وہ مولانا احمد کرم صاحب اعظمی، مجاہد قوم عبدالملک صاحب، مولانا الحاج محمد ابراہیم صاحب اور ملا مت اللہ صاحب کی زیر قیادت و سرپرستی سراپا احتجاج بن گئے۔ ان حضرات نے بڑی کوشش و کاوش سے اس سارے لٹریچر کے بحق سرکار مضبوط کرنے کے لیے قابل اعتراض حصے انگریزی میں ترجمہ کرا کر یو پی گورنمنٹ کے ملاحظہ کے لیے بھیج دیے جس کے نتیجے میں حکومت نے ان کتب کو مضبوط کرنے کا حکم دے دیا۔

بابا خلیل احمد داس نے یو۔ پی حکومت کے اس آرڈر کے خلاف اپنے سنی اور خفی ہونے کے دعوے کے ساتھ ہائی کورٹ الہ آباد میں اپیل دائر کر دی۔ بنارس کے علمائے اہل سنت نے اپنے موقف کا بھرپور دفاع کیا۔ چونکہ مقدمہ خالص مذہبی رنگ کا تھا اور دونوں فریق سنی ہونے کے مدعی تھے اس لیے فریقین کی جانب سے بہت سی کتب از قلم تفسیر و حدیث اور تاریخ و فقہ وغیرہ عدالت کے سامنے پیش کر دی گئیں اور خوارج صاحبان نے بھی کافی دلچسپی اور دلچسپی کے ساتھ ضروری اقتباسات کا انگریزی میں ترجمہ کرا کر شامل کر دیا۔ اس سلسلے میں حکومت نے بھی خصوصی طور پر مولانا احمد کرم صاحب اعظمی کو عربی اور فارسی کتب کا ترجمہ کرنے کے لیے الہ آباد طلب کیا اور انہوں نے دیگر رفقاء کے تعاون سے تقریباً ایک لاکھ الفاظ پر مشتمل یہ ذخیرہ جات تیار کر کے عدالت عالیہ کے سامنے پیش کیا جو سب کا سب شامل ہے۔

بابا خلیل احمد داس نے الہ آباد ہائی کورٹ میں حکومت یو پی کے خلاف ۱۹۵۵ء میں یہ اپیل دائر کی تھی جس کی سماعت ”جسٹس وی جی اوک، جسٹس اے پی سری وستاوا اور جسٹس ڈی پی اونیاں پر مشتمل بنچ“ نے کی اور ۲۰ اپریل ۱۹۶۰ء کو فیصلہ صادر ہوا۔ درخواست گزار کی طرف سے گواہی بہاری، صادق علی اور سید حیدر، شوکت عابدی جب کہ مدعا علیہ کی طرف سے اے آر عثمان اور جے آر بھٹ ڈپٹی گورنمنٹ ایڈووکیٹ نے دلائل پیش کیے۔

جسٹس وی جی اوک نے تفصیلی فیصلہ تحریر کیا اور بنچ کے دوسرے راکمین نے بھی اس کے ساتھ اتفاق کرتے ہوئے اپنے دستخط ثبت کر دیے۔

سجسٹریل بنچ نے مقدمہ کی کاروائی پر ہر پہلو کے اعتبار سے خوب غور و خوض کیا اور اپنے فیصلے میں بابا خلیل احمد کی کتابوں سے اس وضاحت کے ساتھ چند اقتباسات بھی پیش کیے کہ ان چھ کتابوں کا مرکزی خیال معاویہ کامیاب نہ ہوا۔ نہ تو یہ ضروری ہے اور نہ ہی مناسب کہ ان چھ کتابوں کے تمام غیر قانونی اور قابل اعتراض اقتباسات کا حوالہ دیا جائے۔ یہاں صرف چند اقتباسات کا حوالہ ہی کافی ہے:

۱۔ پہلی کتاب ”صحاب رسول اللہ اور معاویہ کی صحابیت“ ہے۔ اس کتاب کے ص ۶۱ پر

تحریر ہے کہ معاویہ نے ظلم، برائی اور تباہی کے تمام راستے اختیار کیے۔ کتاب کے صفحہ نمبر ۸-۸۸ پر مصنف لکھتا ہے کہ معاویہ نے ہر ذریعہ سے ہر ظلم کا ارتکاب کیا۔

۲۔ دوسری کتاب ”موالیٰ اور معاویہ“ ہے اس کتاب کے صفحہ ۶۱ پر تحریر ہے کہ لفظ معاویہ کے معنی ”کتیا“ کے ہیں۔ صفحہ نمبر ۲۱۳ پر معاویہ کی والدہ ہند کے بارے میں ایک اخلاق سے گرا ہوا حوالہ ہے۔ صفحہ نمبر ۳۱ پر مصنف لکھتا ہے کہ معاویہ دوزخ کا مستحق ہے اور وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔

۳۔ تیسری کتاب ”رد فتنائل معاویہ“ ہے اس کتاب کے صفحہ نمبر ۱۲ پر ہے کہ اللہ معاویہ کو جہنم رسید کریں گے اور وہ یقیناً جہنم میں جائے گا۔

۴۔ چوتھی کتاب ”حق اور اہل حق کی شاندار فتح“ ہے اس کتاب کے صفحہ نمبر ۲ پر ہے کہ معاویہ ایک کافر، دہریہ، ظالم اور بے دین تھا۔

۵۔ پانچویں کتاب ”قول فیصل ہے اس کتاب کے صفحہ نمبر ۳۸-۳۹ پر ہے کہ معاویہ سر سے لے کر پاؤں تک مجرم ہے اور صفحہ نمبر ۱۰۸-۱۰۹ پر ہے کہ معاویہ یقیناً جہنم میں جائے گا۔ اس کا ٹھکانہ جنت نہیں جہنم ہے۔

۶۔ چھٹی کتاب ”معاویہ پر جوار لعنت کے شرعی دلائل“ ہے اس کتاب کے صفحہ نمبر ۱-۸ پر مصنف نے معاویہ کے ۱۶ گناہوں اور غلط کاریوں کی فہرست پیش کرنے کے بعد لکھا ہے کہ قارئین مہربانی کر کے نوٹ کر لیں کہ مذکورہ برائیوں اور جرائم میں سے وہ کون سی برائیاں اور جرائم ہیں جن کا معاویہ نے ارتکاب نہیں کیا۔ پھر اسے مذکورہ بالا الزامات اور القابات سے کیونکر یہی الذمہ قرار دیا جاسکتا ہے؟

اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۳۹ پر معاویہ کی والدہ کے بارے میں اخلاق سے گرا ہوا ایک حوالہ ہے۔ صفحہ نمبر ۶۲ پر مصنف نے معاویہ کے مستحق لعنت ہونے پر بہت سے دلائل پیش کیے ہیں۔

مذکورہ بالا چھ کتابوں کی عام بحث سے یقیناً یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ معاویہ کا کردار بدافرتانگیز تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مصنف زیر دفعہ ۲۹۵-۱ کے تقریرات ہند، یہ کتابیں لکھنے کا مرتکب ہے یا نہیں؟

مذکورہ بالا دفعہ کا مفہوم یہ ہے:

”جو شخص دانستہ یا بے نیت فاسد ہندوستان کے شہریوں کی کسی بھی جماعت کے لوگوں کے مذہبی احساسات کی تقریری یا تحریری الفاظ کے ذریعے یا کسی نمایاں فتوش وغیرہ کے ذریعے سے توہین کرتا یا ان کے مذہب یا مذہبی اعتقادات کی تحقیر و تذلیل کی کوشش کرتا ہے تو وہ قید و جرمانہ دونوں سزاؤں کا مستحق ہو سکتا ہے۔ جب کہ قید کی میعاد دو سال تک ہو سکتی ہے۔

اس کے بعد فاضل ججوں نے اہل سنت والجماعت کے ان مذہبی جذبات و عقائد کو جو معاویہؓ اور ان کے والدین کے بارے میں ہیں مختلف کتب سے نقل کیا ہے۔

مصنف کے دلائل پر جرح و قدح کے بعد فرد جرم عائد کرنے کے لیے ۱۲۹۵ء تعزیرات ہند کی روشنی میں بالقصد، بالا راہ بہ نیت فاسدان تمام اکابر کی توہین و تحقیر اور مسلمانوں کی دل آزاری کرنے والا ثابت کر کے مجرم قرار دیا اور حکومت یوپی کے ضبطی کتب کے حکم کو بالکل درست اور جائز قرار دیا ہے۔ فیصلہ کے آخری الفاظ حسب ذیل ہیں:

تعزیرات ہند کی دفعہ ۲۹۵ء میں لفظ ”بدنیتی“ کسی مخصوص منہوم کے ساتھ استعمال نہیں ہوا۔ استغاثہ کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ ثابت کرے کہ درخواست گزار کی نیت فاسد تھی یا مخصوص اشخاص کے ساتھ دشمنی رکھتا تھا۔ اگر قانونی جواز کے بغیر رضا کارانہ طور پر مضرت رساں کام کیا جائے تو اسے بھی ”بدنیتی“ ہی سمجھا جائے گا۔

(درخواست گزار بابا خلیل احمد داس کے وکیل) صادق علی نے اس پر بحث کی ہے کہ مصنف کے پاس مذکورہ چھ کتب لکھنے کا جواز موجود تھا کیونکہ مخالف نقطہ نظر کی تائید میں کتابچے شائع ہو چکے تھے۔

میں (یعنی جج) نہیں سمجھتا کہ اس صورت حال کو قانونی جواز بنالینا چاہیے۔ درخواست گزار کا یہ چھ کتابیں لکھنا ایک رضا کارانہ فعل تھا اسے کسی اعلیٰ ہستی کی طرف سے ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ درخواست گزار نے اپنی مرضی اور خواہش سے خاص دلائل کو رد کرنے کا انتخاب کیا۔ لہذا اسے ”قانونی جواز“ قرار نہیں دیا جاسکتا اور وہ بغیر کسی قانونی جواز کے مجرمانہ فعل کا مرتکب ہے۔ علاوہ ازیں وہ اپنی تحریر کے ممکنہ نتیجہ اور انجام سے بھی آگاہ تھا۔ اس لیے اس کی ”بدنیتی“ بھی ثابت ہوگئی۔

تعزیرات ہند کی دفعہ ۲۹۵ء کے تحت فرد جرم عائد کرنے کے تمام اجزاء ثابت ہو چکے ہیں۔ ان چھ کتابوں میں سے ہر ایک میں ایسا مواد موجود ہے جو دفعہ مذکورہ کے تحت قابلِ مزا ہے لہذا حکومت ضابطی کتب کے حکم کو جاری کرنے میں مطمئن اور حق بجانب تھی۔ اور عدالت کی طرف سے مزم بابا خلیل احمد کی درخواست زیر دفعہ ۹۹۔ بنی ضابطہ فوجداری خارج کی جاتی ہے۔ عدالت کی طرف سے مزم بابا خلیل احمد کو یہ حکم بھی دیا گیا کہ وہ ترجمہ فیس اور تین سو روپیہ فیس ڈپٹی گورنمنٹ ایڈووکیٹ کو واکرے۔ (تفصیل فیصلہ ہائی کورٹ سیشنل بیچ الہ آباد ۱۷۱۱۹۶۰ء آئی آر ۱۷۱۵-۱۷۱۹ء)

یہ ملحوظ رہے کہ مقدمہ کی سماعت کے دوران میں اہل تشیع داس، درہمے، قدس، نغزہ ہر طرح اور ہر وقت مدد و معاون کی حیثیت سے بابا خلیل احمد داس کے شانہ بشا نہ کھڑے رہے۔

۲۳۔ امام اہل سنت مولانا عبد اشکور لکھنویؒ

(م ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۲ء)

امام اہل سنت مولانا عبد اشکور فاروقی لکھنؤ سے اکلومیٹر دور ”اودھ“ کے تاریخی اور مردم خیز قصبہ ”کاکوری“ میں ۲۳ ذی الحجہ ۱۲۹۳ھ / ۱۸۷۶ء کو پیدا ہوئے۔

سلسلہ نسب ”عبد اشکور بن حافظ بن ظفر علی بن حکیم فضل علی بن قادیانی بن رحمت علی بن مظہر علی بن حبیب علی..... سے ہوتا ہوا عبد اللہ بن عمر بن خطاب سے جا ملتا ہے۔

امام اہل سنت کے والد مولانا ظفر علی نے ان کا نکاح تعلیم کے دوران ہی سید ذاکر علی بن سید مالک کی دختر (نجیب الطرفین سیدہ) کے ساتھ کر دیا تھا۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اس وقت سیدہ کا نکاح غیر سیدہ کے ساتھ ”جائز“ سمجھا جاتا تھا۔

موصوف ایک وقت بہترین مفسر، محدث و مؤرخ ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ فقیہ اور عظیم مناظر بھی تھے۔ انہوں نے ”لکھنؤ“ کو اپنا مرکز بنا کر دفاع صحابہ و اہل بیتؑ اور مسلک اہل سنت کی حفاظت و اشاعت کا جو کام کیا وہ یقیناً ایک ماقابل فراموش تاریخی کارنامہ ہے۔

رد شیعیت میں تو وہ شمشیر بے نیام تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان اور قلم سے دفاع صحابہؓ کا عظیم کام لیا جس کی بناء پر انہیں بجا طور پر ”امام اہل سنت“ کا خطاب عطا کیا گیا۔ ان کی ذات جامع کمالات اور سلف صالحین کا نمونہ تھی۔ علم و عمل اور تدین و تقویٰ میں ان کا درجہ بہت بلند تھا۔ تعلیم و تدریس، تالیف و تصنیف، وعظ و تبلیغ اور ارشاد و ہدایت غرضیکہ ہر شعبہ میں ان کے نمایاں کارنامے محفوظ ہیں۔ نصف صدی تک ان کا فیض جاری رہا۔ زندگی کے آخری پچیس، تیس سالوں میں وہ ”خاموشی اور گوشہ نشینی“ اختیار کر کے ”موتوا قبل ان تموتوا“ کی عملی تفسیر بن گئے اور بالآخر ۱۷ ذی قعدہ ۱۳۸۱ھ / ۲۳ اپریل ۱۹۶۲ء کو پیر بعد از نماز عصر رحلت فرما گئے۔

اللہ تعالیٰ ان کی بشری اغوشوں کو معاف کرے اور ان کی دینی خدمات قبول کرے اپنے جوار رحمت اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا کرے۔ آمین

حضرت موصوف کی زبان سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک ”تفصیلی“

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

مولانا عبدالشکور لکھنوی

جملہ نکل گیا تھا جسے بعد میں نہ صرف شہرت حاصل ہوئی بلکہ اسے مبنی براعتدال بھی قرار دے دیا گیا۔ یہاں اس کا تجزیہ بذیہ قارئین کیا جاتا ہے:

مولانا قاضی مظہر حسین صاحب بدایت مولانا محمد منظور نعمانی فرماتے ہیں کہ:

”مناظرہ کے میدان میں رہنے کے بعد راہ اعتدال پر قائم رہنا بڑی مشکل بات ہے۔ اللہ ہی اگر توفیق دے اور دست گیری فرمائے تو آدمی اعتدال پر رہ سکتا ہے ورنہ اس میدان میں قدم رکھنے والے کا افراط یا تفریط میں مبتلا ہو جانا ایک عام بات اور اکثری تجربہ ہے۔ ناچیز نے اس پہلو سے حضرت مولانا کو بہت ہی ممتاز اور باتوفیق پایا۔ صرف ایک مقولہ نقل کرنا ہوں جو مولانا سے میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے: ایک موقع پر حضرت علی مرتضیٰؑ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درجات کا فرق بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

حضرت علی مرتضیٰؑ سابقین اولین کی بھی پہلی صف کے اکابر میں ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگر چہ صحابی ہونے کی حیثیت سے ہمارے سر تاج ہیں لیکن حضرت علی مرتضیٰؑ سے ان کو کیا نسبت؟ ان کی مجلس میں اگر صف نعال میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جگہ مل جائے تو ان کے لیے سعادت اور باعث فخر ہے۔“ (تحفہ خلافت ص ۱۵۱، شریک شدام اہل سنت پاکستان، جہلم)

حضرت علیؑ اور حضرت معاویہؑ کے مابین امام اہل سنت کا ذکر ہر انتہائی ”نامناسب“ تقابلی تبصرہ سب سے پہلے مولانا محمد منظور نعمانی نے بد موقع وفات امام اہل سنت اپنے رسالے ”ماہنامہ الفرقان“ (ذی قعدہ ۱۳۸۱ھ) میں اپنے ہی ایک مضمون ”حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی مجددی۔ میری واقفیت اور تاثرات“ کے تحت شائع کیا تھا پھر موصوف نے یہی مضمون اپنی آپ جی ”تحدیثِ نعمت“ میں زیر عنوان ”غیر معمولی اعتدال“ صفحہ نمبر ۳۴ پر نقل فرمایا ہے جسے بعد میں جناب قاضی مظہر صاحب نے ۱۹۸۳ء میں ”تحفہ خلافت“ مجموعہ تفسیر آیات قرآنی کے مقدمہ کی زینت بنایا بعد ازاں ۱۹۹۱ء میں سید نفیس الحسینی شاہ صاحب نے قاری قیام الدین صاحب کی کتاب ”تذکرہ کاتب وحی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ“ ص ۲۰ پر اپنی تقریظ میں دہرایا، نبیرہ امام اہل سنت پروفیسر عبدالحی فاروقی صاحب نے اپنی کتاب ”امام اہل سنت مولانا محمد عبدالشکور فاروقی لکھنوی حیات و خدمات“ (ہندوستان میں اشاعت اول ۲۰۰۰ء اشاعت دوم ۲۰۰۲ء جبکہ پاکستان میں اشاعت اول ۲۰۰۸ء مطبوعہ دارہ تحقیقات اہل سنت بلال پارک بیگم پورہ لاہور) صفحہ نمبر ۶۲ پر پھر فروری ۲۰۱۱ء میں حضرت قاضی صاحب کے ایک عقیدت مند مفتی محمد سعید خان صاحب نے اسے

اپنے کتابچہ ”دیوبندیت کی تطہیر ضروری ہے“ ایک تجزیہ ایک فقرہ کا نہ صرف حصہ بنایا بلکہ اس تقابلی کو باقاعدہ اہل سنت کا عقیدہ بھی قرار دیا جس کا ذکر آگے خود ان ہی کے عنوان کے تحت آ رہا ہے۔ اس سے یہ بات بھی از خود ہی واضح ہو گئی ہے کہ گزشتہ تیرہ صدیوں کے علماء اس ”عقیدہ“ سے آگاہ نہیں تھے، چودھویں صدی میں پہلی مرتبہ ایک ”نزی غریب اور خبر واحد“ کی بناء پر ایک عالم کے ذاتی ”خیال“ کو ”عقیدہ“ کی حیثیت دے دی گئی۔ کیا ”عقائد“ کا ”اثبات“ اسی طرح ہوا کرتا ہے؟

امام اہل سنت کے عظیم کام اور بلند علمی مقام کے پیش نظر بالکل یقین نہیں آتا کہ انہوں نے حضرت علیؑ اور حضرت معاویہؓ کے مابین تقابلی کرتے ہوئے یہ کہا ہوگا کہ ”حضرت علیؑ کی مجلس میں اگر صف نعال (یعنی جوتوں کی صف) میں بھی حضرت معاویہؓ کو جگہ مل جائے تو ان کے لیے سعادت اور باعث فخر ہے“، لیکن مولانا محمد منظور نعمانی، سید نفیس الحسنی شاہ صاحب، مولانا قاضی مظہر حسین، نبیرہ امام اہل سنت پروفیسر عبدالحی فاروقی لکھنوی اور مفتی محمد سعید خان کی تصدیقات نے اسے تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا ہے کہ یہ قول ان ہی کا ہوگا۔ اس پر مستزاد یہ کہ یہ امانت آمیز قول ۱۳۸۱ھ تا ۱۴۳۷ھ یعنی گزشتہ ستاون سالوں سے خود علماء دیوبند ہی کی کتب و رسائل میں نقل ہوتا چلا آ رہا ہے لیکن دیگر علماء کی طرف سے ان کی کوئی تردید نظر سے نہیں گزری بلکہ جن اکابر نے اس ”جملہ“ کو نقل بھی کیا ہے تو اسے صحیح سمجھ کر ہی نقل کیا ہے۔ اس طرح باقلین بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر ایک جلیل القدر صحابی کی شان میں ”تنقیص“ کے مرتکب ہو گئے ہیں لہذا باقلین اور باقلین کی وقعتِ شان اور تمام تر جلالتِ قدر کے باوجود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں اس قول کے ساتھ ہرگز اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی بھی امام اہل سنت کے زیر بحث قول کی ”تحسین“ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”تصوف کا اثر کہیے یا مولانا کی سلامت طبع اور حقیقت پسندی کہ فرقہ اثنا عشریہ سے طویل مناظرہ کے باوجود حضرت مرتضیٰؑ اور امیر معاویہؓ کے بارے میں انہوں نے ہمیشہ فرق مراتب کا لحاظ رکھا۔ وہ بڑے جوش کے ساتھ حضرت علیؑ کی فضیلت و منقبت بیان کرتے تھے۔ ان کا نام لیتے وقت معلوم ہوتا تھا کہ ان کا دل ان کی عقیدت و عظمت سے معمور بلکہ مخمور ہے۔ اہل بیت کرام کے بھی پورے مرتبہ شناس اور ان کی محبت سے سرشار تھے۔“ (پرانے چراغ حصہ دوم ص ۲۲۳)

حضرت ندویؒ کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں امام اہل سنت کے

اس ”تحقیقی قول“ کی تحسین و توثیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک تعوف اور سلامت طبع و حقیقت پسندی کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان اسی نوعیت کے فرق مراتب کا لحاظ رکھا جانا چاہیے۔ سوال یہ ہے کہ کیا حضرت معاویہؓ ”منقیص“ کے بغیر حضرت علیؓ کی فضیلت و منقبت بیان نہیں کی جاسکتی؟ کیا کسی صحابی کی ”توہین و تنقیص“ کو ”سلامت طبع اور حقیقت پسندی“ کا نام دیا جاسکتا ہے؟

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ صحیح تعوف اور سلامت طبع و حقیقت پسندی کا اصل تقاضا یہ ہے کہ ”ایک ذمہ دار عالم دین اپنے آپ کو توازن اور اعتدال میں رکھے، وہ اپنی حدود سے ذرہ برابر نہ تجاوز کرے اور نہ ہی اپنے قول و فعل سے خاندان رسالت اور اہل بیت نبویؐ کے فضائل و مناقب کی تبلیغ و اشاعت میں جاں نثارانِ پیغمبرؐ کے مرتبہ و مقام میں اونٹنی سی بھی کمی واقع ہونے دے۔“

نیرہ امام اہل سنت پروفیسر محمد عبدالحی فاروقی لکھنوی نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ”صف نعال“ کا مقام و مرتبہ ”متعین“ کرنے کو ہی ”امام اہل سنت کا اعتدال اور سب سے بڑا امتیاز قرار دے دیا؛ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

”شیعیت اور خارجیت دونوں ایک دوسرے سے متضاد نظریات کی حامل ہیں اور دونوں ہی اہل سنت و جماعت کے مسلک اعتدال سے ہٹتی ہوئی اور جادو حق سے کوسوں دور ہیں۔ حضرت مولانا لکھنویؒ کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے حب صحابہؓ و رجب اہل بیتؓ دونوں کے تقاضوں کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے۔ انہوں نے جہاں اسلام کے چوتھے خلیفہ حضرت علیؓ مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے فضائل و مناقب کو محبت و احترام کے ساتھ بیان کیا ہے وہیں اسی پاس و لحاظ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم المرتبت صحابی اور کاتب وحی الہی حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے بھی فضائل و مناقب کو بیان کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ دونوں بزرگوں میں جو فرق مراتب تھا اس کو بھی ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ چنانچہ جنگ عین کے سلسلہ میں ان دونوں بزرگوں کے منصب و مرتبہ کے بارے میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

اس لڑائی کے متعلق اہل سنت کا فیصلہ یہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ خلیفہ برحق تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ والے باغی، خاطی، مکر اس خطا پر ان کو یہ اکہنا جائز نہیں کیونکہ وہ بھی صحابی ہیں اور صاحب فضائل ہیں، ان کی یہ خطا غلط فہمی کی وجہ سے تھی اور غلط فہمی کے اسباب موجود تھے۔ ایسی خطا کو خطائے اجتہادی کہتے ہیں جس پر عقلاً و شرعاً کسی طرح مواخذہ

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

مولانا عبدالشکور کھٹوی

نہیں ہو سکتا..... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ابتداء تو باغی تھے مگر حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی صلح و بیعت کے بعد وہ بلاشبہ خلیفہ برحق ہو گئے۔“ (خلفائے راشدین ص ۱۲-۱۳)

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان اسی فرق مراتب کے متعلق حضرت مولانا محمد منظور نعمانی نے بھی حضرت لکھنویؒ سے خود اپنی سنی ہوئی ایک روایت، ماہنامہ الفرقان لکھنؤ میں نقل کی ہے کہ آپ نے ایک موقع پر ان سے فرمایا تھا:

”حضرت علیؓ سابقین اولین کی پہلی صف کے بھی اکابر میں ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگرچہ صحابی ہونے کی حیثیت سے ہمارے سرتاج ہیں لیکن حضرت علی مرتضیٰ سے ان کو کیا نسبت؟ ان کی مجلس میں اگر صرف نعال میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جگہ مل جائے تو ان کے لیے سعادت اور باعث فخر ہے۔

ان دونوں شہادتوں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ آپ نے مشاجرات صحابہ اور دیگر اختلافی امور میں کبھی جادہ حق سے انحراف نہیں کیا اور ہمیشہ مسلک وسط کو اختیار کیا ہے۔ یہی مسلک ہمارے اکابر اہل سنت کا طرہ امتیاز ہے اور سواد عظیم کا متفقہ عمل ہے۔

اختلافات صحابہ کے سلسلے میں ہمارے علماء نے کف لسان کا حکم دیا ہے اور فریقین میں سے کسی کو بھی تنقید کا نشانہ بنانے کو منع کیا ہے کیونکہ نبیؐ کی طرح صحابہ معصوم عن الخطا تو نہیں ہیں مگر وہ معصون و محفوظ ضرور ہیں وہ سب کے سب عادل اور مجتہد تھے ان سے خطائے اجتہادی تو ہو سکتی ہے مگر اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہو گا بلکہ وہ موجب ثواب ہو گئی۔“

(امام اہل سنت حضرت علامہ محمد عبدالشکور فاروقی لکھنویؒ حیات و خدمات ص ۲۲۶-۲۲۷)

حضرت موصوف کی پیش کردہ دونوں شہادتوں میں بعض امور محل نظر ہیں (جن کی وضاحت کا یہاں موقع نہیں ہے) البتہ ”اختلافات صحابہ“ کے سلسلے میں بیان کردہ شرعی حکم بالکل صحیح ہے لیکن سوال پھر یہی ہے کہ حضرت علیؓ کی فضیلت و منقبت بیان کرنے کے لیے بلا ضرورت و بلا موقع، ہزاروں محارثین سیدنا علیؓ میں سے صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کو خصوصیت کے ساتھ بدفہم تنقید بناتے ہوئے ”باغی، خاطی“ کہتے رہنے کے علاوہ انہیں ”صف نعال“ کے مقام و مرتبہ میں رکھنا کیا ”کف لسان“ کے شرعی حکم کی تعمیل ہے؟ پھر تعجب بالائے تعجب یہ کہ ”صف نعال“ کا یہ مقام و مرتبہ بھی لفظ ”اگر“ کے ساتھ مشروط کر دیا گیا ہے۔ یعنی حضرت علیؓ سے انہیں کیا نسبت ہو سکتی ہے؟ وہ اس مقام و مرتبہ کے بھی حامل نہیں ہیں ”اگر“ انہیں ان کے

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین مولانا عبدالشکور لکھنوی

”جوئوں کی صف“ میں بھی جگہ مل جائے تو ان کے لیے سعادت اور باعثِ فخر ہے۔ یہ جملہ اور وجہ بندی یقیناً ”کف لسان“ کے شرعی حکم سے تجاوز اور انحراف ہے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی کا یہ تجزیہ درست معلوم ہوتا ہے کہ یہ ”جملہ“ حضرت علیؑ کی محبت و عقیدت میں ”مختور دل“ کی وجہ سے یا پھر ”تصوف“ کے اثر کے تحت صادر ہوا ہے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؑ کے بارے میں امام اہل سنت کے اس ”غلو“ کی بناء پر مدبر فاران کراچی مولانا ماہر القادری (م ۱۹۷۸ء) صاحب بھی یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ:

”بعض لوگوں کی زبان سے یہ باتیں بھی ان کانوں سے سنیں کہ رفض کی تردید کرتے کرتے مولانا کے مزاج و طبیعت میں خارجیت کی جھلک پیدا ہو گئی ہے مگر مولانا مرحوم نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے جو حالات لکھے ہیں انہیں پڑھ کر معلوم ہوا کہ ان کی ذات سے خارجیت کی نسبت بے سرو پا تہمت ہے۔ اہل بیت کرام سے وہ اسی طرح محبت و عقیدت رکھتے تھے جو اہل سنت کا شعار ہے۔ بلکہ مجتہد فضائل علیؑ میں ایک دو مقامات پر مولانا کے قلم سے غلو کی جھلک نظر آئی۔“

(ماہنامہ فاران کراچی جولائی ۱۹۶۲ء بحوالہ ”امام اہل سنت حضرت علامہ محمد عبدالشکور فاروقی لکھنوی حیات و خدمات مؤلفہ پروفیسر محمد عبدالحی فاروقی ص ۷۲۶۔ مطبوعہ ادارہ تحقیقات اہل سنت بلال پارک پیٹم پورہ لاہور)

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اگر حضرت علیؑ ”نجیب الطرفین“، ہاشمی قرشی ہیں تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ”نجیب الطرفین“، اموی، قرشی ہیں۔ دونوں کا نسب پانچویں پشت میں ”عبد مناف“ تک پہنچ کر ایک ہو جاتا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ تفصیل زیر نظر کتاب کے آغاز میں گزری چکی ہے۔

حضرت علیؑ قدیم الاسلام ہیں۔ انبیائے کرام اور خلفائے ثلاثہ کے بعد تمام مسلمانوں سے افضل ہیں۔ لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مفضل ہونے کے باوجود ”صف نعال“ کے مقام و مرتبے میں ہرگز نہیں آتے۔ حضرت علیؑ کی منقبت اور فضیلت بیان کرنے کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ”باغی، طاغی، خاظم اور جائز“ کہنے اور بتانے کی سرے سے کوئی ضرورت ہی نہیں ہے اور نہ ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقام گھٹا کر پیش کرنے اور انہیں ”صف نعال“ میں رکھنے اور بتانے سے حضرت علیؑ کی فضیلت میں کوئی اضافہ ہوتا ہے۔

صحابہ کرامؓ کو اس نقطہ نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے کہ ہر ایک دوسرے کے ساتھ کیسا تھا بلکہ انہیں اس زاویہ نظر سے دیکھنا چاہیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیسے تھے؟ یعنی انہیں ”بـالنسبۃ الیہی

المعاصرین“ کے بجائے ”بالنسبة الى الرسول صلى الله عليه وسلم“ ہی دیکھنا چاہیے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مقام و مرتبے کے اعتبار سے ”صف نعال“ میں رکھنا (وہ بھی مشروط طور پر) تو صریح توہین ہے لیکن امام اہل سنت کا یہ فرمانا بھی آں معزز و مکرم کی توہین و تنقیص پر ہی مبنی ہے کہ ”حضرت علیؑ سے ان کو کیا نسبت؟“ اس طرح کا نظریہ تو صرف نبی اور غیر نبی کے تقابلی میں صحیح قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ نبی کی ”لأن“ ہی الگ ہے۔ امت مسلمہ کا کوئی عام صالح اور ولی تو درکنار خود افضل الامت، سیدنا ابوبکر صدیقؓ بھی ترقی کرتے کرتے کسی ”مفضل“ نبی کے مقام تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔ ان کے درمیان کوئی نسبت قائم نہیں ہو سکتی۔ اس کے برعکس غیر نبی، غیر نبی سے کتنا ہی گلیا کیوں نہ ہو اس کی کوئی نہ کوئی نسبت ضرور قائم ہوگی۔ اس بات کا تعلق تو امت مسلمہ کے عام افراد متقدمین اور متاخرین کے ساتھ ہے لیکن جہاں تک حضرت علیؑ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان نسبت کا تعلق ہے تو افضل و مفضل ہونے کے باوجود ان کے درمیان نسب، خاندان، اسلام، ایمان شرف صحبت، انفاق و قال فی سبیل اللہ سمیت بیسیوں نسبتیں قائم ہیں۔

اسی طرح ”نچراغ مرید کجا، شمع آفتاب کجا“ (از مولانا شاہ معین الدین ندوی)، تالین الشریا و ابن الشریؒ (از مولانا ابوالکلام آزاد) اور ”حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمرؓ کے ماخون کے بھی برابر نہیں ہیں“ (از مولانا طارق جمیل) جیسے قوال بھی یقیناً گستاخی پر مبنی اور توہین آمیز ہیں۔ سخت حیرت ہے کہ قاضی مظہر حسین صاحب نے اس توہین آمیز قول کو تو صحیح سمجھ کر نقل کر دیا جب کہ امام اہل سنت کی ایک دوسری معمولی فروگزاشت کو ”محل نظر“ لکھ دیا۔

امام اہل سنت اپنی ایک کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

”حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگرچہ صحابی رسول ہونے کے سبب سے صاحب فضا کل ہیں اور ان کے بعد پھر مسند خلافت کو کوئی صحابی نصیب نہیں ہوا۔“

(خلفائے راشدین ص ۲۳۸۔ تحت دعامة الکتاب مطبوعہ دارالاشاعت کراچی ۱۹۹۴ء)

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ:

”یہاں امام اہل سنت کا یہ لکھنا محل نظر ہے کہ ان یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد پھر مسند خلافت کو کوئی صحابی نصیب نہیں ہوا۔ حالانکہ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ۹ سال تک مسند خلافت پر فائز رہے ہیں۔“ (خارجی فقہ حصہ ۲ ص ۶۳۶۔ مطبوعہ حجر یک خدام اہل سنت پاکستان پکوال) امام اہل سنت اپنی کتاب خلفائے راشدینؓ میں زیر عنوان ”حضرت فاروق اعظمؓ کی

شہادت لکھتے ہیں کہ:

”اس روز بھی آپ نے ایسا ہی کیا نماز ویسے ہی آپ نے شروع کی تھی صرف تکبیر تحریرہ کہنے پائے تھے کہ ایک مجوسی کا فرابولہ لڑا جو حضرت مغیرہ کا غلام تھا اور ایک زہر آلود خنجر لیے ہوئے مسجد کی محراب میں چھپا ہوا بیٹھا تھا اس نے آپ کے شکم میں تین زخم کاری اس خنجر کے لگائے آپ بے ہوش ہو کر گر گئے....“ (خلفائے راشدین ص ۱۵۹)

موصوف نے اپنے دور کے ”محرابوں“ پر قیاس کرتے ہوئے یہ خلاف حقیقت بات لکھ دی ہے۔ حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کے دور میں کسی ”محراب“ کا تصور تک نہ تھا۔ اسلوانہ عائشہؓ کے پاس جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرماتے تھے اسے ”مصلى رسول“ کہا جاتا ہے۔ ۹۱ھ میں ولید بن عبدالملک کے حکم سے مدینہ منورہ کے گورنر عمر بن عبدالعزیز نے پہلی مرتبہ ”مصلى رسول“ اور حضرت عثمانؓ کی توسیع کردہ جگہ میں ”محراب النبی“ اور ”محراب عثمانی“ کے نام سے محراب بنوائے۔

یہ ملحوظ رہے کہ حضرت عمرؓ نے بھی ۷ھ میں قبلہ کی جانب جنوباً ایک والان کا اضافہ کیا تھا جب کہ حضرت عثمانؓ نے بھی ۲۹ھ میں اسی جانب ایک والان کا مزید اضافہ کیا جس کے بعد آج تک قبلہ کی دیوار کی طرف کوئی اضافہ نہیں کیا جا سکا۔ حضرت عمرؓ کی شہادت کی وجہ سے ہی حضرت عثمانؓ نے اپنی نماز کی جگہ منقصورہ بنوایا تھا۔ (ملاحظہ ہو ”تاریخ مسجد نبوی شریف ص ۳۷، ۸۴ مؤلفہ ڈاکٹر محمد الیاس عبدالغنی۔ مطابع الرشید المدینۃ المنورہ)

اسی طرح امام اہل سنت نے صحیح بخاری کی ایک روایت کے حوالے سے بھی حدیث قرطاس سے متعلق ایک خلاف حقیقت بات لکھ دی ہے کہ:

”جواب پہلے الزام کا یہ ہے کہ اول تو لفظ ”ہجر“ حضرت عمرؓ کا مقولہ نہیں۔ صحیح بخاری میں سات جگہ یہ روایت ہے مگر کہیں بھی یہ لفظ حضرت عمرؓ سے منقول نہیں بلکہ ”قالوا“ بصیغہ جمع ہے.... تیسری بات یہ ہے کہ لفظ ”ہمزہ“ استفہام کے ساتھ مروی ہے چنانچہ بخاری کی چھ روایتوں میں ہمزہ کے ساتھ ہے صرف ایک میں بے ہمزہ ہے بلکہ حسب قاعدہ اصول حدیث جو روایت بے ہمزہ کے ہے اس میں بھی ہمزہ مانا جائے گا پس یہ لفظ اگر بمعنی ہدیان ہو تو بھی استفہام انکاری ہے۔“ (خلفائے راشدین جلد اول ص ۳۶۱-۳۶۲ مؤلفہ علامہ خالد محمود زریعہ عنوان ”تقریر قرطاس کا اختتام فیصلہ“ از حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی)

اس اقتباس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ بخاری کی سات روایتوں میں

لفظ ”ہجر“ موجود ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ بخاری کی جیسے روایتوں میں یہ لفظ ہمزہ کے ساتھ ہے یعنی ”اھجر“، صرف ایک روایت میں بے ہمزہ یعنی ”ہجر“ ہے لہذا اصول حدیث کے قاعدے کی رو سے بے ہمزہ والی روایت میں بھی ہمزہ مانا جائے گا۔

جب کہ یہ دونوں باتیں خلاف حقیقت ہیں اور بخاری کے متداول نسخوں میں نہیں پائی جاتیں۔ یہ بات تو صحیح ہے کہ صحیح بخاری میں حدیث قرطاس سات مختلف مقامات پر بیان ہوئی ہے لیکن یہ بات قطعاً صحیح نہیں ہے کہ لفظ ”ہجر“ (ہمزہ یا بے ہمزہ) بھی ساتوں روایات میں آیا ہے۔ اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ لفظ ”ہجر“ صرف تین روایات میں آیا ہے اور تینوں میں ہمزہ کے ساتھ ہے یعنی اھجر۔ صحیح بخاری میں کہیں بھی بے ہمزہ منقول نہیں ہے البتہ صحیح مسلم میں یہ لفظ بھینہ مضارع بے ہمزہ کے ہے یعنی یہجر۔

نبیرہ امام اہل سنت پروفیسر عبدالحی فاروقی لکھتے ہیں کہ:

حضرت لکھنویؒ کا ایک معمول یہ بھی تھا کہ آپ اپنی تقریروں اور تحریروں میں واقعات کر بلا کا تذکرہ زیادہ نہیں کرتے تھے۔ اس احتیاط کے اسباب وہی ہیں جنہیں ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ اس حاشیہ فائدہ کے سلسلہ میں تاریخی کتابوں میں صحیح اور موضوع روایات اس کثرت سے خلط ملط کر دی گئیں ہیں کہ اصل و بے اصل کا امتیاز کرنا، ناممکن ہو گیا ہے۔ اس لیے ان واقعات کے تذکرہ میں انہوں نے سکوت ہی اختیار کرنا بہتر سمجھا ہے.....

تقریباً یہی صورت حال یزید کے سلسلہ میں بھی ہے۔ ان کی حمایت اور مخالفت میں بھی شروع ہی سے بہت کچھ لکھا جاتا رہا ہے اور ان کے حامی و مخالف دونوں طبقے غلو کی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔ لہذا اہل سنت والجماعت اور اکابر علماء حق کی روش یہی رہی ہے کہ تاریخ اسلام کے اس سب سے زیادہ متنازعہ فرد یزید کے بارے میں جو کفر کے الزامات ہیں ان پر سکوت اختیار کیا جائے البتہ ان کا فسق ”متفق علیہ“ ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ ایسے فاسق و فاجر شخص کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کا امیر کیسے بنادیا؟ تو اس کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ معذور تھے اور انہیں صحیح صورت حال کا علم نہ ہو سکا اس لیے ان کا یہ فیصلہ کسی بد فیتی پر نہیں بلکہ ایک قسم کی خطائے اجتہادی پر مبنی تھا۔

(موصوف بخوالہ علامہ ابن حجر مکی تحریر کرتے ہیں کہ:)

”لیکن اس کے باوجود بعض (صحابہ) سے ایسی باتیں صادر ہوئی ہیں جو ان کے مرتبہ کے لائق نہ تھیں۔ جیسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو خلیفہ بنا دیا۔ بیٹے کی شدت محبت نے اس کے کمالات ان کی نظر میں جما دیے تھے اور اس کے عیوب ان کی نظر سے پوشیدہ کر دیے تھے۔ حالانکہ اس کے عیوب آفتاب سے بھی زیادہ روشن تھے۔ پس یہ بات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مرتبہ کے لحاظ سے لغزش تھی (جس پر) اللہ ان کو بخش دے گا مگر کسی دوسرے کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تقلید اس فعل میں جائز نہیں اور جو شخص اس بات میں ان کی تقلید کرے گا وہ سرنگوں کر کے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔“

مذکورہ تفصیل سے یہ عیاں ہو گیا کہ یزید میں فسق تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے انہیں امیر بنانے میں خطا اجتہادی ہوئی تھی۔ تطہیر الیمان کا اردو میں ترجمہ کر کے حضرت لکھنویؒ نے دوبار اسے شائع کیا تھا مگر اس مقام پر انہوں نے کوئی اختلافی نوٹ نہیں لگایا جس سے معلوم ہوا کہ وہ بھی اس رائے سے متفق تھے ورنہ ضرور اس کے خلاف اپنی رائے تحریر کرتے۔

(امام اہل سنت علامہ عبدالحکمر فاروقی لکھنوی حیات و خدمات ص ۲۶۷-۲۶۸)

موصوف کی اس ”توضیح“ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس ”اختلاف“ میں معذور تھے کیونکہ وہ اس کے ”فاسقانہ و فاجرانہ“ اعمال سے بے خبر تھے۔ اور دوسری طرف یہ فرمانا کہ ”اس کے عیوب آفتاب سے بھی زیادہ روشن تھے مگر بیٹے کی شدت محبت نے اس کے عیوب ان کی نظر سے پوشیدہ کر دیے تھے“ کو صحیح تسلیم کرنے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ اُت ”بغید از فہم“ ہے۔ سخت حیرت ہے کہ جس شخص کے عیوب آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہوں اس سے خود اس کا اپنا والد اور اپنے وقت کا عظیم سیاست دان، مدبر اعظم اور خلیفہ وقت بے خبر ہو۔ پھر ایسے فاسق و فاجر بیٹے کو محض ”شدت محبت“ سے مغلوب ہو کر امت مسلمہ پر مسلط کر دیا جائے۔ فیا سقا!

تعب بالائے تعب یہ کہ دیگر سینکڑوں صحابہؓ اور ہزاروں تابعینؓ نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس طویل دورانیے میں اس کے ”فاسقانہ و فاجرانہ“ اعمال سے آگاہ کرنے کے بجائے الٹا پہلے ولی عہدی اور بعد میں خلافت کی بیعت کر کے اسی ”خطائے اجتہادی“ کا ارتکاب کر لیا۔

علاوہ ازیں اگر امام اہل سنت کا یہ ”استدلال“ صحیح تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت معاویہؓ اپنے بیٹے کے ”فاسقانہ و فاجرانہ“ اعمال سے بے خبر ہونے کی بناء پر معذور تھے تو حضرت معاویہؓ پر ایک اور ”الزام“ عائد ہوتا ہے کہ انہوں نے بلا تحقیق اپنے بیٹے کو اس قدر اہم ترین منصب کے لئے

کیوں نامزد کیا؟ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آج مہتمم حضرات اپنے مدرسہ میں ”واخامہ“ کے لئے بھی ”حسن سیرت“ کا ٹیٹل لٹ لازمی قرار دیتے ہیں، اسی طرح حکومت بھی ”تھانوں“ سے ”کمیسر“ ہوئے بغیر کسی کو ملازم، سپاہی اور فوجی، بھرتی نہیں کرتی۔

حضرت موصوفؒ ایک طرف تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بیٹے کے حالات سے ”بے خبری“ کی وجہ سے ”معدور“ قرار دے کر ”خطائے اجتہادی“ کا مرتکب قرار دیتے ہیں جب کہ دوسری طرف اسے ”غرض“ قرار دے کر یہ ”نوید“ سناتے ہیں کہ اللہ ”ان کو بخش دے گا“ اس کا مطلب یہ ہے کہ ”ابھی ان کی بخشش نہیں ہوئی“ تو پھر خطائے اجتہادی کے ارتکاب پر وہ ”ماجور“ کیسے ہوئے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بصیرۂ ماضی اپنی ”رضا“ کا اعلان کر دیا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ”مستقبل“ میں بخشش کی ”نوید“ سنانے کے بعد موصوفؒ یہ ”ہدایت“ بھی دے رہے ہیں کہ جو شخص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فعل (الائق ونااہل کی جانشینی) میں ان کی تقلید کرے گا تو وہ اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ مدارس کے مہتمم، مساجد کے خطباء، علماء و مشائخ اور گدی نشینوں کو اس نصیحت پر غور و توجہ دینی چاہیے جن کی اکثریت صدیوں سے مسلسل اپنے الائق ونااہل اور ”فاسق“ بیٹوں کی محبت میں ان کو اپنا جانشین بنا کر امت مسلمہ پر مسلط کرتی چلی آرہی ہے۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فعل کو ”خلاف شرع“ یا ”اجتہادی خطا“ یا ”غرض“ قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ یہ ”اختلاف“ باقاعدہ و باضابطہ طور پر اہل حق، اہل عدل، اہل رائے، اہل حل و عقد اور تمام صوبوں کے نمائندوں کے مشورے اور کامل استئواء بعامہ کے بعد عمل میں آیا تھا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کو کسی پدرانہ شفقت و محبت، طبع و لالچ، خود غرضی اور مفاد پرستی کی بناء پر ہرگز نامزد نہیں فرمایا تھا بلکہ محض رضائے الہی کے حصول، امت مسلمہ کو انتشار و افتراق سے بچانے اور اس کی باقاعدہ آزمودہ صلاحیت و اہلیت کی بناء پر ”وئی عبد“ مقرر فرمایا تھا۔

حضرت امام اہل سنت نے ”شہادت سیدنا حسین بن علیؑ“ کے عنوان سے ایک مضمون سپرد قلم فرمایا ہے اس میں واقعہ کربلا کے ضمن میں موصوفؒ نہ صرف یہ کہ اس وقت موجود صحابہ کرامؓ کا کما حقہ دفاع نہیں فرما سکے بلکہ حضرت امیر ایم علیہ السلام کے ساتھ حضرت حسینؑ کا تقابلی کراتے

ہوئے افراط و تفریط کا بھی شکار ہو گئے اور پورے تین دن کے ساتھ اعلان کر دیا کہ ”اگر باب نبوت بند نہ ہوتا اور کوئی نبی مبعوث ہوتا اور اس پر کتاب نازل ہوتی تو اس میں حضرت حسینؑ کی شان میں یقیناً یہ آیت بھی ہوتی“ جب کہ اس طرح کا کوئی دعویٰ سرے سے کیا ہی نہیں جاسکتا۔ یہاں اس مضمون کے چند اقتباسات بلا تبصرہ ہدیہ قارئین کیے جاتے ہیں:

”اسلام کی حفاظت کے لیے انہوں (امام حسینؑ) نے اپنی جان دے دی۔ وہ جان جس کی قیمت میں متاع ہر دو جہاں پائے جاسکتے ہیں بن سکتا۔ وہ جان جس کی قدر رسول اللہ اور اس کے رسول کے کما حقہ کوئی نہیں جانتا۔ سچ کہا جس نے کہا ہے کہ کیا حضرت خلیل علیہ السلام کی جاں نثاری سے کسی طرح ان کی جان نثاری کم ہے بلکہ غور سے دیکھو اگر زیادہ نہیں تو براہ ضرورت پاؤ گے... یا درکھو! اگر کوئی نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوتا اور اس پر کتاب اترتی تو حضرت خلیل اللہ و حضرت ایوب علیہما السلام کی طرح امام حسین رضی اللہ عنہ کا بھی ذکر اس میں ہوتا اور یقیناً ان کی نسبت یہ کلمات ارشاد ہوتے: ”اَنَا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نَعَمَ الْعَبْدَانِہُ اَوَّابَ“

”بے شک ہم نے حسین علیہ السلام کو صبر کرنے والا پایا، کیا ہی وہ اچھا بندہ تھا۔ بے شک وہ ہماری طرف رجوع کرنے والا تھا۔“

اب میرا دل قابو میں نہیں اور میری زبان پر بے اختیار مولانا جانی کے یہ چند اشعار آرہے ہیں...

اے زبان! اب بس کرا اور اے دل! اب ذرا رک جا۔ اگر تمام عمر بھی تو سید الشہداء کی تعریف کیے جائے گا تو کیا یہ بحر بے پایاں ختم ہو جائے گا۔ نہیں ہرگز نہیں بلکہ آخر میں یہی کہنا پڑے گا کہ

دفتر تمام گشت و پائیاں رسید عمر
ما ہم چناں در اول و صفت تو ماندہ ایم

..... رہ گیا صحابہ کا امام شہید کے ساتھ میدان کربلا میں نہ آنا، اس کی اصل وجہ تو وہ ہے کہ جس وقت امام حسینؑ نے عزم کوفہ کیا ہے اس وقت اپنے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل کو بھیج کر سب حالات وہاں کے لوگوں کے معلوم کر لیے تھے، ہر طرح سے ان کی وفاداری پر اطمینان تھا۔ یہ علم غیب کسے تھا کہ وہاں پہنچ کر یہ حادثہ جانکاہ پیش آئے گا؟ بعض صحابہ نے مثل عبداللہ بن عمرؓ کے جو امام حسینؑ کو منع کیا تھا، اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ ان کو یقین یا گمان غالب تھا کہ ایسا واقعہ وہاں پہنچنے پر پیش آئے گا بلکہ بنظر دور اندیشی انہوں نے ممانعت کی تھی۔

اب رہ گئی یہ بات کہ جب یہ حادثہ شروع ہو گیا تب صحابہ کیوں نہ شریک جنگ ہوئے؟ اس کی واقعی یہ

وجہ ہے کہ اس وقت تک تاریک کا انتظام نہ تھا کہ ان کو بھر جو جاتی۔ یزید یوں نے راہ آمد و رفت مسدود کر دی تھی۔ یہ بات بھی اختیار سے باہر ہو چکی تھی کہ امام حسینؑ کسی آئی کو بھیج کر ان کو مطلع کرتے بھی تو کیا نتیجہ

پس ازاں کہ من نہ مانم بچہ کار خواہی آمد

اب باقی رہی یہ بات کہ پھر اس واقعہ کے بعد وہ کیوں نہ لڑے؟ یہ محض ماعاقبت اندیشی کا اعتراض ہے۔ صحابہ کو اتنی قدرت اور قوت کہاں تھی کہ وہ یزید سے مقابلہ کرنے کی صورت میں کامیابی کی امید رکھتے؟ بلکہ ناکامی کا اظہار اسباب یقین کامل تھا لیکن اس پر بھی وہ لڑ کر اپنی جانیں دے دیتے مگر مجبور تھے کہ رب العرش کا حکم ”وَلَا تَلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ“ (اپنے ہاتھوں کو ہلاک ہو جانے کی طرف نہ ڈالو) ان کو اس فعل سے منع کر رہا تھا۔ (ماہنامہ انوار مدینہ لاہور۔ ص ۱۱۲۔ ستمبر ۱۹۸۶ء۔ زیر سرپرستی مولانا خان محمد صاحب، زیر ادارت مولانا محمد عبداللہ صاحب بھکر)

امام اہل سنت کے ”تساخات“ میں سے یہاں چند امور کے ذکر سے اتنی بات تو واضح ہو گئی ہے کہ آں محترم سے مذکورہ امور میں سخت تسامح ہوا ہے لیکن جہاں تک حضرت علیؑ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین تقابل کرتے ہوئے تو جین صحابی پر مبنی زیر بحث قول کا تعلق ہے وہ تو بلا دلیل ہونے کے علاوہ خود ان کی اپنی ”ذاتی ترجیح“ معلوم ہوتا ہے جو کتاب و سنت کے بھی صریح خلاف ہے۔

یہ ملحوظ رہے کہ یہاں مسئلہ ”تفضیل علیؑ بر معاویہؓ“، ہرگز زیر بحث نہیں ہے۔ مسئلہ ”تفضیل حق“ ہے اور کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ صحابہ کرامؓ درجات میں باہم برابری نہیں ہیں۔ اسی لیے علماء کرام نے مولانا ظفر علی خان کے اس شعر کو خلاف حقیقت قرار دیا ہے۔

ہم مرتبہ ہیں یارانِ نبی کوئی فرق نہیں ان چاروں میں

”تفضیل“ کی اگرچہ بہت سی اقسام ہیں لیکن جن اخروی امور میں ”تفضیل“ معتبر ہے ان میں حضرت علیؑ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ہر طرح فضیلت حاصل ہے جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔ جب کہ دنیاوی امور میں ”تفضیل“ کا اصلاً کوئی اعتبار نہیں ہے۔ لیکن اس ”تفضیل“ کو کسی صحابی کا خاص، ابن النریس و ابن النری، چراغ مردہ کجا و شمع آفتاب کجایا صنفِ نعال“ میں جگہ دینے سے ایک صحابی کی تو جین لازم آتی ہے۔

”احترام صحابیت“ کا تقاضا تو یہ ہے کہ اگر ایک طرف کوئی غیر معروف صحابی ہو جس کی کوئی نمایاں خدمت اور ممتاز سیرت سامنے نہ آئی ہو پس اتنا معلوم ہو کہ ایمان کے بعد اس نے کفر اختیار نہیں کیا اور دوسری طرف حضرت علیؑ نہیں بلکہ ”خیر الامت“ اور ”افضل البشر بعد الانبیاء“

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین مولانا عبدالشکور کھٹکوی

حضرت ابو بکر صدیقؓ ہوں تو پھر بھی اس طرح کا تقابل اس غیر معروف صحابی کی توہین پر مبنی ہوگا۔
”صحابیت“ کے بے مثال شرف سے جو مومن شرف ہو چکا ہو اسے ”ابن الشری“، چراغ
مردہ یا صفِ نعال“ سے کیونکر تشبیہ دی جاسکتی ہے؟

یہ تقابل تو بڑا ہی اہانت آمیز ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی تفاوتِ مراتب کے
باوجود یقیناً حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کی طرح ”رضی اللہ عنہم ورضوعنہ، کلا وعد اللہ
الحسنی اور اصحابی کالنجوم“ میں داخل ہیں۔

کوئی منافق ہی حضرت علیؓ کے فضل و شرف میں شک کر سکتا ہے۔ وہ یقیناً علم و فضل اور طہارت
و تقویٰ کے شہستان میں کوہِ شربِ چراغ ہیں مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے شرفِ صحابیت اور نبی اکرم صلی
اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر کتابتِ وحی اور وزیرِ مہمان داری کی گراں قدر خدمات انجام دینے کے علاوہ
متعدد مرتبہ بالخصوص حیمہ الدواع کے موقع پر طوافِ زیارت کی ادائیگی کے لیے منی سے مکہ آتے ہوئے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف بننے کی سعادت حاصل کرنے والے کو حضرت علیؓ کی ”صف
نعال“ میں جگہ دینا بھی یقیناً آں معظمہ کی سخت توہین اور بے ادبی ہے۔ بہر حال اس تقابل میں اگر ”لفظی
وحشت“ کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تب بھی یہ محض ”ٹٹو“ ہے جس سے باری تعالیٰ نے بھی منع فرمایا ہے۔

☆☆☆☆☆

۲۴۔ سید قطب شہید (م ۱۹۶۶ء)

سید قطب کا اصل نام صرف ”سید“ ہے۔ ان کے چھوٹے بھائی کا نام محمد قطب ہے۔ ”قطب“ ان کا خاندانی نام ہے۔ والد کا نام امداہیم قطب اور والدہ کا نام فاطمہ حسین عثمان تھا۔ سید قطب ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۶ء میں مصر کے ضلع ”اُسُیُوط“ کے ”موشا“ نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ بعد میں ان کے والدین اپنے گاؤں کو چھوڑ کر قاہرہ کی ایک نواحی بہتی ”حلوان“ میں آبا ہو گئے۔ سید قطب ابتدائی تعلیم اور حفظ قرآن مجید کے بعد ۱۹۲۹ء میں دارالعلوم (قاہرہ یونیورسٹی) میں داخل ہو گئے جہاں سے ۱۹۳۳ء میں گریجویشن کیا۔ ۱۹۴۷ء میں ڈیپوٹیشن پر امریکہ گئے اور وہاں سے ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ کچھ عرصہ وزارت تعلیم کے تحت سرکاری ملازمت کی پھر ۱۹۴۵ء میں ’’خوان المسلمون‘‘ سے وابستہ ہو گئے جس کی وجہ سے ایک عرصہ تک ابتلاء و اسارت کا شکار رہے۔ بالآخر ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ بمطابق ۲۵ اگست ۱۹۶۶ء کو اسلامی انقلاب لانے کے ”جرم“ کی پاداش میں تختہ دار پر لٹا دیے گئے۔

سید قطب نے تفسیر ”فی ظلال القرآن“ سمیت بائیس کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں سے ایک کتاب ”العدالة الاجتماعية فی الاسلام“ بھی ہے۔ یہ کتاب ۱۹۴۸ء میں پہلی مرتبہ منظر عام پر آئی تھی۔ اس وقت راقم الحروف کے سامنے اس کا سولہواں ایڈیشن ہے جو ”دارالاشروق“ قاہرہ مصر سے ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء میں شائع ہوا۔

محترم جناب خلیل احمد حامدی اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”العدالة الاجتماعية فی الاسلام“ ۱۹۴۸ء میں پہلی مرتبہ منظر عام پر آئی ہے۔ اب تک اس کتاب کے سات ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ ہر ایڈیشن میں سید موصوف اپنے تازہ مطالعہ کی بناء پر ترمیم و اضافہ کرتے رہے ہیں۔ اس کتاب کے ساتویں باب میں سید موصوف نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور بنو امیہ کے بارے میں جس نقطہ نظر کا اظہار کیا تھا ساتویں ایڈیشن میں انہوں نے مکمل تبدیلی کر دی تھی اور کوئی قابل اعتراض بات باقی نہیں رہنے دی ہے۔ یہ تبدیلی ایام اسیری میں کر دی گئی تھی مگر حالات کی وجہ سے اس کی طباعت کی کوئی سہیل نہ پیدا ہو سکی۔

ان کی شہادت کے بعد یہ ترمیم شدہ ایڈیشن چھپ چکا ہے اور عرب ممالک میں وسیع پیمانے پر تقسیم ہو رہا ہے۔ اس کتاب کے دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔ اس کا انگریزی ترجمہ ”سوشل جسٹس ان اسلام“ کے نام سے ”امریکن کونسل آف سرگز سوسائٹیز“ واشنگٹن کی جانب سے ۱۹۵۳ء میں شائع ہو چکا ہے۔ فارسی، ترکی، انڈونیشی اور اردو میں بھی ترجمے چھپ چکے ہیں۔ اس کا اردو ترجمہ ”اسلام کا عدل اجتماعی“ کے نام سے اسلامک پبلی کیشنز لاہور نے شائع کیا ہے۔ یہ ترجمہ ہمارے دوست ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی صاحب (بھارت) نے کیا ہے۔ (”جاوہر و منزل“ اردو ترجمہ ”معالم فی الطریق“ ص ۴۱-۴۲)

”جاوہر و منزل“ کا مقدمہ جناب حامد صاحب نے زیر عنوان: ”مصنف اور تصنیف“ یکم مارچ ۱۹۶۸ء کو تحریر کیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ۱۹۶۸ء میں ”العدالة الاجتماعية فی الاسلام“ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین و تنقیص سے ”پاک“ ایڈیشن شائع ہو چکا تھا اور اس وقت سے اب تک عرب ممالک میں وہی ”صحیح شدہ“ نسخہ ہی شائع ہو رہا ہے جس میں ”مترجم“ کے مطابق ”حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق“ کوئی قابل اعتراض بات باقی نہیں رہی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور بنو امیہ سے متعلق اس کتاب میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی شہرہ آفاق کتاب ”خلافت و ملوکیت“ کے ساتھ حیرت انگیز مماثلت پائی جاتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ”جماعت اسلامی“ کے ساتھ تعلق رکھنے والے مترجم موصوف کو زیر بحث کتاب میں اب کوئی قابل اعتراض بات نظر نہیں آئی۔

مترجم موصوف کے مطابق ”فوجی ٹریوٹل“ میں سید قطب نے ایک سوال کے جواب میں کہا تھا کہ ”میں نے مولانا مودودی صاحب کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے اور ہماری دعوت میں کوئی فرق نہیں ہے“

اس جواب سے منبر کے کمیونسٹ عناصر کے ترجمان ماہنامہ ”الکاتب“ کے مضمون نگار نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ”سید قطب نے مولانا مودودی کے افکار و نظریات کا سرقتہ کیا ہے“

مترجم موصوف اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:

”قارئین کے لیے یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ یہی الزام یہاں پر چند لوگ مولانا مودودی پر لگا رہے ہیں کہ انہوں نے سید قطب کی نقالی کی ہے۔ حالانکہ حقیقت صرف اتنی ہے کہ دونوں کے مآخذ ایک ہی ہیں یعنی قرآن و سنت“ (حوالہ مذکور ص ۵۸-۵۹)

سید معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین سید قطب شہید

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں دونوں کے افکار و خیالات میں مماثلت کے تاخذ ”قرآن و سنت“ تو ہرگز نہیں ہیں البتہ طبری، واقدی اور کلبی وغیرہم جیسے حضرات کی تحریرات و روایات ضرور ان کے حامل تاخذ ہیں۔

چونکہ سید قطب کی تالیف ”العدالة الاجتماعية في الاسلام“ ۱۹۴۸ء میں شائع ہو چکی تھی اور اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین کے حوالے سے اعتراضات بھی سامنے آچکے تھے اس لیے مولانا مودودی صاحب نے انہیں ”کمک“ پہنچانے کی غرض سے ”خلافت و ولایت“ جیسی زہریلی کتاب تصنیف فرمائی جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر سخت تنقید کی گئی۔ (اس کتاب کا ذکر آگے آ رہا ہے)

بہر حال مترجم موصوف کے مطابق ”العدالة الاجتماعية في الاسلام“ کا اب ”صحیح شدہ“ نسخہ ہی شائع ہو رہا ہے۔ لیکن اس دعوئی کے باوجود اس کتاب میں اب بھی حضرت عثمان، حضرت معاویہ، حضرت ابوسفیان، حضرت ہند، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم اور بنو امیہ کی توہین و تنقیص پر مبنی مواد موجود ہے جس پر عرب سکالرز بھی صدائے احتجاج بلند کرنے پر مجبور ہو گئے؛ چنانچہ مشہور عرب سکالر ڈاکٹر عادل سلیمان جمال نے استاد محمود شاہ (۱۳۲۸ھ — ۱۴۰۲ھ) کے مقالات دو جلدوں میں زیر عنوان ”مجمعة مقالات الاستاذ محمود محمد شاہ“ ترتیب دیے ہیں جن کی طباعت کی سعادت ”مکتبة الخانجي قاهرہ“ کو حاصل ہوئی ہے۔ صاحب مقالات نے ان میں سید قطب کا نہایت ہی مفصل اور مدلل رد کیا ہے۔ ”لا تَنْسُوا أَصْحَابِي“ کے عنوان کے تحت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

أربعة من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم هم أبو سفيان بن حرب، و معاوية بن أبي سفيان، وعمر بن العاص، و هند بنت عتبة بن ربيعة، أم معاوية رضي الله عنهم كيف يتكلم أحد الناس عنهم...

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان چار اصحاب کے بارے میں لوگوں میں سے کوئی کس طرح اور کیونکر کلام و نقد کر سکتا ہے؟

پھر جزیہ ”حب صحابہ رضی اللہ عنہم“ سے سرشار حضرت اعظام، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں سید قطب کے گستاخانہ رویا کس کو یہ کہہ کر نقل کرنے سے بھی گریزاں نظر آتے ہیں کہ:

و أنا أستغفر الله من نقل هذا الكلام، بمثل هذه العبارة النابية فإنه أشيع ما رأيته

(تہمیرۃ مقالات الاستاذ محمود شاہ کرس ۹۹۱-۹۹۲- الجزء الثانی)

یہ ساری بحث و دفاع صحابہ رضی اللہ عنہم کا فریضہ سر انجام دینے والوں کو خصوصیت کے ساتھ اور ترجیحی طور پر پہنچانی چاہیے جو صفحہ نمبر ۹۷۷ سے لے کر صفحہ نمبر ۱۰۱۰ تک پھیلی ہوئی ہے۔

استاذ محمود شاہ کے اس کام کو جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے فاضل استاذ رفیع بن ہادی عمیر المدخلیؒ نے مزید آگے بڑھایا ہے: انہوں نے ”مطالعن سید قطب فی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ کے عنوان سے ایک معرکہ الآراء کتاب تصنیف فرمائی۔ اس کتاب کے ”عنوانات“ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے ہی سید قطب کی ”خدمات“ بھی از خود ہی سامنے آجاتی ہیں۔ چند عنوانات ملاحظہ فرمائیں:

”لا تعیبوا أصحابی لأستاذ محمود محمد شاہ، دندتہ حول تکفیر بنی أمیة جمیعاً و خاصة أبا سفیان، مکانة أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عند اللہ و رسولہ والمؤمنین، نبذة عن الخليفة الراشد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، تمہید طویل من سید قطب لیتوصل بہ الی الطعن فی عثمان و من فی عہدہ من الصحابة و غیرہم، اتہام سید (قطب) لعثمان رضی اللہ عنہ بأنه باکر الاسلام الناشئ بالتمکین للمبادئ الاموية المجافية لروح الاسلام، اتہام بأن تصوره لحقیقة الحکم قد تغير، اظهار سید، عثمان فی صورة ظالم متجبر، اتہام سید، لعثمان بأنه قد توسع فی المنح والعطايا، رمی سید، عثمان بالانحراف عن روح الاسلام، سید قطب یری أن الثورة التي قادها ابن سبا أقرب الی روح الاسلام واتجاهه من موقف عثمان، تمکین عثمان فی نظر سید للمبادئ الاموية المجافية لروح الاسلام، اتہامات خطيرة للصحابة و المجتمع المسلم فی عہد عثمان، تحطيم أسس الدين فی عہد عثمان رضی اللہ عنہ فی زعم سید، خلافة عثمان كانت فجوة فی نظر سید قطب، طعنات فی عثمان و فی سائر الصحابة و قريش بصفة خاصة، تمجید سید للثورة علی عثمان و الصاقها بأبی ذر و برأه اللہ منها، زعم سید أن أباذرقام ينكر علی المنرفین أي أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، الذب عن عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، الذب عن طلحة بن عبيد اللہ رضی اللہ عنہ، موقف الصحابة و علماء الأمة من الثوار علی عثمان الذين يمدحهم سید قطب، طعن سید قطب فی خلفاء بنی أمیة و بنی العباس۔

فصلیۃ الشیخ علامہ رفیع بن ہادی عمیر المدخلیؒ کی ایک دوسری کتاب کا نام ”لعراصم مما فی

کتاب سید قطب من القواصم“ ہے۔

یہ ملحوظ رہے کہ قاضی ابوبکر ابن العربی کی کتاب کا نام بھی ”القواصم من القواصم“ ہے جس میں ”عمومیت“ پائی جاتی ہے جب کہ علامہ رنچ بن ہادی کی کتاب خاص ہے جو صرف سید قطب کے ”قواصم“ کے لیے ”قواصم“ کا درجہ رکھتی ہے۔

”قواصم“ قاصد کی جمع ہے۔ توڑ دینے والی یعنی انسان کے لیے ”کمزور حادثہ“ اور ایمان کو برباد کر دینے والی باتیں کیونکہ بعض اسلام دشمن عناصر نے اسلام میں ایسی چیزیں درج کر دی ہیں جن کو قبول کر لینے سے انسان ایمان سے دیوالیہ ہو جاتا ہے۔

اور عاصم یعنی حادثہ کی اصل حقیقت جس کی وجہ سے انسان محفوظ رہتا ہے۔ عاصم کا معنی ہی حفاظت کرنے والی ہے۔

موصوف کی کتاب کے نام ”القواصم معافی کتب سید قطب من القواصم“ سے ہی سید قطب کے خیالات و افکار واضح ہو جاتے ہیں۔ حضرت علامہ کی یہ دونوں کتابیں ”مکتبہ فرقان“ الامارات العربیہ المتحدہ عجمان سے شائع ہوئی ہیں۔

سید قطب شہید سے متعلق ان تمہیدی گزارشات کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کی مایہ ناز کتاب ”العدالة الاجتماعية فی الاسلام“ سے چند باتیں تذکرہ فرمیں کی جارہی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

مولانا قاضی مظہر حسین صاحب بانی و امیر تحریک خدام اہل سنت والجماعت پاکستان ”سید قطب مصری“ کے متعلق لکھتے ہیں:

سید قطب مصری کی ایک عربی تصنیف ”العدالة الاجتماعية فی الاسلام“ کا اردو ترجمہ ”اسلام کا نظام عدل“ کے نام سے مولودوی جماعت نے پاکستان سے شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں سید قطب نے خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق حسب ذیل تبصرہ کیا ہے:

”لیکن وراعمل یہ پہلا حادثہ نہ تھا، اس سے بدتر واقعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مؤخر کر کے ضعیف العربی کے زمانہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خلیفہ بنایا جاتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں سلطنت کی کجیاں مروان بن حکم کے ہنہ میں چلی گئیں۔“

مجھے پورا یقین ہے کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور چند سال اور باقی رہ جاتا یا شیعین کے بعد تیسرے خلیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہوتے بلکہ اگر مسند خلافت پر آتے وقت حضرت عثمان رضی

سید معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

سید قطب شہید

اللہ عنہ کی عمر جتنی تھی اس سے بیس سال کم ہوتی تو بڑی حد تک تاریخ کا رخ بدل جاتا۔‘ (اسلام

کا نظام عدل ۳۳۸، ۲۰۲)

(حضرت قاضی صاحب سید قطب کی مذکورہ عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:)

قطب مصری کی مندرجہ عبارتوں سے یہی نتیجہ لازم آتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نعوذ باللہ خلافت کے اہل نہ تھے اور ان کی جگہ تیسرے نمبر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت ملنی چاہیے تھی۔ اس بناء پر ہم مذکورہ اتحادی علمائے ثلاثہ (مولوی محمد چراغ صاحب گوجرانوالہ، مفتی سیاح الدین صاحب کاکا خیل اور مفتی محمد یوسف صاحب) سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا آپ کابھی یہی نظریہ ہے جو قطب مصری نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر آپ زمرہ اہل سنت سے یقیناً خارج ہیں اور نہ صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھی مخالف ہیں کیونکہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی وصیت میں جن چھ جلیل القدر صحابہ کے نام خلافت کے لیے پیش فرمائے تھے وہ حضرات ان عشرہ مبشرہ میں سے ہیں جن کے جنتی ہونے کی خبر من جانب اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنائی تھی۔

گویا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلیفہ کے انتخاب کے لیے ان ہی صحابہ کے نام پیش کیے جن کو خود اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہ کرام میں سے منتخب فرمایا تھا۔ اور پھر ان چھ منتخب اصحاب میں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلافت کے لیے منتخب ہو گئے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سمیت اس وقت کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع ہو گیا۔

تو کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بڑھاپے پر نظر نہ تھی جس کو قطب مصری خلافت کی ماہلیت کی وجہ قرار دے رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قطب مصری نہ صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے تمام جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اعتقاد بھی مسلمانوں کے قلوب سے زائل کرنا چاہتا ہے جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تیسرا خلیفہ منتخب کیا تھا۔

اور اگر یہ تینوں اتحادی علماء سید قطب کے اس پیش کردہ نظریہ کے خلاف ہیں تو پھر ان پر لازم ہے کہ واضح طور پر اس کی تردید کر کے مودودی جماعت کے ان ارکان و حلقہ کی گمراہی سے بچائیں جو قطب مصری کے ان ناپاک خلاف حق نظریات سے متاثر ہوئے ہیں۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

سید قطب شہید

(مفتی محمد یوسف صاحب کے علمی جائزہ کا ”علمی محاسبہ“ ص ۱۴۶-۱۴۷- طبع نومبر ۱۹۷۶ء)

تحریک خدام اہل سنت والجماعت چکوال)

قاضی صاحب نے تو ”اروڑ جہ“ کے حوالے سے اشارتاً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی توبین کا ذکر کیا ہے جب کہ اصل عربی کتاب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا کہ وہ کسی طور پر بھی ”خلافت راشدہ“ کہلانے کی مستحق نہیں ہے۔ خلافت کے جملہ امور سیدنا مروان اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما اور دیگر اموی امراء اپنی مرضی کے مطابق چلاتے رہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دنیا سے رخصت ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بن جانے کے باوجود بالفعل اموی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ ملاحظہ ہو ”العدالة الاجتماعية فی الاسلام“ ص ۱۶۴ تا ۱۵۹۔ جس کی تردید یقیناً ایک مستقل کتاب کی مقتضی ہے۔

سید قطب کے بارے میں پیچھے بتایا جا چکا ہے کہ موصوف نے اپنی کتاب ”العدالة الاجتماعية فی الاسلام“ میں حضرت عثمان، حضرت ابوسفیان، حضرت ہند، حضرت معاویہ، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم اور دیگر اموی صحابہ و خلفاء کو خوب بدفہم و بدنام کیا جس پر خود ان کے اپنے حلقہ احباب نے بھی ”باتھ ہکا“ رکھنے کی درخواست کی تو موصوف نے ”باول نحو اسہ“ بعض مقامات پر حذف و ترمیم کی اجازت تو دے دی لیکن اس کے باوجود نہ صرف اصل ”نفس مسئلہ“ اپنی جگہ پر قرار رہا بلکہ حضرت معاویہؓ اور بعض دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی اہانت آمیز مواد کتاب میں شامل رہا۔ چنانچہ موصوف حضرت معاویہؓ کی خلافت کو ”ملک عنفوس“ میں ”محسوب“ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”فلما جاء الامويين ، وصارت الخلافة الاسلامية ملكاً عضوضاً في بني أمية لم يكن ذلك من وحى الاسلام ، انما كان من وحى الجاهلية الذي أطفأ اشراقه الروح الاسلامي ويكفي أن تثبت هتاي بعض الروايات عن الملايمسات التي صاحبت البيعة لبزيد بن معاوية..“
(العدالة الاجتماعية فی الاسلام“ ص ۱۵۴، والاشراق نقابہ مصر۔ سلوواں ایڈیشن ۲۰۰۶ء)

الاستاذ محمود محمد شاہ نے سید قطب کی مذکورہ عبارت میں ”جاء الامويين“ کے الفاظ کی بجائے صاف طور پر یہ لکھا ہے کہ:

”فلما جاء معاوية و صير الخلافة الاسلامية ملكاً عضوضاً في بني أمية لم يكن ذلك من وحى الاسلام ، انما كان من وحى الجاهلية...“

قائمة بصفة عامة لم يعمر الايمان قلوبها وما كان الاسلام لها آلا رداء تخلعه وتلبسه

حسب المصالح والمایعات (جمہورۃ مقالات الاستاذ محمود محمد شاكر - الجزء الثاني ص ۹۹۱ - مکتبۃ الخانجی - قاہرہ)

سید قطب کی اس باروا جبارت پر سخت تعجب ہے کہ انہوں نے انتہائی لغو، بیہودہ، بے بنیاد، باطل اور بالکل ہی خلاف واقعہ بات کیونکر لکھ دی؟ موصوف نے باستثنائے عمر (بن عبدالعزیز) تمام بنو امیہ کو اس لعن زدہ عبارت میں شامل کر دیا ہے۔

استاذ مجاہد شاکر اگلے صفحہ پر ان کے یہ الفاظ: ”و مضی علی رضی اللہ عنہ الی رحمة ربہ، و جاء معاویہ بن حند و ابن ابی سفیان“ نقل کر کے لکھتے ہیں: ”و انا استغفر اللہ من نقل هذا الکلام، يمثل هذه العبارة النابیه فانه أبعث مارأيتہ“ (حوالہ مذکور ص ۹۹۲)

کہ میں اس کلام کے نقل کرنے پر بھی اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتا ہوں۔۔۔

اس سے سید قطب کے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور بنو امیہ کے ساتھ بغض و عناد کا بھی بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

سید قطب کا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ”خلافت اسلامیہ“ سے نکال کر ”ملک عضوش“ میں شامل کرنا جہاں جمہور اہل سنت کے ”اعتقاد“ سے کئی طور پر انحراف ہے وہیں تاریخ کا بدترین ”دھاندلہ“ بھی ہے۔ کیونکہ قرآن وحدیث کی روشنی میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد، عادل و مدح ہیں، ان کی خلافت یقیناً خلافت اسلامیہ اور خلافت نبوت و رحمت ہے۔ اس طرح کی خلافت کو ”ملک عضوش“ قرار دے کر اس کے بارے میں یہ تک لکھ مارا کہ یہ ”وحی اسلامی“ کے تحت نہیں بلکہ ”وحی جاہلیت“ کے تحت قائم ہوئی جس نے ”روح اسلامی“ کے نور کو بجھا دیا۔ ”فاننا لله و انا الیہ راجعون۔“

تفصیل کے خواہشمند قارئین راقم الحروف کی ۸۳۲ صفحات پر مشتمل ضخیم کتاب ”عقیدہ امامت اور خلافت راشدہ“ کی طرف مراجعت کریں۔

سید قطب، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ”خلافت اسلامیہ“ سے نکال کر ”ملک عضوش“ میں شامل کرنے کی ایک دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ شام میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت لینے کے بعد اپنے لشکر اور مال و دولت کے ساتھ حجاز کا سفر کیا جہاں انہوں نے بااثر طبقہ کو قائل کرنے کے لیے ”جبر و اکراہ، ترغیب و ترہیب اور دھونس و دھاندلی“ سے کام

لیا۔ چنانچہ موصوف لکھتے ہیں کہ:

فعمار معاویۃ الی مکة و معہ الجنود و المال ، و دعا و جہاء المسلمین فقال لہم:
فقد علمتم سیرتی فیکم و صلتی لأرحامکم یزید أخوکم و ابن عمکم ، و
أردت أن تقدموا یزید باسم الخلافة... فأجابه عبد اللہ بن الزہیر مخبراً بین أن يصنع
کما صنع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ لم یستخلف أحداً ، أو کما صنع
أبوہو... أو کما صنع عمر... فاستبشاط معاویۃ غضباً و هو یقول: ”هل عندک غیر
هذا؟ قال: لا۔ والتفت معاویۃ الی الآخرین یسألہم: فأنتم؟ قالوا علی ما قال ابن
الزہیر فقال یتوعدہم... فأحمل ذلك و أصفح و اتی قائم بحقالة فأقسم اللہ لئن رد
علی أحدکم کلمة فی مقامی هذا لا ترجع الیہ کلمة غیرہا حتی یسبقہا المیث
الی رأسہ فلا یبقین رجل إلا علی نفسه۔“

فأما الذی کان بعد ذلك ، فهو أن أقام صاحب حرس معاویۃ رجلین علی رأس کل
وجیہ من وجہاء الحجاز المعارضین ، و قد قال لہ معاویۃ: ”ان ذهب رجل منهم یرد علی
کلمة بتصديق أو تکذیب قلبضرباہ بسیفہما“۔ ثم رقی المنبر فقال:

خولاء الرہط سادة المسلمین و خيارہم ، لا یرم أمر دونہم ولا یقضی الا علی
مشورتہم ، و انہم قد رضوا و بايعوا یزید ، فبايعوه علی اسم اللہ فبايع الناس ۔
علی هذا الاساس الذی لا یعترف بہ الاسلام البتہ قام ملک یزید: فمن هو
یزید؟ هو الذی یقول فیہ عبد اللہ بن حنظلة:

”واللہ ما خرجنا علی یزید حتی خفنا أن نرمى بالحجارة من السماء ، ان
رجلا۔ ینکح الأمہات و البنات و الأخوات و یشرب الخمر و یدع الصلاة۔ واللہ لو لم
یکن معی أحد من الناس لأبليت اللہ فیہ بلاء حسناً۔“ (العدالة الاجتماعية فی الاسلام
ص 154-155۔ دار الشریعہ۔ القاہرہ۔ مصر)

بعینہ یہی واقعہ مولانا مودودی صاحب نے بھی لکھا ہے کہ:

عراق ، شام اور دوسرے علاقوں سے بیعت لینے کے بعد حضرت معاویہؓ خود حجاز تشریف
لے گئے کیونکہ وہاں کا معاملہ سب سے اہم تھا اور دنیا کے اسلام کی وہ بااثر شخصیتیں جن سے
مزاہمت کا اندیشہ تھا وہیں رہتی تھیں۔ مدینہ کے باہر حضرت حسینؓ ، حضرت ابن زبیرؓ ، حضرت ابن

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدین

سید قطب شہید

عمر اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم ان سے ملے۔ حضرت معاویہؓ نے ان سے ایسا ورشتہ بنانا دیکھا کہ وہ شہر چھوڑ کر مکہ چلے گئے۔ اس طرح مدینہ کا معاملہ آسان ہو گیا۔ (اگر موصوف اس روایت میں موجود وہ ”ورشتہ بنانا“ بھی ذکر کر دیتے تو ایمان اور فکر آخرت سے عاری ہی کوئی ”مسلمان“ اسے صحیح تسلیم کرتا)

پھر انہوں نے کئے کا رخ کیا اور ان چاروں اصحاب کو خوشہر کے باہر بلا کر ان سے ملے۔ (موجودی صاحب کی یہ بات بھی غلط ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خود انہیں باہر بلایا بلکہ روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ یہ حضرات از خود شہر کے باہر جا کر ان سے ملے تھے)

اس مرتبہ ان کا ہناؤ اس کے برعکس تھا جو مدینہ کے باہر ان سے کیا۔ ان پر بڑی مہربانیاں کیں۔ انہیں اپنے ساتھ لیے ہوئے شہر میں داخل ہوئے۔ پھر تختیوں میں بلا کر انہیں یزید کی بیعت پر راضی کرنے کی کوشش کی۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا: آپ تین کاموں میں سے ایک کام کیجیے: یا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کسی کو جانشین نہ بنائیے۔ لوگ خود اسی طرح کسی کو اپنا خلیفہ بنالیں گے جس طرح انہوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بنایا تھا، یا پھر وہ طریقہ اختیار کیجیے جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کیا کہ اپنی جانشینی کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے شخص کو مقرر کیا جن سے ان کا کوئی دور پرے کا رشتہ بھی نہ تھا، یا پھر وہ طریقہ اختیار کیجیے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا کہ چھ آدمیوں کی شوریٰ تجویز کی اور اس میں ان کی اولاد میں سے کوئی شامل نہ تھا۔

حضرت معاویہؓ نے باقی حضرات سے پوچھا: آپ لوگ کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا: ہم بھی وہی کہتے ہیں جو ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے۔

اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اب تک میں تم لوگوں سے درگزر کرتا رہا ہوں، اب میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم میں سے کسی نے میری بات کے جواب میں ایک لفظ بھی کہا تو دوسری بات اس کی زبان سے نکلنے کی نوبت نہ آئے گی، تلو اس کے سر پر پہلے پڑ چکی ہوگی۔

پھر اپنے باڈی گارڈ کے افسر کو بلا کر حکم دیا کہ: ان میں سے ہر ایک پر ایک ایک آدمی مقرر کر دو اور اسے تاکید کر دو کہ ”ان میں سے جو بھی میری بات کی تردید یا تائید میں زبان کھولے اس کا سر قلم کر دے۔“

اس کے بعد وہ انہیں لیے ہوئے مسجد میں آئے اور اعلان کیا کہ:

”یہ مسلمانوں کے سردار اور بہترین لوگ، جن کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کیا جاتا،

یزید کی ولی عہدی پر راضی ہیں اور انہوں نے بیعت کر لی ہے لہذا تم لوگ بھی بیعت کرو۔“
اب لوگوں کی طرف سے انکار کا کوئی سوال ہی باقی نہ تھا، اہل مکہ نے بھی بیعت کر لی۔ (خلافت و ملوکیت ص ۱۵۲-۱۵۳)

سید قطب اور سید مودودی تو خاسست، وراثت اور غلاظت و جہالت سے بھری ہوئی یہ مکذوبہ و موضوعہ ”روایت“ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ”ملک عضو“ ثابت کرنے کے لیے بطور دلیل پیش کر رہے ہیں لیکن اس سے مسجد حرام میں موجود جملہ صحابہ و تابعین کا کردار بھی بری طرح مجروح ہو گیا اور کسی کو بھی نظر نہیں آ رہا کہ ان حضرات کے سروں پر جلاؤنگی تلواریں لیے ہوئے کھڑے ہیں تو اس صورت میں ان کی رضامندی کا کیا معنی؟

تعجب بالائے تعجب یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی نے بیت اللہ میں بیٹھ کر عام اجتماع میں کس بے خوفی اور دیدہ دلیری کے ساتھ قصد اور عدا جھٹا اعلان کیا ہے کہ ”یہ مسلمانوں کے سردار اور بہترین لوگ یزید کی ولی عہدی پر راضی ہیں اور بیعت بھی کر لی ہے لہذا تم لوگ بھی بیعت کرو۔“ سخت حیرت ہے کہ اس جھوٹے اعلان پر ”دنیا کے اسلام کی یہ با اثر ترین شخصیتیں“ محض جان کے خوف سے خاموش اور ساکت و جامد بیٹھیں رہیں؟ آخر اظہار حق کا اس سے بڑھ کر اور کون سا موقع ہو سکتا تھا؟ پھر تجلہ میں بھی نہیں بلکہ مجمع عام میں اور اپنے حامیوں، مددگاروں اور دوستوں کی موجودگی میں ”کتمان حق“ کا یہ ارتکاب؟ اس کے تصور سے بھی روٹنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ ان حضرات کی مدح و توصیف ہے تو معلوم نہیں کہ ”ذم“ کس بلا کا نام ہے؟

سید قطب نے تو اپنے ”ماخذ“ کا حوالہ دینے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی جب کہ سید مودودی نے ”ابن اثیر“ (م ۶۳۰ھ) کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے ”حسب عادت“ بغیر سند کے ذکر کی ہے۔ معلوم نہیں کہ اس کاراوی کون ہے؟ کافر ہے یا مسلمان؟ یا سبائی اور منافق؟ سچا ہے یا جھوٹا؟ آخر اس جیسی روایات کی بنیاد پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام و تابعین عظام پر کیسے اتنا بڑا الزام عائد کر دیا جائے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے یزید کی جبراً اور جونس و حاندلی سے بیعت لینے کی ایک روایت امام ابن سعد نے بھی بیان کی ہے کہ:

... پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے رجب ۵۶ھ میں عمرہ کیا اور مدینے آئے۔ پھر یزید کی بیعت کے سلسلہ میں حسین بن علی، عبداللہ بن عمر، عبدالرحمن بن ابی بکر اور عبداللہ بن زبیر رضی

اللہ عنہم سے ان کی بات چیت ہوئی اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

انسی اُنکلم بکلام فلا تردوا علیّ شیئاً ، فأقلکم ، فخطب الناس ، فأظہر أنّہم قد بايعوا ، وسکت القوم ، فلم یقروا ، ولم ینکروا خوفاً منه“ (المطبقات الکبیر لابن سعد جلد ۶ ص ۲۷)

میں ایک بات کہنے جا رہا ہوں۔ تم لوگ ذرہ برابر بھی اس کی تردید نہ کرنا ورنہ میں تمہیں قتل کروں گا۔ چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے خطاب کیا اور یہ ظاہر کیا کہ ان حضرات نے بیعت کر لی ہے۔ یہ حضرات خاموش رہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ڈر سے نہ تواتر کیا اور نہ ہی انکار کیا۔

طبقات ابن سعد میں یہ روایت محمد بن عمرو اقدی کی سند سے مروی ہے جو بالاتفاق ”کذاب“ ہے۔ پھر اس نے ”ابن ابی سبرہ“ سے روایت کیا ہے اس کے بارے میں بھی علامہ ابن حجر عسقلانی نے محدثین کے اقوال کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”رمودہ بالوضع“ (تقریب الجہد ص ۱۷۳ تحت رقم ۷۹۷۳)

محدثین نے اس پر حدیث گھڑنے کا الزام لگایا ہے۔

زیر بحث روایت میں دو کذاب اور عساکر کٹھے ہو گئے ہیں اب اگر راوی بالفرض ”ثقة صادق“ بھی ہوتے تو پھر بھی کسی مومن بالقرآن کو اس روایت کے من کھڑت ہونے میں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔

کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر اور لسان نبوت سے ”أحلم من أمی“ کا اعزاز پانے والے سے اس بات کی توقع ہو سکتی ہے کہ وہ ان بزرگ صحابہ کو قتل کی دھمکی دیں اور مسجد الحرام میں بے مہر منبر چھوٹ بیان کریں؟

کیا وہ بزرگ صحابہ بھی العیا فی اللہ اس قدر بزدل تھے کہ قتل کی دھمکی سے ڈر کر مکتب اختیار کریں اور کتھان حق کے مرتکب ہوں؟

سید قطب مغربی نے اس روایت کے آخر میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کس کردار کی حامل اور کس ”قماش“ کی شخصیت کو امت پر بطور خلیفہ مسلط کرنے کی خاطر ”جبروا کراہ اور دھونس دودھاندی“ سے کام لیا:

فمن هو یزید؟ وهو الذی یقول فیہ عبداللہ بن حنظلہ:

”...ان رجلاً ینکح الأمہات والبنات والأخوات...“ (الحدادیۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام ص ۱۵۵)

یہ روایت تو پہلی روایت سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ معلوم نہیں کہ کس حالت میں یہ روایت

نقل کی گئی ہے؟

پھر تعجب بالائے تعجب یہ کہ اس مکروہ روایت کی نسبت بھی حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ کی طرف کر دی گئی۔

یزید کی ولادت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ امارت میں بعدِ عثمانی علیٰ اختلاف الاقوال ۲۵ یا ۲۶ یا ۲۷ھ میں ہوئی۔ وہی عہدی کی بیعت کے وقت ان کی عمر تقریباً تیس سال جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت ۳۵ سال تھی۔ گویا وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں اپنی ’بیٹیوں، ماؤں اور بہنوں‘ (جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی لونڈیاں اور بیٹیاں تھیں) کے ساتھ ’زنا‘ کا ارتکاب کرتا تھا۔ (العیاذ باللہ)

استاذِ محمود محمد شاہ نے سچ فرمایا کہ:

”وَأَنَا أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ مَنْ نَقَلَ هَذَا الْكَلَامَ بِمِثْلِ هَذِهِ الْعِبَارَةِ النَّابِيَةِ فَاتِهِ ابْنُ مَرْيَمَةَ“ (جمہور مقالات الاستاذ محمود محمد شاہ۔ الجزء الثانی ص ۹۹۲)

شجاعت معاویہ رضی اللہ عنہ اور مقامِ صحابیت سے آشنا لوگ ہی اس بات کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس روایت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کس قدر توہین پائی جاتی ہے کہ انہیں نہ تو ایک شوہر اور باپ کی حیثیت سے اپنی لونڈیوں اور بیٹیوں پر کوئی غیرت آئی اور نہ ہی انہوں نے ایک خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے اپنی دینی و شرعی ذمہ داریاں پوری کیں۔ شرم و حیا اور ایمان سے بالکل عاری کسی دشمن معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس روایت کو گھڑا جسے سید قطب نے اپنی کتاب ”العدالة الاجتماعية في الاسلام“ کا حصہ بنا کر نہ صرف ”اسلام کے عدل اجتماعی“ کا خون کیا بلکہ ابنِ سبا کی معنوی ذریت کو بھی حیرت زدہ کر دیا۔ سید قطب نے حسبِ عادت اس روایت کو بھی بالاحوالہ نقل کیا ہے جب کہ امام ابنِ سعد (م ۲۴۰ھ) نے اسے بروایت محمد بن عمرِ قادسی نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو الطبقات الکبریٰ جلد ۵ ص ۶۶

واقعہ حرہ سے متعلق قادسی کی یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے کیونکہ قادسی محدثین کے نزدیک بہت بڑا کذاب اور جھوٹا شخص تھا۔ سید قطب پر سخت تعجب ہے کہ ان کذابوں پر اعتماد کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اترام تراشی کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔

سید قطب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت کو ”ملکاً عضیضاً“ میں شمار کرتے ہوئے ان کے دو خطبوں کا بھی حوالہ دیا کہ:

”خطب معاویہ فی أهل الکوفة بعد الصلح فقال:

یا أهل الکوفة! أترانی قاتلتکم علی الصلاة والزکاة والحج، وقد علمت أنکم تصلون، و تزکون، و تحجون؟

ولکننی قاتلتکم لأتأمر علیکم و علی رقابکم، و قدأتانی اللہ ذلک، و أنتم کارهون۔ ألا إن کل مال أو دم أصیب فی هذه الفتنہ فمطلوب، و کل شرط شرطه، فتحت قلعی هاتین۔“ (”العدالة الاجتماعية فی الاسلام“ ص ۱۶۷)

موصوف نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس خطبے کا کوئی حوالہ نہیں دیا جب کہ خطبہ کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی ”مصلی اور نسی“ سبائی کی کارستانی ہے۔

مشہور شیعہ سکالر غلام حسین نجفی فاضل عراق لکھتے ہیں کہ:

”ارباب انصاف! اس صلح (یعنی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح) سے معاویہ کو بہت بڑا نقصان پہنچا ہے اور اس صلح سے معاویہ کی خلافت کے بجائے اس کا نفاق اور دشمن خاندان ثبوت ہونا ثابت ہوا ہے۔ کیونکہ تاریخ کامل میں یہ بھی لکھا ہے کہ شرائط صلح میں ایک یہ شرط بھی تھی کہ معاویہ منبروں پر حضرت علیؓ کو گالیاں نہیں دے گا مگر اس شرط کو قبول کرنے سے معاویہ نے صاف انکار کر دیا۔ پھر امام حسنؑ نے فرمایا کہ یوں لکھو کہ ہمارے سامنے جب کہ ہم سن رہے ہوں معاویہ ہمارے والد کو گالیاں نہ دے گا۔

وقتی طور پر معاویہ نے اس شرط کو قبول کر لیا مگر پھر بے وفائی کی۔ شرح حدیدی ص ۲۳ جلد ۴ ذکر امام حسنؑ اور مناقب الطالیین ص ۲۹۔ ذکر امام حسنؑ میں لکھا ہے کہ:

وقال معاویہ: و کل شرط، شرطه فتحت قلعی هاتین لا اوقی به“

صلح کے بعد معاویہ نے یہ بیان دیا تھا کہ تمام شرائط میرے قدموں میں ہیں میں انہیں پورا نہیں کروں گا۔ (خصائل معاویہ ص ۱۰۴-۱۰۵)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غلام حسین نجفی اور سید قطب دونوں کا اس خطبہ کے حوالے سے ”ماخذ“ ایک ہی ہے۔

نجفی نے اس خطبہ سے پہلے یہ لکھا ہے کہ:

بخاری شریف میں صاف لکھا ہے کہ منافق کی تین نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ”اذا وعد أخلف“ کہ جب وعدہ کرے گا تو اس کو پورا نہ کرے گا۔

استاذ سید محمد محمد شاہ سید قطب کا منقولہ خطبہ یوں نقل کرتے ہیں کہ:

”ثم ينقل خطبة يزعم أنها لمعاوية في أهل الكوفة بعد الصلح يحيى فيها قول معاوية: “وكل شرط شرطه، فتحت قدمي هاتين“

ثم يعقب عليه مستدركا: واللّٰه تعالى يقول: وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَعْتَقًا... (جمهرة مقالات الاستاذ محمود محمد شاكر - الجزء الثاني - ص ۹۹۲)

غلام حسین نجفی نے وعدہ خلافت پر حدیث پیش کر دی جب کہ سید قطب نے آیت کریمہ سے استدلال کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ”وعدہ خلافت“ کا مرتکب قرار دے دیا۔ نیا اسفاء!

یہاں تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اہل اسلام کے مابین ایک ”غرضی“ معاہدے کی خلاف ورزی کا سنگین الزام لگایا گیا جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو عیسائیوں کے ساتھ کیے گئے معاہدوں کی بھی پاسداری کرتے رہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل روم کے درمیان ایک معاہدہ تھا! اس دوران میں آپ اپنی فوجوں کو ان کی سرحدوں کے قریب اکٹھا کرتے رہے (کہ جب معاہدہ ختم ہو تو ان پر حملہ کر دیا جائے) جیسے ہی معاہدہ ختم ہوا آپ نے فوجیں آگے بڑھانا شروع کر دیں۔ اتنے میں ایک شخص گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور ”اللہ اکبر“ کہتے ہوئے کہا کہ:

”وفاء لا غدیر“ _____ مومن کا شیوہ وفا کرنا ہے، غدیر نہیں۔

جب انہوں نے اس شخص کی طرف دیکھا تو وہ عمرو بن عبسہ صحابی تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جب دو قوموں میں کوئی صلح کا معاہدہ ہو تو اس معاہدے کی مدت میں نئے کوئی قوم عہد کھولے اور نہ باندھے یہاں تک کہ مدت گزر جائے۔

راوی کہتے ہیں کہ ”فرجع معاویة بالناس“ _____ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی فوجوں کے ساتھ واپس آ گئے۔ (مختلوة المصانع - باب الامان ص ۳۴)

ایک جلیل القدر صحابی، کاتب وحی مدر اسلام اور خلیفہ المسلمین کی طرف اس بے سند قول کہ ”کل شرط شرطه فتحت قدمی هاتین“ کی نسبت کیونکر صحیح قرار دی جاسکتی ہے؟

سید قطب (م ۱۹۶۶ء) کے مذکورہ قول کے برعکس قدیم مؤرخ ابو حنیفہ دینوری لکھتے ہیں کہ:

”ثم يرى الحسن والحسين طول حبات معاوية منه سوء في انفسهما ولا مكروها ولا قطع عنهما شيئا كان شرطاً لهما ولا تغير لهما من بر“ (الخبار الطوال ص ۲۲۵)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدین

سید قطب شہید

حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی میں ان کی طرف سے اپنے بارے میں کوئی بمائی نہیں دیکھی۔ نہ انہوں نے ان سے کی گئی کسی شرط کو ختم کیا اور نہ اچھے سلوک ہی کو ان سے جدا کیا۔
علامہ ابن حجر مکی (م ۸۴۷ھ) لکھتے ہیں کہ:

”انہ اشترط عليه شروطا كثيرة فالتزمها ووفى له بها“ (الصواعق المحرقة

ص ۲۱۷۔ تحت بیان اعتقادات اہل السنة والجماعة۔ طبع ثانی۔ مصر)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بہت سی شرائط پر صلح کی تھی اور جن امور کی سرانجام دہی کی ذمہ داری قبول کی ان کو ایفاء کیا اور پورا کیا۔

حضرات حسین رضی اللہ عنہما خود اقرار فرما رہے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے معاہدے کی کسی شرط کی خلاف ورزی نہیں کی تو معلوم نہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدین کے پیٹ میں مروڑ کیوں اٹھ رہے ہیں؟

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اپنی خواہش اور اصرار پر ہوئی جس کے لیے انہوں نے ایک صاف کاغذ پر اپنے دستخط اور مہر ثبت کر کے دو بیز رگ صحابہ حضرت عبدالرحمن بن سمرہ اور حضرت عبداللہ بن عامر بن کریم رضی اللہ عنہما کے توسط سے اور خود انہیں ضامن ٹھہرا کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس اس درخواست کے ساتھ بھیجا کہ اس پر جو شرائط آپ چاہیں لکھ دیں۔ ان کو پورا کیا جائے گا۔ (ملاحظہ ہو: البدایہ والنہایہ لابن کثیر ص ۴۷۷۔ جلد ۸)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ اس مصالحت کو قبول کر کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بشارت کی تکمیل کا باعث بن گئے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ:

”ان ابني هذا سيد لعل الله ان يصلح به بين فئتين عظيمتين من المسلمين۔“

(صحیح بخاری۔ کتاب الصلح باب قول النبی للحمن بن علی: ابني هذا سيد...)

یقیناً میرا یہ نواسہ سید ہے اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بیزے گروہوں میں صلح کرائے گا۔

سید قطب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اہل کوفہ کو دھمکانے اور مرعوب کرنے کا انتہائی گھٹیا الزام عائد کیا ہے جس کی توقع تو کسی معمولی قسم کے سیاستدان سے بھی نہیں کی جاسکتی۔ کیا

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدین سید قطب شہید

کسی یہ سراقہ افریق کو جنگ کی دھمکی دے کر صلح پر آمادہ کیا جاسکتا ہے؟ پھر تعجب بلائے تعجب یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یہ دھمکی آمیز خطاب ان کے شہر میں اور ان کے معتقدین کے اجتماع میں کر رہے ہیں۔

موصوف نے یہ الزام صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ہی عائد نہیں کیا بلکہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما سمیت ان کے گروہ میں شامل تمام صحابہ و تابعین اور مخلصین کی بھی توہین کر ڈالی جنہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلح کی مخلصانہ درخواست کو شرف قبولیت بخشا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ ان کے حق میں کسی جبر و اکراہ کے بغیر اور برضا و رغبت نہ صرف خلافت سے دستبردار ہوئے بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اپنے رفقائے سمیت بیعت بھی کر لی۔

تاریخ کے کسی کونے کھد رے سے بھی یہ بات نہیں دکھائی جاسکتی کہ اس عمل بیعت اور انتقال اقتدار میں کسی اشتراک، کسی حکیم بن جہلہ اور کسی غافقی بن حرب نے کسی کو تلوار کے زور سے بیعت پر مجبور کیا ہو۔ صلح کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تڑپ، مراسلت، مشاورت، مذاکرات اور بالآخر شرائط صلح کے لیے سادہ و مخنوم کاغذ فریق ”مخالف“ کے پاس بھیجنا خود اس بات کا بین ثبوت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لڑ کر اور برز و خلافت حاصل نہیں کی۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتخاب کسی دھمکی یا جنگ یا بطریق ”استیلاء و غلب“ ہرگز نہیں ہوا بلکہ پوری مملکت اسلامی کے نمائندہ اہل حل و عقد بشمول خلیفہ راشد حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور صحابہ و تابعین کے برضا و رغبت بیعت کر لینے کی وجہ سے عمل میں آیا جس کی بناء پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بلا اختلاف و بالاتفاق عالم اسلام کے خلیفہ منتخب ہو گئے۔

اس طرح امت مسلمہ کی خانہ جنگی اور انتشار کا دور ختم ہو کر امن و سلامتی میں تبدیل ہو گیا۔ ملت اسلامیہ نے سکھ اور سکون کا سانس لیا۔

محدث ابن حجر مکی (۹۷۴ھ) لکھتے ہیں کہ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حاکم بننے کی جو بیعت دی اور انہیں احسان کرنے کا حکم دیا؛ یہ حدیث ان کی خلافت کی صحت اور اس کے حق ہونے کو ثابت کرتی ہے۔ ...

”علمنا أنه بعد نزول الحسن له خليفة حق و امام صدق“ (الصواعق المحرقة)

فی الرد علی اهل البدع والزندقة ص ۲۱۹

اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے دست بردار ہونے کے بعد وہی

خلیفہ برحق اور امام صادق تھے۔

سید قطب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک دوسرے خطبہ کا ذکر کرتے ہیں کہ:

”و خطب كذلك في اهل المدينة فقال:

أما بعد فإني والله ما وليتها بمحبة علمتها منكم ولا مسرة بولايتي ولكني جادلتمكم بحسبي هذا مجالدة ولقد رضت لكم نفسي على عمل ابن أبي حنيفة، و أردتها على عمل عمر، فنفرت من ذلك نفاراً شديداً و أردتها على سنيات عثمان، فأبت عليّ فمسلكت بها طريقاً لي ولكم فيه منفعة، مؤاكله حسنة، ومشاورة جميلة فان لم تجدوني خيركم، فإني خير لكم ولاية... (العدالة الاجتماعية في الاسلام ص ١٦٨ - دار الشروق - قاهره مصر)

پس اللہ کی قسم! میں باگِ خلافت اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے اس بات سے لاعلم نہ تھا کہ آپ میرے خلیفہ بن جانے سے خوش نہیں ہیں اور اسے پسند نہیں کرتے لیکن میں نے اپنی تلوار کے زور سے تم کو مغلوب کر کے اسے لیا ہے۔ میں نے اپنے نفس کو ابن ابی قحافہ (ابو بکر رضی اللہ عنہ) کے طرز عمل پر چلانے کے لیے آمادہ کیا... میں نے اس کو بھر پور رضی اللہ عنہ کے طرز عمل پر آمادہ کیا، اس سے بھی وہ بدکا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ پھر میں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے عمل کا قصد کیا اس سے بھی میرے نفس نے انکار کر دیا البتہ میں نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ ایسا ہے جس میں میرا اور تمہارا دونوں کا فائدہ ہے؛ ہر ایک کو اس کے ذریعے معقول و مناسب سامان خورد و نوش میسر آئے گا۔ اگر تم مجھ کو اپنے میں سب سے بہتر نہ پاؤ تو کم از کم اپنے حق میں ضرور بہتر پاؤ گے۔ موصوف نے اس خطبہ کا بھی کوئی حوالہ نہیں دیا البتہ مولانا مودودی صاحب نے اسے معمولی تعمیر کے ساتھ ’البدایہ والنہایہ‘ (جلد ۸ ص ۱۳۲) سے نقل کیا ہے جس کے موازنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سید قطب اور سید مودودی دونوں حضرات نے ابن کثیر کی مکمل عبارت نقل نہیں کی۔ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:

”بجدا میں تمہاری حکومت کی زمام کا اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے اس بات سے واقف نہ تھا کہ تم میرے برسر اقتدار آنے سے خوش نہیں ہو اور اسے پسند نہیں کرتے۔ اس معاملہ میں جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے میں خوب جانتا ہوں۔ مگر میں نے اپنی اس تلوار کے زور سے تم کو مغلوب کر کے اسے لیا ہے... اب اگر تم یہ دیکھو کہ میں تمہارا حق پورا پورا ادا نہیں کر رہا ہوں تو تھوڑے پر مجھ سے راضی رہو۔“ (خلافت و ملوکیت ص ۱۵۹)

دونوں حضرات نے اس خطبہ سے کائنات چھانٹ کر کے اپنے مفید مطلب باتیں نقل کی ہیں۔ اس سے وہ مفہوم باقی نہیں رہتا جو فی الواقع خطیب کا ہے۔ دراصل یہ حضرات ان ”خطبوں“ سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مغلوب تھے، انہوں نے تلوار کے زور سے خلافت حاصل کی تھی۔ پہلے خطبہ کی تشریح کے ضمن میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ ان حضرات کا مقدمہ ہی بنیادی طور پر غلط اور باطل ہے۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باجماع امت خلیفہ منتخب ہوئے اور اہل کوفہ اور اہل مدینہ بھی ان بیعت کرنے والوں میں شامل ہیں۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے عظیم سیاستدان اور مدبر اعظم اہل کوفہ اور اہل مدینہ کے سامنے اس طرح کا خطبہ کیونکر دے سکتے تھے؟ پہلے ”خطبہ“ کی روایتی و درایتی حیثیت واضح کی جا چکی ہے۔ اس دوسرے خطبہ کی حیثیت بھی اس سے کچھ مختلف نہیں ہے۔

امام ابن کثیر (م ۷۴۷ھ) نے اس کی پوری سند نہیں دی بلکہ عربی کے ایک ادیب اصمعی سے اسے نقل کیا ہے اور ادیب زیادہ تر حقائق کے بجائے زبان و بیان کی لطافتوں اور زاکتوں تک ہی محدود رہتے ہیں۔ حالانکہ اس خطبہ کا پس منظر بھی اس کے وضعی ہونے کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ یہ کیا بات ہوئی کہ اہل مدینہ اور اکابر قریش ان کا استقبال کر رہے ہیں، انہیں خوش آمدید کہہ رہے ہیں اور منصب خلافت ملنے پر اللہ کا شکر ادا کر رہے ہیں اور خلیفہ اس بات کو ”خوشامد“ پر محمول کر کے سیدھے مسجد میں جا کر اپنے خطبہ میں انہیں مرعوب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس روایت کی اسنادی اور واقعاتی حیثیت تو محل نظر ہے، لیکن اس بات سے انکار ممکن نہیں ہے کہ سید قطب اور سید مودودی کے نقل کردہ خطبات میں ”یار“ لوگوں کے اپنے اضافے شامل ہیں جنہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف بلا تحقیق منسوب کر دیا گیا۔



۲۵۔ مولانا شاہ معین الدین ندوی

(۱۳۹۴ھ / ۱۹۷۴ء)

مفتی اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی شاہ صاحب کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

”علم و فضل، ادب و انشاء، واقفیت و باخبری، مطالعہ، علمی خدمت اور سب سے بڑھ کر متانت و شرافت، قدیم وضع داری و تہذیب اور وقار و خود داری کے اس چراغ کے گل ہونے پر اور بزم شیلی و سلیمان کے اس صدر نشین کے اٹھ جانے پر مالہ زن اور فغاں بچ ہونا ہر طرح محال ہے اور جتنا بھی حسرت و افسوس ہو وہ بجایے۔ شاہ صاحب اگرچہ ہندوستان کے مستند و معتمد مصنفین میں تھے، ہندوستان کی سب سے موثر علمی مجلس (دارالمصنفین) کے وہ صدر نشین اور موجودہ اسلامی ہند کے سب سے بڑے مصنف (مولانا سید سلیمان ندوی) کے جانشین تھے۔ وہ زبان و ادب، الفاظ و محاورات کے استعمال اور زبان کی صحت و سقم کے بارے میں سند کاوجہ رکھتے تھے.....“ (پرانے چراغ حصہ اول ص ۴۳۶، ۴۳۸)

اس ’تعارف‘ کے بعد حضرت معاویہؓ کے بارے میں موصوف کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

جناب امیر (حضرت علیؓ) نے خلیفہ ہوتے ہی ایک سرے سے تمام عثمانی عاملوں کو معزول کر دیا۔ اس سلسلہ میں معاویہؓ بھی شام سے معزول ہو گئے اور ان کی جگہ کھل بن حنیف کا تقرر ہوا لیکن وہ (یعنی حضرت معاویہؓ) آسانی سے شام کی حکومت چھوڑنے والے نہ تھے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کو مشورہ دیا کہ اگر آپ اپنی خلافت کو استوار کرنا چاہتے ہیں تو معاویہؓ کو بھی معزول نہ کیجئے اور ان کو ان کے عہدہ پر قائم رکھیے.....

آپ نے جواب دیا کہ معاویہؓ جب تک اپنی حرکتوں سے باز نہ آئیں گے اس وقت تک ان کو نہ کہیں کا حاکم بناؤں گا اور نہ ان سے کسی قسم کی مددلوں گا۔ وہ حضرت علیؓ کی مخالفت سے صرف اپنے عہدہ کی بھائی چاہتے تھے لیکن حضرت علیؓ اس کے لئے بالکل آمادہ نہیں تھے۔ امیر معاویہؓ کی خوش قسمتی سے حضرت عثمانؓ کے قاتل یا کم از کم وہ لوگ جن پر حضرت عثمانؓ کے شہید کرنے کا قوی شبہ تھا۔ حضرت علیؓ کی لائیلی میں آپ کے ساتھ ہو گئے اس وقت بحیثیت خلیفہ قاتلین عثمانؓ کا پتہ

چلا اور ان سے قصاص لینا حضرت علیؑ کا فرض تھا لیکن مسند خلافت پر قدم رکھتے ہی آپ ایسے جھگڑوں میں مبتلا ہو گئے کہ قاتلین کا پتہ چلانا کیا معنی؟ نظام خلافت کا سنبھالنا مشکل تھا اور قاتلوں کی تلاش کے لئے سکون و اطمینان کی ضرورت تھی لیکن عوام اس مجبوری کو نہیں سمجھ سکتے تھے اور وہ صرف حضرت عثمانؓ کے خون کا قصاص چاہتے تھے۔ اس لئے امیر معاویہ کو ان کے خلاف پروپیگنڈے کا پورا موقع مل گیا۔ (سیر الصحابہ جلد ۶ ص ۵۳، ۵۵)۔

”مغیرہ بن شعبہؓ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بڑے ہمدرد و خواہ تھے۔ انہوں نے ان کے سامنے یزید کی ولی عہدی کی تجویز پیش کی۔ امیر معاویہ نے اس قیصری اور کسروی بدعت کو بہت پسند کیا لیکن اسے عملی جامہ پہنانے میں چند در چند مذہبی اور پولیٹیکل وقتیں حائل تھیں۔ اس وقت عمر کی اٹھتر منزلیں طے کر چکے تھے وقت آخر ہو چکا تھا اس لئے علاج معالجہ سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ روز بروز حالت گرتی گئی۔ لیکن اس وقت بھی حاکمانہ تیور نہ بدلے اور ان بان میں فرق نہ آنے دیا۔

جب حالت زیادہ نازک ہو گئی تو یزید کو بلا کر کہا کہ جان پدر میں نے تمہاری راہ کے تمام کام ختم کر دیے ہیں۔ تمہارے لئے راستہ صاف کر دیا ہے اور دشمنوں کو زیر کر کے سارے عرب کی گردنیں جھکا دی ہیں اور تمہارے لئے اتنا مال جمع کر دیا ہے کہ اس سے پہلے کسی نے جمع نہ کیا ہو گا۔“ (حوالہ مذکور ص ۷۸، ۷۹)۔

لیکن ان واقعات کی تردید کا منشاء امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بے جا حمایت یا ان کا اور جناب امیرؓ کا موازنہ نہیں ہے۔ ابن عمرؓ رسول خلیفہ راشد علی المرتضیٰ اور امیر شام کا مقابلہ ہی کیا۔

ع چراغِ مردہ کجا شمع آفتاب کجا (حوالہ مذکور ص ۹۹)،
موصوف ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

امیر معاویہ نہ خلیفہ راشد تھے اور نہ ان کی حکومت خلافت راشدہ یعنی اسلامی حکومت کا صحیح نمونہ تھی بلکہ وہ ایک دنیوی حکمران تھے اور ان کی حکومت دنیوی بادشاہت تھی جس میں اس کی برائیاں کم اور خوبیاں زیادہ تھیں۔ امیر معاویہ میں یقیناً کمزوریاں تھیں.....

حضرت علیؑ کے مقابلے میں ان کی ماحق صف آرائی اور اس میں کامیابی کے لئے ہر طرح کے جائز و ناجائز وسائل کا استعمال، حضرت علیؑ پر سب و شتم کی رسم، یزید کی ولی عہدی یہ سب ان کی ایسی کھلی ہوئی غلطیاں ہیں جن سے کوئی حق پرست انکار نہیں کر سکتا۔ خصوصاً یزید کی ولی عہدی نے خلافت کی اصلی روح اور اسلامی حریت و آزادی کا خاتمہ کر دیا۔ (تاریخ اسلام حصہ دوم ص ۶۷۷) مذکورہ قیاسی کمالات پر تبصرہ پیچھے زیر عنوان ”سیدنا معاویہؓ کے ماقدرین کا شرعی حکم سے تجاوز“ ملاحظہ فرمائیں۔

۲۶۔ آغا شورش کاشمیری

(م ۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء)

مشہور شاعر مقرر، ادیب اور انقلابی لیڈر جناب شورش کاشمیری لکھتے ہیں کہ:
 ”ابوسفیان اور اس کی اولاد نے رسول اللہ کے سامنے ہتھیار ڈال دیے لیکن اپنا قرض کربلا
 میں چکا دیا۔“ (بئے گل، مالہ دل، دو و چراغ محفل ص ۳۱۲۔ طبع اول)
 موصوف واقعہ کربلا کے ”اسرار و رموز“ بے نقاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:
 ”حسینؑ شہید ہو گئے، ان کے ساتھی واصل بحق ہو گئے، ایک ایک شہید کیا گیا، نوبت
 یہاں تک پہنچی کہ سیدائینوں کے خیمے لوٹ لیے گئے اور بے کجاوہ افواہوں پر ہٹھا کر شام و صبح کے
 بازاروں میں پھرایا گیا، بیزید کے دربار میں کھڑا کیا گیا۔ لیکن آج وہ خاندان کہاں ہیں جو حسینؑ
 کے دشمن تھے جن کی تلواروں نے کربلا بولہبان کیا تھا ان کے سر قطع کیے تھے۔

ان تمام شقی القلب انسانوں کے لیے آج کرۂ ارضی کے مسلمانوں کی زبان پر لعن ہے
 اور کسی گوشے میں ان خوشہ چینان سلطنت کے لیے احترام کا بول نہیں۔ جن لوگوں نے ۹۰ برس
 کے طغیانیہ اقتدار میں علیؑ اور ان کی اولاد پر تمہی کیا۔ (۹۰ برس کی مدت میں سیدنا معاویہ رضی اللہ
 عنہ کا بیس سالہ دور خلافت بھی شامل ہے) آج ان کی روچیں عرش و فرش کے عذاب میں مبتلا ہیں
 اور اس حال میں کہ انہیں کئی صدیاں گزر چکی ہیں اور جب تک صبح قیامت طلوع نہیں ہوتی وہ
 انسانی پھٹکار کی زوبی میں رہیں گے۔

شہادت حسینؑ نے ہمیشہ کے لیے تاریخ اسلام کو جگ مگا دیا۔ حسینؑ نہ ہوتے تو خلافت
 راشدہ کی جانشینی کا تصور تاریخ اسلام ہی کو غبار آلود نہ کرتا بلکہ اسلام میں اس قسم کے بیوند لگ جاتے
 کہ حقیقی دین کی تلاش مشکل ہو جاتی۔

حسینؑ کے جہد و استقلال کا نرا واس لیے ہوا کہ خلافت کو بادشاہت کی شکل دی گئی اور نیابت کی
 بجائے وراثت پیدا کی گئی۔ اس وراثت نے وہ تمام قبائیس پیدا کیں جو بادشاہت کا لازمہ ہوتی ہیں مثلاً:
 ۱۔ خلافت راشدہ کے فقر کو کمزور کرکے کیا گیا۔ اس کی جگہ شاہانہ حدود قائم کیے گئے اور

سید معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

آغا شورش کاشمیری

بادشاہ نہ جلال نے راہ پائی۔ گویا اسلامی ریاست کا تصور مٹ چکا تھا۔

۲۔ اس سے پہلے بیت المال خدا و خلق کی امانت کے طور پر قومی خزانہ تھا۔ اب حکمران خاندان کی ملکیت ہو گیا۔ عوام رعیت قرار پا کر باج گزار ہو گئے۔ عوام طاقت کا سرچشمہ اور قوت متعجبہ نہ رہے۔

۳۔ انفرادی ملکیت کا استحصال تمام کمروہات کے ساتھ شروع ہو گیا اور خاندانی و قبائلی قرابت داری کے باعث اور بلا استحقاق انفرادی ملکیت کا ڈول ڈالا گیا۔

۴۔ اسلامی ریاست میں جزیہ صرف ذمیوں کے لیے تھا لیکن اب جزیہ ان مسلمانوں پر باقی رہا جو تازہ تازہ مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ لیکن حکمران جماعت کو ان کا قبول اسلام منظور نہ تھا وہ ان پر الزام دھرتے تھے کہ جزیہ سے بچنے کے لیے مسلمان ہوئے ہیں لہذا جزیہ ادا کریں۔

۵۔ آزادی رائے گردن زدنی قرار دی گئی صرف اس جرم میں کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کی مدح کرتے ہیں۔ کئی بڑا رافضی قتل کر دیے گئے۔ حجر بن عدی ساتھیوں سمیت حضرت علی کی مدح کرنے کے جرم میں قتل کرائے گئے اور عبدالرحمن بن حسان کو اسی جرم میں امیر معاویہ نے ابن زیاد کے پاس بھیجا کہ زندہ دفن کرا دیا۔

۶۔ قانون کی بالادستی ختم کر دی گئی، عدلیہ مجروح ہو گئی۔ اس میں حکومت کے اعضاء و جوارح کی دھاندلیوں کے خلاف فیصلہ دینے کا حوصلہ نہ رہا۔ خلیفہ تو خیر خلیفہ تھا گورنر بھی مداخلت کرنے لگے۔

۷۔ مجلس شوریٰ کا خاتمہ کیا گیا۔ اس کی جگہ افراد خاندان اور خوشامدی اشخاص کو شریک و بار کیا گیا۔

۸۔ اسلام کے انسانی تصور کو جو عرب و عجم کی تفریق سے بے نیاز تھا، نظر انداز کر کے نسلی اور قومی عصبیتوں کو پروان چڑھایا گیا۔

(قلم کے چراغ۔ ص ۹۹-۱۰۱۔ محررہ شورش کاشمیری۔ مرتبہ ودود نہ پروفیسر محمد اقبال جاوید)

جناب شورش کاشمیری کی طرف سے عائد کردہ مذکورہ ”مفروضہ“ میں حضرت معاویہؓ اور ان کے رفقاء پر جو گھناؤنے الزامات عائد کئے گئے ہیں ان کے مفصل جواب کے لئے راقم الحروف کی کتاب ”سید معاویہؓ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ“ کی طرف مراجعت کریں۔

☆☆☆☆☆

۲۷۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

(م ۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹ء)

موصوف کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے لہذا یہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق موصوف کے چند نظریات ملاحظہ فرمائیں:

”لیکن جو انصاف پسند آدمی بھی نيزوں پر قرآن اٹھانے کی تجویز سے لے کر اس وقت تک کی روداد پر ہلے گا وہ مشکل ہی سے مان سکتا ہے کہ یہ سب کچھ ”اجتہاد“ تھا۔ بلاشبہ ہمارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ! جب الاحترام ہیں اور یہ ظلم کرتا ہے وہ شخص جو ان کی کسی غلطی کی وجہ سے ان کی ساری خدمات پر پانی پھیر دیتا ہے اور ان کے مرتبے کو بھول کر گالیاں دینے پر اتر آتا ہے۔ مگر یہ بھی کچھ کم زیادتی نہیں ہے کہ اگر ان میں سے کسی نے کوئی غلط کام کیا ہو تو ہم ”صحابیت“ کی رعایت سے اس کو اجتہاد قرار دینے کی کوشش کریں۔ بڑے لوگوں کے غلط کام اگر ان کی بڑائی کی وجہ سے اجتہاد بن جائیں تو بعد کے لوگوں کو ہم کیا کہہ کر ایسے اجتہادات سے روک سکتے ہیں..... لیکن جان بوجھ کر ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق غلط کام کرنے کا نام اجتہاد ہرگز نہیں ہو سکتا..... کوئی غلط کام محض شرف صحابیت کی وجہ سے مشرف نہیں ہو جاتا بلکہ صحابی کے مرتبہ بلند کی وجہ سے وہ غلطی اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے۔ (خلافت و ملوکیت ص ۱۴۳)

”نیز یہی وہی عہدی کے لیے ابتدائی تحریک کسی صحیح جذبے کی بنیاد پر نہیں ہوئی تھی بلکہ ایک بزرگ (حضرت مغیرہ بن شعبہؓ) نے اپنے ذاتی مفاد کے لیے دوسرے بزرگ کے ذاتی مفاد سے اپیل کر کے اس تجویز کو جنم دیا اور دونوں صاحبوں نے اس بات سے قطع نظر کر لیا کہ وہ اس طرح امت محمدیہ کو کس راہ پر ڈال رہے ہیں۔“ (حوالہ مذکور ص ۱۵۰)

اب چند توہین آمیز کلمات بدیہ قارئین کیے جاتے ہیں:

۱۔ اس سے بدرجہا غیر آئینی طرز عمل دوسرے فریق یعنی حضرت معاویہ کا تھا۔ (ص ۱۲۵)

۲۔ مرکزی حکومت کی اطاعت سے انکار۔ (حوالہ مذکور)

۳۔ یہ سب کچھ دور اسلام کی نظامی حکومت کے بجائے زمانہ قبل اسلام کی قبائلی بد نظمی سے

اشہ ہے۔ (حوالہ مذکور)

- ۴۔ انہوں نے عیسیٰ جاہلیت قدیمہ کے قانون کے تحت قاتلین عثمانؓ کی طلبی کا مطالبہ کیا۔ (ص ۱۲۶)
- ۵۔ ان کے غلط کام کو صحابیت کی رعایت سے اجتہاد کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ (ص ۱۴۳)
- ۶۔ صحابی کے مرتبہ بلند کی وجہ سے وہ غلطی اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے۔ (حوالہ مذکور)
- ۷۔ جان بوجھ کر ایک سو چھ سبھی منصوبے کے مطابق غلط کام کرنے کا نام اجتہاد ہرگز نہیں ہو سکتا۔ (حوالہ مذکور)

- ۸۔ حضرت معاویہ کے غلط کام کو تو غلط کہنا ہی ہوگا۔ (ص ۱۵۳)
- ۹۔ وہ مسلمانوں کے خلیفہ بنانے سے خلیفہ نہیں بنے۔ انہوں نے لڑکر خلافت حاصل کی وہ خود اپنے زور سے خلیفہ بنے۔ (ص ۱۵۸)
- ۱۰۔ حضرت معاویہ نص عریج کے مطابق باغی اور باطل پر تھے۔ (ص ۱۳۶)
- ۱۱۔ انہوں نے اطہار رائے کی آزادی کا خاتمہ کر دیا۔ دور ملوکیت میں ضمیروں پر قتل چڑھا دیئے گئے اور زبانی بند کر دی گئیں، حق گوئی کی سزا قید، کوڑے اور قتل مقرر ہو گئی۔ (ص ۱۶۳)
- ۱۲۔ انہوں نے ایک عابد و زاہد صحابی حجر بن عدی کے قتل کا حکم دیا۔ (ص ۱۶۵)
- ۱۳۔ انہوں نے اپنے مفاد اور سیاسی اغراض کے لئے شریعت کی حدود کو توڑا۔ (۱۷۳، ۱۷۹)
- ۱۴۔ مال غنیمت کے معاملے میں بھی حضرت معاویہ نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی۔ (ص ۱۷۴)
- ۱۵۔ حضرت معاویہ کے عہد میں ایک اور نہایت مکروہ بدعت یہ شروع ہوئی... (ص ۱۷۴)
- ۱۶۔ حضرت معاویہ نے خیانت کی۔ مال غنیمت میں سے سونا اور چاندی اپنے لئے الگ کرنے کا حکم دیا۔ (ص ۱۷۴)
- ۱۷۔ جائز و ناجائز اور حلال و حرام میں کوئی تمیز نہیں کرتے تھے۔ (ص ۱۷۳)
- ۱۸۔ سب سے بڑی مصیبت جو ملوکیت کے دور میں مسلمانوں پر آئی وہ یہ تھی کہ اس دور میں قانون کی بالائری کا اصول توڑ دیا گیا۔ (ص ۱۷۲)
- ۱۹۔ انہوں نے مسلمان کو کافر کا وارث قرار دے کر سنت کی خلاف ورزی کی۔ (ص ۱۷۳)
- ۲۰۔ حضرت معاویہ نے دیت کے مسئلہ میں بھی سنت کو بدل دیا۔ (ص ۱۷۳)
- ۲۱۔ اپنے گورنروں اور سپہ سالاروں کو شریعت کی پابندی سے آزاد کر کے ظلم کی کھلی چھوٹ

دے دی۔ (ص ۱۷۷)

۲۲۔ حضرت معاویہ نے اپنی مطلب براری کے لئے چھوٹے گواہ تیار کیے۔ (ص ۱۳۵)

۲۳۔ حضرت معاویہ خوشامد پسند تھے اور خوشامدانہ تقریریں سنتے تھے۔ (ص ۱۵۱، ۱۶۷)

۲۴۔ حضرت معاویہ کے والد جناب ابوسفیان نے زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ انہوں نے اپنے والد ماجد کی زنا کاری پر شہادتیں لیں اور ثابت کیا کہ زیادان ہی کا ولد الحرام ہے۔ (ص ۱۷۵)

۲۵۔ یزید کی ولی عہدی کی ابتدائی تحریک بدعتی اور ذاتی مفاد کے تحت شروع ہوئی۔ (ص ۱۵۰)

۲۶۔ تحریک ولی عہدی کی کامیابی کے لئے صحابہ کور شہادتیں دینے کے علاوہ قتل کی دھمکیاں بھی

دیں۔ (ص ۱۴۹، ۱۵۳)

ستم بالا لائے ستم یہ کہ مودودی صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف مذکورہ بالا الزامات کو اس تہمت اور تحدی کے ساتھ پیش کیا کہ:

”میں کسی بزرگ کے کسی کام کو غلط صرف اسی وقت کہتا ہوں جب وہ قابل اعتماد ذرائع سے ثابت ہو اور کسی معقول دلیل سے اس کی تاویل نہ کی جاسکتی ہو۔ مگر جب اس شرط کے ساتھ میں جان لیتا ہوں کہ ایک کام غلط ہوا ہے تو میں اسے غلط مان لیتا ہوں پھر اس کام کی حد تک ہی اپنی تنقید کو محدود رکھتا ہوں..... مجھے اس بات کی کبھی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ جن کو میں بزرگ مانتا ہوں ان کی کھلی غلطیوں کا انکار کروں۔ لیت پوت کر کے ان کو چھپاؤں یا غیر معقول تاویلیں کر کے ان کو صحیح ثابت کروں۔

لیت پوت کرنے یا اعلا فیہ نظر آنے والی چیزوں پر پردہ ڈالنے سے میرے نزدیک بات مفتی نہیں بلکہ اور بگڑ جاتی ہے۔ اس سے تو لوگ اس شبہ میں پڑ جائیں گے کہ ہم اپنے بزرگوں کے جو کمالات بیان کرتے ہیں وہ بھی شاید بناوٹی ہی ہوں گے۔“ (خلافت و ملکیت ص ۳۰۷)

ع ایٹکہ می یتہم بہ بیداری ست یا رب یا بخواب

مذکورہ بالا الزامات اور اتہامات کے ساتھ ساتھ موصوف نے مسلمانوں کو مغالطہ دینے کے لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ احتراماً ہر جگہ ’حضرت، جناب اور‘ نہ صرف تحریر کیا بلکہ تہذیب یہ اقرار بھی کیا کہ:

حضرت معاویہؓ کے محامد و مناقب اپنی جگہ پر ہیں، ان کا شرف صحابیت بھی واجب الاحترام ہے، ان کی یہ خدمت بھی ناقابل انکار ہے کہ انہوں نے پھر سے دنیا کے اسلام کو ایک جھنڈے تلے جمع کیا..... (خلافت و ملکیت ص ۱۵۳)

موصوف کی فریب وہی ملاحظہ ہو کہ وہ اسی کتاب میں آگے ص ۱۵۸ پر لکھتے ہیں کہ:

”وہ مسلمانوں کے بنانے سے خلیفہ نہیں بنے، انہیں مسلمانوں کی رضامندی حاصل نہ تھی، انہوں نے لڑکر خلافت حاصل کی اور اپنے زور سے خلیفہ بنے۔“

سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح کمزور جبر سے حاصل کی گئی خلافت میں دنیائے اسلام کو ایک جھنڈے تلے جمع کرنا، ناقابل انکار روایتی خدمت میں شامل ہوگا؟

مودودی صاحب کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اس ”مفرد جرم“ کو تسلیم کرنے کے بعد ”حضرت، جناب اور رضی اللہ عنہ“ کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟

موصوف ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

”امیر معاویہ پہلے شخص تھے جنہوں نے اخوت اسلام پر ایک کاری ضرب لگائی اور اپنے لڑکے کو بیاہست کا جانشین نامزد کر کے پوری قوم کو اپنے خاندان کے عوض میں گروی کر دیا۔ ہمارے جمہوریت پسند رسول کی وفات کے جلد ہی بعد اسلام کی لائی ہوئی جمہوریت کو امپریلزم میں تبدیل کر دیا گیا، معاویہ نے نسلی خلافت کا آغاز کر کے اسلام کی جڑ پر تیشہ رکھ دیا۔“ (منت کی آئینی حیثیت ص ۲۵۴۔ مطبوعہ اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور)

خلافت ولوکیت میں یہ الزام پڑھنے کے بعد ایک شیعہ لیڈر ”حجۃ الاسلام والمسلمین، استاذ العلماء والجدیدین، رئیس المفسرین، آیت اللہ علامہ“ حسین بخش جاڑا بھی ورطہ حیرت میں ڈوب گئے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

”قتارین کرام! اپنے قلب و جگر پر ہاتھ رکھ کر ان غلطیوں کو پرچھیں اور مودودی صاحب کی اس دریادلی کی بھی واویس کہ باوجود ان سنگین جرائم کے اس کے محامد و مناقب کے بھی قائل ہیں اور شرف صحابیت کی بناء پر اسے واجب الاحترام بھی قرار دیتے ہیں اور یہ اصرار رکھتے ہیں کہ اس کے غلط کاموں کو بہر حال غلط کہنا ہوگا۔ اندازہ کیجیے ایک شخص اپنی بوس پرستی و جاہ طلبی کی خاطر اسلامی حکومت کا حلیہ بدلنا ہے، ہمیشہ کے لیے امت اسلامیہ کو ولوکیت کی الجھنوں میں ڈالنے کا مرتکب ہے، آئینی، اسلامی خلیفہ کا منکر بھی ہے اور حضرت عمار بن یاسرؓ اور حجر بن عدیؓ ایسے متقی صحابہ کا عداوت قائل ہے اور بایں ہمہ وہ واجب الاحترام صحابی ہے اور اپنی عمدی خطا سے جنگ معین کے موقع پر ہزاروں مسلمانوں کے قتل کا موجب ہے جن میں اکابر صحابہ بھی تھے اور بقول مودودی صاحب یہ غلطی اجتہادی نہیں بلکہ عمدی غلطی ہے لیکن پھر بھی وہ واجب الاحترام ہے۔ (امت ولوکیت ص ۶۲-۶۳)

۲۸۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی فاضل دیوبند

(م ۶۱۳۰ھ/۱۹۸۵ء)

مولانا سعید احمد ایک محقق عالم اور دارالعلوم دیوبند کے گرامی قدر فضلاء میں سے ہیں۔ قدیم و جدید درس گاہوں میں تدریسی خدمات سرانجام دینے کے علاوہ شیخ الہند اکیڈمی دیوبند کے ڈائریکٹر اور دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی رہے ہیں۔ وہ بین الاقوامی شخصیت کے حامل اور کئی بلند پایہ اور محققانہ کتب کے مصنف ہیں جن میں سے ایک کتاب ”مسلمانوں کا عروج و زوال“ بھی ہے۔ اس کتاب میں طبری وغیرہ کے حوالے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف رطب و یابس روایات کی بناء پر ایسا مواد جمع کر دیا گیا ہے جس میں ایک جلیل القدر صحابی کی تنقیص پائی جاتی ہے۔ چندا متباسات! !! حظہ فرمائیں:

”اول تو امیر معاویہؓ میں بائیس برس سے شام کے وائی چلے آرہے تھے۔ یہاں کے لوگوں کے عادات و خصائل اور افتاد و مزاج سے اچھی طرح واقف تھے۔ پھر چونکہ بڑے فیاض طبع اور دو دو دیش کے عادی تھے اس لیے اہل شام ان سے بہت مانوس تھے۔ ان لوگوں کو حضرت علیؓ کی مخالفت پر آمادہ کر دینے کے لیے یہی کچھ کم نہ تھا کہ خلیفہ مظلوم کے انتقام کی دعوت نے تمام ملک میں ایک آگ سی لگا دی۔ پھر اسی سلسلہ میں جب امیر معاویہؓ نے جامع دمشق کے منبر پر آویزاں کر کے حضرت عثمانؓ کے خون آلودہ کرتہ اور ان کی جائز بیوی مائکہ کی تین کٹی ہوئی انگلیوں کا مظاہرہ مجمع عام میں کیا تو حال یہ تھا کہ بوڑھے اور جوان انہیں دیکھ دیکھ کر زار و قطار روتے تھے اور حلف کرتے تھے کہ جب تک خلیفہ ثالث کے خون بے گناہ کا بدلہ نہیں لے لیا جائے گا وہ کسی کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت نہیں کریں گے....

امیر معاویہؓ مشہور مدبر اور صاحب سیاست بزرگ تھے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ انہوں نے اسلام کی بڑی شاندار خدمات انجام دی تھیں....

لیکن ان تمام فضائل کے باوجود یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ حضرت علیؓ کے مقابلہ میں ان کی خلافت کو ناکام کرنے کے لیے انہوں نے جو کچھ کیا وہ کم از کم ان جیسی بزرگ شخصیت سے متوقع نہیں ہو سکتا تھا۔

اگر ان میں حضرت عثمانؓ کے قصاص لینے کا ایسا ہی جذبہ تھا تو وہ یہ کام حضرت علیؓ کے ہاتھوں پر خلافت کی بیعت کر کے بھی انجام دے سکتے تھے (حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ جو اس تجربہ سے گزر چکے تھے۔ از مؤلف) دیکھنا یہ ہے کہ اکابر صحابہؓ کی جانیں ضائع ہوئیں، امت میں تفرقہ پیدا ہو گئے، اسلام کا اجتماعی نظام ورہم بہم نہ ہو کر رہ گیا مگر حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ پھر بھی نہ لیا جاسکا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انتخاب خلیفہ کے معاملہ میں مہاجرین و انصار میں جو شدید اختلاف پیدا ہوا تھا اور اس وقت حضرت عمرؓ نے موقع کی نزاکت کو محسوس فرما کر حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے جس طرح اس قضیہ نامرضیہ کو ختم کر دیا تھا اگر اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ایسا ہی طرز عمل اختیار کرتے تو بے شک امت مرحومہ ایک عظیم فتنہ سے بچ جاتی اور وہ رخسے پیدا نہ ہوتے جو اب پیدا ہوئے۔ حضرت علیؓ کے مقابلے میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنی خلافت پر اصرار کرنا ایک ایسی بات ہے جس کو اسلام کی اچھی خدمت نہیں کہا جاسکتا۔

چنانچہ اس کا ثبوت واقعہ تحکیم سے بھی ملتا ہے۔ تحکیم کی پیش کش امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہی طرف سے ہوئی تھی جب انہوں نے دیکھا کہ لیلۃ الہریہ کی جنگ میں حضرت علیؓ کو کامیابی ہو چکی ہے اور عمرو بن العاصؓ نے کہا، میں ایک ایسی ترکیب بتاؤں ہوں جس کی وجہ سے علیؓ کی فوج میں پھوٹ پڑ جائے گی اور ہم سب کا اس میں بھلا ہوگا۔۔۔

حضرت علیؓ اس تجویز کو قبول کریں یا رد فرمائیں بہر حال ہمارا فائدہ ہوگا۔ ان الفاظ سے خود معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ تحکیم کی تجویز کو پیش کر رہے تھے ان کی نیتوں میں غلوں نہیں تھا اور وہ وقتی طور پر اس بہانہ اپنا کام نکالنا چاہتے تھے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ نے اس تجویز کو قبول کرنے سے انکار فرما دیا تھا اور وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ یہ تحکیم کی پیش کش جواب تقریباً ستر ہزار فرزندان اسلام کی لاشوں کے خاک و خون میں تڑپنے کے بعد کی جارہی ہے نیک نیتی پر نہیں بلکہ خدع فریب پر مبنی ہے۔

مگر مشکل یہ تھی کہ عمرو بن العاصؓ کی توقع کے مطابق اب خود عراقیوں میں پھوٹ پڑ چکی تھی اس لیے حضرت علیؓ کے سامنے اس کو قبول کر لینے کے سوا کوئی اور چارہ کار تھا ہی کیا مگر جو کام کسی غرض اور ذاتی منفعت کے پیش نظر کیا گیا ہو اس میں اجتماعی خیر و بہکت کی توقع کس حد تک ہو سکتی ہے؟ نتیجہ اس کا بھی اسلام کے حق میں نہایت خطرناک نکلا۔۔۔۔

اب ذرا تصور کیجیے، حضرت علیؓ کو کام کرنے کی ایک تدبیر (تحکیم) نے جو فاتح اجنادین عمرو بن العاصؓ کے دماغ نے سوچنی تھی کس طرح امت میں چند در چند فتنوں کے پیدا ہونے کا سبب ہوئی۔۔۔۔۔

(حضرت علیؓ کی ماکامی کے اسباب) مجھ کو صاف لفظوں میں کہنا چاہیے کہ ان اسباب میں سب سے بڑی وجہ قبائلی اور خاندانی عصبیت کا ظہور ہے۔ یہ کوئی دھکی چھپی حقیقت نہیں ہے کہ یہ عصبیت جاہلیہ ہی ایک ایسا زہر ہے جو کسی قوم کے رگ و ریشہ میں مہرابت کر کے اس کی تمام اخلاقی اور عملی قوتوں کو کمزور یا ان کو صدمہ سے زیادہ غیر معتدل بنا دیتا ہے۔۔۔ تمثیلاً حضرت معاویہؓ کو بھی لیجیے، ان کی شان میں کسی غیر صحابی کو گفتگو کرنے کی کیا مجال ہے؟ تاہم یہ حقیقت ہے کہ آپ چونکہ فتح مکہ کے بعد اپنے والد ماجد ابوسفیانؓ کے ساتھ مسلمان ہوئے تھے اس سے آپ کو خلفائے اربعہ کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں رہنے اور براہ راست آفتاب نبوت و رسالت سے کسب فیض کرنے کا زیادہ موقع نہیں ملا۔۔۔

تاہم بنو امیہ اور بنو ہاشم میں جو باہمی رقابت مدت سے چلی آ رہی تھی امیر معاویہؓ کو اس سے خالی الذہن نہیں کہا جاسکتا۔ حضرت علیؓ کے مقابلے میں انہوں نے جو کچھ کیا اس میں دوسرے عوامل و اسباب کی طرح اس رجحان کو بھی بڑا دخل ہے۔ ممکن ہے حضرت علیؓ پر یہ شبہ کیا جائے لیکن یہ پھر بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت علیؓ نے اپنے عہد خلافت میں کوئی عمل ایسا نہیں کیا جس کو خاندانی رقابت کے زیر اثر یا اسلام کی تعلیمات یا اس کی روح کے خلاف کہا جائے۔

اس میں شک نہیں کہ امیر معاویہؓ بہادری، عالی حوصلگی، دریا دلی اور سیاسی تدبیر کے لحاظ سے ہم عصروں میں ممتاز تھے لیکن جب انہوں نے اپنی ان قوتوں سے کفر کے مقابلہ میں کام لیا تو ایسے شاندار کارنامے کیے کہ مسلمانوں کی تاریخ کو ان پر ناز ہو سکتا ہے لیکن جب ان کی یہی قوتیں اموی خاندان کی جڑیں مضبوط کرنے میں صرف ہوئی شروع ہوئیں تو اس سے ایک ایسے طریق حکومت کی تشکیل ہوئی جس کو خلافت راشدہ کے منہاج پر نہیں کہا جاسکتا۔۔۔

۴۱ھ میں خلافت راشدہ کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر عام بیعت ہوئی تو اس دن سے بنو امیہ کا عہد حکومت شروع ہوا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس خاندان کے پہلے خلیفہ تھے۔ آپ کی خلافت ۴۱ھ سے ۶۰ھ تک یعنی تقریباً بیس سال رہی۔ جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے آپ کی خلافت، نہ خلافت راشدہ تھی اور نہ آپ خلیفہ راشد تھے لیکن اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض صحبت اٹھائے ہوئے تھے، صحابی تھے اور کاتب وحی بھی رہ چکے تھے اس لیے متعدد غلطیوں کے باوجود آپ کا دل خشیت ربانی اور اسلام کی ترقی و عروج کی حقیقی تڑپ سے خالی نہ تھا۔۔۔

تاہم خالص اسلامی نقطہ نظر سے اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے طرز عمل سے جس طریق حکومت کی تشکیل ہوئی اس سے اسلام کے اجتماعی نظام کی روح کو

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدین

مولانا سعید احمد اکبر آبادی

شدید صدمہ پہنچا۔ حکومت بجائے جمہوری کے شخصی ہو گئی اور اسلام کے جو مصالح عامہ اس کے صالح ترین نظام سے وابستہ تھے اب ان کا تعلق بادشاہ کی تنہا ذات اور اس کی شخصیت سے ہو گیا.....

بنو امیہ کا سب سے بڑا مخالف خاندان بنو ہاشم تھا لیکن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ذاتی طور پر حلیم و بدبار ہونے کے باعث سریر خلافت پر متمکن ہو جانے کے بعد اس خاندان کے ساتھ جبر و تشدد کا معاملہ نہیں کیا بلکہ عطیات اور وظائف کے ذریعہ ان کی دلجوئی ہی کرتے رہے تاہم طرز حکومت میں ملوکیت کی شان نمایاں تھی اور اس بناء پر انداز فکر اور طرز خیال میں جو تبدیلی پیدا ہو گئی تھی اس کا اندازہ اس ایک معمولی واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ گورنر کوفہ زیادہ عرب کی ایک فاحشہ عورت جس کا نام سمیہ تھا اس کے لطف سے پیدا ہوا تھا اور عرب کے رواج کے مطابق زیادہ بن ابیہ کہلاتا تھا۔ یہ کنیت اس کے دامن شہرت پر ایک ایسا بدناماواغ تھا کہ ”پائے طاؤس پئے خامہ مانی“ مانگے والا مضمون تھا۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ زیادہ کی قابلیتوں سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے زیادہ کی بدنامی اس راہ میں سبک گراں کا کام کرتی تھی اس لیے انہوں نے حکم نبویؐ الولد للفراس وللعاہر الحجر“ بچکا نسب جائز نکاح سے ثابت ہوتا ہے اور زانی کے لیے تو سنگ ساری ہے، کا خیال نہ کرتے ہوئے اعلان عام کر دیا کہ آئندہ سے زیادہ کو بجائے ابن ابیہ کہنے کے ابن ابی سفیان کہہ کر پکارا جائے.....

(یزید کے لیے بیعت لینا) یہ واقعہ اپنی حیثیت میں معمولی سا واقعہ ہے لیکن اس سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ اسلام کے اجتماعی نظام کو اس کی اصل شکل و صورت سے منتقل کر کے کسی دوسری اور غیر واقعی شکل سے متشکل کر دینے کے باعث تمدنی طور پر ذہنیت میں اور طرز فکر و خیال میں کیسی کچھ تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور وہ رفتہ رفتہ کس طرح بنیادوں کو ہی متزلزل کر دینے کا باعث بن سکتی ہیں۔

چنانچہ اس طرز حکومت کا سب سے زیادہ الم ماک نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان ہمیشہ کے لیے خلافت کے تصور سے ہی محروم ہو گئے۔ جمہور کا حق انتخاب ارباب حل و عقد کی اس باب میں مشاورت اور اس خدمت جلیلہ کے لیے امت کے کسی صالح اور موزوں ترین فرد کی تلاش و جستجو، یہ سب باتیں ایسی خواب و خیال ہو گئیں کہ آج تک اسلام کی چشم تنہا پر اسی نظارہ روح پرور کی بازوید کا انتظار میں نرگس کی طرح واہے مگر وہ منظر لوٹ کر نہیں آتا اور سالوں بلکہ قرونوں کے ایسے تاریک پردے درمیان میں حائل ہو گئے ہیں کہ نگاہ اشتیاق رہ رہ کے ماضی کے ان نقوش جمال و عظمت کی طرف اٹھتی ہے مگر دیکھ نہیں سکتی۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں ہی اپنے بیٹے یزید کے لیے بیعت خلافت لے کر اس طرز حکومت کو ایسا استوار کر دیا کہ آج تک اس کی بنیاد قائم ہے۔ اس وقت صحابہ میں اور ان کے

علاوہ تابعین میں بعض ایسے افراد موجود تھے کہ اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان میں سے حضرت عمرؓ کی طرح چند حضرات کا یا حضرت ابو بکرؓ کی طرح کسی ایک کا انتخاب فرما کر بطور وصیت ان کے حق میں خلافت کی سفارش کر جاتے تو بے شبہ و فساد پیدا نہ ہوتا جو یزید کو خلیفہ بنانے سے پیدا ہوا اور جس کے باعث بادشاہت محض ایک خاندانی ورثہ ہو کر رہ گئی۔ خلیفہ کے لفظ میں دینی اقتدار کا مفہوم بھی شامل تھا اس لیے بنو امیہ نے اس لقب کو ترک نہیں کیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ خلافت تو اب ختم ہو چکی تھی اور یہ جو کچھ بھی تھا ایک فریبہ اصطلاح سے زیادہ و کوئی وقعت نہیں رکھتا تھا۔

امیر معاویہؓ نے جس طرح حکومت بہ جبر حاصل کی تھی اسی طرح یزید کی بیعت خلافت بھی بہ جبری گئی۔ جو حضرات دل سے اس کو پسند نہیں کرتے تھے ان کو بھی بیعت کے لیے ہاتھ بڑھا دیے یا پڑا۔ ملوکیت یا شخصی حکومت کا سب سے زیادہ مدم اثر یہ ہوتا ہے کہ عوام میں حریت فکر اور آزادی بیان کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور قہر و غلبہ اور استبداد و تشدد کی فراوانی ہو جاتی ہے۔ بنو امیہ میں ملوکیت کے یہ تمام جراثیم پائے جاتے تھے۔ (مسلمانوں کا عروج و زوال ص ۳۱-۳۹۔ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ اردو بازار کراچی)

مذکورہ مقدمات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین و تنقیص کے علاوہ نیت پرشہ کرنا، قصاص عثمانؓ کو بہانہ بنانا، خلافت علیؓ کو کام بنانے کے لیے جاہلی عصییت اور کروندہ سے کام لینا، حضرت علیؓ کی خلافت کے مقابلے میں اپنی خلافت پر اصرار کرنا، واقعہ تحکیم کی تجویز بد نیتی، دھوکہ اور چال بازی پر مبنی تھی جو چند در چند فتنوں و رخنوں کا باعث ہوئی اور جس کا نتیجہ اسلام کے حق میں نہایت خطرناک نکلا، بنو ہاشم کے خلاف قدیمی عداوت و رقابت کا مظاہرہ کرنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بہ جبر حکومت حاصل کی، خلافت کا خاتمہ کیا، اسلام کے اجتماعی نظام کو شدید نقصان پہنچایا، شخصی، غیر شوریائی بادشاہت کا نظام قائم کیا، نبیؐ کے واضح حکم کی مخالفت کر کے ایک فاحشہ عورت کے لٹن سے جنم لینے والے زیادہ بن ابیہ کو اپنے نسب میں شامل کرنا، یزید کے لیے جبر و تشدد کے ذریعے اور مال و زر نچاؤ کر کے نیز ڈراہم کا کر بیعت لینا، حریت فکر اور آزادی بیان کو سلب کرنا اور قہر و غلبہ اور جبر و استبداد و غرضیکہ ملوکیت کے تمام جراثیم کا پالنا جیسے اثرات عائد کر کے کیا صحابہ کرامؓ کے بارے میں محف لسان کے حکم کی پاسداری کی گئی ہے؟

یہ ملحوظ رہے کہ تاریخ دارالعلوم دیوبند میں مولانا سعید احمد اکبر آبادی مرحوم کی کتاب ”مسلمانوں کا عروج و زوال“ کو ”معرکہ آراء، بلند پایا اور محققانہ“ کتاہوں میں شمار کیا گیا ہے۔ علاحدہ ہو: تاریخ دارالعلوم دیوبند از سید محبوب رضوی ص ۲۲۵۔ اشاعت خصوصی ماہنامہ الرشید سہیلوال۔

۲۹۔ سید لعل شاہ بخاری واہ کینٹ

(م ۱۴۱۱ھ / ۱۹۹۰ء)

سید لعل شاہ صاحب بخاری خطیب مدنی مسجد لائق علی چوک واہ کینٹ نے محمود احمد عباسی کی کتاب ”تحقیق مزید“ کے رد میں ۲۰ صفحات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب بنام ”حضرت معاویہؓ و اختلاف یزیدؓ بجواب تحقیق مزید علی خلافت معاویہ و یزیدؓ“ لکھی جس کا مختصر نام خود ہی ”اختلاف یزیدؓ“ تجویز کیا۔ موصوف اس کتاب میں جا بجا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین کے مرتکب ہوئے ہیں۔ یہاں چند توہین آمیز کلمات بدیہ قارئین کیے جاتے ہیں:

۱۔ جاننا چاہیے کہ محدثین کا اتفاق ہے حضرت معاویہؓ کی فضیلت میں پورے ذخیرہ حدیث میں ایک روایت بھی صحیح نہیں ہے... (اختلاف یزید ص ۱۱۸)،

شاہ صاحب صحیح بخاری کی روایت ”أول حبش من أمتی يغزون البحر قد أوجبوا...“ کے بارے میں لکھتے ہیں:

میرا دعویٰ ہے کہ یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ راوی کی خود ساختہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ”أول حبش۔ أوجبوا۔ مدینة قیصر مغفور لہم“ کے الفاظ نہیں فرمائے۔ (عائدہ مذکور ص ۳۲)،

۳۔ حضرت معاویہؓ کے محبوب فرزند نے..... جہاں زیاد کی مٹی پلید کی ہے وہاں اپنے شفیق باپ جو اسے ”قدانک لسی و اُمی“ کہہ کر بلائیں لیتے ہیں، ان کی سیاست کا بھی سارا بھرم کھول کر رکھ دیا ہے اور احمقانہ زیاد کی ساری حقیقت صرف ایک فقرہ میں طشت از بام کر دی.... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ یزید جوش میں خدا جانے کیا کچھ کہہ جائے گا اور راز بائے سر بستہ افشا ہو جائیں گے، فوراً ”اجلس قدانک لسی و اُمی“ فرماتے ہیں اور پھر راز بخش ہو جاتے ہیں تو اس کی توجیہ سوائے اس کے کیا ہو سکتی ہے کہ یزید نے اس سر بستہ راز سے پردہ اٹھا دیا تھا۔ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ یزید اس وقت ہوش میں تھا کہ مدہوش مگر ہم اس کی حق گوئی کی سباز قدر کرتے ہیں کہ:

فقیہ مصلحت ہیں سے وہ ند بادہ خوار اچھا
نکل جاتی ہے جس کے منہ سے جچی بات مستی میں

(حوالہ مذکور ص ۱۵۵)

۴۔ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق) جمہور اہل سنت کا پہلا قول کہ ”حضرت علیؓ حق پر ہیں اور حضرت معاویہؓ مجتہد خطی ہیں.....“

جمہور اہل سنت کا دوسرا قول کہ حضرت علیؓ حق پر تھے اور حضرت معاویہؓ باطل پر تھے یعنی خطا ان کی عنادی تھی اور دور خلافت میں وہ ایک مملکت جائز تھے.....“

دلائل کے لحاظ سے یہ دوسرا قول بظاہر رائج معلوم ہوتا ہے۔ جمہور اہل سنت کا پہلا قول کہ حضرت علیؓ ”المحقق المصیب“ اور حضرت معاویہؓ ”المخطی المعذور“ تھے کو رائج سمجھا جائے مگر قوت دلائل کے لحاظ سے دوسرا قول بظاہر رائج معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ حق پر تھے اور حضرت معاویہؓ باطل پر تھے۔ (حوالہ مذکور ص ۱۷۲، ۱۸۰، ۱۸۸)،

۵۔ صحیح مسلم کی جس روایت سے حضرت معاویہؓ کا کاتبہ وجی ہونا ثابت ہوتا ہے اس کے بارے میں موصوف لکھتے ہیں:

میرے نزدیک اس روایت کا ایک جملہ بھی صحیح نہیں ہے۔ یہ روایت بحجم اجزائہا و مقاصدھا باطل ہے اس لیے کسی محدث نے اس روایت کو اپنی کتاب میں درج کرنے کا حوصلہ نہیں کیا۔ حیرت ہے کہ امام مسلم نے اسے اپنی صحیح میں کیسے جگہ دے دی اور تعجب ہے کہ حافظ ابن کثیر نے کیسے ان مازک شاخوں کو کتابت معاویہ کے آشیانہ کے لیے منتخب کیا ہے؟.....

اقرب ابی الاحتیاط یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کو کاتب رسول کہا جائے، کاتبہ وجی نہ کہا جائے۔ (حوالہ مذکور ص ۱۳۳-۱۳۴)،

۶۔ مصیبتوں نے حضرت معاویہؓ کو جامع الصفات ثابت کرنے کے لیے تمام صحابہ کے اوصاف تلاش کر کے انہیں حضرت معاویہؓ کے لیے ثابت کیا ہے۔ اس سلسلے میں انہیں ایک ایسے وصف کی تلاش ہوئی جسے حضرت معاویہؓ کے لیے مخصوص کر دیں اور اس وصف مخصوص میں ان کا کوئی شریک و سہیم نہ ہو۔ پس انہوں نے وصف سیادت میں حضرت معاویہؓ کو سب سے فائق قرار دیا ہے کہ ایک روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے نام منسوب کر دی کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بن العاص سے مروی ہے: فرماتے ہیں

کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو حضرت معاویہ سے زیادہ مردار نہیں دیکھا۔ (البدایۃ و النہایۃ ص ۱۳۵-جلد ۸)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

سید لعل شاہ بخاری

۹۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو حضرت صدیق اکبرؓ کی اجماعی خلافت پر قیاس کرنا، قیاس مع الفارق ہے...

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت پر صحابہ کا اجماع تھا اور جملہ صحابہ نے بطیب خاطر بیعت کی تھی لیکن حضرت معاویہؓ کی خلافت میں تمناور ذلیل تھی۔ حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت راشدہ کی اکمل ترین قسم تھی اور حضرت معاویہؓ کی خلافت از قسم ملک غرض تھی۔ (حوالہ مذکور ص ۵۷)،

۱۰۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں ایسے امور بھی ظہور پذیر ہوئے جو خلافت راشدہ کی بناء کو منہدم کرنے والے تھے..... ان میں سے بعض امور کی نشاندہی ہم کرتے ہیں

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں مصیبت کو فروغ حاصل ہوا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بدمعاش و شتم کیا جانے لگا..... (حوالہ مذکور ص ۲۱۶)،

۱۱۔ اس روایت میں راوی نے مسامت سے کام لیا اور (اتعدھا مصیبة) کے سائل اور (جمرة اطفالھا اللہ) کے قائل دونوں کی پردہ پوشی کی کیونکہ ان کی گفتگو بے انتہا نفرت انگیز تھی لیکن انکھیں بند کر لینے سے حقیقتیں مستور نہیں ہوا کرتیں۔ "اتعدھا مصیبة" کے قائل یقیناً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ رجل اسدی کا قول برائے طلب تقرب و رضا معاویہ تھا۔ شاید اسی لیے حضرت معاویہؓ نے اسے سرزنش نہیں کی شاید وہ یہ سمجھے کہ جب محفل میں سارے شامی ہیں تو اب ظاہر داری کا فائدہ؟

اس روایت سے معلوم ہوا کہ محفل معاویہؓ کی زیبائش و آرائش کس قسم کے عناد و دل خوش گلو کی نوا سنجی سے وابستہ تھی لیکن کبھی کبھی مقدم ابن معدی کربؓ جیسے درویش کی تلخ نوائی مجلس کے رنگ کو پھیکا اور افسردہ کر دیتی۔ راوی نے "رجل اسدی" کے نام کا اظہار نہیں کیا ہمیں بھی اظہار کی ضرورت نہیں ہم بھی بے نام لیے کہتے ہیں۔

جو شفی حسن ابن علیؓ کو جمرة من نار کہتے ہیں

اللہ کی ہو پھلکار ان پر ہم سو بار کہتے ہیں

(حوالہ مذکور ص ۱۳۳)

☆☆☆☆☆☆

۳۰۔ مولانا حامد الانصاری غازی فاضل دارالعلوم دیوبند

(م ۱۴۱۲ھ / ۱۹۹۱ء)

مولانا حامد الانصاری غازی حضرت الامام الکبیر مولانا محمد قاسم نانوتوی کے نواسے مولانا منصور الانصاری کے خلیفہ اور حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب کے داماد ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کی طرف سے دارالعلوم کی صد سالہ تقریب کے لیے منتخب ہوئے۔ ”اسلام کا نظام حکومت“ ان کی مشہور تصنیف ہے جو ”ندوة المصطفیٰ“ دہلی سے شائع ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو ماہنامہ الرشید ساہیوال کی خصوصی اشاعت ”تاریخ دارالعلوم دیوبند“ از سید محبوب رضوی ص ۲۲۵۔

پاکستان سے اسے مکتبہ الحسن لاہور نے بھی شائع کیا ہے۔ اس وقت اس کا ”میسراڈیشن“ راقم الحروف کے سامنے ہے۔

مولانا حامد الانصاری غازی اپنی کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

”مغلب یہ ہے کہ اس موضوع پر اس قسم کی کوئی کتاب آج تک اس طرز پر نہیں لکھی گئی..... اس کتاب میں مستند معلومات کا جو ذخیرہ فراہم کیا گیا ہے اور اس سے جو نتائج پیدا کیے گئے ہیں وہ آنے والے دور کے مصنفین اور علماء کے تصنیفی کام کے لیے مآخذ قرار پاسکیں گے۔

(اسلام کا نظام حکومت ص ۱۶۔ مطبوعہ مکتبہ الحسن لاہور)

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ موصوف نے اس موضوع پر ایک نئے اسلوب اور طرز پر کتاب تصنیف فرمائی اور ان کی محنت قابلِ داد ہے تاہم وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ”انصاف“ نہیں فرما سکے۔ ملاحظہ فرمائیں:

”حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اثر و ثبوت اور تدبیر سے یزید کی ولی عہد کی کو منظور کرایا..... اس انتخاب کے خون آشام نتائج خود یہ کہتے ہیں کہ یہ تقریر امت کے لیے دلیل نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یورپین شہنشاہوں کے پڑوس میں مسلمانوں کا اقتدار قائم کر رہے تھے۔ ان کا یہ قول بھی دماغ میں رہنا چاہیے:

”ہم نے شہنشاہیت اور سلطنت پر قناعت کر لی ہے“

اس قول کے بعد راہ صاف ہو جاتی ہے ایک ایسی عالم گیر قوم جو انسانیت کو نبوت، قانون رحمت اور خلافت راشدہ کے طرز پر منظم کرنا چاہتی ہے، شہنشاہیت پر قناعت نہیں کر سکتی۔ بعد کے زمانہ میں بنی امیہ اور بنی عباس کے اقتدار میں اسلام کے لیے جو پرجوش کارنامے انجام پائے اس سے انکار کیے بغیر ولی عہدی کے رواج کو جائز تسلیم نہیں کیا جاسکتا.....

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ سال تک ”مامت کبریٰ“ کی پیغمبرانہ ذمہ داریوں کو پورا کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صدیق اکبرؓ نے دو برس، فاروق اعظمؓ نے دس برس، عثمان غنیؓ نے گیارہ برس، علی مرتضیٰؓ نے چھ برس امارت شوریٰ اور خلافت راشدہ کو زندہ رکھا۔ تاریخ عالم کے یہ چاروں بڑے اصحاب صاحب اولاد تھے مگر انہوں نے خدا کی حکومت کی حکم برداری میں شاہی تاج و تخت کو نگاہ غلط سے بھی نہ دیکھا۔

آخر اسلامی تاریخ کا سب سے زیادہ کمزور واقعہ رونما ہوا۔ یہ روشنی جلد تاریکی سے بدل گئی اور فرمان ”لاندرت ولا ندرت“ کے خلاف امارت شوریٰ کی جگہ پھر مطلق العنان شاہی نے لے لی۔ دن ڈوب گیا پھر رات آئی۔ وہی جو ہر جوبادشاہوں کے تاج سے بھی زیادہ قیمتی تھامٹی ہو گیا۔ وہ لوگ جو خدا کے حکم پر تیر کی طرح گئے، بجلی کی طرح گرے اور قیصر و کسریٰ کے تاج چھین کر ہوا کی طرح واپس آئے۔ ان کے جانشین رومیوں کے ایک چھوٹے سے پایہ تخت دمشق میں پہنچ کر قیصر کی شہنشاہیت کا شکار ہو گئے۔

تمام پرانے شاہی خاندان (اشکانی، پشدار، ساسانی، یونانی، رومی) مت گئے اور ان کی جگہ اموی، عباسی، فاطمی، غزنوی، خلجی، تغلق، تیموری (مغل) تاتاری (ترکان عثمانی) تخت شاہی پر آ گئے۔ سن ۱۰۲۲ء) سے ۱۲۱۱ء) تک چالیس سال کا زمانہ منہاج نبوت اور سیاست شوریٰ کے مطابق گزرا۔ اس کے بعد چودہ سو سال کے اس تاریخی جنگل میں کسی مرید خدا کو یہ خیال نہیں آیا کہ اسلام کا نظام حکومت اپنی اصل قانونی حقیقت کے اعتبار سے خدا کے دستور، نبوت کے قائم کردہ معیار اور حکومت راشدہ کے اساسی اصول سے ہٹ چکا ہے۔ (اسلام کا نظام حکومت ص ۲۵۳، ۲۵۶)

حضرت مولانا حامد الانصاری غازی کے اس ”مرثیے“ یا ”نہرے“ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کیونکر مستثنیٰ کیا جاسکتا ہے؟ بلکہ انہوں نے اس کا آغاز ہی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سر پر آراء خلافت ہونے (۴۱ھ) سے کیا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

۳۱۔ سید محمود شاہ محدث ہزاروی

(م ۱۴۱۳ھ / ۱۹۹۲ء)

پیر سید محمود شاہ محدث ہزاروی کی ولادت ۱۸۷۲ء میں سید محبوب علی شاہ کاظمی کے ہاں حویلیاں کے مضافات میں موضع ”سویلین“ نزد کوکل بر سین علاقہ تاول میں ہوئی۔ جب کہ پیر محبوب علی شاہ کاظمی موضع ”نڑو کہ“ مانسہرہ میں پیدا ہوئے جہاں سے نقل مکانی کر کے اپنے والد سید فقیر شاہ کے ساتھ موضع ”پائیں گوجری“ میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ موصوف والد کی وفات کے بعد ”پائیں گوجری“ سے نقل مکانی کر کے موضع ”سویلین“ میں وارد ہوئے جہاں سے ۱۹۰۱ء میں اپنے کنبہ کے ہمراہ حویلیاں ”نڑمیرہ“ میں مستقل طور پر رہائش پذیر ہو گئے۔ بعد میں ”نڑمیرہ“ محلہ ”محبوب آباد“ کے نام سے موسوم ہو گیا۔ یہیں سید محبوب شاہ کاظمی نے ۱۳ نومبر ۱۹۳۷ء کو وفات پائی۔ ان کے جانشین بڑے بیٹے سید عبدالقادر شاہ کاظمی مقرر ہوئے۔ ۱۳۷۲ھ میں ان کی وفات کے بعد پیر سید محمود شاہ محدث ہزاروی مسند نشین ہوئے جو اپنی وفات یکم رجب ۱۴۱۳ھ / ۲۵ دسمبر ۱۹۹۲ء تک خانقاہ محبوب آباد حویلیاں سے اپنے عقائد و نظریات اور افکار و خیالات کو فروغ دیتے رہے۔ پیر صاحب نے ”نیلیویت“ کے لبادے میں ”معاویہ دشمنی“ کے سابقہ تمام ریکارڈ توڑ دیے ہیں۔ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف تحریر و تقریراً خوب زہر اگلا۔ ان کی اسی دریدہ و فنی کی وجہ سے ان کے خلاف یکم جولائی ۱۹۸۵ء کو توہین صحابہ آرڈیننس A-298 کے تحت ایک مقدمہ قائم ہوا جس میں وہ تاؤم زیست ”ملزم“ اور پابند ضمانت رہے۔ بعد میں وفات کی وجہ سے ان کے خلاف عدالتی کارروائی ختم ہوئی۔ یہاں صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق ان کے ”نظریات“ بذریعہ قارئین کیے جا رہے ہیں:

پیر صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو (نقل کفر، کفر نباشد) ”ظالم باغی، طاغی، منافق، کافر اور مرتد“ کہتے ہیں۔ جو انہیں کافر نہ کہیا انہیں صحابی رسول تسلیم کرنا اور ان کے نام کے ساتھ علامت صحابیت ”ؓ“ (رضی اللہ عنہ) پڑھے یا لکھے وہ بھی پیر صاحب کے نزدیک کافر ہے۔ (العیاذ باللہ) سرزمین ہزارہ کی معروف دینی و روحانی شخصیت صاحبزادہ طیب الرحمن صاحب چھوہر

شریف (ہری پور) نے علامہ قاضی غلام محمود صاحب کی خدمت میں حسب ذیل ”استفتاء“ بھیجا:
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ بعض نام نہاد دلولوی اور جعلی پیر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، صحابی رسول کو (معاذ اللہ) کافر کہتے ہیں اور ان کو کافر نہ کہنے والوں کو بھی کافر بتلاتے ہیں۔ چنانچہ ان کی تقریری کیسٹ ہمارے پاس موجود ہے جس میں مقرر نے یہ کچھ کہا ہے۔۔۔

(فضائل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ۱۶۔ مؤلف قاضی غلام محمود صاحب ہزاروی)

جناب قاضی غلام محمود صاحب اس کا جواب دینے سے پہلے پیر صاحب کا ”اعتراض“ نقل کرتے ہیں کہ ”معاویہؓ نے چونکہ خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ سے بغاوت کی تھی اس لیے وہ مرتد ہو گیا (معاذ اللہ، نقل کفر، کفر نہ باشد) اب اس کو صحابی، امیر یا مسلمان کہنا جائز نہیں اور جو اس کو کافر نہ کہے وہ بھی کافر ہے۔“ قاضی صاحب نیچے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

”مولوی محمود شاہ صاحب ساکن حویلیاں کی یہ بات مدرسہ رحمانیہ ہری پور میں ٹیپ شدہ موجود ہے جو صاحب چاہے سن سکتا ہے۔“ (حوالہ مذکور)

معروف بریلوی عالم دین شیخ الحدیث مولانا محمد علی صاحب جام مدظلہ شریعہ شریعہ لاہور فرماتے ہیں:
”محدث ہزاروی کی تحریرات ہمارے پاس موجود ہیں جن میں اس نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو کافر، مرتد، زندیق اور منافق ایسے الفاظ سے کھنکھایا ہے۔۔۔ (دشمنان امیر معاویہؓ کا علمی محاسبہ جلد ۲ ص ۳۱۲)
”معاویہ اللہ، رسول کا باغی اور منافق، آل اصحاب کو گالیاں دینے والا اور ان سے محبت کرنے والوں پر لعنت کرنے والا اور ان سے جنگ کرنے والا ہے۔ شراب پینے پلانے والا، سود کے بیوپار کرنے والا ہے۔ جو ملا، صوفی، امام اس پر ”رضی اللہ عنہ“ کہتے ہیں وہ دراصل اللہ و رسول کو گالیاں دینے والے پر اللہ کی رضا کا کفر کہنے والے ہیں۔ ان کے پیچھے نہ نماز جائز نہ جنازہ نہ ان کو سلام دینا جائز نہ ان سے دعا سلام، رشتہ پیار روا ہے۔ ان سے تعاون، تولد مسلمان کو ان ہی جیسا بنا دینے والا ہے۔“ (حوالہ مذکور ص ۳۳۲)

”معاویہ چونکہ اللہ، رسول، دین اسلام سے علی الاعلان باغی، طاغی، کافر، منافق، منکر، مخالف ہو کر اسی حال پر مرا ہے۔ اس دشمن اسلام و ایمان کو اصحاب پاک میں ملانا اور اس پر رضی اللہ پڑھنا قطعاً روا اور کفری کام ہے۔ وہ ان لوگوں سے ہے جن کا کفر قرآن نے بیان فرمایا

”وَقَدْ خَلَوْا بِالْكَفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ“ (مائدہ ۱۳)

وہ کفر کے ساتھ فتح مکہ میں آئے اور اسی کفر سے باغی، خارجی ہو کر دین اسلام سے نکل گئے۔

اس کے حامی منافقوں نے اس پر پردہ ڈالا ہوا ہے۔ یہ سب اللہ و رسول کی اشد توہین و ہتک کرنے والے ہیں۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مذہب حنفی میں ایسے ہر شخص کا حکم یہ ہے کہ وہ باغی، خارجی، کافر، مرتد، زندیق ہے اس کی عورت اس کے عقد نکاح سے نکل کر طلاق ہو گئی ہے اور اس سے بچنا ہر مومن مسلمان کا دینی ایمانی کام ہے اور ان کے پیچھے نہ نماز نہ ان کا کوئی کام اسلامی درست ہے۔

حدیث ہے ”ایہا کم ولایا کم لا یضلوکم ولا یفتنوکم“

فتاویٰ حسام الحرمین اور فتاویٰ صوارم ہندیہ کے تین سوا یک مشاہیر علماء اور مفتیان دین کے تمام فتوے کافر، فاسق، مرتد، زندیق ہونے کے معاویہ پرستوں اور اس پر رضی اللہ عنہ کہنے والوں پر بلا کم و کاست لگ گئے ہیں اور یہ سب ایسے کافر و مرتد ہیں کہ جو ان کے کفر و عذاب میں شک کرے، تو ذکر کرے یا اس بارے میں بحث و حجت، مزاحمت، ٹکرا کرے، ان کے ساتھ تعلق، تعاون، ان کی حمایت و تائید و دوستی کرے، رشتہ چاہے، آشنائی روا رکھے، بھی ان ہی جیسا دشمن دین و ایمان ہے۔ اللہ کا حکم ہے:

”وَمَنْ يُؤَيَّدْهُمْ فَمِنْهُمْ“ (مائدہ ۵۱)

اللہ کا فرمان ہے ”یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ“ (مائدہ ۱۳)

اللہ کا حکم ہے ”لَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ“ (ہود ۵۲)

اللہ کا حکم ہے ”فَلَا تَتَّخِذُوا بَعْدَ الذِّكْرِ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ“ (انعام ۶۸)

اے اہل اسلام! اے اہل دین! اسلام کے باغی، ظالم، دشمن آل و اصحاب معاویہ کو ماننے والوں اور اللہ رسول کو نہ ماننے والوں سے قطع تعلق کر کے دین و ایمان کو بچاؤ ورنہ جو چاہو انجام سوچ لو۔“ (حوالہ مذکور ص ۳۴۰-۳۴۱)

پیر سید محمود شاہ محدث ہزاروی لکھتے ہیں کہ: ”صحابہ کرامؓ کے دلوں میں ہر لحظہ حضور مرشد کائنات کی صحبت و عقیدت بڑھتی تھی۔ البتہ جن لوگوں کے ایمان نے ان کو قطع نہ دیا اور ان کے دلوں میں عقیدت کی کمی آتی گئی اور توبہ بھی نہ کی وہی منافق اور باغی حق ہوتے چلے گئے۔ اللہ ایسی آفت و حمایت بغاوت سے سب مسلمانوں کو محفوظ رکھے اور توبہ استغفار کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین (تعلیم الایمان فی تفہیم تصدیقہ اعمان ص ۴۷)

پیر صاحب موصوف ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں: پیارے صاحبو! اصحاب رسول وہ دین و ایمان والے، ادب عشق حق پر استقامت والے، آسمان ہدایت کے چمکتے ستارے اور راہ حق سے نہ ہٹکنے والے روشن فوری ستارے ہیں جنہوں نے دین اسلام کی خدمت و ہدایت میں سب سے مشکل وقت میں عظیم مجاہدانہ کامیابی انجام دیے اور اللہ رسول و اہل بیت کی محبت و حمایت سے عمداً کبھی نہ طرف (باغی) نہ بے اللہ خالق کائنات

نے ان کے حق میں فرمایا: رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ "اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی رہے۔"

تمام صحابہ کرام روایت حدیث کے معاملہ میں عادل ہیں اور عام زندگی میں معصوم نہیں مگر وہ "أَصْرَارٌ عَلَى الْفَاحِشَةِ وَقَرَارٌ عَلَى الْمَعْصِيَةِ" سے محفوظ ہیں۔ اگر کسی صحابی سے بتقاضائے بشریت کوئی گناہ سرزد ہو بھی گیا تو توفیق الہی سے وہ اسے توبہ کی توفیق بھی فوراً نصیب ہو گئی اور اللہ کے حکم کے مطابق اس نے دربار رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی: یا رسول اللہ مجھے پاک فرما دیجیے۔ چنانچہ حضور معلّم کائنات حدیث شرعاً فذکر ما کرّا سے پاک فرما دیتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے کہ میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ انہیں طعن کا نشانہ نہ بناؤ۔ جس نے میرے صحابہ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا (ترمذی) نیز فرمایا: جب تم انہیں دیکھو جو میرے صحابہ کو برا کہتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ تمہارے شر پر اللہ کی پھٹکار ہو۔

پیارے صاحبو! در کھو حضور نبی کریم رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی ذات و صفات کے مظہر اتم ہیں اور صحابہ کرام و اہل بیت اطہار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کے مظہر ہیں اور صحابہ کرام اللہ سے راضی رہے اور اللہ ان سے راضی رہا۔ البتہ اللہ و رسول و خلیفہ برحق سے باغی، طاغی، طلاقاً، منافقین نہ مومن اصحاب رسول نہ راہ حق کے بادی۔ نہ وہ اللہ و رسول سے راضی ہوئے نہ اللہ و رسول ان سے راضی ہوئے۔ مومن اصحاب رسول کے برخلاف بلکہ تعلیم قرآن کے برخلاف ان کا کردار آل و اصحاب رسول پر شدت اور کفار مکہ و یہود کے ساتھ رحم دلا نہ رہا۔

انہوں نے ہی سب سے پہلے اللہ و رسول و خلیفہ برحق کے خلاف بغاوت کر کے "انـّـا واولـّـو الملوء" کا دعویٰ کیا اور حجر بن عدی صحابی رسول کو مع ان کے دیگر بارہ صحابی ساتھیوں کے قتل کروا دیا۔ محمد بن ابی بکر کو قتل کر کے ان کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے گندھے کی کھال میں رکھ کر چلا دیا اور انہوں نے ہی سب سے اول انسانوں کو فحشی کرایا اور خطبہ جمعہ میں حضرت علیؓ اور ان سے محبت کرنے والوں (اللہ رسول و تمام مومنین) پر لعنت کرنے کی کمرہ بدعت جاری کی اور جنگ صفین کو جاتے ہوئے قہراً جمعہ ترک کر کے بدھ کے روز نماز جمعہ پڑھا دی اور ساری عمر تین کے بجائے ایک رکعت و تہنّے پڑھتے رہے۔

بہار شریعت جلد ۳ ص ۷۷ کا آخری عقیدہ جس میں باغیان وین و ایمان ظالموں کی خلاف کتاب و سنت عقیدت پر ابھارا گیا ہے قطعاً قرآن و سنت کے خلاف ہے کیونکہ:

۱۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَاطِيعُوا الْأَمْرَ مِنْكُمْ ۚ الْآيَةُ نِصَاءٌ

پر یقین و ایمان سے غور کرو۔ یہ عقیدت اس آیت کے خلاف ہے۔

۲۔ حدیث صحیح، متواتر، مشہور۔ غزوہ خندق میں معلم کائنات نے عمار بن یاسرؓ بدری، بخاری، اُحدی سے فرمایا ”تقتلک الفئة الباغية“ تجھے باغی گروہ قتل کرے گا (بخاری) اس کی شرح میں مرقات جلد ۱ ص ۷۔ طبع لہٰذا میں ہے: اعلم ان عماراً قتلہ معاویۃ فکانوا طاعین یاغین یفذا الحدیث۔ مبارق الاثر ہارشرح مشارق الانوار میں اس کی شرح میں ہے:

وکانوا طاعین ظالمین یاغین یفذا الحدیث۔ یہ عقیدہ اس حدیث کے بھی خلاف ہے۔

۳۔ یا ایہا الذین امنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء..... مقتنہ اور تمہید ایمان معنفہ اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب کے بھی خلاف ہے۔

۴۔ یا ایہا الذین امنوا لا تتخذوا الیہود والنصارى اولیاء (مائدہ آلہ) کے بھی خلاف ہے۔

۵۔ لا تجد قوماً یؤمنون باللہ والیوم الآخر۔ (مجادلہ) کے بھی خلاف ہے۔

۶۔ حدیث صحیح یہ روایت عرفیہ مشکوٰۃ باب الامارۃ ص ۲۰ طبع کراچی میں خلیفہ راشد کے مقابل باغی کے لیے معلم کائنات کا ارشاد: ”قاضیوہ بالعسف کائناتاً من کان“ (وہ وہاں جب القتل ہے جو بھی ہو) کے بھی خلاف ہے لہٰذا مردود ہے۔

پیارے صاحبو! جس طرح ایک پیغمبر نبی و رسول کا انکار سب انبیاء و رسول کا انکار و کفر ہے اسی طرح ایک صحابی رسول کا منکر بھی سب کا منکر ہے قوم عاقو، قوم قومو، قوم لوطو، قوم نوح نے صرف اپنے ایک رسول کی تکذیب کی مگر رب نے فرمایا: کذبت عاد، المرسلین، کذبت اصحاب الحجر المرسلین، کذبت ثمود المرسلین، کذبت قوم نوح المرسلین، کذبت قوم لوط المرسلین۔ لہٰذا باغی بغاوت نے حضرت علیؓ اور حسن خلیفہ راشد سے بغاوت کی جو صحابی بھی ہیں اور اہل بیت بھی تو اس لیے تمام خلفائے راشدین اور تمام اہل بیت سے بغاوت کی اور سب کا باغی ہوا۔ معلم کائنات نے فرمایا: من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ ومن اطاع امیری فقد اطاعنی ومن عصی امیری فقد عصانی لہٰذا باغی بغاوت نے امیر المؤمنین حضرت علیؓ، امام حسنؓ سے بغاوت کر کے اللہ و رسول کی بغاوت کر لی۔ (گوت فخر ص ۲۱ تا ۲۲) جملہ دین آموز و بصیرت افروز افادات عالیہ مفکر خلافت، فقیر ملت، بہر طریقت ابو مسعود سید محمد شاہ کاظمی حنفی قادری محدث ہزاروی

یہ کتابچہ پہلی مرتبہ اپریل ۱۹۵۸ء میں شائع ہوا جب کہ دوسری مرتبہ ستمبر ۱۹۷۷ء میں خلافت کیڑی میں تکرارہ سوات نے اسے طبع کرایا۔ جس پر کتابچہ ملنے کا واحد پتہ ”مکتبہ محمودیہ خانقاہ محبوب آباد دہلیاں۔ ہزارہ“ درج ہے۔ اس تفصیل سے واضح ہو گیا ہے کہ محمود شاہ محدث ہزاروی نے بظاہر یہ بیعت کے لہاوے میں ”سبائیت“ کی کس قدر خدمت سرانجام دی اور ”بغض معاویہ“ میں ماقدرین معاویہ کا ساتھ دیکر کتنا بھی توڑ دیا۔

۳۲۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالرشید نعمانی

(م ۱۴۲۰ھ / ۱۹۹۹ء)

مولانا عبدالرشید نعمانی ایک مشہور و معروف اور صاحب تصنیف عالم دین ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ محبت و عقیدت کی وجہ سے نسبت ”نعمانی“ ان کی پہچان بن گئی ہے۔ ایک عرصہ تک جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں بطور استاذ حدیث تدریسی فرائض سرانجام دیتے رہے۔ جب کہ اس دور میں ”شیخ الحدیث“ کا منصب مولانا سید احمد سعید کاظمی کے پاس تھا۔ موصوف نے بعد میں جامعہ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں بھی کچھ عرصہ تک تدریسی ذمہ داری نبھائی لیکن انہیں سب سے زیادہ شہرت محمود احمد عباسی کے افکار و نظریات کا انتہا پسندانہ تعاقب کرنے کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ محقق اہل سنت مولانا عبدالغفور سیالکوٹی سابق استاذ جامعہ فریدیہ اسلام آباد اور شیخ الحدیث دارالعلوم فاروقیہ راولپنڈی رقم طراز ہیں:

”اسلام آباد کی ایک مجلس میں حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب مدظلہ اور اسلام آباد کے چند علماء کے مابین مختلف مسائل پر تبادلہ خیالات کے دوران حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا صحیفی موضوع بھی زیر بحث آیا۔ راقم الحروف نے آخر میں عرض کیا کہ ”حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی، طاغی، جائز اور خطی وغیرہ کہنے کے بجائے اگر ان کے اس اقدام کی کوئی ایسی مناسب تاویل و توجیہ کرنی جائے جس سے ان کو یہ کچھ کہنا نہ پڑے تو کیا زیادہ مناسب نہ ہوگا؟“

حضرت مولانا نعمانی مدظلہ نے بہ جستہ جواب فرمایا کہ

”ہاں کتاب الحدود میں صحابہ کے مذکورہ واقعات کی جو توجیہ تم کر سکتے ہو وہ یہاں بھی کرلو۔“ _____ نیز فرمایا کہ: ”حضرت مافوقی نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کوئی اتنے بڑے صحابی نہیں ہیں کہ ان کے بقول و فعل کی ہم توجیہ کرتے پھریں۔“

مولانا (نعمانی) مدظلہ کا مطلب یہ تھا کہ کتاب الحدود میں مذکور ”امراۃ مخزومیہ، ماعز اسلمی اور امراۃ غامدیہ رضی اللہ عنہم کے سر قہ اور زنا جیسے افعال جس طرح قطعی طور پر غلط اور ناقابل تاویل ہیں بالکل اسی طرح حضرت معاویہؓ کا یہ صحیفی عمل قطعی طور پر غلط اور ناقابل تاویل ہے۔ اور

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

مولانا عبدالرشید نعمانی

پھر حضرت معاویہؓ کوئی اتنے بڑے صحابی بھی تو نہیں کہ ان کے غلط کام کی کوئی توجیہ ضروری کی جائے بلکہ ان کے غلط کام کو غلط ہی کہیں گے۔

ع اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

ع چو کفر از کعبہ بخیزد کجا مانند مسلمان

حضرت مولانا نعمانی کی یہ دونوں باتیں نہ صرف حد درجہ غلط اور لغو ہیں بلکہ ان کی سبائیت گزیدگی کی پتلی دلیل بھی ہیں۔

پہلی بات کا بطلان تو اصول الشاشی پڑھنے والا طالب علم بھی سمجھ سکتا ہے کہ ایک طرف سراسر اجتہادی عمل ہے جس میں خطا و صواب دونوں کا احتمال ہے اور دوسری طرف ایسا فعل ہے جس کا ناجائز ہونا مسلمان کا بچہ بچہ جانتا ہے۔ جس میں اجتہادی خطا و صواب کا احتمال درکنار اس کا تو وہاں سوچنا بھی شاید کفر تک پہنچا دے جس کو خود فاعل بھی خلاف شرع سمجھ کر شرعی حد جاری کرنے کا طالب ہے۔ نیز ایک طرف بصورت خطا بھی ایک احمدی بشارت ہے جب کہ دوسری طرف بالفعل بھی حد جاری ہوتی ہے۔ بھلا دونوں میں کیا مناسبت؟ قیاس مع الفارق کی اس سے بدتر مثال شاید ہی دنیا میں کسی نے دیکھی ہوگی۔“ (سبائی فتنہ جلد اول طبع دوم ص ۴۳، ۴۴۔ طبع اول ص ۳۰۔ ۳۱ جنوری ۱۹۹۲ء)

مولانا عبدالغفور سیالکوٹی صاحب کی یہ کتاب پہلی مرتبہ رجب ۱۴۱۲ھ / جنوری ۱۹۹۲ء میں موصوف کی زندگی میں شائع ہوئی جب کہ حضرت نعمانیؒ کی وفات اس کے آٹھ سال بعد ۱۴۲۰ھ / ۱۹۹۹ء میں واقع ہوئی لیکن اب تک اس تمام عرصہ میں کسی بھی حلقے کی طرف سے اس کی تردید نہیں ہو سکی۔

ظاہر ہے کہ تردید تو کسی ”غلط نسبت“ یا الزام کی ہوتی ہے پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق یہ گفتگو رسوا و جواب تو علماء کی محفل میں ہوئے ہیں جن میں دیگر علمائے کرام کے علاوہ شہید اسلام مولانا محمد عبداللہ، مولانا پیر سیف اللہ خالد (لاہور) اور محقق اہل سنت مولانا عبدالغفور سیالکوٹی بھی شریک تھے۔ خود راقم الحروف کو جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں چار سال تک حضرت نعمانیؒ سے ”شرف تلمذ“ بھی حاصل رہا ہے لیکن جو حضرات ان کے ماحول، مزاج اور تالیفات و تحریرات سے آگاہ ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ وہ ”یزید“ تک اپنی ”تحقیقات“ کو محدود نہیں رکھ سکے بلکہ ”نواصب“ ہی کی پیروی میں کچھ ”تجاوز“ فرماتے ہوئے موقع بہ موقع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تک اپنا دائرہ تحقیق وسیع فرما گئے۔

اس وقت موصوف کی تین کتابیں ’’کامیاب صحابہؓ پر بہتان‘‘، شہداء کربلاؓ پر افتراء، یزید کی شخصیت، اہل سنت کی نظر میں‘‘ (جنہیں مکتبہ مدنیہ لاہور نے سبجا شائع کیا ہے) راقم الحروف کے

پیش نظر ہیں۔ ان کے مطالعہ سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ قلم تو حضرت نعمانی کا ہے لیکن افکار و نظریات ”خلافت و ملوکیت“ کے مؤلف مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب اور ان کے دیگر ہم خیال حضرات سے ”مستعار“ لیے گئے ہیں۔ ان کے افکار و نظریات پر تبصرہ تو ایک مستقل کتاب کا مستقیمی ہے لیکن یہاں چند اقتباسات بلا تبصرہ ہیہ قارئین کیے جاتے ہیں:

”نواصب، ماصیب اور اہل نصب — تاریخ میں ان لوگوں کا لقب ہے جنہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کی آل و اصحاب کے خلاف بغض و عداوت کا علم بلند کر رکھا تھا..... جس طرح روافض کا مذہب حضرات خلفائے ثلاثہ سے تبری و بیزاری اور ان کو طرح طرح کے مطاعن سے ملعون کرنا ہے، بعینہ یہی طریقہ نواصب کا خلیفہ رابع حضرت علیؑ کے بارے میں ہے۔ مشرق میں جب بنی عباس کے ہاتھوں بنی امیہ کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور ان کا آخری حکمران مروان انھما قتل ہو گیا تو اس کے قتل کے ساتھ ہی اس فرقہ نواصب کا بھی جس کو شیعہ مروانیہ امویہ اور شیعہ عثمانیہ بھی کہا جاتا ہے خاتمہ ہو گیا اور پھر دنیا ان کے ناپاک وجود سے جلد ہی پاک ہو گئی۔“ (حادثہ کربلا کا پس منظر ۱۳۱-۱۳۲)،

”حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکمرانی سے پہلے بنی ہاشم میں دو خلیفہ ہوئے ہیں ایک حضرت علیؑ دوسرے ان کے صاحبزادے حضرت حسنؑ اور دونوں کا انتخاب خلافت کے لیے ارباب حل و عقد نے کیا تھا۔ ان میں سے خود کسی نے بھی استحقاق خلافت کا دعویٰ نہیں کیا اور دونوں اہل سنت کے نزدیک خلیفہ راشد ہیں۔ ان دونوں کے علاوہ یزید کی ولی عہدی کے زمانہ تک بنو ہاشم میں سے کسی نے بھی استحقاق خلافت کا دعویٰ کیا ہو تو ذرا اس کا نام تو بتائیے! خلفائے راشدین کے بارے میں غلط بیانی سے کوئی فائدہ!

نیز بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ بنی ہاشم اور ان کے حامیوں کی طرف سے خلافت کے استحقاق کا دعویٰ کیا گیا تو اس سے کون سی قیامت ٹوٹے پڑی، خلافت کا حق قریش کے لیے نص سے ثابت ہے۔ کیا بنی ہاشم جو خاندان نبوت سے تعلق رکھتے ہیں قریش سے خارج ہیں؟ کیا خلافت قریش کے تمام خاندانوں میں سے صرف بنو امیہ ہی کے لیے الٹے کر دی گئی تھی اور بنو امیہ میں بھی صرف بنو حرب کے لیے جو یزید کی ولی عہدی ضروری ٹھہری؟ (حوالہ مذکور ص ۱۹۰-۱۹۱)

”یہ عجیب بات ہے کہ یہ ماصیب اپنے امام یزید اور مروان کو ہر طرح پہچانے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کے خلاف جو کچھ تاریخ اسلام میں مذکور ہے اس کو سبائیوں کی ہوائی باتیں بتاتے ہیں مگر حضرت صدیق اکبرؑ کے صاحبزادے محمد بن ابی بکرؓ کو قتل حضرت عثمانؓ میں شریک بنانے کے

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین مولانا عبدالرشید نعمانی

درپے ہیں صرف اس لیے کہ وہ حضرت علیؑ کے لے پا لک تھے اور شیعہ بھی ان کو پناہیروا مانتے ہیں اور ان پر قتل عثمانؓ کی غلط تہمت جوڑتے ہیں جو خلاف واقعہ ہے۔

ماصبیوں کو چاہیے کہ جس طرح وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا برادر نسبتی ہونے کی وجہ سے ”خال المؤمنین“ کہتے ہیں اسی رشتہ سے ان کو بھی ”خال المؤمنین“ کہا کریں اور ان کا ادب کیا کریں کیونکہ وہ حضرت صدیق اکبرؓ کے فرزند ارجمند اور حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کے بھائی تھے۔“ (حوالہ مذکور ص ۲۱۵)،

”نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جناب معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت باوجود باغی ہونے کے زمرہ مسلمین سے خارج نہ تھے جیسا کہ خوارج یا روافض کا خیال ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ حضرات اہل السنۃ والجماعت روافض کی طرح کہ وہ اپنے ائمہ کو معصوم سمجھتے ہیں کسی امتی کو معصوم نہیں سمجھتے بلکہ کسی صحابی سے بھی اگر کوئی غلطی ہو جائے تو وہ غلطی کو غلط ہی کہتے ہیں اور ان کی اسلامی خدمات اور شرف صحابیت کی بناء پر ان کے احترام میں کوئی کمی نہیں کرتے۔ علامہ احمد بن علی مقریزی نے اپنی مشہور تصنیف ”الخطیبات والآثار“ میں اہل سنت کے عقائد کے ترجمان امام ابوالحسن اشعری کا جو عقیدہ اس باب میں نقل کیا ہے اور جس پر تمام اہل السنۃ والجماعت کا اتفاق ہے وہ یہ ہے:

حضرات عائشہؓ، طلحہؓ و زبیرؓ کے بارے میں اس کے سوا کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ ان حضرات نے اپنی خطا سے (جو جنگ جمل میں شرکت کی بناء پر واقع ہوئی تھی) رجوع کر لیا تھا..... اور میں معاویہ و عمرو بن العاص کے بارے میں یہی کہتا ہوں کہ ان دونوں نے حضرت علیؑ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی تھی جو خلیفہ برحق تھے اور حضرت امیر المؤمنین نے ان سے اسی طرح جنگ کی جس طرح باغیوں سے کرنی چاہیے۔“ (حوالہ مذکور ص ۲۲۶-۲۲۷)،

”تمام اہل سنت اس پر متفق ہیں کہ حضرت علیؑ خلیفہ راشد تھے اور جو لوگ ان سے برسر جنگ رہے وہ خطا پر تھے۔ حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؑ سے بیعت نہ کر کے غلطی کی اور وہ خلیفہ راشد نہ تھے۔“ (حوالہ مذکور ص ۲۳۶)،

”وہ (یزید) وحنس، دباؤ اور جبر و زور سے امت مسلمہ پر مسلط تھا۔“ (حوالہ مذکور ص ۲۷۲)،

”حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ حضرت صدیقہؓ کے سگے بھائی تھے۔ یہ یزید تو کیا چیز ہے اس کے والد ماجد معاویہ اور جد امجد ابوسفیان رضی اللہ عنہما سے بھی بعض قرآن افضل ہیں کیونکہ جناب

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین مولانا عبدالرشید نعمانی

معاویہؓ اور ان کے والد ابوسفیانؓ کو موکنتہ القلوب میں تھے، فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے۔ طلقاء میں ان کا شمار ہے....“ (حوالہ مذکور ص ۲۹۱)،

”ام بن زیاد کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس کا باپ زیاد بن سمیہ ثابت النسب نہیں تھا بلکہ ولد ائرنما تھا جس کے یہاں پیدا ہوا اس کے بجائے دوسرے کو اپنا باپ بتاتا تھا۔ بہت سے صحابہ و تابعین نے ان کے اس فعل پر نکیر بھی کی....“ (حوالہ مذکور ص ۳۱۲)

نعمانی صاحب کی تحریرات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مووودی صاحب کی کتاب ”خلافت و ملوکیت“ سے مترشح ہونے والے نظریات سے بری طرح متاثر ہیں اور ”طابق النعل بالنعل“ نامی کیفیت ہے۔ مووودی صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور خلافت عثمانی کے دوسرے عمال کی ویانت، تقویٰ اور فضیلت کی نفی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”اول یہ کہ اس خاندان کے جو لوگ دور عثمانی میں آگے بڑھائے گئے وہ سب طلقاء میں سے تھے۔ ”طلقاء“ سے مراد مکہ کے وہ خاندان ہیں جو آخر وقت تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دعوت اسلامی کے مخالف رہے۔ فتح مکہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معافی دی اور وہ اسلام میں داخل ہوئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، ولید بن عقبہ، مروان بن الحکم ان ہی معافی یافتہ خاندانوں کے افراد تھے.... فطری طور پر یہ بات کسی کو پسند نہ آسکتی تھی کہ سابقین اولین، جنہوں نے اسلام کو سر بلند کرنے کے لیے جانیں اڑائی تھیں اور جن کی قربانیوں ہی سے دین کو فروغ نصیب ہوا تھا، پیچھے ہٹا دیے جائیں اور ان کی جگہ یہ لوگ امت کے سرخیل ہو جائیں۔“ (خلافت و ملوکیت ص ۱۰۹۔ مطبوعہ اسلامک پبلی کیشنز لاہور)

حضرت معاویہؓ اور ان کے والد ماجد حضرت ابوسفیانؓ کے بارے میں لکھتے ہوئے نعمانی صاحب کا انداز تحریر بھی مووودی صاحب سے مختلف نہیں ہے۔ کیا حضرت ابوسفیانؓ اور حضرت معاویہؓ تو جن کے بغیر حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کی افضلیت ثابت نہیں ہو سکتی؟

”یہ بڑی بڑی چیز ہے؟ اس کے والد ماجد اور جد امجد ابوسفیانؓ سے بھی ”مصح قرآن“ افضل ہیں۔ یہ دونوں فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے، ان کا شمار ”طلقاء“ اور ”موکنتہ القلوب“ میں ہوتا ہے۔“

نعمانی صاحب نے بھی بڑی کی آڑ میں مووودی صاحب اور روافض کا انداز تحقیق اختیار کرتے ہوئے حضرت ابوسفیانؓ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی توہین و تنقیص کا ارتکاب کیا۔ جب کہ تحقیقی اعتبار سے موصوف کا یہ دعویٰ ہی بالکل غلط اور باطل ہے کہ حضرت معاویہ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ

عنہما فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے تھے اور ان کا شمار ”طلقاء اور موکثہ القلوب“ میں ہوتا ہے۔
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو صلح حدیبیہ کے بعد مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے جب کہ حضرت ابوسفیانؓ نے بھی مکہ فتح ہونے سے پہلے مکہ سے باہر جا کر محفل نبویؐ میں حاضری کے وقت اسلام قبول کر لیا تھا۔ جب ان کا اسلام ہی فتح مکہ سے قبل ثابت ہے تو پھر ”طلقاء“ اور ”موکثہ القلوب“ میں ان کا شمار کیونکر ہو سکتا ہے؟

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ جو لوگ ان حضرات کو ”طلقاء“ اور ”موکثہ القلوب“ میں شمار کرتے ہیں اس سے ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ لقب ان کے لیے موجب مذمت ہے اور اسے بطور تحقیر استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ کسی صحابی کو حقارت آمیز کلمہ سے تعبیر کرنا ”لفش خفی“ ہے۔
”مسلمیٰ زیا“ کے معاملے میں بھی نعمانی صاحب روافض اور مودودی صاحب کے نقش قدم پر چلے ہیں۔ بات ابن زیاد کے مظالم کی کر رہے ہیں لیکن تمام تر نشا نہ حضرت ابوسفیانؓ کو بنا رہے ہیں کہ ”اس کا باپ زیا و بن سمیہ ثابت النسب نہیں تھا بلکہ ولد لڑا تھا....“

نعمانی صاحب کے ”مقتدا“ مودودی صاحب نے بھی عینہ یہی انداز اختیار کیا تھا: ”زیا دلائف کی ایک لونڈی سزیہ نامی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ ابوسفیان نے اس لونڈی سے زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ حضرت معاویہؓ نے اس کو اپنا حامی و مددگار بنانے کے لیے اپنے والد ماجد کی زنا کاری پر شہادتیں لیں اور اس کا ثبوت ہم پہنچایا کہ زیا دائی کا ولد الحرام ہے۔“ (خلافت و ملکیت ص ۱۷۵)
اس بات میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان میں ”سبائیت“ کو فروغ دینے میں مودودی صاحب، نعمانی صاحب اور اس قبیل کے چند دوسرے حضرات کا نمایاں کردار ہے۔

مولانا عبدالرشید نعمانی، ڈاکٹر احمد حسین کمال سابق ایڈیٹر ہفت روزہ ”ترجمان اسلام“ و ”خدام الدین“ کی کتاب ”داستان کربلا“ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”داستان کربلا لکھی تھی تو قاعدہ کے مطابق داستان گو صاحب کو اپنی داستان واقعات کربلا پر ہی ختم کر دینا چاہیے تھی مگر جس طرح کسی رافضی سے موقع بے موقع خلفائے ثلاثہ پر تمہرا کیے بغیر نہیں رہا جاتا، وہی حال ان کے متقدمی ماصبیوں کا بھی ہے کہ یہ بھی حضرت علیؓ اور آل رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تمہرا کیے بغیر نہیں رہ سکتے اور داستان گو صاحب تو ان ماصبیوں کے نقیب ٹھہرے پھر بھلا وہ کیسے اس سے باز رہ سکتے...“ (حوالہ مذکور ص ۲۰۶)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جناب نعمانی صاحب کے مذکورہ بالا خیالات و نظریات

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

مولانا عبدالرشید نعمانی

پڑھنے کے بعد نہایت ہی افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ موصوف کو ”ماصبیت“ کی تردید کرتے ہوئے اپنی بات کو ”عبدیہ“ تک ہی محدود رکھنا چاہیے تھا لیکن وہ ”نواصب و روافض“ کی پیروی کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بدئیہ تنقید بنانے سے باز نہیں رہ سکے۔ پھر وہ اپنی اس ”تنقید و تمہرا“ پر کسی مہذرت و ندامت کے اظہار کے بغیر کتاب کے آخر میں بایں الفاظ اس کی قبولیت کی دعا بھی فرما گئے:

”دعا ہے کہ حق تعالیٰ محض اپنے فضل سے ہماری اس حقیر سی کوشش کو شرف قبولیت سے نوازے اور ایمان کے ساتھ اہل بیت و صحابہ کرامؓ کی محبت پر ہمارا خاتمہ فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

الہی بخت بنی فاطمہ کہ بر قول ایمان کنم خاتمہ (حوالہ مذکور ص ۲۳۱)
حضرت ابو سفیانؓ حضرت معاویہؓ اور ”نواصب“ کے خلاف اس قدر لکھنے کے باوجود معاندین معاویہؓ نعمانی صاحب سے راضی نہ ہو سکے اور بالآخر انہیں بھی ”ماصبی“ قرار دے ہی دیا۔

چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مشہور دشمن و معاند عبدالقیوم علوی لکھتے ہیں کہ:
”میں اگرچہ ایک ماہیت کا رخصت ہوں، تصنیف و تالیف کا مجھ میں سلیقہ نہیں، علم محدود بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے لیکن جن لوگوں نے اس میدان میں قدم رکھا ہے، ان سے بھی نالاں ہوں۔
اس لیے کہ حقائق تک رسائی حاصل کرنے اور انہیں تسلیم کرنے میں ان لوگوں نے دانستہ یا نادانستہ تقلید کی ہے مثلاً: مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب نے نواصب کی مقدور پھر تردید کی ہے لیکن ایک گونہ ماصبیہ میں آخر دم تک ملوث رہے ہیں۔“ (تاریخ نواصب حصہ اول ص ۱۰)
مولانا حافظ مہر محمد میا نوالویؒ ”دراسات الملیب“ کی ایک عبارت پر اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

”مشاجرات صحابہ میں کسی کو زبان درازی کا حق نہیں۔ یہ تحریر ۹۹ فیصد علماء عقائد کے پیش کردہ عقیدہ اہل سنت کے خلاف ہے اور روایات ثبوت کے لحاظ سے کمزور ہیں۔ زیادہ پوچھ گچھ مقدمہ اور صحیح کرنے والے مولانا عبدالرشید نعمانی سے ہوگی کہ انہوں نے ماصبیہ کا رد تو خوب کیا۔ اللہ جزائے خیر دے۔ مگر دفاع صحابہ میں عقیدہ اہل سنت کو داغ دار کر دیا۔ ہائے دنیا کے مفسد ترین، ۸۰ ہزار مسلمانوں کو کٹوانے والے سبائیوں حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کے رو میں تو ایک صفحہ بھی نہ لکھا“ (ایمانی دستاویز بجواب تحقیقی دستاویز ص ۷۰۴)

☆☆☆☆☆☆

۳۳۔ مناظر اسلام، بانی ”اتحاد اہل سنت“

ترجمان اہل سنت، وکیل احناف جناب محمد امین صفدر اوکاڑوی
(م ۱۴۲۱ھ / ۲۰۰۰ء)

موصوف کے بھتیجے ”صفدر صغیر“ جناب محمد محمود عالم صفدر اوکاڑوی نے اپنے تایا اور ”صفدر کبیر“ کو حسب ذیل القاب سے نوازا ہے:

”زبدۃ الحمدین، سلطان الحقیقین، رئیس المناظرین، فاتح مذاہب باطلہ، حامل علوم و ہدیہ، مناظر اسلام، وکیل احناف حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعة فی کلّ آن و اطلال اللہ فیوضہ فی کلّ مکان، و ابقى اللہ ذکرہ بالخیر فی کلّ زمان، و أعاد اللہ تلامینہ و أحباءہ من کلّ شیطان“

(تسکین الاذکیاء فی حیات الانبیاء ص ۲۱۳۔ مآثر اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ سرگودھا)

جب کہ ماہنامہ ”حق چارباڑ“ نے اپنے تبصرہ میں ’امین ملت‘ کا لقب عطا کیا ہے۔ (حوالہ مذکور ص ۲۰)

یہ ملحوظ رہے کہ ”چچا و بھتیجا“ کے لیے ”صفدر کبیر و صفدر صغیر“ کی اصطلاحات بھی خود مولانا منیر احمد منور صاحب نے استعمال کی ہیں۔ (ملاحظہ ہو حوالہ مذکور ص ۴۵۔ تحت ”مقدمہ“)

معلوم نہیں کہ امام اہل سنت مولانا محمد سرفر از خان مرحوم کے لیے ”صفدر“ کے لقب کا کون سا ”درجہ“ مخصوص کیا گیا ہے؟

مولانا محمد الیاس سمسن نے اپنے ایک مفصل انٹرویو میں مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی کو ”اتحاد اہل سنت“ کا بانی قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو روزنامہ اسلام ۷ فروری ۲۰۱۱ء۔

علاوہ ازیں موصوف نے اپنے ایک ”مناظرہ“ میں بانی جماعت کا تعارف ان القاب سے کرایا ہے: ”رئیس المناظرین، حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد امین اوکاڑوی نور اللہ مرقدہ“

(مناظرہ حیات النبی ص ۵۰۔ مطبوعہ اتحاد اہل سنت پاکستان سرگودھا)

ظاہر ہے کہ ایسی بھاری بھر کم القاب کی حامل شخصیت کے مقابلے میں معاویہ رضی اللہ عنہ

”غریب و مظلوم“ کی کیا ”حیثیت“ ہے؟ جن احناف کے ”وکیل“ کے ایسے اوصاف ہوں تو خوان کے امام کی کیا شان ہوگی؟ لیکن تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ایسے القاب سے وہ بھی محروم ہی رہے۔ چنانچہ ”زبدۃ المحدثین اور سلطان المحققین“ کردار یزید کی آڑ میں ہر ادب و سنتی رسول، خال المؤمنین، کاتب وحی، صحابی رسول، خلیفہ راشد و عادل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کردار کشی کرتے ہوئے یزید کے خلاف اور اپنے موقف کی تائید میں حسب ذیل روایت کو ”صحیح“ سمجھ کر نقل فرماتے ہیں کہ:

”خدا کی قسم ہم یزید کے خلاف اس وقت تک نہیں اٹھے یہاں تک کہ ہمیں خوف ہوا کہ اب نہ اٹھنے سے آسمان سے ہم پر پتھر نہ برس پڑیں۔ یہ وہ آدمی ہے جو باپ کی ان لونڈیوں سے بھی صحبت کرتا ہے جن سے باپ کی اولاد پیدا ہوئی اور وہ بیٹیوں اور بہنوں سے بھی صحبت کرتا ہے، شراب پیتا ہے اور نماز نہیں پڑھتا۔“ (تجلیات صفدر۔ جلد اول ص ۵۲۰۔ اشاعت جمعیت اشاعت العلوم الخفیفہ۔ طبع اول، اکتوبر ۱۹۹۶ء)

”فاتح مذاہب باطلہ اور حامل علوم و ہدیہ جناب صفدر کبیر“ مزید فرماتے ہیں کہ:

”یزید جو انی میں ہی شراب پیتا تھا اور نوجوانوں والی حرکتیں کرتا تھا۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو علم ہوا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نرمی سے نصیحت فرمائی کہ بیٹا ایسے کام نہ کرو جس سے مرثہ ختم ہو جائے، دشمن خوش ہوں، دوست برا سمجھیں اور فرمایا کم از کم دن بھر ایسی باتوں سے صبر کیا کرو اور جب رات آتی ہے تو رقیب کی آنکھ بند ہو جاتی ہے۔ کتنے فاسق ہیں کہ دن عبادت میں گزارتے ہیں اور رات لذت و عیش میں گزارتے ہیں۔۔۔

جب یزید نے خود اپنے زانی، شرابی اور تارک نماز ہونے کا انکار نہ کیا تو اب اگر (شیخ الحدیث دارالعلوم فاروقیہ مولانا ابوریحان) عبدالغفور اور (ابن امیر شریعت) عطاء الحسن بلا دلیل شور مچائیں تو، مدعی ست گواہ چست، کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے۔“ (حوالہ مذکور ص ۵۲۰، ۵۲۱)

حجۃ اللہ فی الارض مزید فرماتے ہیں کہ:

”حضرت مغیرہ بن شعبہ (م ۵۰ھ) کو حضرت معاویہؓ نے بیوہ کبرنی امارت کوفہ سے معزول کر دیا اور ارادہ کیا کہ سعید بن العاص کو اس کی جگہ گورنر بنالیا جائے تو مغیرہ اس سے ماموم ہوئے اور انہوں نے آکر یزید کو کہا کہ تم اپنے باپ سے مطالبہ کرو کہ وہ تمہیں وئی عہد بنا دے تو یزید نے باپ سے عرض کر دیا۔ معاویہؓ نے پوچھا کہ تمہیں مطالبہ کا مشورہ کس نے دیا ہے؟ یزید نے کہا: مغیرہ بن شعبہ نے۔ معاویہؓ کو مغیرہ کا یہ مشورہ بہت پسند آیا اور اس کو امارت کوفہ پر برقرار رکھا اور اسے حکم دیا کہ یزید کی

وئی عہدی کے لیے کوشش کرو۔ حضرت مغیرہؓ نے یہ کوشش شروع کر دی.....

پھر اسی سال کے آخر میں ۵۵ھ میں جب زیادہ مر گیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے منظم طور پر وئی عہدی کی تحریک شروع کی تو پانچ حضرات کے علاوہ سب نے بیعت وئی عہدی کر لی۔ ان پانچ حضرات کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دھمکاتے، ڈراتے رہے۔

پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اخف بن قیس سے اس معاملہ میں پوچھا جنہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید کی صلح کرائی تھی، تو حضرت اخف نے فرمایا کہ اے معاویہ! اگر ہم جھوٹ بولیں تو اللہ سے ڈرتے ہیں اور سچ بولیں تو آپ سے ڈرتے ہیں جب کہ آپ یزید کے دن اور رات سے خوب واقف ہیں اس کے پوشیدہ اور ظاہر کو جانتے ہیں اور اس کے آنے جانے کی جگہیں بھی آپ کو خوب معلوم ہیں۔ باقی جو ارادہ آپ نے فرمایا ہے اس کو آپ خوب جانتے ہیں۔ ہمارا کام یہی ہے کہ آپ کا حکم سنیں اور اطاعت کریں اور آپ پر یہ لازم ہے کہ امت کی خیر خواہی کا خیال رکھیں۔“ (تجلیات صندرس ۵۲۱-۵۲۲ طبع اول ۱۹۹۶ء جمعیت اشاعت العلوم البھیرہ فیصل آباد)

یزید کی ولادت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورانِ امت میں بعد عثمانی (علیٰ اختلاف الاقوال) ۲۵ھ، ۲۶ھ یا ۲۷ھ میں ہوئی تھی۔ ”زبدۃ المجد شین“ کی توفیق کے مطابق یزید کو نو جوانی کے عالم سے ہی مذکورہ ”افعال قبیحہ“ کی ”لت“ پڑ گئی تھی اور وہ اپنی وفات (۶۳ھ) تک ان ”امور“ کا عادی رہا ہے۔ گویا وہ حضرت معاویہؓ کے عہد خلافت میں ”اپنی بیٹیوں، ماؤں اور بہنوں“ (جو حضرت معاویہؓ کی لونڈیاں اور بیٹیاں تھیں) کے ساتھ ”زنا“ کرتا تھا۔ جب حضرت معاویہؓ کو ان امور کا علم ہوا تو انہوں نے پہلے یزید سے سمجھایا اور پھر کسی ”مجبوری“ کے تحت فرمایا کہ:

”کم از کم دن بھر ایسی باتوں سے صبر کیا کرو اور جب رات آتی ہے تو رقیب کی آنکھ بند ہو جاتی ہے۔ کتنے فاسق ہیں کہ دن عبادت میں گزارتے ہیں اور رات لذت و عیش میں گزارتے ہیں۔“

شجاعت معاویہ رضی اللہ عنہ اور مقام صحابیت سے آشنا لوگ ہی اس بات کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس ”نہیحت“ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کس قدر توجہ پائی جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ اور قلم تو پراثری ماسٹر اویکاڑوی کا ہے لیکن ذہن اور دماغ غلام حسین خٹنی کا۔

شرم و حیا و ایمان سے بالکل عاری، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے کسی بدترین دشمن نے اس ”نہیحت“ کو ان کی طرف منسوب کیا پھر ”حجۃ اللہ فی الارض امین ملت، زبدۃ المجد شین، سلطان المصطفیٰ، رئیس المناظرین، فاتح مدابب باطلہ، حامل علوم و ہدیہ، بانی اتحاد اہل سنت، ترجمان اہل سنت، وکیل

احناف اور صفدر کبیرؒ جناب ”ماسٹر“ محمد امین اوکاڑوی نے اسے اپنی کتاب کی زینت بنا کر اعدائے اصحاب پیغمبرؐ اور ابن سبا کی معنوی ذریت کو بھی حیرت زدہ کر دیا۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ آج چودہ صدیاں بیت جانے کے باوجود کوئی فاسق شخص بھی اپنی اولاد کو اس طرح کی نصیحت نہیں کرتا۔

وہ تو ہیں کھلے دشمن ان کا خیر سے کیا ذکر؟

دوستی مگر حضرت آپؐ کی قیامت ہے

بانی ”امتداد اہل سنت“ اور حجۃ اللہ فی الارض“ ماسٹر محمد امین صفدر اوکاڑوی نے صحابہ کرامؓ پر سبائیوں کے چبائے ہوئے الزامات کا اعادہ کر کے قصداً و عمدہ اس مقدس ترین طبقہ کی توہین کی ہے جس سے اعلان برأت ہر مومن بالقرآن کا دینی، شرعی و ملی فریضہ ہے۔

موصوف کے اوپر بیان کردہ امر شادات“ کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

- ۱۔ یزیدؒ کو جوانی میں شراب پیتا تھا اور نو جوانوں والی حرکتیں کرتا تھا۔
- ۲۔ یزید اپنے باپ کی ان لونڈیوں سے بھی صحبت کرتا ہے جن سے باپ کی اولاد پیدا ہوئی۔
- ۳۔ یزید اپنی بیٹیوں سے بھی صحبت کرتا ہے۔
- ۴۔ یزید اپنی بہنوں سے بھی صحبت کرتا ہے یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیٹیوں سے بھی صحبت کرتا ہے۔
- ۵۔ حضرت معاویہؓ کی شہادت حضرت احنف بن قیسؓ کے مذکورہ تمام کرویوٹوں کا بخوبی علم تھا۔
- ۶۔ ان حرکات کے باوجود امیر المؤمنین، خلیفۃ المسلمین، فاتح عرب و عجم، کاتب وحی، صحابی رسول سیدنا معاویہؓ نے نہ تو ایک باپ کی حیثیت سے اور نہ ہی ایک خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے اپنی دینی و شرعی ذمہ داریاں پوری کیں بلکہ الٹا اسے ”زنی“ سے سمجھا لیا کہ ”کم از کم دن بھر ایسی باتوں سے صبر کیا کرو اور رات کو جب رقیب کی آنکھ بند ہو جاتی ہے..... تو.....“

۷۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے اپنی گورنری پجانے کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یزید کو ولی عہد بنانے کا مشورہ دیا۔

۸۔ حضرت معاویہؓ کو حضرت مغیرہؓ کا یہ مشورہ بہت پسند آیا اور بطور انعام گورنری پر یہ قرار رکھا۔ نیز انہیں یزید کے حق میں رائے عامہ ہموار کرنے کا حکم بھی دیا۔

- ۹۔ حضرت معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کی تمام خرابیوں اور برائیوں سے آگاہ ہونے کے باوجود اسے امت مسلمہ پر مسلط کرنے کے لیے باقاعدہ اور منظم طریقے سے تحریک شروع کر دی۔
 - ۱۰۔ صحابہ کرامؓ ماسوائے پانچ حضرات کے (اور تابعین عظام نے بھی یزید کے فسق و فجور سے متعلق علم کے باوجود اس کی ولی عہدی (اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد خلافت) کی بیعت کر لی۔
 - ۱۱۔ حضرت معاویہؓ جن پانچ حضرات (حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر، حضرت حسین بن علی، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم) نے بیعت نہیں کی انہیں ڈراتے اور دھمکاتے رہے۔
 - ۱۲۔ اوکاڑوی صاحب کے اپنے القاب تو ”چار سطری“ ہیں لیکن انہوں نے حضرت معاویہؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا ذکر یزید سے ہی تو بن آمیز انداز کے ساتھ کیا ہے۔
 - ۱۳۔ اوکاڑوی صاحب نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی نیت پر بھی بدترین حملہ کیا ہے کہ انہوں نے گورزی بچانے کے لیے یزید کی ولی عہدی کا مشورہ ہی نہیں دیا بلکہ یزید کی محنت کے ساتھ رکاوٹیں دیاں کیں اور راستہ ہموار کیا۔
- اس تفصیل سے صحابہ کرامؓ بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور تابعین عظام اور ”خیر القرون“ کا جس قدر کمرہ نقشہ سامنے آتا ہے وہ محتاج وضاحت نہیں ہے۔ ہر انصاف پسند قاری خود اس کا بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے۔
- حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا شمار ان جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے جن کی ذہانت و فطانت اور تدبیر و سیاست کا اعتراف سبھی موافق و مخالف ارباب سیر و تاریخ نے کیا ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر نقاب اوڑھے اور ہتھیار سجائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی خاطر کھڑے رہے۔ پھر ”بیعت رضوان“ کا عظیم شرف حاصل کر کے ”اصحاب المشعر“ کی مقدس جماعت میں شامل ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں متعدد غزوات (خیبر، فتح مکہ، حنین، طائف اور تبوک) میں حصہ لیا اور حجاز و اوداع میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر کاری کا شرف حاصل کیا۔
- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لحد میں اتارتے وقت انگوٹھی قبر میں گر گئی۔ اس لیے قبر میں اترے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کو ہاتھ لگایا اور آنکھوں سے سیل اشک بہاتے ہوئے قبر مبارک سے باہر آئے۔ بعد میں وہ اس واقعہ کو لوگوں کے سامنے بطور فخر بیان کرتے تھے کہ میں تم سب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہونے والا آخری شخص ہوں۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

مولانا محمد امین صفدر ایکاڑوی

”صحیحۃ اللہ فی الارض، زبدۃ الحمد شین اور بانی اتحاد اہل سنت“ نے یزید کی ولی عہدی سے متعلق جس روایت کی بناء پر حضرت معاویہ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ پر دھونس، دھاندلی، جبر و تشدد اور کٹر و خدع کے جواہرات عائد کیے وہ روایت ہی سرے سے روایتاً اور ذرا بیٹا ناقابل قبول ہے۔

موصوف نے خود حضرت مغیرہؓ کا سال وفات ۵۰ھ تحریر کیا ہے جب کہ ”گورزی بچانے، یزید کی ولی عہدی کے لیے زمین ہوا کر کے، فو و تیار کر کے دمشق بھیجے جیسے سارے واقعات ۵۶ھ کے ذیل میں ملتے ہیں۔ اگر بالفرض یزید کی ولی عہدی سے متعلق یہ روایت صحیح ہے تو پھر ان واقعات کا ذکر حضرت مغیرہؓ کی وفات (۵۰ھ) سے پہلے کیوں نہیں ملتا؟ جب وہ زندہ تھے۔ تاریخ میں ۴۵ھ میں حضرت مغیرہؓ کے استعفیٰ کا ذکر آیا ہے لیکن جس معزولی اور دوبارہ تقرری کا تعلق یزید کی ولی عہدی کے ساتھ بانی اتحاد اہل سنت نے جوڑا ہے اس کا ذکر اور اس کے اہم متعلقات کے نتائج کا ذکر سن فوجہ کے اندر نہیں بلکہ ۵۶ھ کے ذیل میں ملتا ہے جس سے چھ سال قبل ہی حضرت مغیرہؓ وفات پا چکے تھے۔

اگر یزید کی ولی عہدی کی تجویز حضرت مغیرہؓ نے اپنی گورزی بچانے کے لیے دی ہوئی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کسی موقع پر اپنی ”مغائی“ پیش کرتے ہوئے یہ وضاحت کیوں نہیں کی کہ یہ تجویز تو ایک غیر اموی جلیل القدر صحابی رسول حضرت مغیرہؓ نے پیش کی ہے۔

”زبدۃ الحمد شین“ جناب ماسٹر ایکاڑوی صاحب نے یزید کی ولی عہدی سے متعلق جس روایت کا ذکر کیا ہے اس میں یہ تفصیل بھی موجود ہے کہ:

حضرت مغیرہؓ نے (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے استفسار پر) فرمایا کہ کونہ والوں کو (مشق کرنے کے لیے) میں کافی ہوں، بصرے کے لیے زیادہ موجود ہے اور ان دو بڑے شہروں کے بعد کوئی نہیں رہ جاتا جو آپ کی مخالفت کرے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا کہ اچھا آپ اپنے منصب پر واپس جائیں اور اپنے بھروسے کے لوگوں سے بات چیت کریں۔ یہ کہہ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں رخصت کیا اور یہ لوٹ کر اپنے دوستوں میں پہنچے اور بولے کہ: ”میں نے معاویہؓ کا پاؤں ایسی رکاب میں پھنسا یا ہے کہ اب نکلنے والا نہیں ہے اور امت محمدیہ میں بچوٹے کا وہ سامان کیا ہے کہ اب اب تک اس میں جوڑ کی صورت نہ ہو۔“ (ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۲۹)

ظاہر ہے کہ جناب ماسٹر ایکاڑوی صاحب نے اپنی پیش کردہ روایت میں یہ حصہ بھی ضرور ملاحظہ فرمایا ہوگا لیکن سخت حیرت ہے کہ وہ اس ”تہرا“ کے باوجود روایت کی صحت پر ایمان لے

آئے اور اسے اپنے ”معرض استدلال“ میں پیش کر دیا۔

قارئین کرام! کیا ایک لمحہ کے لیے بھی یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ حضرت مغیرہؓ جیسے صاحب فضیلت صحابی، یکے از اصحاب بیعت رضوان اور مجاہد ”جیش العسرة“ (غزوہ تبوک) نے دنیا کی ایک حقیر غرض یعنی امارت کو نہ بچانے کے لیے قصد اوعمدانہ صرف اسلام دشمنی کا یہ کام کیا کہ وہ اس تجویز کے ذریعے امت مسلمہ کو تباہی و بربادی کے راستہ پر ڈال رہے ہیں بلکہ دوستوں کی محفل میں اس ”کارنامے“ کو فخر سے بھی بیان کر رہے ہیں۔ کوئی مومن بالقرآن کسی صحابی کے بارے میں اس طرح کی کوئی روایت تسلیم نہیں کر سکتا۔

جب کہ سند کے اعتبار سے بھی یہ روایت انتہائی مخدوش ہے۔ قطع نظر دیگر رواۃ کے اس کا ایک راوی علی بن مجاہد ہے جس کے متعلق ابن معین فرماتے ہیں کہ ”کان یضع الحدیث“ (میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۱۵۲) وہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ جو شخص احادیث وضع کرنے کا عادی ہو تو ایسا شخص تاریخی روایات میں کیا کچھ نہیں کرتا ہوگا؟

جناب اویکا ٹروی صاحب کی اس ناروا جسارت پر سخت تعجب ہے کہ انہوں نے اس حیثیت کی حامل روایت کے پیش نظر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ پر انتہائی کمزور اور گھٹاؤنے الزامات عائد کر دیے؛ لیکن جو نبی بانی اتحاد اہل سنت، حجة اللہ فی الارض اور زبدۃ المحدثین جناب ماسٹر محمد امین اویکا ٹروی کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ناپاک جسارت اور شدید ترین گستاخی (العیاذ باللہ) سامنے آئی تو صحابہ کرامؓ کے بارے میں ان کی گستاخیوں پر تعجب کم ہو گیا کہ جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لیاظ نہیں کرتا تو وہ صحابہ کرامؓ کا کیا احترام ملحوظ رکھے گا؟

ماسٹر صاحب موصوف زیر عنوان ”غیر متقلدین کی غیر مستند نماز“ فرماتے ہیں کہ:

” (۱۹۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گدھا سامنے سے گزر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے (مسلم ص ۱۹۷ جلد ۱) لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نماز پڑھائی تو سب کے سامنے گدھی چڑھ رہی تھی (مسلم ص ۱۹۶ جلد ۱، ابوداؤد، نسائی) بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گدھے پر نماز ادا فرمائی۔ یہ قول فعل کا تشناؤ کیوں ہے؟

(۱۹۸) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کتا سامنے سے گزر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ (مسلم ص ۱۹۷ جلد ۱) لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھاتے رہے اور کتا سامنے کھیلتی رہی اور ساتھ گدھی بھی تھی، دونوں کی شرمگاہوں پر بھی نظر پڑتی رہی۔“ (مجموعہ رسائل جلد ۲ ص ۳۵۰۔ افادات مناظر اسلام حضرت

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی

مولانا صفدر اوکاڑوی۔ مرتبہ پیر جی مشتاق علی شاہ۔ طبع دوم جون ۱۹۹۶ء۔ نعمان اکیڈمی مکی مسجد۔ بخاری روڈ کوثر انوالہ، تجلیات صفدر جلد پنجم ص ۴۸۸۔ مکتبہ امدادیہ ملتان)

یہ کہنا کہ نماز کے دوران نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کتیا اور گدھی کی شرم گاہوں پر بھی پڑتی رہی، جہاں حدیث میں اضافہ ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں بھی بدترین گستاخی ہے۔ موصوف پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا شرعی حکم لگنے کے علاوہ حدیث میں اضافہ کی وجہ سے حسب ذیل ”وعید“ بھی عائد ہوتی ہے۔

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَبْئِثْهُ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ ، مَنْ تَعَمَّدَ عَلَيَّ فَلْيَبْئِثْهُ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ ، مَنْ يَهْلُ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَبْئِثْهُ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ (صحیح بخاری کتاب العلم۔ رقم الحدیث ۱۰۷۰، ۱۰۸۰، ۱۰۹۰) جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولایا جس نے میری طرف ایسا قول منسوب کیا جو میں نے نہیں کہا تھا اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنا لے۔

فَهَنِيئًا لَهُمْ ثُمَّ هَنِيئًا ، فَطُوبَى لَهُمْ ثُمَّ طُوبَى لَهُمْ
معلوم نہیں ”تحریک ماموس رسالت، مجلس تحفظ ختم نبوت، اہل سنت والجماعت اور دیگر مذہبی جماعتیں“ اس گستاخی پر خاموش کیوں ہیں؟

یہ ملحوظ رہے کہ ”تجلیات صفدر“ کو مکتبہ امدادیہ ملتان نے ”حجۃ اللہ فی الارض“ ماسٹر اوکاڑوی صاحب کی وفات کے بعد موصوف کے ایک مایہ ناز شاگرد اور خیر المدارس ملتان کے استاذ مولانا نعیم احمد صاحب کی ترتیب، تسہیل اور تصحیح کے ساتھ شائع کیا ہے۔
☆☆☆☆☆☆

۳۴۔ مولانا قاضی مظہر حسین صاحب

(۳ ذی الحج ۱۴۲۲ھ / ۲۶ جنوری ۲۰۰۲ء)

مولانا قاضی مظہر حسین ۱۰ ذی الحج ۱۳۳۳ھ / ۲۰ اکتوبر ۱۹۱۴ء کو بمقام ”بھیس“ ضلع چکوال مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین دیر کے ہاں متولد ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۳۵۶ھ میں دارالعلوم دیوبند سے ”دورہ حدیث“ کی تکمیل کے لیے داخلہ لیا۔ ساتھ کرام میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، مولانا اعجاز علی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مفتی محمد شفیع، قاری محمد طیب قاسمی اور علامہ شمس الحق افغانی شامل ہیں۔ جب کہ مولانا سید حسین احمد مدنی سے بیعت و خلافت کا شرف حاصل ہے۔

دیوبند سے فراغت اور وطن مراجعت کے بعد ”ابتلا“ میں مبتلا ہو گئے۔ اس کا آغاز یوں ہوا کہ اپنے گاؤں میں ایک متنازعہ مکان کے سلسلہ میں ایک لڑائی کے دوران ایک سنی نوجوان موصوف کے ہاتھوں قتل ہو گیا جس کے نتیجے میں ۱۹۴۱ء میں تین رفقاء سمیت ۲۰ سال عمر قید کی سزا پائی اور ۱۹۴۹ء میں آٹھ سال سزا کاٹنے کے بعد رہا ہوئے۔

موصوف خود اس قتل کی ”نوعیت“ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”یہ قتل اپنے گاؤں کی ایک لڑائی میں ہوا تھا۔ فریق مخالف کے ایک جوان نے (جو دوسرے گاؤں سے آیا تھا) پہلے مجھ پر وار کیا تھا میں نے اس کا دفاع کیا جس میں اسے کاری ضرب لگی۔ وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ میں نے اس کا تعاقب کیا تو اس نے مجھ سے کہا کہ مجھے چھوڑ دو۔ میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ آخر وہ ہسپتال میں وفات پا گیا۔ میں نے شیخ الادب حضرت مولانا اعجاز علی صاحب کی خدمت میں جیل سے یہ سارا واقعہ لکھ دیا تھا اور یہ بھی رہائی کے بعد عرض کیا تھا کہ کیا میں مرحوم کے ورثہ سے معافی مانگوں؟ تو شیخ الادب نے فرمایا تھا کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس سے قارئین اس قتل کی نوعیت معلوم کر سکتے ہیں۔“ (کشف خاریت ص ۱۰۸)

موصوف حضرت علیؑ کے ساتھ مصالحت کے باوجود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ”اجتہادی و دفاعی“ اقدام کو بڑا ملا اور حکمران غلط کہتے ہوئے انہیں ”خطی“ قرار دیتے ہیں جبکہ اپنے دفاعی اقدام کو صحیح سمجھتے ہیں اور طرفہ تماشہ یہ کہ خواہش کے باوجود قتل جیسے فعل پر بھی ورثہ سے

معافی مانگنا گوارا نہیں کرتے اور استاد صاحب کے مشورہ پر ہی مطمئن ہو جاتے ہیں۔

موصوف سے قتل کا فعل سرزد ہونے کے بعد ان کے بڑے بھائی جناب قاضی منظور حسین نے بھی بمعیت ماسٹر عبدالعزیز صاحب ایک ہندو چوہدری کشیم چندا لیس ڈی او چکوال کورات کے وقت ہلاک کر کے آزاد علاقہ میں روپوشی اختیار کر لی تھی۔ جہاں سے گھر کی طرف مراجعت کے دوران ۱۹۴۲ء میں پولیس کی فائرنگ کے نتیجے میں انتقال کر گئے۔ قاضی مظہر حسین صاحب اپنے والد محترم کے احوال زیر عنوان ”پیرانہ سالی میں مصائب کا جہوم“ یوں بیان فرماتے ہیں کہ:

”حق تعالیٰ اپنے بندوں کو آزمائش اصلاح کے لیے مصائب میں بھی ڈالتے ہیں۔ ہر تکلیف صورت مصیبت ہوتی ہے اور باطناً وہ مومن کے لیے رحمت ثابت ہوتی ہے۔ مولانا مرحوم کی عمر ۹۰ برس سے تجاوز ہو چکی تھی۔ چند سال سے آنکھوں میں موتیا بند ہونے کی وجہ سے لکھنے پڑھنے میں محذور تھے۔ ایک آنکھ میں کچھ بینائی تھی جس سے کچھ چل پھر سکتے تھے۔ تقاضائے عمر بدنی ضعف بھی بہت ہو گیا تھا اور تنق کا بھی عارضہ تھا کہ یکا یک جون ۱۹۴۱ء میں آپ پر حواث کا نزول ہوا۔ ایک قتل کے سلسلہ میں راقم الحروف مع تین رفقاء کے گرفتار ہوا اور برادرم مولوی منظور حسین صاحب شہید مرحوم نے تھانہ ڈوبمن کے ڈاک بنگلہ میں ایک متعصب ہندو چوہدری کشیم چندا لیس ڈی او چکوال کورات کے وقت ہلاک کر دیا۔ ماسٹر عبدالعزیز صاحب مرحوم بھی آپ کے ساتھ تھے۔ دونوں رفیق وہاں سے سلامت نکل گئے اور سرحد پشاور عبور کر کے آزاد علاقہ (یاغستان) میں چلے گئے۔۔۔۔۔

قتضائے الہی سب تدبیرات پر غالب آتی ہے۔ مولوی منظور حسین ایک سال یاغستان میں قیام کرنے کے بعد بعض عزائم کے پیش نظر اپنے دیگر چار رفقاء کی معیت میں وطن کی طرف واپس لوٹے۔۔۔۔۔ موضع عباسیہ تحصیل کئی مروت کے قریب ایک جگہ آرام کے لیے ٹھہرے۔ ماسٹر عبدالعزیز صاحب اور ایک دوسرے رفیق کو قریب بہتی سے کھانا لانے کے لیے بھیجا۔ پولیس کو خبر ہو گئی۔ ان دونوں کو وہاں گرفتار کر لیا گیا۔۔۔۔۔ آپ (مولوی منظور حسین) ایک درخت کی ٹھنڈی چھائوں میں رفقاء سمیت گہری نیند سو گئے تھے۔ پولیس نے ان کو بیدار ہونے کا موقع ہی نہ دیا اور بے خبری میں ان پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی اور یوں ان مجاہدوں کی سعید روحیں عالم بالا کو پرواز کر گئیں۔“ (آفتاب ہدایت ص ۳۴-۳۶)

قاضی مظہر حسین صاحب کے والد کی وفات بھی ۱۷ جولائی ۱۹۴۶ء کورات کے وقت اپنے مکان کی چھت پر سے گرنے کی وجہ سے حادثاتی طور پر واقع ہوئی تھی۔ ۱۹۴۹ء میں جیل سے رہائی کے بعد حضرت

قاضی صاحب تحریر نو تقریر آؤی سرگرمیوں میں مصروف ہو گئے جس کا سلسلہ وفات (۲۰۰۴ء) تک جاری رہا۔
۱۹ مئی ۱۹۶۹ء کو اپنے بھائی قاضی منظور حسین کی قائم کردہ جماعت ”خدام اسلام“ کے نام میں ترمیم کر کے ”خدام اہل سنت“ کے نام سے نئی جماعت قائم کی جب کہ ۱۹۸۹ء میں نہ صرف ”حق چار یار“ کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا بلکہ اسلام کی ساری تاریخ میں پہلی مرتبہ خلافت راشدہ کے جواب میں ”حق چار یار“ کے نعرے کا بھی اجرا فرمایا۔ (حق چار یار اگست ۲۰۰۹ء ص ۴۶)
اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ یہ ”نعرہ“ ہی خدام اہل سنت کا امتیازی شعار ہے۔
خدام اہل سنت کے موقف میں خصوصیت کے ساتھ یہ ہدایت کی گئی ہے کہ:

”خلافت راشدہ کا نعرہ“ آپ اس طرح لگائیں کہ (ایک) آؤی زور سے کہے: خلافت راشدہ۔ اور باقی لوگ جواب دیں۔ حق چار یار۔ (یعنی چاروں خلفاء برحق ہیں) تو حق چار یار خلافت راشدہ کا جواب ہے اور حضرت امام حسنؑ کے چچا، حضرت علیؑ کی خلافت کا تہہ ہیں۔

چاروں طرف ظہور ہے دنیا میں چار کا
ہاں بولو اک نعرہ دم چار یار کا
(عصمت انبیاء اور حرمت صحابہؓ)۔ مطبوعہ مدرسہ اظہار اسلام مدنی مسجد چکوال
جہاں تک نعرہ ”خلافت راشدہ“ کے جواب میں ”حق چار یار“ کہنے کا تعلق ہے تو ساری اسلامی تاریخ میں اس کے محرک اور موجب جناب قاضی مظہر حسین صاحب ہیں؛ جسے اب باقاعدہ عقیدے کا وسیع دے دیا گیا ہے۔

اہل سنت چاروں خلفاء کو بالترتیب افضل امت و برحق مانتے ہیں اور ان کے درمیان محبت و مودت اور باہمی تعلقات اور رشتہ داریاں ثابت کرتے ہیں۔

اس کے برعکس اہل تشیع خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو (العیاذ باللہ) مخاصب، ظالم بلکہ کافر و مرتد قرار دیتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بلا فصل قرار دیتے ہیں، جس کا رد کرتے ہوئے اہل سنت ان چاروں خلفاء کا ذکر ایک ساتھ ”خلفائے اربعہ“ کے طور پر ہمیشہ کرتے رہے کہ یہ ایک دوسرے کے مخالف نہیں تھے بلکہ ایک دوسرے کے معاون اور دوست و بازو تھے۔

اہل تشیع کا مقصد خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو خارج قرار دینا تھا جب کہ اہل سنت کا مقصد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی شامل کر کے چاروں خلفاء کا دفاع کرنا تھا۔ خلافت کے حوالے سے ”حق چار یار“ کے

نعرے سے یہ تصور ابھرتا ہے کہ بس یہی چار خلفاء ”حق“ ہیں۔ کیا باقی خلفاء صحابہ (حضرت حسن، حضرت معاویہ، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت مروان رضی اللہ عنہم) ”حق“ نہیں ہیں؟ کوئی مومن بالقرآن خلفائے اربعہ کے علاوہ باقی خلفاء صحابہ کے ”حق“ ہونے کی نفی نہیں کر سکتا۔ جب باقی خلفاء صحابہ بھی ”حق“ ہی ہیں تو پھر ”حق چار یا ز“ کا نعرہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ جس کا خیال پوری اسلامی تاریخ میں پہلی مرتبہ صرف اور صرف حضرت قاضی صاحب کو آیا ہے۔

یہ نعرہ سراسر نفی ہے جو صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلفائے راشدین کی فہرست سے خارج کرنے کے لیے ہی ”وضع“ کیا گیا ہے بلکہ موصوف نے حضرت معاویہؓ کو خلیفہ راشد کہنے والوں اور اس نعرہ کے ساتھ اتفاق نہ کرنے والوں کو ”حامیان یزید“ اور ”یزیدی“ گروہ قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۴، خارجی فتنہ حصہ دوم ص ۶۴ طبع اول بلکہ انہوں نے اپنی ایک دوسری کتاب ”موعودہ خلافت راشدہ اور حضرت معاویہؓ کے نادان حامی۔ غالی گروہ“ (ص ۲۲) میں اسے خارجیت و ناصیت و محمودیت (محمود احمد عباسی) اور ضلالت و گمراہی قرار دیا ہے۔

قاضی صاحب کا نعرہ ”حق چار یا ز“ تو فارسی وارو کا مرکب، خود ساختہ اور غمی ہے جب کہ خوارج نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلہ (یعنی حضرات جنگمیشی رضی اللہ عنہما کی تقرری) کے خلاف آیت قرآنی ”الحکم الا للہ“ سے استدلال کیا تھا جس کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا ”کلمۃ الحق ارید بھا الباطل“ خارجی بات تو ٹھیک ہی کر رہے ہیں لیکن ان کا مقصد غلط ہے۔ خوارج کے استدلال کی طرح قاضی صاحب کا ”چار یا ز“ کو حق کہنا تو صحیح ہے لیکن اس نعرہ سے ان کا مقصد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلفائے راشدین کی فہرست سے خارج قرار دینا ہے جو خلاف حقیقت، غلط اور باطل ہے۔

”چار یا ز“ دنیا کی کسی لغت میں بھی بمعنی ”خلفائے اربعہ“ استعمال نہیں ہوتا لہذا خلافت راشدہ کے جواب میں ”حق چار یا ز“ کا نعرہ لگانا سراسر حضرت معاویہ اور دیگر خلفاء صحابہ رضی اللہ عنہم کی توہین و تنقیص ہے کیونکہ اس سے ان کا حق پر نہ ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

اس عنوان پر تفصیل کے خواہش مند حضرات راقم الحروف کی کتاب ”عقیدہ امامت اور خلافت راشدہ“ کی طرف مراجعت فرمائیں۔

اس کے علاوہ موصوف نے مختلف موضوعات پر متعدد کتب و رسائل بھی تالیف کیے۔ جن میں جارحانہ انداز، تلخ نویسی اور غیظ و غضب پوری طرح چھلکتا ہے۔ اغیار کے ساتھ اپنوں کو بھی خوب رگیدا گیا ہے۔ حضرت معاویہؓ کا دفاع کرنے والوں کو ”یزیدی“، ناصی اور خارجی، قرار دے کر اہل

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

مولانا قاضی مظہر حسین

سنت والجماعت بلکہ صحیح تر الفاظ میں تحریک ”خدام اہل سنت“ سے خارج قرار دے دیا گیا ہے۔
دل کے بھیدوں کو جاننے والی ذات تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے لیکن موصوف کا یہ فرمانا کس قدر بے جا اور غلاف حقیقت ہے کہ:

”اس خارجی گروہ نے توحید معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک آڑ بنایا ہوا ہے اپنے جراثیم پھیلانے کے لیے۔۔۔“ (کشف خارجیت ص ۲۴)

جن علمائے کرام نے موصوف کی تائید بھی کی ہے تو ساتھ ہی ”تلخ نویسی“ کا شکوہ بھی کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: خارجی فتنہ پرنا سیدی تبصرے اور کشف خارجیت وغیرہ۔

موصوف نے مفکر اسلام مولانا مفتی محمود، مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا نور الحسن شاہ بخاری، مفتی نظام الدین شامزی، جانشین امیر شریعت سید عطاء اللعظم شاہ بخاری، قاطع قادیانیت و سبائیت ابن امیر شریعت سید عطاء الحسن شاہ بخاری، پیر عزیز الرحمن ہزاروی، مولانا سعید الرحمن علوی، خطیب العصر مولانا سید عبدالجید شاہ ندیم، شہید ملت اسلامیہ مولانا ضیاء الرحمن فاروقی، محقق اہل سنت مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی، مولانا عبداللہ خطیب اسلام آباد، مولانا عبدالشکور دین پوری، مولانا ضیاء القاسمی اور مولانا قاضی شمس الدین کے خلاف کھل کر اظہار خیال فرمایا ہے اور اکثر کتب و بیانیہ تصنیفیں اور محمود و احمد عباسی کا بیورو کار کہا ہے۔ حضرت اقدس کے انداز کی ایک جھٹک ملاحظہ فرمائیں:

مولانا سعید الرحمن علوی نے ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے ”خارجی فتنہ“ پر حقیقت افزہ و تبصرہ کر دیا تھا تو ان کے متعلق فرمانے لگے کہ:

”علوی صاحب مضمون نگار تو ہیں اب تک انہوں نے خلافت راشدہ کے مسئلہ کو نہیں سمجھا۔۔۔“
علوی صاحب کا مرض:- مولوی سعید الرحمن صاحب علوی دراصل پاکستان کے موجودہ یزیدی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔“ (کشف خارجیت ص ۴۷-۴۵)

”اس سلسلہ میں بعض حضرات نے مجھ سے فرمایا تھا کہ ندیم صاحب تو ایک مقرر ہیں۔ ان کی کوئی خاص شخصیت نہیں ہے۔ ان کی تردید میں اس قسم کے رساں کا کیا فائدہ ہے اور ان کو اتنی اہمیت کیوں دی گئی ہے؟ تو میں نے ان سے جواباً عرض کیا آپ کی بات ٹھیک ہے (کہ ندیم صاحب کی کوئی حیثیت نہیں) لیکن ندیم صاحب مجلس تحفظ حقوق اہل سنت پاکستان کے جنرل سیکرٹری ہیں اور اکابر دیوبند کی عقیدت کا اظہار بھی کرتے ہیں لیکن یزید کے بارے میں ان کی بعض تحریریں اکابر علمائے دیوبند کے مسلک کے خلاف ہیں۔“ (خارجی فتنہ جلد ۲ ص ۲۶)

”اس وقت ہمارے لیے اشکال (متحدہ) سنی محاذ میں مولانا عبدالمجید صاحب ندیم کا شامل ہونا تھا کیونکہ قبل ازیں ان کی تحریر سے محمود عباسی کی کتاب ”خلافت معاویہ ویزید“ کی تائید ثابت ہو چکی تھی اور اکابر کی اس طرف توجہ نہ تھی۔“ (حق چارباہ حضرت جہلمی نمبر جولائی تا نومبر ۱۹۹۸ء ص ۶۵)۔

”اور اگر کسی کو محمود احمد صاحب عباسی کی کتابوں ”خلافت معاویہ ویزید“، تحقیق مزید اور حقیقت خلافت و لوکیٹ“ کے مطالعہ کی نوبت آتی ہے تو وہ ان ہی کے پیش کردہ نظریات کے گرویدہ ہو جاتے ہیں اور پھر جب باطل نظریات کی سیاہی باطن میں جم جاتی ہے تو پھر اہل حق کی تحقیق کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ چنانچہ مولوی ضیاء الرحمن صاحب فاروقی بانی و مدیر اعلیٰ خلافت راشدہ جنتری کا بھی یہی حال ہے۔ وہ غالباً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں محمود احمد صاحب عباسی کے نظریات سے متاثر ہیں اور چار خلفائے راشدین کی طرح ان کو قرآن کا موعودہ خلیفہ راشد قرار دیتے ہیں اور اس سلسلے میں وہ اتنے غالی ہو چکے ہیں کہ قرآن مجید کی معنوی تحریف کا ارتکاب بھی کر لیتے ہیں... (موعودہ خلافت راشدہ اور حضرت معاویہؓ کے نادان حافی۔ غالی گروہ ص ۳۔ مطبوعہ ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء)

مجھ سے بعض احباب نے کہا بھی ہے کہ مولوی ضیاء الرحمن صاحب کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ تم خود کیوں جواب لکھتے ہو؟ تو میں نے جواب دیا کہ خلافت راشدہ جنتری کے بانی اور مدیر اعلیٰ بھی ہیں اور ان کے اس مضمون سے کئی مباحث قارئین گمراہ ہو سکتے ہیں اس لیے اس کا جواب دینا ضروری ہے... (حوالہ مذکور ص ۵)

”رافضی مصلحتیں بھی اگر فاروقی صاحب کی یہ بہتان تراشیاں دیکھیں تو شرمندہ ہو جائیں۔“ (حوالہ مذکور ص ۱۵)۔

اسی جنتری کے آخری ماسک پر حضرت عمر فاروق اسلامی یونیورسٹی کا تعارف شائع ہوا ہے۔ اس کے سرپرستوں میں تین دوسرے حضرات کے ناموں کے ساتھ شیخ الاسلام حضرت مولانا اسعد مدنی صدر جمعیت علمائے ہند کا نام بھی لکھا ہے۔ یہ سب کاروباری ذہنیت پر مبنی ہے ورنہ حضرت مولانا اسعد صاحب مدنی کو مولوی ضیاء الرحمن صاحب کے نظریات فاسدہ سے کیا تعلق ہے؟..... مولوی ضیاء الرحمن صاحب لغت عربی میں بھی مجتہد نظر آتے ہیں۔ یہ وہی ہیں جنہوں نے جنتری کے ایک ساہتہ مضمون میں ”راشد“ کا معنی ہدایت دینے والا اور آیت ”الذی ارتضیٰ لہم“ کا ترجمہ اللہ ان سے راضی ہو گیا، لکھا ہے۔ اب ایک حدیث کے ترجمہ میں باغی کا معنی مطالبہ

کرنے والا نکالا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا کسی نے اس حدیث عمار میں ”فتنة باغية“ کا معنی مطالبہ کرنے والا لکھا ہے اور کیا یہ معنی یہاں بن بھی سکتا ہے؟

”یعنی“ کا معنی لغت میں چاہنا بھی آتا ہے لیکن جب اس کا صلہ ”علی“ آجائے تو پھر اس کا معنی: ظلم کرنا، تعدی کرنا، ستم توڑنا، ستانا آتا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ نے فرمایا ”اخواننا باغوا علینا“ یہ ہمارے بھائی ہیں جنہوں نے ہمارے خلاف بغاوت (سرکشی) کی ہے۔

بغاوت کی قسمیں ہیں: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اہل سنت نہ جہنمی کہتے ہیں اور نہ گمراہ (کیا ہی گستاخانہ انداز ہے!! قاضی صاحب کو یہ الفاظ لکھنے سے اجتناب کرنا چاہیے تھا) بلکہ ان کے قتال کو مصورتا بغاوت کہتے ہیں جو ان کے اجتہاد پر مبنی تھی.....

جس طرح حضرت علی المرتضیٰ کے حق میں شیعہ غلو کرتے ہیں اور ان کو ان کے اصلی مقام سے بہت ہٹاتے ہیں اسی طرح ایک گروہ ایسا بھی پیدا ہو گیا ہے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی غلو کرتے ہیں اور جو ان کے غالباً نہ نظریات کو نہ تسلیم کرے اس کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین کرنے والا اور دشمن قرار دیتے ہیں۔ دور حاضر میں اس غالباً نہ نظریہ کے بانی محمود احمد عباسی ہیں اور مولوی ضیاء الرحمن صاحب اور خلافت راشدہ جنتی والے بھی اسی طرح کے غالی ہیں.....

مولوی ضیاء الرحمن صاحب تو اپنے آپ کو سنی دیوبندی قرار دیتے ہیں لیکن حال یہ ہے کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور مشاجرات صحابہ کے بارے میں نہ سنی ہیں، نہ دیوبندی۔ ہماری گزارش یہ ہے کہ وہ مزید جرأت سے کام لیں،

”سُنَّیْت اور دیوبندیّت“ سے وابستگی ختم ہونے کا اعلان کر دیں اور ”فاروقی“ نسبت سے بھی دست بردار ہو جائیں کیونکہ ”فاروقی“ تو وہ ہوتا ہے جو حق و باطل میں فرق پہچانے۔ حالانکہ وہ اپنے نظریات میں حق و باطل کا ایک مشترکہ مائع بہ تیار کر رہے ہیں۔“ (حوالہ مذکور ص ۶۱-۶۲)،

”جب آپ کی علمی استعداد یہ ہے کہ ”راشدہ و مرسدہ“ کا معنی نہیں جانتے اور ”مرتضیٰ اللہم“ اور ”رضی اللہ عنہم“ میں فرق نہیں کر سکتے تو پھر عقیدہ خلافت راشدہ کے موضوع پر کیوں اوراق سیاہ کرتے ہیں؟.....

اگر آپ سنی دیوبندی ہیں تو پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور عقیدہ خلافت راشدہ کے بارے میں جمہور اہل سنت اور اکابر دیوبند کے مسلک کو کیوں نہیں تسلیم کرتے؟ اور اگر آپ جمہور اور اکابر دیوبند کے متفقہ مسلک کے پابند نہیں ہیں تو پھر اپنے آپ کو مذہب اہل سنت

اور مسلک دیوبند کی طرف کیوں منسوب کرتے ہیں؟ (حوالہ مذکور ص ۶۱۲-۶۱۵)،

”مولانا حق نواز تھنگوی مرحوم نہ خارجی تھے، نہ عباسی کے پیرو تھے اور نہ ہی یزیدی تھے بلکہ وہ صحیح المسلمک سنی مسلمان تھے اور سپاہ صحابہ کی اکثریت بھی خارجی اور یزیدی نہیں ہے۔ البتہ ان میں بعض ایسے لوگ بھی گھس گئے ہیں جو عباسی ذہن کے حامیان یزید ہیں اور ہماری خواہش ہے کہ جماعت کی تطہیر ہونی چاہیے۔“ (ماہنامہ حق چارپا رص ۴۹-جون، جولائی ۱۹۹۰ء)

یہ ملحوظ رہے کہ اس وقت سپاہ صحابہ کے سرپرست اعلیٰ مولانا ضیاء الرحمن فاروقی تھے۔ جو ۱۸ جنوری ۱۹۹۷ء یعنی اپنی شہادت تک اس ”منصب“ پر برقرار رہے جنہیں حضرت قاضی صاحب ۱۹۸۹ء میں یزیدی، خارجی اور عباسی نظریات سے متاثرہ شخصیت قرار دے چکے تھے۔ ۱۹۹۱ء میں قاضی صاحب نے حق چارپا رص میں ”مولانا قاضی ٹمس الدین درویش اور یزیدی نولہ“ کے عنوان سے ایک طویل سلسلہ مضامین شروع کیا تھا جسے نومبر ۲۰۱۳ء میں باقاعدہ کتابی صورت دے کر ”مشاجرات صحابہ اور راہ اعتدال“ کے نام سے شائع کر دیا گیا ہے۔ اس میں بھی موصوف نے ”مولوی ضیاء الرحمن فاروقی“ اور ”سپاہ صحابہ کی خدمت میں“ کے عنوانات قائم کر کے فاروقی شہید کے متعلق لکھا ہے کہ:

”حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی حکیم (محمود احمد غفر) صاحب کا موقف جمہور اہل سنت کے خلاف ہے اور مولوی ضیاء الرحمن فاروقی کا ادارہ حکیم صاحب کی جن تصریحات کو اندرہ تحقیقات قرار دے رہا ہے وہ دراصل دائرہ تلمیسات ہیں جیسا کہ بندہ نے ان عبارات کو عقیدہ اہل سنت کی روشنی میں جہل و خیانت پر مبنی ثابت کر دیا ہے۔.....

مولوی ضیاء الرحمن صاحب نے اسی مضمون میں آیت استخلاف سے استدلال کیا ہے اور آیت استخلاف کا ترجمہ بھی غلط لکھا ہے اور آیت میں بھی ”منکم“ کا لفظ نہیں لکھا اور ترجمہ میں ”منکم“ کا ترجمہ حذف کر دیا ہے۔

چونکہ مولوی ضیاء الرحمن کا یہ مضمون جہالت اور خیانت پر مبنی تھا اور اس کے تاثر سے اکابر اہل سنت سے ماواقف لوگوں کے متغیر ہونے کا احتمال تھا اس لیے میں نے مدرسہ اظہار الاسلام کی سالانہ روئداد میں ان کی جہالتوں کو بے نقاب کر کے مسلک اہل سنت کو مدلل طور پر پیش کر دیا اور کتابی شکل میں بھی وہ مضمون شائع کر دیا گیا۔

(موصوف زیر عنوان ”سپاہ صحابہ کی خدمت میں“ فرماتے ہیں کہ)

سپاہ صحابہ کا قیام خصوصیت سے صحابہ کرام کی شرعی عظمتوں کی تبلیغ اور اس کے تحفظ کے لیے

ہے۔ اہل سنت والجماعت حضور رحمۃ اللعالمینؐ کے فیض یافتہ صحابہ کرام مع اہل بیت عظامؑ سب کو درجہ بدرجہ جتنی مانتے ہیں اور ان حضرات کی محبت ہمارے ایمان کی جز ہے۔

لیکن شیعہ اور خارجی اس میں افراط و تفریط کرتے ہیں اور خارجی راغبیوں سے کچھ کم خطرناک نہیں ہیں۔ شیعہ تو اپنا امتیازی تشخص اختیار کر چکے ہیں اور شیعیت کے عنوان پر کام کر رہے ہیں لیکن خارجی اہل سنت کے لہادہ میں مختلف تدبیروں سے کام لے کر ناواقف سنی مسلمانوں میں حب صحابہ کے کام پر اپنے اثرات پھیلا رہے ہیں۔ سپاہ صحابہ کو اس بارے میں محتاط رہنا چاہیے (یعنی مولانا ضیاء الرحمن وغیرہ سے) تنظیمیں بنی بگونی رہتی ہیں اور شخصیتیں بھی آتی جاتی ہیں لیکن مسلک حق میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

صدیوں سے جو مسائل و عقائد اہل السنۃ والجماعت کے ہاں متفق علیہ ہیں ان پر مضبوطی سے قائم رہنا چاہیے۔ وقتی اور ہنگامی پالیسی پانڈا نہیں ہوتی۔ آج کل جو حمایت یزید کی تحریک جاری ہے یہ بھی بہت خطرناک ہے۔ عموماً حامیان یزید خارجیت کو اپنا چکے ہیں خواہ وہ قوم کے سامنے کسی لہادہ میں ظاہر ہوں۔“ (مشاجرات صحابہؓ اور راہ اعتدال جلد اول ص ۳۲۷-۳۳۱-۳۳۲ سن اشاعت نومبر ۲۰۱۳ء، ماشرادارہ مظہر تحقیق لاہور)

مگر صد افسوس! سپاہ صحابہؓ کی غالب ”سنی“ اکثریت جناب قاضی صاحب کے ”مناہ“ کے باوجود نہ صرف یہ کہ اپنی صفوں سے ”عباسیوں، یزیدیوں اور خارجیوں“ کو نکال کر جماعت کی تطہیر نہیں کر سکی بلکہ مولانا حق نواز جتھووی کی شہادت کے بعد اپنی قیادت بھی ایک ”یزیدی، خارجی اور عباسی“ نظریات کی حامل شخصیت مولانا ضیاء الرحمن فاروقی کو سونپ دی جو سات سال تک (مارچ ۱۹۹۰ء تا جنوری ۱۹۹۷ء) اس منصب جلیلہ پر فائز رہی۔

جناب قاضی صاحب نے فاروقی صاحب کی حد تک تو نشانہ ہی کر دی تھی مگر وہ سپاہ صحابہؓ میں گھسے ہوئے دیگر ”یزیدیوں، خارجیوں اور عباسیوں“ کے بارے میں آگاہ نہیں کر سکے لیکن سخت حیرت ہے کہ علامہ فاروقی صاحب نے نہ تو اپنے ”فاسد“ نظریات سے رجوع کیا اور نہ ہی سپاہ صحابہؓ نے کبھی انہیں جماعت سے خارج کرنے کا تصور بھی کیا۔

قاضی مظہر حسین صاحب کی وفات کے بعد ”تحریک خدام اہل سنت پاکستان“ نے موصوف کی یاد میں ماہنامہ حق چارپا (مارچ/اپریل ۲۰۰۵ء) کا ۳۸۴ صفحات پر مشتمل ایک ضخیم نمبر شائع کیا جس میں موصوف کو ”مقام صدہیت، حالت احسان، فنا فی اللہ، فنا فی الرسول، فنا فی العلم، مظہر شریعت و طریقت، امام اہل سنت، مجدد العصر، سلطان العارفین، غزالی دوراں، رئیس

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین مولانا قاضی مظہر حسین

المحکمین، اسوۃ الصالحین، قدوة العلماء، بلکہ ”پیغمبری“ کے علاوہ ہر منصب عطا کیا گیا ہے۔ چنانچہ شیخ الادب مولانا اعجاز علی صاحب اپنے ایک خط میں فرماتے ہیں کہ:

”جو حالات آپ نے تحریر فرمائے ہیں ان کے ہوتے ہوئے افسوس کرنا، معاف فرمائیں میرے نزدیک کفرانِ نعمت الہیہ ہے۔ آپ ذکر قلبی بھی کرتے ہیں اور ذکر لسانی بھی۔ اور یہ بھی امید ہے کہ ذکر تمام بند پر مستولی ہو جائے۔ پھر آپ کا جو فرض منہی ہے کہ گمراہوں کو راہ ہدایت پر لائیں، وہ بھی آپ ادا کرتے ہیں۔ اس کے بعد آپ اور کیا چاہتے ہیں؟ اب اور چاہتے کیا ہو؟ پیغمبری مل جائے؟ خدا کا شکر ادا کیجیے۔ آپ کی یہ حالت ہم جیسے ماکاروں کے لیے غبطہ کے قابل ہے۔“ (ص ۹۰۳)

قارئین کرام! اس یادگار نمبر کے ص ۲۸ پر مولانا محمد شہاب الدین پوپلویٰ وجملہ رفقاء عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پشاور کی طرف سے حسب ذیل ”دعا“ ملاحظہ فرمائیں:

اے اللہ!..... ہمیں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز کے قافلہ حسینی کے آخری شہسوار، خلیفہ مجاز، پاسبان عقائد اہل سنت والجماعت، وکیل صحابہ قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ کے نقش قدم پر چلا:

☆ جنہیں دہائی و دوراندیشی شیخ الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مبارکی سے وراثت میں ملی۔
☆ جو علم و حکمت میں قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے نمکس جمال تھے۔
☆ جو تفقہ و استقامت میں قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے پرتو تھے۔
☆ جو سیاسی بصیرت میں اسیر مانا شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن کی سیاست کے امین تھے۔
☆ جو جوہر سخا و رند صحابہ میں اپنے مرشد شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے جانشین تھے۔
☆ جو فکرمند و تدبیر میں مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی کا نمونہ تھے۔
☆ جو فکر و استغناء میں محدث کبیر حضرت مولانا میاں اصغر حسین کے سہیم تھے۔
☆ جو ایثار و قربانی میں فکرونی اللہ ہی کے امین حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کے مثیل تھے۔
☆ جو ولولہ جہاد اور حمیت دینی میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے رفیق تھے۔
☆ جو علم و شفقت میں امام التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے نعم البدل تھے۔
☆ جو حیرت میں حقائق حق کے لیے امیری گزار کر یہ ثابت کر گئے کہ وہ ہم حسین احمد کے حقیقی نمائندہ تھے۔
ہے بزم حسین احمد سے یہاں ہنگامہ گمیر و دار پنا (حق چار یا رقا ئد اہل سنت نمبر ص ۲۸)

حضرت قاضی صاحب شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی کے خلیفہ مجاز ہیں۔ حسب ذیل واقعہ سے حضرت مدنی کے اعلیٰ وارفع مقام کا کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ پاکستان شریعت کونسل پنجاب کے جنرل سیکرٹری اور سپاہ صحابہ پاکستان کے سابق صوبائی صدر مولانا محمد نواز بلوچ، مرتب قائد اہل سنت نمبر، حافظ زاہد حسین رشیدی کے نام اپنے خط میں لکھتے ہیں کہ:

آپ کا مکتوب گرامی اس سے قبل ملا تھا لیکن اس فکر نے کچھ نہ کرنے دیا کہ میرے جیسا طالب علم اتنے بڑے تبحر عالم جو شیخ العرب مولانا حسین احمد مدنی کے خلیفہ ہوں وہ شیخ العرب والنجم جن کے بارے میں بقول استاذی مفتی محمد عیسیٰ صاحب گوجرانوالہ، حضرت شیخ التفسیر امام الاولیاء مولانا احمد علی لاہوری فرماتے تھے:

میراجی چاہتا ہے کہ داڑھی کو کٹھنسی کر دے وقت جو بال جھڑتے ہیں یہ بال میں اس موچی کو روں جو سید حسین احمد مدنی کے جوتے بنا رہا ہے تاکہ وہ دھانگے کی جگہ میرے یہ بال استعمال کرے۔ ان (حضرت مدنی) کا وکیل صحابہ، فارغ مذاہب باطلہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کو خلافت کا عمامہ باندھنا ان کے مقام کا مظہر ہے تو میرے جیسا طالب علم ان کے بارے میں کیا تحریر کر سکتا ہے؟ لیکن جب آپ کا دوبارہ مکتوب گرامی آیا ہے تو شرمندگی سے بچنے کے لیے معروضات عرض کیے دیتا ہوں۔“ (حق چار بار قائد اہل سنت نمبر ص ۸۲۸۔ تحت عنوان ”حق و صداقت کے مظہر“) حضرت لاہوری نے اگر ”فی الواقع“ اپنی اس خواہش کا اظہار فرمایا ہے تو اس سے بڑھ کر داڑھی (جو سنت نبوی ہی نہیں بلکہ سنت انبیاء بھی ہے) کی اور کیا توہین ہو سکتی ہے؟

مگر اس روایت پر ”یقین“ کیے بغیر بھی کوئی چارہ نہیں کیونکہ اس کی سند میں تین جید علماء کرام تشریف فرما ہیں: ۱۔ مدرسہ نصرت العلوم کے صدر مفتی مولانا عیسیٰ خان ۲۔ پاکستان شریعت کونسل پنجاب کے جنرل سیکرٹری مولانا محمد نواز بلوچ ۳۔ مولانا حافظ زاہد حسین رشیدی۔ اس طرح یہ راوی حضرات بھی ”سنت نبوی“ کی توہین میں مدد کے شریک ہو گئے۔

اور اگر حضرت لاہوری نے یہ نہیں فرمایا تو پھر ان پر علماء کرام کی طرف سے یہ بہتان عائد کیا گیا ہے۔ لیکن ایک دوسرے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت لاہوری سے اس طرح کے ”ارشادات“ کچھ بعید بھی نہیں ہیں۔ چنانچہ مولانا قاضی مظہر حسین صاحب فرماتے ہیں کہ:

”حضرت لاہوری کی حضرت مدنی سے عقیدت کا تو یہ حال تھا کہ ایک دفعہ دارالعلوم اسلامیہ پرانی انارکلی لاہور میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کی تقریر ہوئی۔ میں بھی ان

حضرت قاری صاحب کی تقریر سے پہلے حضرت قاری صاحب کے ساتھ ہی حضرت لاہوری نے کرسی پر بیٹھ کر مختصر تقریر فرمائی اور اس میں فرمایا کہ:

”حضرت مدنی کے جوتوں میں جو علم ہے وہ احمد علی کے دماغ میں نہیں“

(حضرت قاضی صاحب اس تو بن آمیز جملہ کی تاویل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ) یہاں یہ طوطا ہے کہ علم سے مراد یہاں بکات ہیں کیونکہ حضرات اہل اللہ کے ساتھ جن چیزوں کا تعلق ہو جائے ان میں معنوی بکات آ جاتی ہیں۔ (ماہنامہ حق چار یا ر جولائی تا نومبر ۱۹۹۸ء ص ۵۔ مولانا عبداللطیف جہلمی نمبر)

حضرت قاضی صاحب یہی واقعہ اپنے ایک دوسرے مضمون میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

”جمعیت علماء کے اجلاس میں جب حضرت مدنی تشریف فرما ہوتے تھے تو میں (احمد علی) آپ کے احترام میں تین تین، چار چار گھنٹے دو زانو بیٹھا رہتا تھا اور بار بار فرمایا کہ:

مجھے غالباً چودہ مرتبہ حرمین شریفین کی حاضری نصیب ہوئی ہے۔ میں نے حضرت مدنی جیسے بزرگ (ولی اللہ) کہیں نہیں پایا اور ایک مرتبہ پرانی انارکلی بازار کے مدرسہ میں رات کو حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب کی تقریر کا پروگرام تھا بندہ بھی ان دنوں لاہور میں تھا، جلسہ میں حاضر ہوا۔ حضرت قاری صاحب کی موجودگی میں ان کی تقریر سے پہلے حضرت لاہوری نے تھوڑی دیر تقریر فرمائی اور دوران تقریر فرمایا کہ:

”حضرت مدنی کے جوتوں میں جو علم ہے وہ احمد علی کے دماغ میں نہیں ہے۔“

(قاضی صاحب اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ) اس سے مراد بفضلہ

تعالیٰ وہ بکات ہیں جو حضرت مدنی سے متعلقہ ہر چیز میں سرایت کرتی ہیں۔“

(ماہنامہ حق چار یا ر ص ۵۹۔ مولانا امین صفدر اویکا ٹروی نمبر۔ اپریل ۲۰۰۱ء)

حضرت لاہوری کے اس ”ارشاد“ میں بھی ”علم“ (جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے) کی تو بین پائی جاتی ہے کیونکہ علم جیسی اعلیٰ و ارفع صفت کا محل ”جوتوں“ کو قرار دیا گیا ہے جب کہ قاضی صاحب کی ”تاویل“ تو جیہ تو فصیح، بالکل فاسد و باطل ہے اور ”توجہ القائل....“ کے زمرہ میں بھی نہیں آتی۔

اب حضرت قاضی صاحب کے ”اسفار حج“ کے دوران ”واردات و بیثارات“ ملاحظہ فرمائیں:

”آج نماز فجر اور ظہر کے مابین دربار رسالت کی حاضری نصیب ہوئی۔ زبردست ہجوم کی

وجہ سے کچھ فاصلے پر قبلہ کی دیوار کے ساتھ کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام عرض کیا اور حضرت صدیق اکبرؓ

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین مولانا قاضی مظہر حسین

اور حضرت فاروق اعظمؓ کی خدمت میں بھی حسب سابق سلام عرض کیا۔ پھر قبلہ کی دیوار کے ساتھ ہی پیٹھ لگا کر بیٹھ گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوا تو ”رأيت الشيخ المدني مجرداً عن اللباس الظاهر ورأيت نفسي كذا.... وعبرت عن هذا الحال انكشاف مقام الفتاء عن غير الله.... والله اعلم....“

صبح 9:40 تلاوت قرآن عظیم کے دوران مراقبہ میں زیارت مقدسہ نصیب ہوئی۔ واسطہ حضرت الشیخ المدنی قدس سرہ کی ذات ہی مکشوف ہوئی۔ پہلے حدودِ ولایت کو عبور کیا اور پھر حدودِ رسالت میں داخلہ نصیب ہوا۔ پھر دور دراز توجہ ہوئی آخر بلندی پر حضور رحمۃ اللعالمین کا دیدار نصیب ہوا خصوصاً چشمان مبارک کا دیدار امتیازی طور پر ہوا۔ سرگیں تھیں اور ایسی آنکھیں کبھی نہیں دیکھیں...

قبل از نماز جمعہ آیت ”قل اوحى الي هذا القرآن... انشئ برىء متانتشركون“ کی تلاوت کے دوران حضور اکرمؐ کی طرف روحانی توجہ ہوئی تو ایسا محسوس ہوا کہ روح محمدیؐ نے توجہ فرمائی ہے حتیٰ کہ گویا میرے باطن میں مٹی ہے اور بندہ گویا حضور کی طرف سے تلاوت کر رہا ہے۔ ساتھ ہی کعبہ کی تجلی کا ظہور ہوا۔ واللہ اعلم...

آج بعد نماز ظہر مسجد نبوی اور روضہ مقدسہ میں حاضری نصیب ہوئی۔ مولیٰ شریف میں مراقبہ کے دوران یہ محسوس ہوا کہ بندہ کے لیے ”باب مدنی“ کھول دیا گیا ہے جس کی نسبت ”رسول مدنی“ اور ”حضرت المرشد المدنی“ دونوں کی طرف ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض اس ”باب مدنی“ سے حاصل ہوگا۔ واللہ اعلم...

(قارئین کرام! ”رسول مدنی“ اور ”حضرت المرشد المدنی“ کے اسلوب اور الفاظ میں عقیدت کا جھکاؤ ملاحظہ کر سکتے ہیں)

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی حاضری کے دوران عموماً حضرت الشیخ المدنی قدس سرہ کی روحانیت سامنے محسوس ہوتی رہی اور یہی سمجھا کہ باب مدنی ہی بندہ کے لیے توحید و رسالت کے فیوضات کا واسطہ ہے۔ واللہ اعلم...

قبل از غروب اپنی قیام گاہ پر ایٹھے ہوئے ”بین النوم واليقظة“ جس میں ”یقظة“ (بیداری) کی حالت غالب تھی۔ یہ اور اک ہوا کہ حضرت الشیخ المدنی قدس سرہ ایک گول پائپ فیض کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک سے جوڑ رہے ہیں۔ یہ بھی اور اک ہوا کہ اس طرح کے پائپ دس اشخاص کے سینوں سے جوڑے گئے ہیں۔ یہ ولایت کبریٰ ہے۔ گزشتہ سال یہ پانچ اشخاص کو نصیب ہوئے

اور آئندہ سال میں حضرات کو دیے جائیں گے۔ یہ معلوم نہیں کہ یہ پائپ صرف حضرت مدنی کے متوسلین کے لیے ہیں یا دوسرے سطحوں کے حضرات بھی شامل ہیں۔ واللہ اعلم...

دن کو موابہ شریف میں صلوٰۃ و سلام عرض کرنے کے بعد کچھ دیر مولیٰ شریف میں کھڑا رہا تو اس دوران محسوس ہوا کہ ایک مثالی صورت میرے اندر رہے اور یہ کہ خلافت راشدہ کا ایک شعبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مثالی لظائف سے بندہ کے ساتھ متعلق کر دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم...

(مگر صدافسوس کہ حضرت معاویہ قرآنی تصریح کے باوجود اس شعبہ سے ”محروم“ ہی رہے)

میدان عرفات میں نماز عصر ادا کرنے کے بعد تلاوت قرآن مجید میں مشغول ہوا۔ اسی حال میں مراقبہ میں زیادہ وقت گزرا اور غروب آفتاب سے کچھ دیر پہلے جب کہ دیدار نبوی کی خواہش کر رہا تھا، واروہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ارشاد ہوا کہ تم اپنا مدتیں پیش کر دو۔ ہم اپنی مرضی کے مطابق جب چاہیں گے دے دیں گے۔ واللہ اعلم...

آج دن کو ساڑھے تین سے لے کر ساڑھے پانچ بجے تک حرم شریف کی حاضری نصیب ہوئی اور تلاوت قرآن حکیم کے لیے قرآن مجید ہاتھ میں لیا لیکن توجہ الی اللہ کے غلبہ کی وجہ سے ایسا نہ کر سکا اور یہ وقت زیادہ مراقبہ میں گزرا۔ اس دوران بھی محسوس ہوا کہ رسول کریم کے سینہ مبارک سے چار نور جہاں بندہ کے سینہ کی طرف آرہے ہیں۔ ان سے مراد چار بار ہیں یعنی ان کے واسطے سے یہ فیضان ہے۔ واللہ اعلم...

آج ہفتہ اور اتوار کی درمیانی رات کو خواب میں مدینہ منورہ سے باہر جانا ہوا۔ ایک جگہ ایک ساتھی نے کہا یہیں بیٹھنا چاہیے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب تشریف لائیں گے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ مقام حدیبیہ ہے۔ کچھ دیر بعد اجمالی طور پر یہ دیکھا کہ کچھ فاصلہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور چند اصحاب تشریف فرما ہیں۔

اسی نیند میں دیکھا کہ میرے ساتھ دو چار ساتھی ہیں۔ پہاڑ کی فضا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے خدام اہل سنت کا جھنڈا اپنے ہاتھ میں اٹھایا ہے اور فرماتے ہیں کہ ہمارا جھنڈا تو بڑا ہوتا ہے۔ یہ بطور اظہار واقعہ کے تھا۔ پھر جھنڈا خدام کا حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے ہاتھ میں اٹھالیا۔ حضرت صدیقؓ کی شخصیت بہت زیادہ وقار اور حلم والی تھی اور آپ نے بالکل بات نہیں کی۔ اس کے بعد انتھار تھا کہ حضرت عثمان ذوالنورینؓ تشریف لائیں گے اور خدام کا جھنڈا اٹھائیں گے لیکن پھر بیدار ہو گیا۔۔۔“ (ماہنامہ حق چارپارہ۔ مارچ اپریل ۲۰۰۵ء قائد اہل سنت نمبر ۳۱۶ تا ۳۲۲)

اسفار حج کے دوران مذکورہ ”واردات و بئارات“ خود قاضی صاحب کے اپنے قلم سے

مولانا قاضی مظہر حسین

کسی ”میت“ کے حق میں ”مرحوم و مغفور“ کے الفاظ اس معنی میں استعمال کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے خود اسے بخش دیا ہے یہ گناہ والی بات ہے اور حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے البتہ دعا کے طور پر یہ الفاظ کہے جا سکتے ہیں۔ ہم بھی قاضی صاحب کے لیے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے حسنات کو قبول فرمائے اور سیئات کو معاف کر کے جنت الفردوس عطا فرمائے۔ آمین لیکن اوپر جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں (جنت کا بامی، رابی جنت، ہمشروہ بالفوز و المغفرة قبشرہ بمغفرة مولا کا مغفور) وہ دعا کے ضمن میں نہیں آتے۔

مرتب قائد اہل سنت نمبر جناب زاہد حسین رشیدی صاحب قاضی صاحب کی حیات و خدمات اور فضائل و مناقب کے احاطے سے اپنی عاجزی اور بے بسی کا اعتراف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اپنے الفاظ کو اظہار میں ڈھالوں کیسے سوچتا ہوں کہ تیرے احساس کی توہین نہ ہو محترم قارئین! مذکورہ بالا شعر کی مجموعی فکر بہت بڑی حقیقت ہے۔ قائد اہل سنت، وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب جیسی شخصیت کے متعلق قلم اٹھانا بڑے دل گردے کا کام اور عظیم جہارت ہے..... ہم نے اپنی بساط کے مطابق حضرت قائد اہل سنت کی حیات و خدمات کے بیشتر گوشے سپرد ریکارڈ کر دیے ہیں اس اعتراف کے سساتھ کہ

ان تعارفی و تمہیدی گزارشات کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں قاضی

صاحب کے تو ہیں و تنقیص پر مبنی چند افکار، نذر قارئین کیے جاتے ہیں:

”اور چونکہ وعدہ خداوندی حکومت و خلافت کا مومنین صالحین ہی کے لیے تھا اس لیے ثابت ہوا کہ ارا و وعدہ خداوندی میں یہی تھا کہ ان اصحاب اربعہ کو ہی منصب خلافت عطا کیا جائے گا اس لیے ان چار یا رہی خلافت راشدہ موعودہ کا کوئی مومن بالقرآن انکار نہیں کر سکتا۔

یہ عکس اس کے اگر ”منکم“ اور ”الذین اخرجوا من ديارهم“ کو نظر انداز کر دیا جائے اور اس وعدہ خلافت کو عام رکھا جائے تو سب سے پہلے ان خلفاء کا مومنین صالحین ہونا ثابت کرنا پڑے گا پھر اس کے بعد ان کو خلفائے راشدین تسلیم کیا جائے گا۔

اور خلفائے اربعہ کے بعد تو کسی خلیفہ کے بارے میں یہ ثابت کرنا مشکل ہو جائے گا کہ وہ مومنین صالحین میں سے تھے، مخالفین کے لیے بحث کا دروازہ کھل جائے گا۔“

(موعودہ خلافت راشدہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماوان حامی غالی گروہ ص ۳۹)

اس عبارت سے تو یہ واضح ہو رہا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قاضی صاحب کے نزدیک ”مومنین صالحین“ میں سے نہیں تھے اگر وہ ”مومن صالح“ ہوتے تو پھر انہیں ضرور خلیفہ راشدہ تسلیم کر لیا جاتا۔ بلکہ موصوف نے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشدہ تسلیم کرنے والوں کو ”حامیان یزید“ قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

”حامیان یزید جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی آیت ”اولئك هم المراءضون“ کے تحت خلیفہ راشدہ قرار دیتے ہیں یعنی جب حضرت معاویہؓ بحیثیت صحابی راشد ہیں تو بحیثیت خلیفہ کیوں نہ راشد ہوں گے لیکن ان کا یہ استدلال غلط ہے۔“ (خارجی فتنہ حصہ دوم ص ۶۲۶)،

”حامیان یزید عموماً صحابہ کرامؓ کے بارے میں قرآن کی آیت ”اولئك هم المراءضون“ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو خلافت راشدہ قرار دیتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت کو خلافت راشدہ تسلیم نہیں کرتے؟ کیا ان کے نزدیک حضرت ابن زبیرؓ صحابی نہیں ہیں؟ یا صحابی تو ہیں لیکن یزیدؓ کی محبت کی وجہ سے آپ کی خلافت کو خلافت راشدہ قرار دینا ان کو پسند نہیں۔“

(ماہنامہ حق چار یا رہ دسمبر ۱۹۹۰ء بحوالہ حق چار یا رہ مارچ، اپریل ۲۰۰۵ء تا مابین سنت نمبر ص ۳۵۵)

اللہ تعالیٰ نے تین طبقوں پر اپنے راغنی ہونے کا اعلان فرمایا ہے:

۱۔ مہاجرین اولین ۲۔ الانصار۔ ان دو طبقوں کا مقام معیاری ہے۔

۳۔ تیسرا طبقہ وہ ہے جو مہاجرین و انصار کی پیروی خوش اسلوبی سے کرے اس تیسرے طبقے

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

مولانا قاضی مظہر حسین

سے رضائے الہی مشروط ہے مہاجرین اولین اور انصار کی اچھے طریقے سے پیروی کرنے کے ساتھ۔
اب سندیلوی صاحب ہی اپنے علم و فضل کا زور لگا کر جواب دیں کہ حضرت علی المرتضیٰؓ مہاجرین
اولین میں سے ہیں۔ پھر ان کو موعودہ خلفائے راشدین میں سے چوتھا مقام حاصل ہے۔ حضرت
معاویہ رضی اللہ عنہ نہ تو مہاجرین میں ہیں اور نہ انصار میں۔ آپ تیسرے طبقے سے وابستہ ہیں۔

ان کے لیے حضرت علی المرتضیٰؓ کی پیروی لازم تھی بوجہ ان کے مہاجرین اولین میں ہونے
اور بوجہ خلیفہ ہونے کے۔ بہر حال از روئے نص قرآنی حضرت علیؓ کی پیروی حضرت معاویہ رضی اللہ
عنہ پر لازم ہے لیکن بجائے پیروی کے انہوں نے مخالفت کی اور صرف زبانی مخالفت نہیں کی بلکہ
بجائے اطاعت کے قتال کیا خواہ وفا ہی ہو۔ تو اس صورت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے
موقف کو کون صحیح کہہ سکتا ہے؟“ (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۶۷)

حضرت قاضی صاحب ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:

”حضرت علیؓ کی خلافت شروع سے ہی من جانب اللہ مستقل تھی اور ایک لمحہ کے لیے بھی
آپ کا دور خلافت عبوری نہ تھا۔ لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد بھی حضرت علیؓ
کی خلافت تسلیم نہ کی بلکہ شرائط پیش کرتے رہے۔.....

اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو وَاللَّيْنِ اتَّبِعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ کے طبقہ میں تھے جن کے
لیے اللہ تعالیٰ نے راضی ہونے کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ مہاجرین و انصار کی حسن اسلوب
سے پیروی کریں۔ سندیلوی صاحب اگر آپ کے نزدیک نص قرآنی کی اتباع کی کوئی حیثیت ہے
تو بکثرت مہاجرین و انصار کی بیعت کرنے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ لازم نہ تھا کہ
وہ بھی اختلاف ترک کر کے خلیفہ موعودہ حضرت علی المرتضیٰؓ کی غیر مشروط اطاعت قبول کر لیتے۔“
(خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۴۷-۵۴۸)

”اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آخر تک حضرت علیؓ کی
خلافت تسلیم نہیں کی۔“ (حوالہ مذکور ص ۶۲)،

”حالانکہ آخری وقت تک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علیؓ کی اطاعت قبول
نہیں کی باوجود اس کے حضرت علیؓ نے مالشی کی تجویز قبول فرمائی۔“ (حوالہ مذکور ص ۶۷)،
”اور آخر وقت تک آپ کی خلافت تسلیم نہیں کی بلکہ خلیفہ موعود کی موجودگی میں اپنی جداگانہ
خلافت قائم کی ہے۔“ (حوالہ مذکور ص ۸۹)،

”اُب فرمائیے:

۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے پہلے حضرت معاویہؓ شام کے گورنر تھے۔ قرآن کے خلیفہ موعود حضرت علی المرتضیٰؓ نے ان کو معزول کیا لیکن آپ نے اطاعت نہ کی۔

۲۔ آیت استخلاف کے تحت صحیح انتخاب سے بحکم و رضائے خداوندی ”منصب نبوت“ پر فائز ہونے والے خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰؓ نے اپنی بیعت کا مطالبہ کیا تو حضرت معاویہؓ نے قاتلیں حضرت عثمانؓ کو ان کے سپرد کرنے اور قصاص لینے کی شرط پیش کر دی۔

۳۔ خلیفہ موعود کے انتخاب کو ہنگامی، عبوری، عارضی قرار دیتے ہوئے مطالبہ کیا کہ حضرت علیؓ خلافت سے دستبردار ہو جائیں اور دوبارہ انتخاب کرائے جائیں۔

۴۔ اللہ کے مقرر کردہ خلیفہ موعود حضرت علیؓ نے اللہ کی دی ہوئی خلافت راشدہ کی عظیم امانت کے تحفظ کے لیے آئندہ خطرات کے تحت اقدام کیا تو بجائے خلیفہ موعود کے سامنے ہتھیار ڈالنے کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے کھلے طور پر جنگ کی جس میں ہزار ہا مسلمان شہید ہوئے۔ یہ حقائق و واقعات ہیں جن کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اس میں طبری وغیرہ روایات کا سہارا لینے کی حاجت ہی نہیں۔

۵۔ آخر تک حضرت معاویہؓ نے خلیفہ موعود کی اطاعت نہیں کی۔ ان واقعات کے بعد بھی کوئی صاحب عقل و شعور انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت معاویہؓ مرکز کے تابع تھے نہ کہ آزاد۔ ایک صوبے کے گورنر کی حیثیت سے یہ بغاوت نہیں بلکہ اطاعت خلیفہ ہے تو پھر تسلیم کرنا پڑے گا کہ سرے سے بغاوت نام کی کوئی چیز دنیا میں موجود نہیں۔ (حوالہ مذکور ص ۴۸۱)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت کرتے کرتے قاضی صاحب نے حضرت علیؓ کو ”منصب نبوت“ پر بھی فائز کر دیا۔ فی اسفا! (ظاہر ہے کہ یہ ”کتابت“ کی غلطی ہے)

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ قاضی صاحب کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعلق تیسرے طبقے سے ہے جس سے رضائے الہی شرط ہے مگر وہ حضرت علیؓ کے ساتھ قتال نہ کرتے اور ان کی بیعت و اطاعت کر لیتے (جو از روئے نص قرآنی ان پر لازم تھی) تو وہ تیسرے طبقے میں شامل ہو کر ”رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ“ کا مصداق ہو سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے بجائے اطاعت و پیروی کے خلیفہ راشد کی مخالفت کے علاوہ ان کے ساتھ قتال بھی کیا لہذا شرط کے نہ پائے جانے سے وہ تیسرے طبقے سے بھی خارج ہو گئے۔ (العیاذ باللہ)

قاضی صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دفاع کا حق دینے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں بلکہ وہ انہیں بہر صورت خطا کار ماننا لازمی قرار دیتے ہیں اور اسے اہم عقیدہ سمجھتے ہیں حتیٰ کہ جو انہیں خطا کار نہ مانے تو وہ اسے نص قرآنی کا منکر قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

”بندہ نے اس کتاب میں مسلک اہل سنت والجماعت کے اثبات کے لیے ہی آیت تمکین اور آیت استخلاف پر بحث کی ہے اور قرآنی اور حدیثی دلائل کی بناء پر ہی ثابت کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی غلطی ماننے کے بغیر اور کوئی صحیح راہ نہیں ہے۔“ (خارجی فقہ جلد اول ص ۲۲۲)

قاضی صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطائے اجتہادی کو ”عقائد اہل سنت“ میں شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”مؤزروئے تحقیق متقدمین و متأخرین اہل سنت والجماعت مشاہیر اصحابہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطا کے قائل ہیں اور یہ عقیدہ عقائد اہل سنت میں شمار کیا جاتا ہے۔“ (کشف خاریجیت ص ۲۸)

قاضی صاحب نے ”وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ“ کے تحت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق اپنا موقف واضح طور پر پیش کر دیا ہے جسے کسی تاویل سے بھی صحیح نہیں قرار دیا جاسکتا۔ یہ موقف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو رضائے الہی سے محروم ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ قاضی صاحب کے ”ارشادات“ کے مطابق:

۱۔ حضرت معاویہؓ کے ساتھ اللہ کی رضا، مہاجرین و انصار کی اچھے طریقے سے پیروی کے ساتھ شریعت تھی۔

۲۔ حضرت معاویہؓ نے پیروی کے بجائے نہ صرف قوالاً و عملاً ڈٹ کر مخالفت کی بلکہ آخر وقت تک عدم اطاعت کے ساتھ ساتھ قتال بھی کیا۔

جب حضرت معاویہؓ نے خلیفہ راشد و موعود کے اہل سابقین اولین حضرت علیؓ کی ”اتباع باحسان“ کر کے رضائے الہی کی شرط آخر وقت تک پوری نہیں کی تو اس کا نتیجہ اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ آخر وقت تک بھی ”رَضِیَ اللہ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ“ کے مصداق نہیں بن سکے۔

إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

قاضی صاحب نے آیت استخلاف اور آیت تمکین کے تحت بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ”فصوص قرآنیہ“ کا مخالف ”ثابت“ کر دیا۔ ان کے نزدیک آیت ”استخلاف“ سے حضرت علیؓ کا خلیفہ

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

مولانا قاضی مظہر حسین

برحق ہونا ثابت ہوتا ہے جب کہ آیت ”اولی الامر“ ان کے حکم کو ”واجب التسلیم“ ہونا بتلاتی ہے۔ لہذا اگر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت مرتضویٰ کا انکار کیا تو یہ آیت ”استخلاف“ کی خلاف ورزی ہوئی اور اگر خلافت تسلیم کر کے حکم عدول کی تو یہ آیت ”اولی الامر“ کے خلاف ہوا۔ چنانچہ موصوف فرماتے ہیں کہ:

”اگر حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی خلافت کو ہی تسلیم نہیں کیا تو یہ گویا اللہ کے حکم کی مخالفت ہے اور خلیفہ مان کر ان کا وہ حکم تسلیم نہیں کیا جو خلاف حکم خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ تھا تو یہ بھی آیت اولی الامر کے خلاف ہے..... اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آخر تک حضرت علیؓ کی خلافت تسلیم نہیں کی۔“ (جو آیت استخلاف کا انکار ہے) (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۶۲-۶۱)

قاضی صاحب اپنے ایک دوسرے جوابی مضمون میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صریح ”توہین و تفسیق“ کا ارتکاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

”میرے پیش کردہ مذکورہ موقف پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ مولانا ابوریحان صاحب نے تو اجتہادی صواب و خطا کے حتمی اور یقینی ہونے پر یہ قید لگائی ہے کہ ان کا یقینی ہونا کسی نص سے ثابت ہو جائے اور حضرت علی المرتضیٰ کے صواب اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطا کے ثابت کرنے کے لیے کون سی نص پائی جاتی ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ سورۃ النور کی آیت استخلاف اور سورۃ الحج کی آیت تمکین سے خلفاء اربعہ کا موعودہ خلفائے راشدین ہونا ثابت ہوتا ہے۔

چنانچہ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ آیت استخلاف کے تحت لکھتے ہیں:

خطاب فرمایا حضرت کے وقت کے لوگوں کو جو ان میں نیک ہیں، پیچھے ان کو حکومت دے گا اور جو دین پسند ہے ان کے ہاتھ سے قائم کرے گا اور وہ ہندگی کریں گے بغیر شرک۔

یہ چاروں خلیفوں سے ہوا۔ پہلے خلیفوں سے اور زیادہ پھر جو کوئی اس نعت کی ہاشمیری کرے ان کو بے حکم (فاسق) فرمایا۔ جو کوئی ان کی خلافت کا منکر ہو اس کا حال سمجھا گیا (وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ)

حضرت دہلوی نے واضح فرمادیا کہ جو کوئی ان چاروں خلفاء کی خلافت کا منکر ہو وہ بے حکم یعنی ہامان ہے۔

اب فرمائیے کہ کیا حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت علی المرتضیٰ کے ساتھ جنگ نہیں کی۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین مولانا قاضی مظہر حسین

(اس طرح قاضی صاحب نے محقق اہل سنت مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی نور اللہ مرقدہ کے سوال کے جواب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطا ”نفس“ سے ثابت کر دی۔ معلوم نہیں کہ جو خطا ”نفس“ سے ثابت ہو تو اسے ”خطائے اجتہادی“ کیونکر قرار دیا جاسکتا ہے؟)۔۔۔
مولانا لکھنوی فرماتے ہیں کہ ”قرآن شریف پر ایمان رکھنے والوں کا فرض ہے کہ ان چاروں کو خلیفہ راشد مانیں۔۔۔“

لیکن حضرت امیر معاویہؓ نے تو حضرت علی المرتضیٰؓ کو اپنا خلیفہ تسلیم نہیں کیا۔۔۔ اور پھر آیت ”وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ“ کے تحت انہوں (مولانا سندیلوی) نے یہ بھی صحیح فرمایا ہے کہ ”خلفائے راشدین کی خلافت کی حقانیت وصحت کا جو منکر ہو وہ فاسق ہے۔ ان حضرات میں سب سے پہلے خلیفہ صدیق اکبرؓ ہیں ان کی خلافت کی حقانیت کا منکر بھی فاسق اور مستوجب عذاب آخرت ہے۔ یہ ان کی خلافت کے حق ہونے کا اعلان ہے اور ان کے مخالفین کے لیے تہدید ہے۔ ظاہر ہے کہ شیعہ ہی ان کی خلافت کے منکر ہیں۔

بے شک شیعہ پہلے تین موعودہ خلفائے راشدین کی خلافت راشدہ کے منکر ہیں اور ان پر اللہ تعالیٰ کی مذکورہ وعید (وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ) صادق آتی ہے۔

لیکن حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت راشدہ موعودہ کے بھی منکر ہیں اور وہ خارجی ہیں اور ان پر بھی اللہ تعالیٰ کی مذکورہ وعید صادق آتی ہے۔ لیکن اگر کوئی شیعہ یہ اعتراض کرے کہ حضرت امیر معاویہؓ بھی تو حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت کے منکر تھے بلکہ انہوں نے تو حضرت علی المرتضیٰؓ سے جنگ بھی لڑی ہے اور آخر تک آپ کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا۔ بلکہ حضرت علیؓ کے دور خلافت راشدہ میں ہی انہوں نے اپنی خلافت کے لیے بیعت شروع کر دی تھی تو کیا ان پر اللہ تعالیٰ کی مذکورہ وعید صادق نہیں آئی گی؟

تو مولانا ابوریحان اور مفتی عبدالسلام صاحب چانگانی کے پاس اس کا کیا جواب ہے اور آپ آیت اختلاف اور آیت تحکیم کی روشنی میں حضرت امیر معاویہؓ کا کیونکر دفاع کریں گے؟“ (ماہنامہ حق چابار سارچہ، اپریل ۱۹۹۳، نقطہ نمبر ۱۳، مشاجرات صحابہؓ اور اہل اعتدال جلد دوم ص ۲۶۴ تا ۲۶۵، شاعت نومبر ۲۰۱۳ء)
مولانا عبدالقدوس ترمذی اپنے والد مفتی عبدالشکور ترمذی کے حکم پر مولانا قاضی شمس الدین صاحبؒ کے نام اپنے خط میں قاضی صاحب کی حضرات حکمیدینؒ سے متعلق ”عبارت“ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”احقر کے فہم ناقص میں تو حضرت قاضی مظہر حسین صاحب ”مدظلہ“ (کمپوزنگ کی غلطی کی وجہ

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

مولانا قاضی مظہر حسین

سے ”مدظلیم“ کو ”مدظلم“ لکھ دیا گیا ہے۔ از مؤلف) نے جا بجا اپنی تحریرات میں اسی مسلک حق کو پیش فرمایا ہے اور جناب نے ان کی جو عبارت حکمیں مکررین کے بارے میں نقل فرمائی تھی حضرت موصوف اس کو بھی صورتاً ہی معصیت قرار دے رہے ہیں ورنہ خطا اجتہادی کی وجہاً بات صریح فرما چکے ہیں۔

لیکن چونکہ بظاہر الفاظ سخت ہیں اس لیے ان کو آئندہ ایڈیشن میں میدہے کہ بدل دیا جائے گا۔“
قاضی مظہر حسین صاحب مولانا عبدالقدوس ترمذی کی اس ”تجویز“ کے جواب میں زیر عنوان ”عبارت بدلنے کی ضرورت نہیں“ فرماتے ہیں کہ:

”ان (مولانا سندیلوی) ہی کے طرز استدلال سے میں نے حضرت علی المرتضیٰؑ کی موعودہ خلافت راشدہ ثابت کی ہے اور ان کو انرا ام دیا ہے کہ جب ان کے استدلال کے پیش نظر حضرت علی المرتضیٰؑ کی خلافت بھی گویا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی قائم ہوئی تھی تو پھر حضرت علیؑ کو عزول کرنے کا فیصلہ بھی (بظاہر) اللہ تعالیٰ کے امر اور وعدہ کے خلاف ہی ہوگا۔

اگر میں گناہ اور افرامانی وغیرہ کے الفاظ کی جگہ اجتہادی خطا کے الفاظ لکھتا تو حضرت علیؑ کی موعودہ خلافت راشدہ کا جو مقام ہے وہ محفوظ نہ رہ سکتا کیونکہ اجتہادی خطا تو حق کے دائرہ میں ہی ہوتی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا کہ حضرت علیؑ کو عزول کرنا بھی حق کے دائرہ ہی میں تھا تو پھر اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت انعتا و خلافت راشدہ کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟

گویا کہ موعودہ خلافت کو مانویا انکار کرو، خلفاء راشدین کی اتباع کرو یا مخالفت معمولی بات ہے اس لیے مولانا سندیلوی پر تمام حجت کے لیے تو وہاں افرامانی اور گناہ کے الفاظ ہی استعمال کیے جاسکتے تھے لیکن مراد میری بھی یہی تھی کہ یہ صورتاً افرامانی اور گناہ تھا ورنہ یہ اجتہادی خطا تھی جس پر حکمیں کو بھی ایک درجہ اجر ملے گا۔ چنانچہ حصلاً ہی میں نے ان الفاظ موعودہ کی مراد بیان کر دی تھی۔ یہ نہیں کی (کہ) خارجی فتنہ احمد اول کی اشاعت کے بعد جب اعتراض ہوا تو میں نے اپنی مراد کی وضاحت کی۔

لہذا عبارت تبدیل کرنے کی کسی طرح بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ان الفاظ سے میری مراد حقیقتاً افرامانی اور گناہ ہے اور اس سے ان جلیل القدر صحابہؓ ہی تنقیص یوہن ہوتی ہے تو میری ہزار بار نہیں لاکھ بار تو بہ ہے۔“ (مشاجرات صحابہؓ اور راہ اعتدال جلد اول ص ۲۸۴-۲۸۶)

چونکہ قاضی صاحب نے اپنی ”مراد“ کی وضاحت خود ہی فرمادی ہے کہ ان توہین آمیز الفاظ سے ان کی مراد ”صورتاً“ افرامانی اور گناہ ہے نہ کہ حقیقتاً اس لیے نہ تو کسی طرح عبارت تبدیل

کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی ہزار یا لاکھ بار توبہ کرنے کی۔

اگر موصوف کی ”مراد“ پر بھی ”اعتبار“ کر کے اسے ”صورتنا“، ”ما فرمائی“ اور گناہ قرار دے دیا جائے تو پھر بھی قاضی صاحب پر ”توہین صحابہ“ کا الزام ثابت ہو جائے گا کیونکہ توہین آمیز کلمات میں قائل کی ”مراد“ کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ عرف اور تبادر کا اعتبار ہوتا ہے۔ نیز صریح الدلالات الفاظ جو توہین و تنقیص اور بے ادبی و گستاخی پر دلالت کریں ان میں نہ تو کسی قسم کی توجیہ و تاویل کی ضرورت ہے اور نہ ہی ”مراد متکلم“ نہ ہونے والا کوئی عذر قائل قبول ہے۔

مولانا شاہ اسماعیل شہید فرماتے ہیں کہ:

”یہ بات محض بے جا ہے کہ ظاہر میں لفظ بے ادبی کا بولے اور اس سے کچھ اور معنی مراد لے۔“ (تقویۃ الایمان ص ۸۰۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

مولانا رشید احمد گنگوہی ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

”یہ الفاظ قبیحہ بولنے والا اگرچہ معانی حقیرہ مراد میں رکھتا معنی مجازی مقصود لیتا ہے مگر تاہم ایہام گستاخی و ابانت و اذیت ذات پاک حق تعالیٰ شانہ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی نہیں۔ یہی سبب ہے کہ حق تعالیٰ نے لفظ ”راعنا“ بولنے سے صحابہ کو منع فرمایا اور ”افظرتنا“ کا لفظ عرض کرنا ارشاد کیا۔ حالانکہ مقصود صحابہ معاذ اللہ ہرگز وہ معنی کہ یہودیہ لیتے تھے، نہ تھے مگر ذریعہ شوفی یہود کا اور موبہم اذیت و گستاخی جناب رسالت کا تھا لہذا حکم ہوا ”لا تقولوا راعنا و قولوا انظرونا... الخ“ اور علیٰ ہذا، حضرات صحابہ کا پکار کر بولنا مجلس شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں ہرگز بوجہ اذیت و گستاخی معاذ اللہ نہ تھا بلکہ حسب عادت و طبع تھا مگر چونکہ اذیت و بے اعتنائی شان والا کا اس میں ایہام تھا کہ یہ حکم ہوا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ

كجہر بعضکم لبعض ان تحيط أعمالکم وانتم لا تعلمون“

کیا صاف حکم ہے کہ اگرچہ تمہارا قصہ گستاخی نہیں مگر اس فعل سے ”جہر اعمال“ تمہارے ہو جائیں گے اور تم کو خبر بھی نہ ہوگی۔ اور ایسا ہی حدیث میں ”تکلی بکلیۃ ابوالقاسم“ آپ کی حیات شریف میں منع ہو گئی تھی۔ بوجہ اذیت ذات سرور عالم کے۔ کوئی کسی کو اگر پکارے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سمجھ کر کہ مجھ کو ندا کرتا ہے التفات فرمائیں گے۔ حالانکہ منادی ہرگز اذیت جناب سرور کائنات کا ارادہ نہ کرتا تھا۔

اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ اشعث بن قیس کندی جب آئے تو انہوں نے عرض کیا کہ

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

مولانا قاضی مظہر حسین

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: کیا آپ ہم میں سے نہیں ہیں؟ اور یہ عرض والغیب عند اللہ بایں وجہ تھی کہ سب عرب از قریش تا کندہ بنو اسماعیل ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہماری ماؤں کو تہمت زنا مستلگا اور ہمارے نسب کی نفی ہمارے باپوں سے مت کر اور ہم اولاد نظر ہیں۔ دیکھو کہ اس لفظ میں لفظ ایہام بعید کو کس قدر نفی کر کے نہیں فرمایا اور ادب کلام کا تقین فرمایا۔

وعلیٰ ہذا ”حبشت نفسی“ کو منع فرمایا اور ”تلقست نفسی“ کی اجازت دی کہ وہ بظاہر سخت لفظ ہے گو معنی ایک ہے۔

الحاصل ان الفاظ میں گستاخی اذیت ظاہرہ ہے پس ان الفاظ کو بلکہ کفر ہوگا.....

پس ان کلمات کفر کو بکنے والے کو منع کرنا شدید چاہیے اور مقدور ہو تو اگر باز نہ آوے قتل کرنا چاہیے کہ موذی و گستاخ شان جناب کبریا و تعالیٰ شانہ اور اس کے رسول امین کا ہے۔

(تالیفات رشیدیہ ص ۶۸۷-۶۸۸ تحت ”لظائف رشیدیہ“)

قاضی صاحب ایک طرف تو مولانا سندیلوی پر اتمام حجت کی خاطر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو موسیٰ اشعرئ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کو لخصوص قرآنہ کا مخالف گردانتے ہوئے ان کے لیے ”معصیت، مافرمانی اور گناہ“ کے الفاظ استعمال کر کے ان سے ”خطائے اجتہادی“ مراد لیتے ہیں جب کہ دوسری طرف بڑے دھڑلے کے ساتھ فرماتے ہیں کہ:

”مگر میں گناہ اور مافرمانی وغیرہ کے الفاظ کی جگہ اجتہادی خطائے الفاظ لکھتا تو حضرت علیؓ کی موعودہ خلافت راشدہ کا جو مقام ہے وہ محفوظ نہ رہ سکتا۔ کیونکہ اجتہادی خطا تو حق کے دائرہ میں ہی ہوتی ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا کہ حضرت علیؓ کو معزول کرنا بھی حق کے دائرہ میں ہی تھا تو پھر اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت اعتقاد خلافت راشدہ کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی؟ گویا کہ موعودہ خلافت راشدہ کو مانویا انکار کرو، خلفائے راشدین کی اتباع کرو یا مخالفت، معمولی بات ہے۔“

اس ”وضاحت“ میں تو قاضی صاحب نے صاف طور پر اپنی ”مراد“ واضح کر دی کہ اگر میں ”خطائے اجتہادی“ کے الفاظ استعمال کرتا تو تارمین ان جلیل القدر صحابہ کرامؓ کو بھی ”حق کے دائرے میں ہی شامل سمجھتے جس سے حضرت علیؓ کی خلافت راشدہ کا تحفظ نہیں ہو سکتا تھا اس لیے میں نے تارمین کو غلط فہمی سے نکالنے کے لیے ”خطائے اجتہادی“ کی جگہ ”گناہ اور مافرمانی وغیرہ“ کے الفاظ لکھے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ”گناہ اور مافرمانی وغیرہ“ کے الفاظ حق کے دائرہ میں نہیں آتے تو پھر ان سے ”خطائے اجتہادی“ کیونکر مراد لی جاسکتی ہے؟

نختِ تعجب ہے کہ قاضی صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حکمینی مکرمین کو ”انصوص قرآنیہ و حدیثیہ اور حکم الہی کا مخالف“ گردانتے ہوئے ”بناوت، جور، تصور، گناہا، فرمانی، معصیت، ازروئے نفس قرآنی درحقیقت بالکل ناجائز جمعی متجاوز عن الحد و موبہم بلکہ موجب توہین و تنقیص“ تعبیرات کو کبھی ”مصورنا و الزاما“ کا نام دیتے ہیں اور کبھی ان سے خطائے اجتہادی مراد لے کر انہیں ”یک کونہا جز“ بھی دلاوا دیتے ہیں۔

قاضی صاحب کی تصانیف اور مضامین و مقالات کے سرسری مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی غلطیاں ثابت کرنے اور دوسروں سے بھی ذمہ دینی منوانے میں بڑا ”لطف“ آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو جہاں کہیں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جلالیت قدر کی تنقیص کے لیے کوئی بات مل جاتی ہے تو وہ اس سے ضرور فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ موصوف نے امام ابن تیمیہ کی ایک عبارت کی بناء پر تابعی حضرت عمر بن عبد العزیز کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی پر ”جزوی فضیلت“ دے دی۔ امام ابن تیمیہ کی عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

جلیل القدر صحابی ہونے کی وجہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر بن عبد العزیز پر یقیناً فضیلت حاصل ہے لیکن اس کے باوجود امام ابن تیمیہ یہ بھی لکھ رہے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے عدل اور زہد میں بڑھے ہوئے ہیں۔ اس کو جزوی فضیلت کہتے ہیں۔ لیکن مولانا محمد اسحاق سندیلوی اتنے غالی ہیں کہ وہ خطائے اجتہادی کی نسبت بھی یہ داشت نہیں کرتے حالانکہ اہل سنت کے عقیدہ میں معصوم انبیاء کرام سے بھی زات (الغرض) کا صدور ہو جاتا ہے۔ (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۰۰)

معلوم نہیں کہ قاضی صاحب نے کس ”جذبے“ کے تحت یہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر حضرت عمر بن عبد العزیز کی جزوی فضیلت اور انبیاء کرام سے صدور زات زیر بحث لا کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطائے اجتہادی کا تذکرہ فرمایا ہے؟ حالانکہ امام ابن تیمیہ نے یہاں صحیحی ”خطائے و صواب“ سے متعلق کوئی ادنیٰ سا اشارہ تو درکنار انحضرت عمر بن عبد العزیز پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت کی ہے کہ بعض سلف سے منقول ہے کہ ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (جہاد میں) جو غبار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خاک میں پڑا ہے وہ بھی عمر بن عبد العزیز کے عمل سے افضل ہے۔“ (منہاج النبیہ جلد ۲ ص ۱۸۳)

قاضی مظہر حسین صاحب ایک تابعی کو ایک جلیل القدر صحابی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

..... کیونکہ حسب وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت علی المرتضیٰ کو خلیفہ مقرر کرنے کے بعد ان کو معزول کرنا اختیافی و اجتہادی مسئلہ نہیں رہتا بلکہ ان کو معزول کرنا حکم خداوندی کے خلاف قرار پاتا ہے۔ (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۴۵۵، ۴۵۸)

”یہ دونوں فیصلے آیت استخلاف کے خلاف ہیں بلکہ ان کو معزول کرنا حکم خداوندی کے خلاف قرار پاتا ہے۔ حضرت علیؓ کو معزول کرنا برگز جاز نہیں تھا بلکہ گناہ تھا اس لیے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ خلیفہ کو معزول کرنا یقیناً سخت مافرمانی ہے۔“ (دفاع حضرت معاویہؓ ص ۲۷)

موصوف ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

”سندیلوی صاحب مثل خلفائے ثلاثہ کے حضرت علی المرتضیٰ کو بھی آیت استخلاف اور آیت حکمین کا مصادق ہونا تسلیم کر چکے ہیں اب ان کے لیے یہ نظریہ اختیار کرنا جائز نہیں ہے کہ حضرت علیؓ کو معزول کرنا اجتہاد سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ نص کے بعد اجتہاد کی گنجائش نہیں رہتی۔“ (دفاع حضرت معاویہؓ ص ۲۵)

یہاں تو قاضی صاحب نے ”نص کے بعد اجتہاد کی گنجائش ہی ختم کر دی ہے لیکن ایک دوسرے مقام پر ”گنجائش“ نکالنے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

”لیکن نص قرآنی کے مقابلہ میں ان کی اجتہادی خطا ماننے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔“ (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۹۰)

سوال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ خلیفہ حضرت علیؓ کو معزول کرنا گناہ، سخت مافرمانی اور حکم الہی کے خلاف تھا تو پھر حکمین کے فیصلے کو اجتہادی خطا کا نام کیوں کر دیا جاسکتا ہے؟

موصوف کی یہ عجیب تضاد یہانی ہے کہ وہ ایک طرف حضرت علیؓ کی خلافت کو ”قرآنی نص“ قرار دیتے ہوئے اس کے مقابلے میں اجتہاد کی گنجائش کا سرے سے انکار کرتے ہیں اور کبھی قرآنی نص کے مقابلے میں اجتہاد کو جائز تسلیم کر لیتے ہیں۔

پھر جوش میں آکر نہ صرف حکمین (حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ) کو حدیث ”ضلاً و ضلّ من اتبعہما“ کی رو سے ”گمراہ“ قرار دیتے ہیں بلکہ ان کی پیروی کرنے والوں کو بھی اسی ”اعزاز“ سے نوازتے ہیں۔ حالانکہ حکمین حضرت علیؓ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے نمائندے تھے اور ان کی پیروی بھی ان دونوں بزرگوں اور ان کے تبعین جملہ صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام نے کی۔ بقول قاضی صاحب حکمین خود بھی گمراہ ہوئے اور ان کی پیروی کرنے والے بھی گمراہ ہوئے۔ اس طرح صرف خوارج کا گروہ باقی رہ گیا ہے جسے ”بدایت یا فتنہ“

کہا جاسکتا ہے کیونکہ اس نے حکمین کی پیروی نہیں کی تھی۔

حضرت قاضی صاحب کی کتاب خارجی فتنہ حصہ اول ۱۹۸۲ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منصف شہود پر آئی ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے موصوف نے ۱۹۷۶ء میں مولانا مودودی کی تائید میں لکھی جانے والی کتاب ”مولانا مودودی پر اعتراضات کا علمی جائزہ“ مؤلفہ مفتی محمد یوسف (مدرس جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک) کے جواب میں ”مفتی محمد یوسف صاحب کے علمی جائزہ کا علمی محاسبہ“ کے نام سے ایک کتاب تحریر فرمائی ہے جس میں حضرات حکمین اور حضرت علیؑ کی معزولی سے متعلق خارجی فتنے والا انداز، نہیں پایا جاتا۔ چنانچہ موصوف لکھتے ہیں کہ:

”خو حضرت علیؑ کے طرز عمل سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے باغی ہونے کا وہی حکم تھا جو مجتہد خطا کرنے والے کا ہوتا ہے۔ کیونکہ آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فریقین کی طرف سے ایک ایک ٹکڑم (ٹالٹ) مقرر کرنے کی تجویز قبول کر لی تھی جس کی بناء پر حضرت علیؑ کی طرف سے حضرت ابوموسیٰ اشعرئ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت عمرو بن العاصؓ ٹالٹ مقرر کیے گئے تھے۔

اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس معنی میں باغی ہوتے جس معنی میں مودودی گروہ منوانا چاہتا ہے یعنی بالکل باطل پر ہوتے تو حضرت علیؑ کے لیے حکمین کی تجویز قبول کرنا جائز تھا۔۔۔

لیکن حضرت علیؑ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مساوی درجہ دے کر اپنا معاملہ ٹالٹوں کے سپرد کر دیا اور لطف یہ ہے کہ ہر دو ٹالٹوں نے اپنے فیصلہ میں حضرت علیؑ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کو معزول کر دیا تھا۔ حالانکہ اگر حضرت علیؑ کو قطعاً حق پر سمجھا جاتا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو باطل پر تو پھر خلیفہ حق کو معزول کرنا کیونکر جائز ہو سکتا تھا؟ اور یہ سوائے مودودی صاحب کے اور دشمنان صحابہ کے کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ صحابہ کے دونوں گروہوں نے اپنے میں سے جن دو جلیل القدر صحابہ یعنی ابوموسیٰ اشعرئ اور عمرو بن العاصؓ کو ٹکڑم تسلیم کیا تھا وہ احکام شریعت کو نہیں سمجھتے تھے یا دیدہ و دانستہ انہوں نے شریعت کی مخالفت کی۔

پس ٹالٹوں کے تقرر سے ثابت ہو گیا کہ حضرت معاویہؓ کا حضرت علیؑ سے اختلاف و نزاع جہت شرعی کی بناء پر اجتہادی تھا اور گواہ اجتہاد میں حضرت معاویہؓ سے خطا ہوئی مگر اس پر بھی حسب رشاہت نبویؐ آپ کو ایک اجر مل جائے گا خواہ مودودی صاحبان اس کو مانیں یا نہ مانیں۔ واللہ العبادی۔“ (علمی محاسبہ ص ۱۴۱-۱۴۲)

علمی محاسبہ کے مذکورہ اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ خارجی فتنہ کی تالیف کے دوران میں موصوف

کائنات پر نظر تبدیل ہو گیا تھا۔ اسی لیے حکمینہؓ کے فیصلہ کو حکم الہی اور قرآن کے خلاف قرار دیتے ہوئے کہا کہ: اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ خلیفہ حضرت علیؓ کو معزول کرنا یقیناً سخت مافرمانی، گناہ اور ہرگز ہرگز جائز نہیں تھا بلکہ حکمین ضال اور مضل تھے (العیاذ باللہ)

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ حضرت علیؓ کے ہم عصر اور مجتہد تھے، انہیں ان سے اختلاف کرنے کا حق حاصل تھا اور انہیں عزل و نصب کا بھی اختیار تھا جب کہ بعد کے حضرات کو ان میں سے کوئی چیز بھی حاصل نہیں ہے۔ حضرات حکمینہؓ جلیل القدر صحابہؓ تھے، وہ آیت استخلاف و آیت تمکین کے مصداق اور احکام شریعت سے یقیناً بعد کے علمائے امت سے زیادہ آگاہ تھے لہذا ان کے فیصلے کو سخت مافرمانی، گناہ اور ناجائز کہنا نیز انہیں ضال اور مضل کہنا اور انہیں قرآن کا مخالف بتانا ”یقیناً سخت مافرمانی، سراسر ناجائز، گناہ اور صحابہ کرامؓ کی شدید ترین توہین ہے۔“

حضرت قاضی صاحب خود بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ: ”یہ صحیح ہے کہ صحابہ کرامؓ آپس میں اس قسم کے اختلاف کا حق رکھتے تھے لیکن یہ اس بناء پر تھا کہ اس وقت تو قطعی طور پر معلوم نہ تھا کہ حضرت علی المرتضیٰؓ ہی قرآن کے خلیفہ راشد ہیں۔ فرمایے! اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس وقت یہ یقین ہو جاتا تو کیا پھر بھی وہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے معزول ہونے کا مطالبہ کر سکتے تھے؟ ہرگز نہیں۔ وہ معذور تھے۔“ (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۲۲)

”البتہ حضرت معاویہؓ ہوں یا حکمین یعنی حضرت ابو موسیٰ اشعرؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ یا دوسرے صحابہؓ ان کے لیے یہ اجتہادی مسئلہ تھا کیونکہ اس وقت یہ کسی کو معلوم نہ تھا کہ آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق حضرت علی المرتضیٰؓ ہیں۔“ (وفاء حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ص ۲۵)

سوال یہ ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرامؓ بالخصوص حضرات حکمینہؓ میں سے کسی کو بھی یہ معلوم نہ تھا کہ حضرت علیؓ آیت استخلاف اور آیت تمکین کے مصداق ہیں تو پھر انہیں ضال اور مضل، سخت مافرمانی، گناہ گار اور حکم الہی اور قرآن کا مخالف کیوں قرار دیا گیا؟

اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو نص قرآنی کا مخالف، باغی، خاطی اور ان کے موقف کو غلط کہہ کر ان کی شدید ترین توہین و تنقیص کیوں کی گئی؟

قاضی صاحب اور جناب مودودی صاحب میں کیا فرق باقی رہ گیا ہے؟ مودودی صاحب بھی تو قاضی صاحب کی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے شرف صحابیت اور ان کے مجدد و مناقب کے قائل تھے جس پر گرفت کرتے ہوئے قاضی صاحب نے لکھا تھا کہ:

”خدا جانے مودودی صاحب کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مجدد و مناقب ماننے کی کیا

ضرورت پیش آئی ہے؟ کوئی ان سے پوچھے کہ جن حضرات معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ یہ لکھ رہے ہیں کہ انہوں نے سیاسی اغراض کے لیے کتاب وسنت کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی اور زیادہ جیسے فوجی لیڈر کو اپنا بھائی بنانے کے لیے لعوناً باللہ اپنے والد ماجد کی زنا کاری کو ثابت کیا اور حضرت علیؓ پر خطبہ جمعہ میں منبر رسولؐ پر گالیوں کی بوچھاڑ کرتے رہے وغیرہ۔ تو اب شرف صحابیت کے احترام کا کیا مطلب؟ اور وہ صاحب محامد و مناقب اور دنیا میں اسلام کے غلبے کا دائرہ وسیع کرنے والے کیسے بن گئے؟ کیا یہ تقیہ بازی کی بدترین مثال نہیں ہے؟“ (مودودی مذہب ص ۸۳)

اگر اسی طرح کا ”بدیہ“ جناب قاضی صاحب کی نذر کر دیا جائے تو کیا اسے توہین تو نہیں سمجھا جائے گا؟

کوئی پوچھے کہ جن حکمینؓ کے متعلق آپ یہ لکھ رہے ہیں کہ ان کے فیصلے آیت استخلاف کے خلاف ہیں، ان کا فیصلہ حکم خداوندی کے خلاف قرار پاتا ہے، حکمینؓ کا انہیں معزول کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں تھا بلکہ گناہ تھا، انہوں نے یقیناً سخت مافرمائی کا ارتکاب کیا ہے، وہ گمراہ ہوئے اور ان کی پیروی کرنے والے بھی یقیناً گمراہ ہوئے تو اب شرف صحابیت کا کیا مطلب؟ اور وہ صاحب بقول آپ کے فاتح مصر اور حسن امت کیسے بن گئے؟ ایک خاظمی، باغی، محارب علیؓ اور مخالف قرآن کو ”باوی و مہدی“ کیونکر کہا جاسکتا ہے؟ کیا یہ سب تقیہ بازی کی بدترین مثال نہیں ہے؟

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قاضی مظہر حسین صاحب کے موقف پر ابن امیر شریعت قاطع رافضیت و قادیانیت، پیکر حمیت سید عطاء الحسنی شاہ بخاری کا حسب ذیل اقتباس بدیہ قارئین کو دیا جائے:

”میری یہ تھمی جنگ تو صحابہ کے لیے ہے۔ مظہر حسین صاحب نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، سیدنا عمرو بن العاصؓ، سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ، سیدنا ابوموسیٰ اشعرؓ، سیدنا طلحہؓ، سیدنا زبیرؓ اور تمام معاونین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ورج ذیل تمغوں سے نوازا ہے اور آں جناب کو اس پر اپنے حق پر ہونے کا دعویٰ بھی ہے، میں نے اس پر گرفت کی ہے۔ ملاحظہ ہو:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ۱۔ باغی تھے ۲۔ خطا کار تھے ۳۔ کم علم تھے ۴۔ قرآنی نصوص ان کے پیش نظر نہ تھیں ۵۔ ان کا اجتہاد غلط تھا ۶۔ حضرت علیؓ کو معزول کرنے والے گناہ گار تھے ۷۔ یقیناً سخت مافرمایاں تھے ۸۔ باطل پر تھے ۹۔ ظالم بادشاہ تھے ۱۰۔ فاسق تھے (دفاع معاویہ رضی اللہ عنہ ص ۲۲ سے ص ۵۴ تک یہ مظہرات حسینی بکھرے ہوئے ہیں)

میں پوچھتا ہوں اگر یہ حق ہے تو پھر باطل کیا ہے؟ ان گالیوں کے بعد جناب مظہر حسین کو اگر کسی برے لفظ سے نہ بھی یاد کیا جائے بلکہ یہی ہفوات ان کے نام منتقل کر دی جائیں تو نا راضی

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقلدین

مولانا قاضی مظہر حسین

کیسی؟ میں کہتا ہوں اگر مظہر حسین صاحب کے اس غلیظ اور بدبودار مسلک کا ”رائحہ غلیظہ“ ماضی میں بھی کہیں پایا جاتا ہے اور انہوں نے بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے معاونین کو ان ہی گندے الفاظ سے یاد کیا ہے تو میں بلا جھجک لکھتا ہوں جناب مظہر حسین، ان کے تمام چیلے اور ماضی کے وہ تمام لوگ جنہوں نے حضرات صحابہ کرامؓ کو مذکورہ بالا دشنام دی ہیں میرے نزدیک... باغی، فاسق، ظالم، گناہگار، بدترین مفرمان، بے علم، خطاکار، قرآن ناشناس ہیں۔

جب تک مظہر حسین صاحب اور ان کے چیلے معافی نہیں مانگتے، اس مسلک مردود سے تائب نہیں ہوتے میں ان تمام لوگوں کو ان ہی ”اسماء صفات“ سے پکارتا رہوں گا۔ اگر صحابہؓ کو ان گندے لفظوں کا مستحق سمجھا جاسکتا ہے تو انہیں کیوں ان صفاتِ رذیلہ کا اہل نہ سمجھا جائے۔ صحابہؓ کو برا کہنے کے باوجود یہ اہل حق ہیں تو میں اور میرا حلقہ ان غمیوں کو برا کہنے سے کیونکر اہل سنت سے خارج ہو جائیں گے؟ (ماہنامہ نقیب شتم نبوت ملتان ص ۹۔ جون ۱۹۹۰ء)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں قاضی صاحب کے سراسر توہین و تنقیص پر مبنی مذکورہ کلمات کو ”اذا ذکر أصحابی فأمسکوا، إنا کم وما شجر بین أصحابی، أکرموا أصحابی، ذکر بالخیر اور کف لسان“ کے حکم کی تعمیل ہرگز قرار نہیں دیا جاسکتا اور نہ ہی ان کلمات سے ”خطائے اجتہادی“ مراد لی جاسکتی ہے۔

اگر بفرض محال ان کلمات سے خطائے اجتہادی مراد لینے کی کوئی صورت نکل بھی سکتی ہو تو پھر بھی ان کے ”طرز استدلال“ اور ”چارحانہ انداز“ سے توہین و تنقیص محض ”تبیہتی ہی نہیں بلکہ پھمکتی بھی ہے۔“ ”چارحانہ انداز“ کے علاوہ موصوف نے مشاجرات صحابہ کے بارے میں ”شرعی حکم“ سے واضح طور پر تجاوز کرتے ہوئے بلا مبالغہ سینکڑوں مرتبہ نہایت ہی ”دھڑلے“ اور پورے ”تیقن“ کے ساتھ موقع بے موقع اور محل بے محل، بہنکار و بکثرت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطائے اجتہادی کی تصریح کی ہے۔ ”حق چارپار“ کے بے شمار شاروں کے علاوہ ”عقیدہ خلافت راشدہ اور امامت، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماوان حامی غائی گروہ، وفاء حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، خارجی فتنہ جلد اول و دوم، کشف خارجیت اور سبائی فتنہ پر ایک نظر، جیسی کتب اور مضامین اس کا واضح ثبوت ہیں۔

اہل سنت کے نزدیک اصول یہ ہے کہ ہر مجتہد کے اجتہاد میں ”خطا و صواب“ دونوں کا احتمال ہوتا ہے یعنی ”صواب محتمل الخطا“ اور ”خطا محتمل الصواب“۔ لہذا کسی مجتہد کی طرف قطعی اور یقینی طور پر خطا و صواب کی نسبت نہیں کی جاسکتی۔ خود قاضی صاحب بھی اپنی کتاب میں یہی اصول بحوالہ قرطبی، ابن حزم، ابن حجر مکی اور شاہ ولی اللہ لکھ چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو خارجی فتنہ جلد اول ص ۲۹۶، ۳۰۱

۳۷۶۔ بلکہ موصوف نے تو حضرت علیؑ کا نام لے کر یہ اقرار کیا ہے کہ:
”جو حضرات علی المرتضیٰ کو حق و صواب پر قرار دیتے ہیں وہ بھی ظن غالب کی بناء پر نہ کہ قطعیت کی وجہ سے۔“ (فارسی تہذیب جلد اول ص ۳۰۲)

جب کہ قاضی صاحب کے والد گرامی جناب قاضی محمد کرم الدین دہلوی تو مشاجرات میں حضرت علیؑ کی طرف ”خطائے اجتہادی“ کی نسبت کر چکے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:
”حقیقت یہ ہے کہ یہ جنگ وجدل طرفین کی کسی بد نیتی پر مبنی نہ تھا بلکہ ہر دو فریق کی اجتہادی غلطی تھی۔ حضرت عائشہؓ اور ان کے طرفدار حضرت عثمانؓ کا قصاص لینے کے لیے ان کے قاتلین کو امیر علیہ السلام سے مانگتے تھے۔ جناب امیر علیہ السلام ان کے شرف و فساد کے اندیشہ سے ان کو حوالہ نہ کر سکے۔ دوسری طرف سے سمجھا گیا کہ قتل عثمانؓ میں آپ کا بھی کچھ ہاتھ ہو گا حالانکہ امیر علیہ السلام اس الزام سے پاک تھے جس کا اظہار بار بار آپ بذریعہ خطوط و خطبات کرتے رہے۔

اسی طرح جناب امیر علیہ السلام اور ان کے معاونین نے خیال کیا کہ دوسرا فریق خلیفہ سے باغی ہو کر جنگ کرنا چاہتا ہے۔ طرفین میں معرکہ کی جنگ ہوئی۔ بہت سے مسلمان شہید ہوئے۔ آخر کار صلح و صفائی ہوئی۔ حضرت عائشہؓ اپنے کیے پر پشیمان ہوئیں۔ جناب امیر علیہ السلام نے ان کو بڑی عزت و تکریم سے گھر پہنچایا اور دینی صفائی ہو گئی۔ اب اس بات پر طعن کرنا خود روئے طعن بننا ہے۔ اعتراض ہر دو فریق پر یکساں عائد ہوتا ہے، فمادھو جو لیکم فھو جو لینا.....

شیعہ صاحبان حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بہت کوستے ہیں کیونکہ انہوں نے جناب امیر علیہ السلام سے جنگ کی۔ اس کا جواب پہلے دیا جا چکا ہے کہ یہ ناگوار واقعہ طرفین کی اجتہادی رائے کی وجہ سے ہوا وہ باہم جدی بھائی تھے اصحاب رسولؐ تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا تب وحی بھی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سالے بھی تھے۔ آپ کی شان میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے بہت سی احادیث روایت کی ہیں۔ پھر اس ایک واقعہ سے جس کا خاتمہ صلح پر ہوا، آپ کو برا کہنا اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کرنا ہے۔ بھائیوں کے درمیان تنازعات ہوا کرتے ہیں اور صلح و صفائی بھی ہو جاتی ہے لیکن ایک اجنبی شخص کا حق نہیں ہے کہ اس تنازعہ کی وجہ سے ایک کو برا کہے۔“ (آفتاب ہدایت ردّ فتن و بدعت ص ۲۹۵-۲۹۷)

موصوف نے یہاں واضح طور پر اقرار فرمایا ہے کہ جنگ جمل، فریقین (یعنی حضرت علیؑ، حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور دیگر جنگ میں شریک صحابہ) کی اجتہادی غلطی تھی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف حضرت عائشہؓ کے موقف سے کوئی مختلف تو نہ تھا کہ ان

پرسبائی ہتھیاروں سے لیس ہو کر اور بالکل ایک طرفہ طور پر ”یلغار“ کر دی گئی جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اصحاب جمل اور اصحاب صفین دونوں نے ”قصاص عثمانؓ“ کے مسئلہ پر حضرت علیؓ سے جنگ کی جس میں دونوں طرف سے بہت سے مسلمان شہید ہوئے، ایک دوسرے کو قصور وار ٹھہرایا گیا۔ جمل و صفین دونوں جنگیں صلح و صفائی پر ختم ہوئیں۔ دونوں فریق اپنے کیے پر مادم ہوئے۔ جنگ جمل تو بقول مولانا کرم الدین صاحب ”ہردو فریق کی اجتہادی غلطی تھی.... اب اس پر طعن کرنا خود مردِ طعن بنا ہے۔ اعتراض ہردو فریق پر یکساں طور پر عائد ہوتا ہے۔“

راقم الحروف ”عرض مؤلف“ کے تحت اہل سنت کا یہ اصول لکھ چکا ہے کہ بوقت ضرورت شدیدہ صحابہ کرامؓ کی طرف ”خطائے اجتہادی“ کی نسبت بطور ”تخلّص“ کی جاسکتی ہے۔ یعنی بہتر تو یہی ہے کہ مشاجرات صحابہ کے مسئلہ میں ”توقف، سکوت، امساک اور کف لسان“ کے حکم پر عمل کیا جائے لیکن اگر کسی وقت ”شرعی و شدیدہ“ ضرورت کی وجہ سے یہ موضوع زیر بحث آہی جائے تو اجتہادی خطا و صواب سے زیادہ کوئی لفظ ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔

مگر اس کے برعکس قاضی صاحب کی تصنیفات و تالیفات اور مضامین و مقالات سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ ہزاروں صحابہ میں سے صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ”خطائے اجتہادی“ کو بیان کرنا بلکہ ”ثابت“ کرنا موصوف کا وظیفہ حیات تھا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں موصوف کو بالفرض کوئی ”شرعی و شدیدہ“ ضرورت پیش آ بھی گئی تھی تو کیا ایک دوبار کے ذکر سے ان کی یہ ”ضرورت“ پوری نہیں ہو سکتی تھی؟ کیا اس کے لیے ”غلطی“ کی گردان (اور وہ بھی بطور وظیفہ) پر ہونا بھی ضرور تھی؟

مگر صد افسوس کہ قاضی صاحب نے موقع بے موقع اور محل و بے محل سینکڑوں مرتبہ پورے یقین اور تحدی کے ساتھ گستاخانہ انداز بیان اور توہین آمیز لہجہ اختیار کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطائے اجتہادی کا ”مرکب“ قرار دے دیا جو یقیناً ایک جلیل القدر صحابی کی توہین و توہین ہے۔

اس لب و لہجہ، انداز اور تکرار میں اگر صرف ”خطائے اجتہادی“ کے الفاظ ہی استعمال کیے جاتے تو بھی یقیناً وہ توہین و تنقیص ہی کے زمرے میں شمار ہوتے لیکن موصوف نے ”خطائے اجتہادی“ کے علاوہ بھی ایسے انتہائی نامناسب الفاظ استعمال کیے ہیں جو صراحتاً توہین ہی پر مبنی ہیں۔

قاضی صاحب نے اپنی کتب خارجی فتنہ، دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، کشف خارجیت اور اپنے مضامین میں اصحاب صفین بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ”باغی“، ”جائر و خاطی“ بنانے اور ثابت کرنے کے علاوہ ان کے اقدام کو ”مجازز“، سخت گناہ

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین
اور افرامانی، "باور کرانے میں ہی اپنی ساری توانائی صرف کر ڈالی جسے یقیناً صحابہ کرامؓ پر طعن و تشنیع
اور توہین و تنقیص کا نام ہی دیا جاسکتا ہے۔

اور جب ان کی خدمت میں رجوع اور اصلاح کی درخواست کی جاتی ہے تو ان کے غالی
معتقدین یہ دہائی دینا شروع کر دیتے ہیں کہ:

”جب ان کے سامنے حضرت امیر معاویہؓ کے متعلق خطائے اجتہادی جیسا علمی اور
باوقار جملہ آتا ہے تو وہ اس کو خطا کا قرار دے کر اتنا شور مچاتے ہیں کہ بسا اوقات ان کی آواز ہزارہ
سے ملتان جا گھراتی ہے۔“ (حق چار یا رص ۲۳۔ دسمبر ۲۰۱۱ء)

قاضی صاحب صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین ہی کے مرتکب نہیں ہوئے بلکہ
انہوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعرئٰی اور حضرت عمرو بن عاصؓ اور ان کے تابعین کو حدیث ”ضلالا
وضل من اتبعہما“ کا مصداق قرار دینے کے علاوہ انہیں گناہ، یقیناً سخت افرامانی، قرآن
و حدیث کی مخالفت اور اللہ و رسولؐ کے حکم کی خلاف ورزی کا مرتکب بھی گروانا ہے۔

موصوف کثوہین صحابہ پر مبنی مذکورہ روایت کی صحت پر کامل یقین تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کسی مخالفت
کو خاطر میں لائے بغیر آخر وقت تک اس غلط موقف پر ڈٹے رہے اور وقتاً فوقتاً اس روایت کو تحریر میں بھی
لاتے رہے۔ یہ روایت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حکمین کے ”خطیبہ“ پر قاضی صاحب کی
ایک ”مضبوط“ دلیل تھی اس لیے وہ محترنین کو یہ کہہ کر خاموش کراتے رہے کہ:

”یہ ساری عبارت میں نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی پیش کی تھی جس میں انہوں نے
ایک حدیث نبویؐ کی تشریح فرمائی ہے لیکن مؤلف ”اصل حقیقت“ نے یہ بدویانہی کی کہ نہ حضرت شاہ ولی
اللہ کا نام لیا اور نہ ان کی عبارت کا اور ”ضلالا و اضلالا“ کے الفاظ کی نسبت میری طرف کر دی تاکہ ناواقف
قارئین یہ سمجھیں کہ چکوالی نے حضرات حکمینی کے لیے ”ضلالا و اضلالا“ کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

حالانکہ یہ حدیث شریف کے الفاظ تھے اور اس حدیث سے استدلال کرنے والے حضرت
شاہ ولی اللہ محدث ہیں۔ اگر مؤلف کا اعتراض ہے تو دراصل حدیث پر ہے اس کے بعد حضرت شاہ
ولی اللہ دہلوی پر اس کے بعد میری باری آتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے ضلالا و اضلالا کی مراد بھی واضح کر دی ہے کہ ان باتوں سے اجتہادی
غلطی سرزد ہوگی تو اب اعتراض کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟“ (کشف خارجیت ص ۴۴۵-۴۴۶)
موصوف نے یہی موقف اپنی دوسری کتب میں ”حکمیں خطا کریں گے“ کا باقاعدہ عنوان
قائم کر کے پیش کیا ہے۔ ملاحظہ ہو خارجی فتنہ جلد اول ۱۲۵۶-۱۲۵۷/”مولوی مہر حسین شاہ بخاری

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مآثرین

مولانا قاضی مظہر حسین

کی کھلی چٹھی کا جواب بنام دفاع ”حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ“ ص ۲۴ / ”موجودہ خلافت راشدہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مآثران حائے غالی گروہ ص ۱۵، ۶۵۔

قاضی صاحب نے حدیث ”ضلاً و ضلّ من اتبعہما“ کو بحوالہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صحیح سمجھ کر ہی اپنی مختلف کتابوں میں نقل کیا ہے، لہذا اس توجیہ سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ عبارت ان کی اپنی نہیں ہے۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فخر اہل سنت حضرت مولانا قاضی محمد شمس الدین کی حسب ذیل تحقیق پر یہ قارئین کر دی جائے:

۱۔ یحییٰ، خود ایرانی الاصل ہیں ۲۔ یہ حاکم ایران کے شاگرد ہیں اور ایرانی حاکم شیعہ تھے ۳۔ خود قاضی مظہر صاحب نے ”بئارت الدارین“ (ص ۵۹) میں یحییٰ کو غیر معتبر کتب میں تسلیم کیا ہے ۴۔ امام ابن کثیر نے ہی لکھا ہے کہ یحییٰ بہت بڑے جھوٹے راویوں (کذا ابن کثیر بہت بڑے بڑے جھوٹی روایتیں گھڑنے والوں (وہا عین) کی روایتیں نقل کر لیتا ہے (ابن کثیر ص ۲۵۲ جلد ۵) ۵۔ اسی مذکور بالا حدیث (ضلاً و ضلّ من اتبعہما) کے متعلق ابن کثیر نے لکھا ہے کہ: فإِنَّه حَدِيثٌ مُنْكَرٌ وَرَفَعَهُ مَوْضُوعٌ ”یہ حدیث منکر ہے اور اس کی حضور علیہ السلام کی طرف نسبت موضوع ہے۔ (ابن کثیر ص ۲۸۲ جلد ۶) ۶۔ پھر امام ابن کثیر نے اس روایت کے موضوع ہونے کا قرینہ لکھا ہے کہ اس حدیث کی روایت خود حضرت علیؑ سے ہے اس کے بعد لکھتے ہیں:

اذ لو كان هذا معلوما عنده لما وافق تحکیم الحکمین حتی لا يكون سبباً لا ضلال الناس كما نطق به هذا الحديث وروای هذا الحديث هو زكريا بن يحيى الكندي الحميري الأعنبي قال ابن معين ليس بشيء۔

”اور اگر یہ حدیث حضرت علیؑ کو معلوم ہوتی تو وہ حکمین کے فیصلے سے موافقت نہ کرتے (جب کہ انہوں نے حکم کا فیصلہ تسلیم کر لیا تھا) تا کہ لوگوں کی گمراہی کا سبب یہ حدیث نہ بنتی جیسا کہ اس حدیث کا منطوق (بیان) ہے۔ اور اس حدیث کے منکر اور موضوع ہونے کا باعث زکریا بن یحییٰ الکندی الحمیری اندھا ہے۔ ابن معین نے کہا ہے کہ یہ کچھ بھی نہیں ہے (تاریخ بن کثیر جلد ۶ ص ۲۸۲)۔

اس سے قبل ابن کثیر ص ۲۱۵-۲۱۶ (جلد ۶) پر لکھتے ہیں..... یحییٰ نے یہ حدیث ایسے ہی بیان کی ہے اور ایک ذرہ بھی اس پر تنقید نہیں کی جب کہ یہ حدیث منکر ہے اور اس کی آفت (باعث) وہی زکریا بن یحییٰ ہے اور وہ کندی حمیری اندھا ہے اور ابن معین نے اس کے متعلق کہا ہے کہ وہ (زکریا) کچھ بھی نہیں ہے۔ اور وہ دونوں حکمین بہترین صحابہ میں سے تھے۔ حضرت عمرو بن عاص السہمی اہل شام کی طرف سے حکم نامہ مزبور لے گئے تھے اور دوسرے ابو موسیٰ عبداللہ بن قیس الاشعری اہل عراق کی طرف

سے حکم نامہ ہوئے تھے۔ ان دونوں کو اس لیے حکم بنایا گیا تھا کہ وہ فریقین کے درمیان صلح کروائیں اور کسی ایسی بات پر متفق ہو جائیں جس سے جائیداد میں زنی پیدا ہو اور مسلمانوں میں خون ریزی بند ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا (کہ خون ریزی بند ہو گئی) اور اس حکم کی وجہ سے سوائے خارجی فرقہ کے کوئی ایک بھی گمراہ نہ ہوا۔ چنانچہ صرف خارجیوں نے اس حکم کو رد کر دیا اور حکمین (کو تسلیم کرنے) سے انکار کیا۔ ان کو (حکمین کو ماننے والوں کو) کافر قرار دے دیا اور ان کے مقابلے میں نکل آئے۔ حضرت ابن عباسؓ نے ان کے ساتھ مناظرہ کیا۔ بالآخر حضرت علیؓ نے ان سے جنگ کی۔ ۸۰ھ میں امام باقرؑ کی ”سنن کبریٰ“ کی تنقید میں امام جلال الدین ابن الترمذی نے ۵۰ھ میں ایک ضخیم کتاب ”الجوہر النقی فی الرد علی البیہقی“ لکھی۔ پھر امام قاسم بن قطلوبغا حنفی نے ۸۷ھ میں اس کتاب کی تلخیص کی۔ (بحوالہ ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان ص ۳۰۔ جون ۱۹۹۰ء)

قاضی شمس الدین صاحب ایک دوسرے مضمون میں لکھتے ہیں کہ:

امام ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث منکر اور موضوع ہے۔ یہی خود ابراہانی ہیں اور حاکم نبیؑ پوری کے شاگرد ہیں اور ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ حاکم شیعہ تھے اور ابن کثیرؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ یقینی کذابین اور وعظائین یعنی بہت بڑے جھوٹوں اور جھوٹی حدیثیں کھڑے والوں سے حدیثیں نقل کر لیتے ہیں۔

اور خود آپؐ نے بھی بشارت الدارین ص ۵۹ پر یہی کو غیر معتبر کتابوں میں گنویا ہے تو اگر صحت اجازت دے تو ابن کثیر ص ۲۱۶ اور جلد ۶ اور ۲۸۲ جلد ۷ دیکھ لیں اور اس وضوح حق کے بعد جناب ان عبارتوں سے رجوع فرما کر ان دونوں حکمین صحابہؓ کی روح سے معافی طلب کریں۔“ (ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان ص ۳۱۔ اگست ۱۹۹۱ء زیر عنوان ”قاضی مظہر چکوالی اور سہائی تولہ“ بسلسلہ چکوالی فقہ)

شخصیت پرستی کا اس ہو کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حکمین (حضرت ابو موسیٰ اشعرؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ) کے متعلق مذکورہ بالا تین آمیز کلمات پڑھنے اور ملاحظہ کرنے کے باوجود قاضی صاحب کے اندھے معتقد یہ چیلنج دیتے ہیں کہ ”معتز ضعیف پانچ بار بھی جہنم لے کر آتے رہیں تو ایک سطر نہیں دکھا سکتے“ (ماہنامہ حق چاریا ص ۲۱۔ مئی ۲۰۱۳ء)

قاضی صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ ان کا تعلق مہاجرین و انصار کے بعد تیسرے طبقہ کے ساتھ ہے لہذا ان کے لیے رضائے الہی مہاجرین و انصار کی خوش اسلوبی کے ساتھ پیروی کرنے کے ساتھ مشروط ہے۔ ان پر از روئے نص قرآنی حضرت علیؓ (یکے از خلفائے راشدین و سابقین اولین من الہما حمین) کی پیروی لازمی تھی لیکن انہوں نے پیروی و اطاعت کے بجائے نہ صرف مخالفت کی بلکہ قتال بھی کیا۔ خواہ دفاعی ہی کیوں نہ ہو تو اس صورت میں کون ان کے موقف کو صحیح کہہ سکتا ہے؟

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین مولانا قاضی مظہر حسین

جب کہ خود قاضی صاحب نے ”وفائی اقدام“ کے طور پر ایک شخص کو قتل کر دیا تھا اور ان کے استاذ مولانا اعجاز علی صاحب نے ان کے ”موقف کو صحیح“ سمجھتے ہوئے انہیں مقتول کے ورثاء سے معافی مانگنے سے روک دیا تھا۔

قاضی صاحب تو حضرت معاویہؓ کی عدم بیروی اور عدم اطاعت کی وجہ سے رضائے الہی کے ”اعزاز“ سے محروم کر رہے ہیں جب کہ ان کے مرید غیر شرعاً طوطا پر رضائے الہی کو خود قاضی صاحب کے لیے تسلیم کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو ماہنامہ حق چار یا ر نومبر ۲۰۱۳ء ص ۲۵۔ سطر ۱۳۔ یہاں علامت رضی ”ؓ“ پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ”قاضی مظہر حسین رضی اللہ عنہ“ لکھا گیا۔ جہاں تک قاضی صاحب کا حضرات کلمہ میں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کی روح سے ”معافی“ مانگنے کا تعلق ہے تو جس طرح موصوفی کو بسلسلہ قتل، اسارت کے دوران مقتول کے ورثاء سے معافی مانگنے کا احساس تھا مگر بعد میں استاذ کے مشورہ سے اپنا ارادہ ترک کر دیا تھا اسی طرح اپنی کتاب خارجی فتنہ جلد اول (مطبوعہ ۱۹۸۳ء) میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف محاکمانہ و جارحانہ اور توہین آمیز رویہ اختیار کرنے کی وجہ سے دل میں کچھ کچھ ”خلط و کھٹک“ محسوس فرما رہے تھے لیکن حسب ذیل ”خواب“ کی وجہ سے اپنے توہین آمیز کلمات پر ”مطمئن“ ہو گئے۔ چنانچہ حضرت قاضی صاحب زیر عنوان

”خواب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زیارت“ فرماتے ہیں کہ:

”گذشتہ سال ذی الحجہ ۱۴۰۳ھ (۱۹۸۳ء) میں بندہ کو بفضلہ تعالیٰ چوتھی مرتبہ حج بیت اللہ اور زیارت روضہ مقدسہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ مئی میں شب جمعہ ۹ ذی الحجہ نماز عشاء پڑھ کر جلدی سو گیا تو خواب میں حضرت امیر معاویہؓ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ نے بندہ کا کارہ سے معاف فرمایا۔ اس کے بعد بندہ نے عرض کیا کہ حضرت بندہ نے کتاب ”خارجی فتنہ“ لکھی ہے اگر اس میں آپ کے متعلق کوئی تنقیض توہین پائی جاتی ہے تو معاف فرمائیں۔ اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا چہرہ باوقار اور سفید نورانی تھا اور بندہ کی معافی کی درخواست پر آپ کے چہرہ پر کوئی ملال ظاہر نہیں ہوا بلکہ حسب سابق شفقت کی نگاہ تھی۔

خواب گو شرعی حجت نہیں ہے لیکن حسب ارشاد رسالت اچھے خواب مبشرات میں سے ہوتے ہیں۔ شرعی دلائل کی بناء پر بندہ اپنی کتاب ”خارجی فتنہ حصہ اول“ سے مطمئن ہے۔ علمائے اہل سنت والجماعت نے اصل مسئلہ مشاجرات صحابہ میں اس کی تائید و تصویب بھی کر دی ہے۔ البتہ مئی کے مقدس مقام میں ایام حج کے دوران حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زیارت و معافانہ بندہ کے لیے ایک بڑی

سعادت ہے جس سے مزید اطمینان نصیب ہو گیا ہے۔“ (دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ص ۱۸۶-۱۸۷ طبع ۱۹۸۲ء، کشف خارجیت ص ۵۵۷-۵۵۸ طبع ۱۹۸۵ء، ماہنامہ حق چاریا ص ۱۵-مارچ ۱۹۹۲ء، بحیرہ مسلسل ستمبر ۲۰۱۳ء ص ۱-مرتبہ حافظ زہد حسین رشیدی تحت ”صراط مستقیم راہ حق کی نشاندہی، مشاجرات صحابہؓ اور راہ اعتدال جلد دوم ص ۳۹-سن اشاعت نومبر ۲۰۱۳ء)

گویا یہ ”خواب“ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے قاضی صاحب کے لیے ایک ”سند“ کی حیثیت رکھتا ہے جسے وہ نہ صرف اپنی وفات (۲۰۰۴ء) تک اپنی ”صفائی“ میں پیش فرماتے رہے بلکہ ان کے ”خدام“ اسے ”بحیرہ مسلسل“ سمجھتے ہوئے بعد از وفات بھی منظر عام پر لاتے رہے۔

قاضی صاحب چونکہ اپنی کتاب ”خارجی فتنہ“ جلد اول میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں توہین آمیز مواہیل کرنے پر اپنے ”شرعی دلائل“ اور علماء اہل سنت کے ”ناہیدی تبہروں“ کی وجہ سے مطمئن تھے اس لیے انہوں نے اپنا ”سفر“ جاری رکھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو موقف پیش فرما چکے تھے بعد میں اس کا اپنی دیگر کتب اور ترجمان رسالہ ماہنامہ حق چاریا میں نہ صرف اظہار کرتے رہے بلکہ اسے اہل سنت (مسلم و یوہند) میں داخلے کی لازمی شرط بھی قرار دیتے رہے۔ موصوف کے اس ”مشن“ پر ان کی قائم کردہ ”خدام اہل سنت“ بھی سختی کے ساتھ قائم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے خارجی فتنہ کی طباعت اول (۱۹۸۳ء) کے تیس سال بعد ۲۰۱۳ء میں اس کی جدید طباعت کی ”سعادت“ حاصل کی۔ ماہنامہ ”حق چاریا“ میں اس پر تبصرہ کے لیے ”خارجی فتنہ کی جدید اشاعت۔ یزیدی حلقوں میں فکری تھرتھلی“

کی جلی سرنخی قائم کی گئی۔ ملاحظہ ہو ماہنامہ حق چاریا ص ۲۷-جنوری ۲۰۱۲ء۔

”خارجی فتنہ کی اول یا جدید اشاعت سے ’یزیدی حلقوں میں فکری تھرتھلی‘ سے متعلق خود بصری زیادہ بہتر جانتے ہوں گے البتہ اس بات میں شک کی ذرہ برابر بھی کوئی گنجائش نہیں کہ ”خارجی فتنہ“ کی قدیم و جدید اشاعت سے ”سبائی حلقوں“ میں کتنی کچھ غرور جلانے گئے۔

قاضی صاحب کی کتب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین پرچنی عبارات کے ساتھ اختلاف رکھنے والے بعض علماء کو انہوں نے ”ممانی اور پھری“ کہہ کر اہل سنت“ سے خارج کر دیا اور جو علماء مذکورہ طبقہ کے ساتھ تعلق نہیں رکھتے تھے تو انہیں ”ماصی، خارجی اور یزیدی“ قرار دے کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع میں ان کی جائز اور صحیح تنقید کو بزم خویش ”بے اثر“ کر دیا۔ جب کہ اپنے معتقدین کو ”شرعی دلائل“ اور زیر بحث ”خواب“ کے ذریعے مطمئن کر دیا۔

قاضی صاحب ”خواب“ میں ایک طرف تو ”مختصی عبارات“ پر معافی کی درخواست کر رہے ہیں جب کہ دوسری طرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے چہرہ پر عدم ملال کے آثار سے حوصلہ پا کر توہین آمیز عبارات کی اشاعت بھی براہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اگر وہ ”شرعی دلائل“ کی بناء پر خارجی فتنہ نامی کتاب سے مطمئن تھے تو پھر انہوں نے خواب میں ”معافی“ کی درخواست کس داعیہ کی بناء پر پیش کی؟ خواب تو انہوں نے خود ”دیکھا“ تھا جس کے متعلق کسی دوسرے شخص کو ظلم نہیں ہو سکتا تھا لیکن وہ کیا ”خداشات“ تھے جن کے پیش نظر تحریر اُلفتیر اُس کی ”تبلیغ“ کی ضرورت محسوس کی گئی؟

قاضی صاحب کے لیے تو اس کا جواب دینا آسان ہے کہ:

”خواب“ شرعی حجت“ نہیں ہوتے اصل حیثیت ”شرعی دلائل“ کی ہے اور مجھے علماء حق کی تائید بھی حاصل ہے لہذا بندہ ان سے مطمئن ہے۔ اور جہاں تک ”معافی“ کی درخواست کا تعلق ہے تو بندہ نے وہ ”صورتا“ پیش کی ہے نہ کہ حقیقتاً۔

اس ”درخواست“ کی جو بھی وجہ پیش کی جائے اصل بات یہی ہے کہ خارجی فتنہ جلد اول کی اشاعت (۱۹۸۳ء) کے بعد اسی سال موصوف حج کے سفر پر روانہ ہو گئے تھے اور کتاب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اپنی تحریر سے صورت یا حقیقتاً مطمئن نہیں تھے اور تنقیدی نشر وں کی بناء پر باقاعدہ اپنے اندر ایک ”خلش“ بھی محسوس کر رہے تھے جس کی وجہ سے انہیں معافی کی درخواست کرنا پڑی (یہ درخواست ہی اس بات پر زبردست قریبہ ہے کہ ان سے توہین سرزد ہوئی) لیکن صدافسوس کہ موصوف ”خواب“ میں ملاقات کے موقع پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے چہرہ پر ”ملال“ کے آثار نہ پا کر غلط فہمی کا شکار ہو گئے کہ بندہ سے کوئی توہین سرزد نہیں ہوئی؛ پھر زندگی بھر نہ صرف خود اس توہین آمیز رویہ کو جاری رکھا بلکہ ان کے ”خدام“ اب بھی براہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔

قاضی صاحب نے جنگ صفین کے چودہ سو سال بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ”باغی، خاطی، جائز، قرآن وحدیث کی مخالفت اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کا مرتکب“ ٹھہراتے ہوئے ان کی اور حضرت علیؑ کے مقرر کردہ مالوں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ اور ان کے قبیلین کو ”ضال اور مضل“ قرار دیا ہے پھر وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات (۶۰ھ) کے ۱۳۴۳ سال بعد ۱۴۰۳ھ میں خواب کی حالت میں معافی کی درخواست ان الفاظ میں پیش کر رہے ہیں کہ ”بندہ نے کتاب خارجی فتنہ لکھی ہے اگر اس میں آپ کے متعلق کوئی تنقیص توہین پائی جاتی ہے تو معاف فرمائیں۔“

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین مولانا قاضی مظہر حسین

بھلا جس شخص نے نہ کتاب دیکھی ہو اور نہ اسے اس کے مندرجات کا کوئی علم ہو تو وہ سوائے ”مکوت“ کے اور کیا جواب دے سکتا ہے؟ علاوہ ازیں قاضی صاحب نے ”خواب“ میں معافی کی درخواست بھی اپنی غلطی کے ”اقرار“ کے بغیر لفظ ”اگر“ کے ساتھ ”مشروط“ طور پر پیش کی جب کہ وہ تو جن کے مرتکب یقینی طور پر ہوئے تھے۔ پھر حالت بیداری میں معافی کی درخواست بھی ان الفاظ کے ساتھ واپس لے لی کہ ”شرعی دلائل“ کی بناء پر بندہ اپنی کتاب خارجی فتنہ حصہ اول سے مضمتن ہے، جب کہ علمائے اہل سنت والجماعت کی تائید و تصویب اس پر مستزاد ہے۔

حضرت معاویہؓ ”مکوت“ کے بجائے اگر صریح الفاظ میں بھی ”معاف“ فرمادیتے تو پھر بھی اس کی کوئی شرعی حیثیت نہ ہوتی۔ کیونکہ یہ خواب کا معاملہ تھا اور خود ان کے نزدیک خواب ”شرعی حجت“ نہیں ہوتے۔ پھر معلوم نہیں کہ یہ خواب ان کے لیے ”بمشرات“ کا وجہ کس طرح اختیار کر گیا؟ اگر اسے ”بمشرات“ میں شمار کر بھی لیا جائے تو یہ بھی ممکن ہے کہ جب قاضی صاحب آئندہ اس توہین کا عاودہ اور ارتکاب نہ کرتے مگر انہوں نے تو بعد میں بھی توہین کا سلسلہ برآمد جاری رکھا۔

معلوم نہیں کہ قاضی صاحب نے بیداری میں ”بمشرات“ کا لفظ کس مفہوم میں استعمال فرمایا ہے؟ اگر اس سے مراد محض حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زیارت ہے تو پھر اس کا استعمال کسی حد تک صحیح ہو سکتا ہے لیکن یہاں جس مقصد کے لیے یہ لفظ لایا گیا ہے اس سے یہ مفہوم اخذ نہیں ہو سکتا البتہ ماقدرین و معاندین معاویہؓ کے حق میں یہ ”خواب“ ”بمشرات“ میں شمار ہو سکتا ہے۔

قاضی صاحب کے لیے یہ خواب ”بمشرات“ میں جب شمار ہو سکتا تھا جب وہ ”خواب“ میں اپنی خطا کا واضح طور پر اقرار کر کے ”غیر مشروط“ طور پر معافی کی درخواست پیش کرتے پھر بیداری میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین و تنقیص پر مبنی عبارات سے رجوع کرنے کا تحریر یا اقتراباً واضح اعلان کر دیتے کیونکہ اصول یہ ہے کہ ”النبیۃ علی حسب الجنایۃ ان کانت جہراً فجہراً وان کانت سراً فمسرّاً....“ جب کہ یہاں گناہ جہراً اور جہراً و بطبعاً اور ”مشروطاً توہ“ کی درخواست خواب میں پیش کرنے کے بعد ”شعوری بیداری“ حالت میں اسی گناہ کا ارتکاب بھی مسلسل اور تدریجی کے ساتھ جاری ہے۔ اس معافی کی درخواست پر یہی کہا جاسکتا ہے کہ:

”معدرت را خندہ می آید بر استعدار“

یہ عجیب عدالت ہے کہ جس میں ”بدعی، مجرم، گواہ صفائی اور منصف“ ایک ہی شخص ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کے مقدمہ میں ”باعزت بری“ ہونے کے علاوہ اور کیا فیصلہ سنایا جاسکتا ہے؟ یہ تو خیر ”خواب“ کا معاملہ ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو وہ شخصیت ہیں جو نبی اکرم صلی

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

مولانا قاضی مظہر حسین

اللہ علیہ وسلم کے فرمان ”احلم امتی“ کا مصداق ہیں۔ ان کی صفت ”حلم و بردباری“ عرب المثل کی حیثیت رکھتی ہے۔ انہوں نے تو اس وقت بھی اپنی اس صفت ”حلم“ کو داغ دار نہیں ہونے دیا جب ان کے منہ پر انہیں سخت ترین الفاظ میں یہ ابھلا کہا جاتا تھا۔ کاش قاضی صاحب واضح الفاظ میں اپنی توہین آمیز عبارات سے رجوع کر کے حضرت معاویہؓ کی روح سے معافی مانگ لیتے! (جو صاحب حق تھے) جس سے کم از کم یہ فائدہ تو ضرور حاصل ہوتا کہ ان کے ”خدا م.....“ بھی آئندہ کے لیے اس گناہ کبیرہ اور جرم عظیم سے بچ جاتے۔ لیکن جب ”توہین“ کو ”مکرم“، ”بدی کو نیکی“ اور ”قدح صحابہ کو مدح صحابہ“ سمجھا جا رہا ہو (جیسا کہ قاضی صاحب اپنے شرعی دلائل اور علماء کی تائید سے مطمئن ہیں) تو پھر یقیناً تو بہ کی توفیق ہی سلب ہو جاتی ہے۔

جس طرح موصوف ایک نوجوان کو قتل کرنے کے بعد اپنے استاذ کے مشورہ پر متول کے ورثاء سے معافی نہیں مانگ سکے تھے اسی طرح یہاں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت عمرو بن عاصؓ اور جنگ صفین میں دونوں طرف سے شریک جملہ صحابہ کرامؓ، تابعین عظام اور ان کے تبعین سے نہ صرف یہ کہ معافی نہیں مانگ سکے بلکہ بعد میں بھی توہین آمیز الفاظ سے ”خطائے اجتہادی“ مراد لے کر توہین کا سلسلہ جاری رکھا جب کہ دوسری طرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی ”خطائے اجتہادی“ کا مرتکب ہونے کی بناء پر ”ایک اجر“ کا مستحق قرار دے دیا۔ اس طرح موصوف انشا باللہ خان انشاء کے اس شعر کا مصداق ہونے سے ”بال بال“ بچ گئے۔

یہ عجب ماجرا ہے کہ مدوڑ عید قرباں
وہی ذبح بھی کرے، وہی لے ثواب النہا

افسوس اس بات کا ہے کہ بعض علمائے کرام کے توجہ دلانے کے باوجود موصوف کو زندگی بھر اپنی غلطی کا احساس نہیں ہو سکا اور وہ صریح توہین سے بھی ”خطائے اجتہادی“ مراد لے کر اپنے دل کو مطمئن کرتے رہے چنانچہ ایک مقام پر وہ بطور چیلنج فرماتے ہیں کہ:

”ثابت کریں کہ میں نے کسی صحابی کو فاسق لکھا ہے، کسی صحابی کے موقف کو میں نے باطل قرار دیا ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اختلاف کو عنادی لکھا ہے، خارجی فتنہ حصہ اول میں تنکبین کے بارے میں جو ”ضلال و ضلّ من اتبعهما“ کے الفاظ ہیں وہ میرے نہیں بلکہ ایک حدیث کے ہیں جو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ازالۃ الخفاء میں درج کی ہے اور اس سے مراد بھی انہوں نے خطائے اجتہادی ہی لی ہے..... تنکبین کے لیے خارجی فتنہ حصہ اول میں بندہ نے جو گناہ اور نافرمانی وغیرہ کے الفاظ لکھے ہیں تو یہ الزام مولانا محمد اسحاق صاحب

سندیلوی کے جواب میں ہیں اور ان سے مراد بھی میں نے خطائے اجتہادی ہی لی ہے۔“

(ماہنامہ حق چار یا رلا پورس ۱۰۸۔ جون / جولائی ۱۹۹۰ء)

موصوف ایک دوسرے مضمون میں مولانا ضیاء الرحمن فاروقی سے ”چند سوالات“ کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ:

”حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفاء مترجم جلد چہارم ص ۵۰۸ میں تحکمیں کے بارے میں سنن یحییٰ کے حوالہ سے ایک حدیث لکھی ہے جس کے یہ الفاظ ہیں ”ضلاً و ضلّ من اتبعهما“ اور حضرت شاہ ولی اللہ نے ضلالت سے خطائے اجتہادی مراد لی ہے لیکن (خلافت راشدہ) جنتری کے زیر بحث مضمون میں اس حدیث کو مضموع قرار دیا ہے۔ آپ کسی محدث سے ثابت کریں کہ یہ حدیث مضموع ہے؟“ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماوان حافی غانی گروہ ص ۶۵)

اس حدیث پر بحث پیچھے گز رہی ہے۔ قارئین کرام! قاضی صاحب کے اس ”چیلنج“ کے جواب میں ان کی توہین آمیز عبارات کا بغور مطالعہ کر کے حق و باطل اور صدق و کذب کی پہچان کر سکتے ہیں۔ یہ ملحوظ رہے کہ ”قوسین“ کے درمیان الفاظ قاضی صاحب کے اپنے ہیں۔

(حق چار یا رلا پورس ۱۰۸۔ جون جولائی ۱۹۹۰ء)

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ قاضی صاحب نے جوابات دوسرے ”ناقدین معاویہ“ کے لیے لکھی ہے وہ خود بدوجہ اولیٰ اس کے مصداق ہیں۔ ان کی اپنی تحریر اس پر مشابہ ہے۔ موصوف اپنے ”ادارے“ کے بالکل آغاز میں فرماتے ہیں کہ:

”حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں غلط سلیقہ تاریخی روایات کی بناء پر مخالفین نے اس طرح پروپیگنڈے کا طوفان برپا کیا ہے کہ حقائق سے ناواقف کئی اہل سنت بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے سوئے ظن رکھتے ہیں حالانکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی اور خود نبی کریم کے بھی معتمد ہیں۔“ (ماہنامہ حق چار یا رلا پورس ۳۔ دسمبر ۱۹۹۸ء)

قاضی صاحب نے ”خواب“ میں معافی کی درخواست پیش کی تو وہاں سے کوئی جواب نہ پا کر اور محض نورانی چہرہ پر ”لال“ کے آثار نہ دیکھنے سے یہ غلط نتیجہ اخذ کر لیا کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف جس ”گستاخانہ“ انداز سے جو کچھ لکھا ہے وہ سب ٹھیک ہے اس میں ان کی کوئی توہین و تنقیص نہیں پائی جاتی۔

اس بات کا تو ”خفیف“ سا امکان ہے کہ قاضی صاحب ”خواب“ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زیارت کر سکتے ہیں لیکن اس بات کا قطعاً کوئی امکان نہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ”عالم برزخ“

میں کتاب ”خارجی فقہ“ کا مطالعہ کیا ہو گا کتاب کے ”مندرجات“ سے وہ آگاہ ہوئے ہوں گے۔
اگر بغرض محال کتاب ان تک پہنچ بھی گئی ہو اور انہوں نے توہین آمیز عبارات کے مطالعہ کے باوجود معافی کی درخواست پر راضی کا اظہار نہ کیا ہو یا چہرہ پر ”لال“ کے آثار ظاہر نہ ہوئے ہوں تو اس کے باوجود قاضی صاحب کا یہ نتیجہ اخذ کرنا بالکل ہی غلط ہے کہ ان عبارات میں ”توہین“ نہیں پائی جاتی۔
کیونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس ”سلوک و رویہ“ سے توہین و تنقیص کی نفی نہیں ہوتی بلکہ ان کے ”حلم و حوصلہ“ اور تحمل و بردباری کی تائید ہوتی ہے کہ اس قدر توہین کے باوجود ان کے نورانی چہرہ پر لال کے آثار ظاہر نہیں ہوئے۔ قاضی صاحب کا ”خواب“ میں معافی کی درخواست پیش کرنا جہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ”حلم و حوصلہ“ کی تائید ہے تو وہیں توہین و تنقیص کی دلیل بھی۔
کشاوہ روئی و فراخ دلی اور غنودہ درگزر سے ”قدح“ مدح میں ہرگز تبدیل نہیں ہو سکتی اور نہ ہی یہ ”معافی“ کی درخواست قاضی صاحب کے گستاخانہ و جارحانہ و محاکمانہ انداز بیان اور طرز استدلال کی صحت اور تائید قرار دی جاسکتی ہے۔

قاضی صاحب کی یہ کمال جرأت ہے کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کو باغی، خاظمی، جائز، قرآن و حدیث کی مخالفت اور اللہ و رسول کے حکم کی خلاف ورزی کا مرتکب قرار دینے کے علاوہ حضرات مجتہدین یعنی حضرت ابو موسیٰ اشعرئ اور حضرت عمرو بن عاصؓ اور ان کے متبعین کو ”ضال و مضل، سخت مافرمان، گناہ گار اور مخالف قرآن“ قرار دینے کے بعد آخر میں نہایت ہی ”معضویت“ کے ساتھ ان الفاظ سے ”خطائے اجتہادی“ مراد لے لیتے ہیں یعنی موصوف توہین آمیز الفاظ کو خطائے اجتہادی سمجھ کر استعمال کرتے ہیں۔

قاضی صاحب کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کیا نسبت ہو سکتی ہے؟ پھر وہ درجہ اجتہاد پر بھی فائز نہیں ہیں۔ اگر مذکورہ الفاظ خود ان کی طرف منسوب کر کے اس سے ”خطائے اجتہادی“ مراد لے لی جائے تو کیا وہ یا ان کے خدام اسے توہین سے تعبیر تو نہیں کریں گے؟

قاضی صاحب کے خواب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے معافی کی درخواست کے بعد حالت بیداری میں توہین کا سلسلہ جاری رکھنے سے یہ بات خود بخود ثابت ہو جاتی ہے کہ اس خواب کا تعلق ”رؤیائے صالحہ“ یا ”مبشرات“ (جنہیں حدیث میں نبوت کا چھپا لیسواں حصہ قرار دیا گیا ہے ملاحظہ ہو صحیح بخاری رقم الحدیث ۶۹۸۹) کے ساتھ نہیں تھا۔ کیونکہ اگر یہ خواب ”مبشرات“ میں سے ہوتا تو آئندہ توہین کا ارتکاب نہ ہوتا۔ لیکن یہاں ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قاضی صاحب کو یہ کیونکر معلوم ہو گیا تھا کہ خواب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کی زیارت ہوئی ہے؟ جب کہ

حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اپنے بارے میں یہ اعلان فرمایا ہے کہ:

”مَنْ رَأَى فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَأَى فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ فِي صُورَتِي“

(صحیح بخاری کتاب التعبير باب من رأى النبی فی المنام۔ رقم الحدیث ۶۹۹۴)

جس شخص نے مجھ کو خواب میں دیکھا تحقیق مجھ ہی کو دیکھا اس لیے کہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔

اسی سلسلہ کی ایک دوسری حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ:

”مَنْ رَأَى فِي الْمَنَامِ فَمَرَأِي فِي الْيَقَظَةِ وَلَا تَمَثَّلُ الشَّيْطَانُ بِي“ (حوالہ مذکور۔ رقم الحدیث ۶۹۹۳)

جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا پس غمگین نہ ہو مجھ کو بیداری میں بھی دیکھے گا اور شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔

یہ حدیث تو صحابہ کرامؓ کے ساتھ خاص ہے کیونکہ دونوں حالتوں یعنی خواب و بیداری میں صرف وہی دیکھ سکتے تھے اور وہ خواب میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک پہچانتے تھے۔ اگر اس حدیث کو عام سمجھا جائے تو قیامت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت بیداری میں کیونکر دیکھا جاسکتا ہے؟

یہ بات بالکل صحیح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک میں شیطان لعین نہیں آسکتا مگر کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ شیطان جھوٹ نہیں بول سکتا اور کسی دوسری شکل میں آکر کذب بیانی سے اسے کسی مومن اور صالح شخص کی طرف منسوب نہیں کر سکتا۔

اس حدیث کی تشریح میں مختلف اقوال ملتے ہیں البتہ اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ شیطان ان کی صورت بنا کر خواب میں کسی کو گمراہ نہیں کر سکتا۔

اس حدیث کی روشنی میں قاضی صاحب کا یہ دعویٰ ہی محل نظر ہے کہ انہوں نے خواب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کی زیارت کی تھی۔ ”باوقار، سفید نورانی چہرہ اور بلا مال“ پھرہ کے ساتھ کوئی ”سبائی“ بھی خواب میں آسکتا ہے اور ”حسب سابق شفقت کی نگاہ“ ڈال کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین کے ارتکاب پر حوصلہ افزائی بھی کر سکتا ہے۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک صحابی اپنی توہین کرنے والے اور اپنے اوپر الزامات عائد کرنے والے کی حوصلہ افزائی کرے؟ کیا صحابہؓ کی توہین پر ابھارنے والا خواب بھی ”مبشرات“ یعنی نبوت کا چھیا لیسواں حصہ قرار دیا جاسکتا ہے؟

صحابہ کرامؓ کی ایذا دہی اور توہین خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا دہی اور توہین ہے جو کسی ”خواب“ کے واقعہ سے نہیں بلکہ کتاب و سنت سے ثابت ہے۔

قاضی صاحب نے اپنی کتب (خارجی فتنہ حصہ اول طبع ۱۹۸۳ء، دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ طبع ۱۹۸۳ء، کشف خارجیت طبع ۱۹۸۵ء، خارجی فتنہ حصہ دوم طبع ۱۹۸۶ء، موعودہ خلافت راشدہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مآثران حامی غالی گروہ طبع ۱۹۸۹ء) میں اپنا موقف پیش کر دیا ہے جس کے ساتھ دلیل کی روشنی میں ان کی حیات میں بھی اختلاف کیا گیا ہے اور اب بھی اختلاف ہے۔ یہ اختلاف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف محض ”خطائے اجتہادی“ کی نسبت کرنے کی وجہ سے ہرگز نہیں ہے بلکہ ان کے اس ”جارحانہ و محاکمانہ“ انداز کے ساتھ ہے جس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین و تنقیص صرف لازم ہی نہیں آتی بلکہ عراضہ ہوتی ہے۔ قاضی صاحب نے جارحانہ و محاکمانہ اور توہین آمیز انداز کے علاوہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مشن بخش بنایا ہے:

مزید برآں موصوف نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خصوصی قرآنیہ و حدیثیہ کی مخالفت اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کا مرتکب بھی بنایا ہے، ان کے عینی اجتہادی موقف کو از روئے نص قرآنی و در حقیقت بالکل ناجائز بتایا ہے، انہیں حقیقی ”باغی“ قرار دیا ہے۔ اس کو مرتدین، منکرین زکوٰۃ اور قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کی کافرانہ و زندیقانہ مخالفت حق پر قیاس کیا ہے، اصحاب جمل و عتین پر ہزاروں مسلمانوں کے خون کا الزام عائد کیا ہے اور حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کو گناہ، یقیناً سخت مافرمائی، آیت اختلاف اور حکم الہی کی خلاف ورزی نیز حدیث ”لا طاعة لمخلوق فی معصیۃ الخالق“ اور حدیث ”ضلاً و ضلّ من اتبعہما“ کی رو سے معصیت کا مرتکب قرار دیا ہے۔

قاضی صاحب سے ان کی زندگی میں بھی توہین آمیز عبارات سے رجوع کرنے کی درخواست پیش کی جاتی رہی ہے۔ اب چونکہ وہ اس دنیا میں نہیں رہے اس لیے ان کے ”خدام“ سے استدعا ہے کہ وہ اس موقف سے ”رجوع“ کر کے ان کی روحانی تسکین کا باعث بنتے ہوئے اپنی عاقبت بھی سنواریں۔ مگر انہوں نے ۱۹۹۲ء، ۱۹۹۳ء میں ماہنامہ حق چاریار کے اوراق کی ”زینت“ بننے والے قاضی صاحب کے مضامین کو ان کی وفات کے ۹ سال اور مضامین کے شائع ہونے کے ۲۰ سال بعد نومبر ۲۰۱۳ء میں ”مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور راہ اعتدال“ کے نام سے شائع کرا کے ”رجوع کی موبہومی امید بھی ختم کر دی۔ ع

بات پہنچی ہے کہاں تک، یہ تجھے کیا معلوم؟

یہ ملحوظ رہے کہ قاضی صاحب کے ان مضامین کا عنوان ”کتاب سبائی فتنہ پر ایک اجماعی نظر“ تھا۔ قاضی صاحب نے یہ جوابی سلسلہ از خود ہی بند کر دیا تھا اور آخری قسط کی اشاعت کے

بعد بارہ سال تک بقیہ حیات رہے لیکن اس تمام عرصہ میں انہوں نے مضامین کو کتابی صورت میں شائع کرنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ ”سبائی فقہ جلد اول“ کے مصنف محقق اہل سنت مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی رحمہ اللہ نے بھی نقیب ختم نبوت ملتان میں ”جواب الجواب“ کا سلسلہ شروع کر دیا تھا جو بالآخر خود ہی دھیرے دھیرے دونوں طرف سے بند ہو گیا جسے قاضی صاحب کے متعلقین نے اب ”مشاجرات صحابہ اور راہ اعتدال“ کے نام سے شائع کرا کے پھر از سر نو جاری کر دیا۔ فیہ اسفا!

اس کے جواب میں دوسری طرف سے بھی سبائی فقہ جلد دوم، کشف سبائیت اور دیگر جوابی مضامین کی کتابی صورت میں اشاعت متوقع ہے۔

زیر نظر کتاب میں اس مقام پر اس سے زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو قاضی صاحب کی توہین آمیز عبارات (عکس سمیت) اور ان کے موقف کا مفصل اور مکمل و مدلل جائزہ ایک علیحدہ اور مستقل کتاب میں لیا جائے گا (انشاء اللہ) تاکہ قارئین کرام علمائے اہل سنت اور بانی خدام اہل سنت کے نظریات کے مابین خود ہی فرق و امتیاز کر لیں۔

البتہ اس بحث کے آخر میں بطور تمام جہت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قاضی صاحب کا 1976ء میں تحریر کردہ موقف (جس میں انہوں نے بجا طور پر اہل حق کی نمائندگی کرتے ہوئے مودودی صاحب کی بعض عبارات پر گرفت کی اور انہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین قرار دیا تھا) بھی پیش کر دیا جائے تاکہ قارئین کرام باسانی فیصلہ کر سکیں کہ اگر قاضی صاحب کے نزدیک مودودی صاحب کی تنقید ”توہین“ ہے تو پھر قاضی صاحب کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اس جیسی یا اس سے بھی زیادہ سخت تنقید آخر ”توہین“ کیوں قرار نہیں دی جاسکتی؟

حضرت قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ:

مفتی محمد یوسف صاحب نے لغت اور محاورات عرب سے جو تنقید کے معنی لکھے ہیں یعنی کھرے اور کھوٹے کو پرکھنا اور عیب چینی اور عیب جوئی۔ اور اردو لغت سے یہ معنی نقل کیا ہے کہ کسی چیز کو جانچنا اور پرکھنا۔

تو ان میں چنداں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ کیونکہ کھوٹ اور عیب اور ردی ہونا ایک ہی چیز ہے۔ اسی چیز کو جانچنا اور پرکھنا جاتا ہے جس میں کھوٹ اور عیب کا احتمال ہو۔ باقی رہا تنقید کا شرعی مفہوم تو اس کے لیے مفتی صاحب نے کتاب و سنت سے کوئی حوالہ نہیں پیش کیا جس سے یہ ثابت ہو کہ لفظ تنقید سے شرعاً یہ مراد ہے کہ کسی کے قول و عمل کو کتاب و سنت کی کسوٹی پر،

پر کھا جائے...

مفتی محمد یوسف صاحب بھی عجیب بزرگ ہیں۔ عصمت انبیاء کی بحث میں انبیاء کرام کے بارے میں خطا لغزش سے بڑھ کر صغیرہ گناہوں کا جواز بھی نہ صرف سحواً بلکہ عداً مان رہے ہیں لیکن صحابہ کرام کے معیار حق ہونے کی بحث میں انبیاء کے متعلق سب کی نفی کرتے ہوئے صاف لکھتے ہیں کہ:

’ان کی آراء و اقوال، فیصلے اور اعمال سب کے سب وحی الہی کے تحت ہونے کی وجہ سے حق اور صواب ہیں۔ ان میں نہ غلطی کا شائبہ ہو سکتا ہے اور نہ خطا کا امکان۔ لہذا وہ ہر قسم کی تنقید سے بالاتر ہیں۔‘

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب کا اصل دین ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی تائید و تصدیق کرنا ہے۔ چونکہ عصمت انبیاء کی بحث میں مودودی صاحب کی عبارتوں کی تائید میں انبیاء علیہم السلام کے لیے صغائر کے صدور کا نظریہ مفید پڑتا تھا، اس لیے وہاں وہ قول اختیار کیا اور یہاں معیار حق کی بحث میں چونکہ صحابہ کرام کا خطا کا رٹا بت کرنا مطلوب تھا اس لیے انبیاء کرام کو امکان خطا سے بھی بالکل مبرا قرار دے دیا۔ گویا کہ دونوں جگہ انبیاء کرام کے متعلق عقیدہ پیش کیا۔ یہ ہے مفتی صاحب کے مخلصانہ علمی جائزہ کی حقیقت۔

اگر غفلت سے باز آیا، جفا کی
تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

مودودی تنقید یقیناً تو ہیں ہے:

ہم نے گذشتہ اوراق میں مسئلہ معیار حق اور تنقید کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ محض علمی پہلوؤں کے پیش نظر تھا ورنہ ’خلافت و ملوکیت‘ کے بعد نہ تنقید کے لغوی اور شرعی معنی کی تحقیق کی ضرورت رہتی ہے اور نہ تقلید صحابی وغیرہ کی بحث کی۔ کیونکہ ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اپنی کتاب ’خلافت و ملوکیت‘ میں جو انداز اختیار کیا ہے اس میں صراحتاً بعض صحابہ کرام کی تحقیر و توہین پائی جاتی ہے جس کے سامنے مفتی صاحب کی دوا کا رتا و بیات ’’ہباء منثوراً‘‘ ہو جاتی ہیں...

مفتی صاحب مانیں یا نہ مانیں یہ حقیقت ہر اہل انصاف تسلیم کرے گا کہ چونکہ ’’خلافت و ملوکیت‘‘ میں مودودی صاحب نے بعض جلیل القدر صحابہ کی صریح توہین کی ہے اس لیے مفتی صاحب اس کتاب کے تذکرہ کو بالکل نظر انداز کر گئے ہیں تاکہ ان کے امام و مقتدا کی کہیں پر وہ

وری نہ ہو جائے اور مسئلہ معیار حق میں مودودی صاحب کی جو جائز تا سیدی ہے وہ سب بے کار نہ ہو جائے اور اس طرح ”علمی جائزہ“ کہیں ”علمی زوائفہ“ ہی نہ ثابت ہو لیکن مفتی صاحب اس پر وہ پوشی میں کامیاب نہیں ہو سکے...

لیکن علمائے حق اور اصحاب تحقیق کی نظر میں یہ کتاب (خلافت و ملوکیت) صحابہ و خلفائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیتوں کو مجروح کرنے والی اور فتنہ سبائیت کو ہوا دینے والی ہے۔ یہی وہ کتاب ہے جس کی بناء پر بعض علماء بھی مودودی صاحب کے خلاف ہو گئے جو پہلے ان سے کچھ حسن ظن رکھتے تھے یا ان کی تردید ضروری نہیں سمجھتے تھے مثلاً مولانا فخر احمد صاحب عثمانی شیخ الحدیث ٹنڈوالہ یا رسندھ مولانا موصوف نے ”خلافت و ملوکیت“ کے بعض مندرجات کے جواب میں ایک رسالہ تصنیف فرمایا جو ”برآء عثمان رضی اللہ عنہ“ کے نام سے شائع ہوا۔ اس میں تنقید کے مسئلہ میں فرمایا کہ:

”یہ جو کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی بھی تنقید سے بالائیں ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر کس و ما کس کو ہر شخص پر تنقید کا حق حاصل ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ، اوقیٰ پر تنقید کر سکتا ہے یا اپنے مساوی پر۔ اوقیٰ کو اعلیٰ پر، جاہل کو عالم پر، غیر مجتہد کو مجتہد پر غیر صحابی کو صحابی پر تنقید کا حق نہیں۔“ (ص ۱۳)...

تمام اہل حق یہ تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی ہیں۔ حضور کے سالے اور کاتب وحی بھی ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت کر کے آپ کی خلافت تسلیم کر لی اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے ۱۹/۲۰ سال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے تحت گزارے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے یہ دعا فرمائی تھی کہ ”اللہم اجعلہ ہادیا مہدیا“ (مشکوٰۃ شریف) اے اللہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہدایت دینے والا اور ہدایت پانے والا بنا دے۔

جمع اہل سنت کے نزدیک ”الصحابۃ کلہم عدول“ (صحابہ سب عادل ہیں) کے ضابطہ کے تحت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ایک عادل شخصیت ہیں اور ارشاد رسالت مآب ”صحابی کا النجوم بایہم اقتدینم اھتدینم“ (میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے) کی روشنی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ہدایت کا ایک روشن ستارہ ہیں۔ سوائے روافض اور دشمنان صحابہ کے، کوئی بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر سب و شتم، جرح و ظعن جائز قرار نہیں دیتا لیکن مودودی صاحب نے تنقید کے نام سے جس طرح اس مقبول صحابی

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مآثرین

مولانا قاضی مظہر حسین

کے خلاف اپنے قلبی بغض کا اظہار کیا ہے وہ حسب ذیل عبارات سے ظاہر ہے...

(یہاں قاضی صاحب چند توہین آمیز عبارات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ)

یہاں جناب مفتی محمد یوسف صاحب سے میرا یہ سوال ہے کہ کیا آپ کے نزدیک یہی وہ پاک تنقید ہے جو صحابہ پر آپ جائز قرار دیتے ہیں اور اس میں کوئی توہین نہیں پائی جاتی؟ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ جو شخص کچھ بھی عقل و انصاف رکھتا ہو وہ ان عبارتوں کو صریح توہین ہی قرار دے گا اور ایسا لکھنے والے کو وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بدترین دشمن سمجھے گا۔ جو کردار مودودی صاحب نے یہاں حضرت معاویہ کی طرف منسوب کیا ہے یہ تو ایک فاسق و فاجر شخص کا کردار ہے۔ اس کو تسلیم کر لینے کے بعد حضرت معاویہ کو ایک صحابی رسول اور عادل شخص ماننا بالکل بے معنی رہ جاتا ہے... (مفتی محمد یوسف صاحب کے علمی جائزہ کا علمی محاسبہ۔ ص ۱۷۷-۱۷۶)

قاضی صاحب کی تنقید بھی یقیناً توہین ہی ہے:

لیکن صدر فہرست قاضی صاحب اپنی بعد کی تصانیف ("خارجی فتنہ حصہ اول طبع ۱۹۸۳ء، دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ طبع ۱۹۸۴ء، کشف خارجیت طبع ۱۹۸۵ء، خارجی فتنہ حصہ دوم طبع ۱۹۸۶ء، موعودہ خلافت راشدہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مآدان حافی، عائلی گروہ طبع ۱۹۸۹ء) میں اس اصولی موقف پر قائم نہ رہ سکے۔ قاضی صاحب کے معتقدین مانیں یا نہ مانیں یہ حقیقت ہر اہل انصاف تسلیم کرے گا کہ مذکورہ کتب میں قاضی صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو بدفہم تنقید بنا کے ان کی صریح توہین کے مرتکب ہوئے ہیں اور بقول شیخ الاسلام مولانا غفر احمد عثمانی "کسی غیر صحابی کو صحابی پر تنقید کا کوئی حق حاصل نہیں۔" قاضی صاحب کی منقولہ توہین آمیز عبارات باحوالہ پیچھے گزر چکی ہیں: ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہر وہ شخص جو کچھ بھی عقل و انصاف رکھتا ہو وہ ان عبارتوں کو صریح توہین ہی قرار دے گا۔ ان عبارتوں میں جو کردار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس کو تسلیم کر لینے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک صحابی رسول، بادی و مہدی، خلیفہ برحق اور عادل شخص ماننا بالکل بے معنی رہ جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

۳۵۔ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی

(م ۱۴۲۶ھ)

ڈاکٹر سید عبداللہ عباس ندوی کا شمار ماضی قریب کے مشہور علماء و فضلاء میں ہوتا ہے۔ ان کی ولادت ۱۹۲۵ء میں پچلواری میں ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب کے والد مولانا مفتی محمد عباس پچلواری امارت شرعیہ بہار کے صدر مفتی تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی ابتدائی تعلیم پچلواری میں ہوئی۔ مزید تعلیم کے لیے فرنگی محل لکھنؤ میں مولانا محمد تقی فرنگی محلی سے استفادہ کیا۔ تکمیل علم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے کی۔

ڈاکٹر صاحب کا شمار مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے ممتاز تلامذہ میں ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے برطانیہ سے فلسفہ لسانیات میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد انہیں ام القرنی یونیورسٹی مکہ مکرمہ میں عربی ادب کا استاد مقرر کیا گیا۔ عالم عرب میں ان کی علمی و ادبی صلاحیتوں کا اعتراف کیا گیا۔ مختلف جامعات میں انہیں محاضرات کے لیے بلایا جانے لگا اور سعودی حکومت نے ان کے اعتراف علم و فضل میں انہیں سعودیہ کی مستقل شہریت دی۔ ڈاکٹر صاحب نے متعدد کتابیں تصنیف و تالیف کیں۔ انہوں نے یکم ذی الحجہ ۱۴۲۶ھ / یکم جنوری ۲۰۰۶ء کو جدہ (سعودی عرب) میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ ان کی نماز جنازہ حرم مکی میں امام حرم کی اقتداء میں ادا کی گئی۔ بعد ازاں انہیں جنت المعلیٰ میں سپرد خاک کیا گیا۔ (مذکرہ علمائے بہار جلد ۲، ص ۱۵۲-۱۵۳ بحوالہ ششماہی السیرۃ عالمی کراچی شمارہ ۳۰ ص ۲۸۲)

علاوہ ازیں ڈاکٹر عبداللہ عباس صاحب مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے نائب اور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ”معمد تعلیم“ بھی رہے ہیں۔ انہوں نے ندوۃ العلماء کے ترجمان رسالہ ”تغیر حیات“ میں مولانا عتیق الرحمن سنہلی ابن مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی کتاب ”واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر“ پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت ابوسفیان، حضرت ہند، حضرت معاویہ اور دیگر اموی صحابہ رضی اللہ عنہم کو شدید تنقید کا ہدف بنا ڈالا۔ چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

”تا رنج کا کوئی حادثہ یا واقعہ ماضی سے جدا کر کے ایک اکائی کی شکل میں نہیں دیکھا جاسکتا۔ کربلا کا واقعہ بنو امیہ اور بنو ہاشم کی دیرینہ عداوتوں کا ایک منطقی نتیجہ تھا۔ وہ عداوتیں جو ظہور اسلام کے بعد طاقت و ریشل میں ابھر کر سامنے آئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ۲۳ سالہ

عرصہ نبوت میں ۲۱ سال تک بلکہ ساڑھے اکیس سال تک شہد مد سے قائم رہیں۔

غزوہ بدر میں مسلمان فوج کی کامرانی نے جس طبقہ کو سب سے زیادہ ہمارے فروخت کیا اس کے سربراہ ابوسفیان تھے۔ اسی طرح غزوہ احد میں ان کا اور ان کی اہلیہ جگر خواہزہ ہند کا کردار یہ سب وہ باتیں ہیں جن میں مؤرخین کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ فتح مکہ کے بعد یہ گروہ اسلام لایا یا بقول سید قطب شہید کے ”استسلام“ کی نگر اس استسلام کے بعد چاکم ایک پل میں ایسی تبدیلی ہو گئی کہ وہ بدر کا غم بھول گئے، اپنی امانیت کو بھول گئے عقلاً محال بات ہے۔

اور صحاح کی مستند روایات سے ثابت ہے کہ ہند نے بیعت کے الفاظ دہراتے ہوئے بھی اپنے اندرونی کرب و غم اور غیظ و غضب کا اظہار کیا تھا۔

حضرت ابوسفیان نے احتجاج کیا تھا کہ اب وہ دن آ گیا ہے کہ یہ پسماندہ ہم اشرف پر فوقیت دیے جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق کے خلاف حضرت علیؓ کو کسانے کی کوشش بھی ان سے ثابت ہے۔

اسلام کے پورے طور پر فاتح ہو جانے کے بعد جب مقاومت کی تمام راہیں مسدود ہو گئی تھیں۔ اس عرصہ مختصر میں اس گروہ کی طرف سے کسی واضح دشمنی کا ثبوت تاریخ میں نہیں ملتا ہے مگر جس طرح انگریزوں کے دل میں صلیبی جنگوں میں شکست کا غم و غصہ آج تک موجود ہے اسی طرح اس گروہ میں بدر کے انتقام کا جذبہ سینہ کے اندر بھڑکتی ہوئی آگ کی طرح جوش مارتا رہا۔ حضرت عثمان غنی خلافت نے البتہ اسلام کی طرف سے ان کے عناد کو ختم کیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ان کا دل صاف نہیں ہوا۔.....

اس حادثہ کا سر حضرت عثمان غنی کی شہادت کے بعد سے نہیں غزوہ بدر کے واقعات سے مربوط کیا جائے تو تاریخی احداث کی کڑیاں ایک دوسرے سے زیادہ بیوست نظر آئیں گی۔ واقعات جو تاریخ کی کتابوں میں متغاد و متناقض ہیں اس کا سبب کوئی معرہ نہیں ہے جو سمجھ میں نہ آ سکے۔

خلافت راشدہ کے بعد ”ملکیت عضوض“ کا دور شروع ہوا تو قدرتنا دو گروہ ہو گئے۔ ایک وہ جس کو حکومت وقت سے وابستگی تھی خواہ جان پہچانے کی خاطر یا طمع کی وجہ سے یا مسلمانوں میں آپس کی خانہ جنگی سے نجات حاصل کرنے کی خاطر وہ سمجھتا تھا کہ مناسب یہی ہے کہ جس کا غلبہ ہے اس کی تائید کی جائے۔

دوسرا طبقہ وہ تھا جو اصل دین کی پامالی پر رنجیدہ تھا۔ اسلامی روح جو آنحضرت صلی اللہ علیہ

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی

وہلم کی تعلیمات سے پیدا ہوئی تھی اس کا گلا کھوٹنا جا رہا تھا۔ خیزد کے پردے میں شراب عام تھی۔ جواری و قینات کی اتنی کثرت تھی کہ ابوالفرج اصہبانی نے آغانی میں ۶۱ ہزار وحشیں اور لاتعداد فواحش و منکرات کے قصے قلمبند کر دیے ہیں جن کی پرورش دربار شاہی سے ہوتی تھی۔ عدلیہ کا یہ حال تھا کہ حاکم وقت کے دیوان عام میں ایک چمڑے کا ٹکڑا بچھا رہتا تھا اور بغیر کسی دلیل اور بغیر کسی التزام کے جس کو چاہا اس پر کھڑا کر دیا اور جیٹا دے اس کی گردن اتار دی۔ شاہانہ ٹھاٹس باٹ کسی طرح بھی کسری کے درباروں سے کم نہ تھا۔

لبندا و ہلوگ جو حضرت عمر فاروقؓ کا زمانہ ان کے زہد و ورع و راحیہ و تقویٰ کی باتیں جانتے تھے اور دوسرے خلفائے راشدین کے ورع و احتیاط کو دیکھے ہوئے یا سنے ہوئے تھے وہ اس فسق و فجور کی گرم بازاری سے لال تھے ان لوگوں میں اسلام سے وابستگی کا جذبہ بھی تھا و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عقیدت و محبت بھی تھی۔ (تغیر حیات لکھنؤ ۱۰ مارچ ۱۹۹۲ء بحوالہ واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر ص ۳۶۷-۳۶۸، ماہنامہ لولاک ص ۱۹-۲۵۔ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ اکتوبر ۲۰۱۳ء)

صحابہ کرامؓ کی گستاخی پر یعنی اس تبصرہ کے خلاف علمائے کرام کے زہد و دست حجاب کے بعد مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اور ڈاکٹر عبداللہ عباس ہر وہ حضرات نے نفس مسئلہ سے اعراض کرتے ہوئے ”کول مول“ انداز میں وضاحت کی جسے علماء کرام نے مسترد کر کے توہین صحابہؓ کے اپنے دعویٰ کو برقرار رکھا۔ چنانچہ مولانا حبیب الرحمن قاسمی مدیر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند اپنے ادارہ میں زیر عنوان:

”بات پہنچی ہے کہاں تک یہ تجھے کیا معلوم؟“ رقم طراز ہیں کہ:

ملک میں پھیلے ہوئے مدارس، علماء اور حساس مسلمانوں کے پیہم اصرار کے باوجود ہم اس انتظار میں تھے تاخیر کرتے رہے کہ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی یا تعمیر حیات کی جانب سے ڈاکٹر صاحب کی اس تحریر کی تردید و ممانعت پر کوئی بیان آجائے لیکن ادھر سے جب بالکل مایوسی ہو گئی تو محض اظہار حق اور تردید باطل کی نیت سے یہ مضمون لکھنا پڑا...

ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کی مذکورہ طویل عبارت کا حاصل یہ ہے کہ:

۱۔ حضرت ابومنیانؓ اور خاندان بنی امیہ کے دیگر صحابہ کرامؓ حقیقتاً مسلمان نہیں تھے بلکہ ظاہری طور پر اطاعت قبول کرتی تھی بالفاظ دیگر یہ حضرات آیت پاک: ”قَالَتِ الْآخِرَاتُ آمَنَّا“ قُلْ لَّيْسَ بُيُوتُنَا وَلَكِنْ قُلُوبُنَا آمَنَّا کے مصداق تھے۔

۲۔ اس استسلام (ظاہری تسلیم و اطاعت) کے بعد اچانک زمانہ کفر و شرک کی عداوتوں کو وہ

بھول گئے۔۔۔ یہ عقلاً محال ہے۔

۳۔ ہندو زویہ حضرت ابوسفیانؓ (جنہیں موصوف نے جگرخوار جزہ کا طعنہ دیا ہے) نے بیعت اسلام کے وقت اپنے کرب و غم کا اظہار کیا تھا۔ غالباً ڈاکٹر صاحب امت کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ عین اسلام قبول کرتے وقت بھی اللہ کے دین اور اللہ کے رسولؐ سے ان کا دل صاف نہیں تھا، بدرجہہ مجبوری استسلام کر رہی تھیں۔

۴۔ حضرت ابوسفیانؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خلاف خلافت کے لیے حضرت عثمانؓ کو اکسایا تھا۔

۵۔ غلبہ اسلام کے بعد یہ گروہ مقابلہ کی طاقت نہ پا کر ایک محدود عرصہ کے لیے خاموش ہو گیا تھا مگر جس طرح انگریزوں کے دل میں صلیبی جنگوں کا غم آج تک موجود ہے اسی طرح اس گروہ کے سینہ میں بدر کے انتقام کا جذبہ بھڑکتی ہوئی آگ کی طرح جوش مار رہا تھا۔

۶۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت نے اسلام سے ان کے عناق کو ختم کر دیا تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا دل صاف نہیں ہوا (پھر معلوم نہیں ’اسلام‘ سے ان کا دل کس طرح صاف ہو گیا تھا؟)

یہ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کی صحابہ کی اس جماعت کے بارے میں رائے ہے جن میں حضرت ابوسفیانؓ عامل نجران اور ان کی زویہ ہند کے علاوہ خال المؤمنین کا تب و جی حضرت معاویہ، عتاب بن اسید، گورنر مکہ معظّمہ، یزید بن ابی سفیان عامل تیار، عبداللہ بن سعید عامل فدک و کا تب و جی، عمرو بن سعید عامل خیبر و کا تب و جی، عثمان بن سعید عامل عرینہ، خالد بن سعید کا تب و جی و عامل یمن، ابان بن سعید عامل بحرین، سعید بن سعید با زاو مکہ کے گمران اعلیٰ رضی اللہ عنہم، جمعین جیسی اسلام کی پاکباز شخصیتیں شامل ہیں۔

جن پر خود صاحب و جی، رسالت مآب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعما و کر کے اپنے عہد رسالت میں اسلام اور مسلمانوں کی خدمت پر مامور فرمایا تھا اور اپنے اس انتخاب کے ذریعہ اس جماعت کے ایمان و اخلاق پر ہمیشہ کے لیے مہر تصدیق ثبت فرمادی ہے۔

پھر حضرت ابوصدیقؓ نے اپنے دور خلافت میں اسلامی لشکر کی قیادت اور مصوبوں کی سربراہی جیسے اہم و نازک ترین عہدوں پر انہیں سرفراز کر کے ہمیشہ کے واسطے اسلامی تاریخ میں ان کے ناموں اور کارناموں کو روشن و تابناک بنا دیا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ مستسملین جن کے سینوں میں غزوہ بدر کے انتقام کا جذبہ بھڑکتی

سید معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی

ہوئی آگ کی طرح جوش مار رہا تھا اور قلوب، اسلام اور داعی اسلام سے صاف نہیں تھے (جیسا کہ ڈاکٹر صاحب کی تحقیق ہے) کیا اس اعتماد و اعزاز کے مستحق تھے کہ کلمت وحی جیسی مازک ترین خدمت اور اسلامی ریاست کے اہم مناصب ان کے سپرد کر دیے جائیں؟ کیا ندوی صاحب کی اس تحقیق کو تسلیم کر لینے کے بعد سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی روئے عصمت کو (نعوذ باللہ) جرح و قدح کے دھبوں سے پاک و صاف رکھا جاسکتا ہے؟

بات پہنچی ہے کہاں تک یہ تجھے کیا معلوم؟

اس لیے یہ ہمارے ایمان بالرسول کا تقاضا ہے کہ بغیر کسی بحث و تحقیق اور ریب و شک کے

کہہ دیں کہ _____ واللہ هذا بهتان عظیم.....

ڈاکٹر صاحب نے اپنی بات میں زور پیدا کرنے اور اپنے کمال ادب و بلاغت کے اظہار کے لیے حضرات صحابہؓ کی مقدس جماعت کے ساتھ جس بے ادبی کا مظاہرہ کیا ہے وہ صاف طور پر غماز ہے کہ ”فی قلبہ شیء“

حضرت ابوسفیان، حضرت معاویہ، حضرت یزید بن ابی سفیان، حضرت عتاب بن اسید، حضرت خالد بن سعید وغیرہ رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمد صحابہ کرامؓ و انگریزوں کی صف میں کھڑا کر دینا حدیج کی جسارت ہے جو اہل سنت والجماعت کے صحابہ سے متعلق اجماعی عقیدہ کے یکسر منافی ہے ... مگر حیرت ہے کہ ترجمان ندوۃ تعمیر حیات نے آج تک اس کی واضح طور پر تردید اور اس سے برأت کے سلسلہ میں کچھ نہیں لکھا۔ بعض علماء کی جانب سے حضرت مولانا علی میاں صاحب کو اس نامناسب تحریر کی طرف توجہ دلائی گئی بلکہ احتجاج کیا گیا تو موصوف نے ”ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں اور کارکنوں کا صحابہ کرامؓ کے بارے میں مسلک و عقیدہ“ کے عنوان سے ایک مختصر مضمون شائع فرمادیا جس میں ڈاکٹر عبداللہ عباس صاحب کی تردید میں ایک لفظ بھی نہیں ہے۔ البتہ ان کے بے بنیاد ٹھٹھوں اور صحابہؓ پر خیالات کو ”تاریخی تجزیہ و تبصرہ“ کا نام دے کر یک گونہ علمی حیثیت دے دی گئی ہے۔“ (واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر ۵۳۷-۵۴۵)

مولانا مفتی منظور احمد مظاہری قاضی شہر کانپور مدیر ماہنامہ الفرقان مولانا خلیل الرحمن سجاد صاحب کے نام اپنے ایک خط میں ڈاکٹر عبداللہ عباس صاحب کی صحابہ کرامؓ کی شان میں دیگر توجین آمیز باتوں کے علاوہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ: ”مستسلام کے بعد اچانک ایک پل میں ایسی تبدیلی ہو گئی کہ وہ ہر کانٹہ بھول گئے، اپنی امانیت کو بھول گئے۔ عقلاً محال بات ہے۔“ میرے نزدیک

بالکل بدیہی بات یہ ہے کہ ان جملوں میں جو باتیں کہی گئی ہیں ان سے رجوع کے لیے شرعی و علمی طور پر صرف یہ کہہ دینا ہرگز کافی نہیں ہوگا کہ ”میرے قلم سے جو غلط عبارت نکل گئی تھی اس سے میں رجوع کر چکا ہوں، مزید اپنی برائت ظاہر کرتا ہوں“

بلکہ یہ بھی ضروری ہوگا کہ عبداللہ عباس صاحب ان لوگوں کے خیالات کو پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ دلائل کی روشنی میں غلط قرار دیں جو یہ کہتے ہیں کہ بنو امیہ کے لوگوں نے فتح مکہ کے موقع پر حالات سے مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیے تھے، مگر وہ دل سے کبھی مسلمان نہیں ہوئے تھے اور آگے چل کر انہوں نے اور ان کی اولادوں نے سیدنا حسینؑ کو شہید کر کے بدر کا حساب چکایا۔ گویا غزوہ احد میں ستر بڑے بڑے صحابہؓ کو شہید کر کے بھی اور اتنے ہی زخمی کر کے بھی ان کے دل کو قرار نہیں آیا تھا۔

میں تو سمجھتا ہوں کہ ان حضرات کے اسلام کو سچا اسلام نہ ماننے والی ہجر مانہ ذہنیت کے غلط ہونے کا جب تک صاف صاف اعتراف نہ ہوا اور ان حضرات کے سچے مسلمان ہونے کا صاف صاف اعلان و قرار نہ ہو کوئی علمی ذوق رکھنے والا شخص صرف اتنا کہہ دینے کو ہرگز ”رجوع شرعی“ نہیں قرار دے سکتا جتنا انہوں نے کہا ہے اور جتنے کو آپ نے شاید کافی سمجھ لیا۔

انہوں نے جو کچھ لکھا کم از کم اپنے خیال میں تاریخی و عقلی دلائل کے حوالہ سے لکھا اور اس انداز سے لکھا جس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ یہ ان کے وہ خیالات ہیں جو ان کے دل و دماغ میں رچے بسے ہیں۔ پس کیا صرف یہ عبارت اور الفاظ پر معذرت خواہی کی وجہ سے یہ مان لینا ممکن ہے کہ اب ان کے دماغ کے جالے صاف ہو گئے ہیں اور انہوں نے اپنے ان خیالات کا بالکل غلط ہونا حسیم قلب سے تسلیم کر لیا ہے؟

اس سلسلے میں ایک اور بات جو اور زیادہ کھلی ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ عبداللہ عباس ندوی صاحب نے پہلے تو کسی اور کے حوالہ سے کسی قدر ڈرتے ڈرتے یہ بات نقل کی کہ یہ لوگ فتح مکہ کے موقع پر اسلام نہیں لائے تھے، صرف مجبوراً ہتھیار ڈال دیے تھے اور پھر ذرا حوصلہ پا کر اس بنائے فاسد پر اپنا یہ خیال بھی ظاہر کر ڈالا کہ:

”اس استسلام کے بعد (یعنی مقابلہ سے عاجز ہو کر ہتھیار ڈال دینے کے نتیجے میں) اچانک ایک بل میں ایسی تبدیلی ہو گئی کہ وہ بدر کا غم بھول گئے، اپنی امانیت کو بھول گئے۔ عقلاً محال بات ہے۔“
ذرا گہرائی سے غور کیجیے کسی خطرناک بات اس شخص کی زبان سے نکلی ہے۔ یعنی یہ کہ اس گروہ کے دل سے بدر کا غم نکل جائے یہ عقلاً محال ہے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی

یا درکھیے گا کہ جو چیز عقلی طور پر محال ہوتی ہے اس کا وجود ناممکن ہوتا ہے۔ تو اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ اس شخص کے خیال کے مطابق یہ ناممکن ہے کہ بنو امیہ کے جو لوگ فتح مکہ مکرمہ کے موقع پر اسلام لائے تھے، کبھی بھی ان کے دل سے غزوہ بدر کی شکست کا غم نکل سکے۔ اور کبھی وہ امانیت کو بھول سکے ہوں۔

اب آپ خود فیصلہ فرمائیے کہ کیا ایسے گہرے اور فاسد دلائل پر مبنی خیالات کو صرف ”عبارت کی لغزش“ قرار دیا جاسکتا ہے؟
کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ فکر و نظر کا فساد ہے اور ظاہر ہے کہ جب تک فاسد عقیدہ اور باطل خیالات سے علی الاعلان توبہ نہ کی جائے صرف عبارت کی غلطی تسلیم کر لینے یا عبارت کو تھوڑا سا بدل دینے سے کچھ نہیں ہوتا۔

اس موقع پر اگر آپ عبداللہ عباس ندوی صاحب کے اس ”معضومانہ“ جملہ کو بھی پیش نظر رکھیں کہ یزید کے خلاف شدت جذبات میں میرے قلم سے ایک ایسی عبارت نکل گئی جس سے حضرت ابوسفیان، حضرت ہند اور بنو امیہ کے بعض دیگر صحابیوں کی تنقیص کا مطلب بھی نکالا جاسکتا ہے۔ تو آپ کو موصوف کا تقیہ اور ڈھٹائی صاف نظر آجائے گی کہ پورے ایک کالم میں مرمومہ دلائل کی بنیاد پر اور غیر مبہم الفاظ میں ان صحابہ کو اسلام سے خارج کرنے کے بعد جب کسی نوکے والے نے انہیں ٹوکا تو ان حضرات نے اپنے ان خیالات سے توبہ کرنے کے بجائے صرف اتنے اعتراف سے کام چلانے کی کوشش کی کہ ہاں! میری عبارت سے ان صحابہ کی تنقیص کا مطلب بھی نکالا جاسکتا ہے۔

بہر حال میرا مدعا یہی ہے کہ اپنے وضاحتی بیان میں بھی عبداللہ عباس ندوی صاحب نے ہرگز ہرگز اپنے فاسد خیالات سے رجوع نہیں کیا ہے۔ بلکہ عام لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی ہے۔ یہ ایک علمی مسئلہ ہے عوام اس کی نزاکت اور اس کے دور رس اثرات کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ (واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر ص ۵۷۶-۵۷۸)

ڈاکٹر صاحب کے ”رجوع“ نامے کے الفاظ یہ تھے کہ:

”یزید کے خلاف شدت جذبات میں میرے قلم سے ایسی عبارت نکل گئی جس سے حضرت ابوسفیان، حضرت ہند اور بنو امیہ کے بعض دیگر صحابیوں کی تنقیص کا مطلب بھی نکالا جاسکتا تھا“
مولانا امام علی دانش صاحب اپنے خط میں لکھتے ہیں کہ:

”تعمیر حیات“ کا تبصرہ بہت ہی دل آزار، گمراہ کن اور نفی پرور ہے۔ ندوی تبصرہ نگار نے اسلامی عقائد سے انحراف کیا ہے۔ صحابہ کرامؓ کے ایک پورے گروہ کو معاذ اللہ مسلم تسلیم نہ کرنا اور ان کے دلوں کو رسول اکرمؐ سے صاف نہ کہنا قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔ عجبت نبوی کی اعجازی تاثیر کا انکار ہے۔ واقعہ کربلا کا غزوہ بدر سے کوئی ربط وتعلق نہیں ہے۔ اس قسم کی باتیں وہ لوگ کرتے ہیں جن کو قاتلین عثمانؓ اور دشمنان حسینؓ سے ہمدردی ہے۔ وہ منافقین اسلام کی بدکرداریوں سے توجہ ہٹانے کے لیے ہر واقعہ کو بنو امیہ اور بنو ہاشم کی عداوت پر محمول کرتے رہتے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے دیرینہ عداوتوں کو مٹا کر صحابہ کرامؓ کے قلوب کو آپس میں ملا دیا اور ان میں الفت ڈال دی جس پر قرآن شاہد ہے۔ پھر بیان قرآنی کے خلاف ان میں عداوت و بغض ثابت کرنا کہاں کا اسلام و ایمان ہے۔ ندوہ کے منتظمین کو اپنے آدمی کی حمایت میں عقائد اسلامی کے معاملہ میں تباہوں سے اور مدابنیت سے کام نہیں لینا چاہیے۔ ایسے شخص کو جو صحابہ کرامؓ سے بغض کا مظاہرہ کرے اور توجہ دلانے پر بھی مسلمانوں کی دل آزاری سے باز نہ آئے اور برسر عام معافی نہ مانگے ممکن حد تک اپنے سے الگ رکھنا ضروری ہے۔ (حوالہ مذکور ص ۵۷۹-۵۸۰)

مولانا محمد عیسیٰ صاحب لکھنؤ سے اپنے خط میں لکھتے ہیں کہ:

شروع رمضان ہی میں تعمیر حیات میں کتاب پر تبصرہ پڑھ کر حیران رہ گیا۔ ایسا لگتا تھا کوئی پشتینی عداوت نکال رہے ہوں کوئی توجیہ سمجھ میں نہ آسکی سوائے اس کے کہ خلیج کے مسئلہ میں آپ کے موقف پر کس کے بدلہ چکا رہے ہوں۔ خاص طور سے اموی صحابہ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اسے پڑھ کر دل کا نپ گیا۔ مووودی صاحب نے تو اس کا عشر عشر بھی نہیں لکھا تھا۔ غالی رافضی کے علاوہ صحابہ کے بارے میں اتنے سخت الفاظ کہیں نہیں دیکھے۔ بدر کے ساتھ ڈانڈے ملا کر اموی صحابہ کے ساتھ سخت عداوت کا مظاہرہ کیا ہے۔

میرا خیال ہے تعمیر حیات میں آج تک کسی کتاب پر ایسا سخت و معاندانہ تبصرہ نہیں پڑھا تھا کہ قادیانیوں وشیعوں پر بھی نہیں۔ (حوالہ مذکور ص ۵۶۸)

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ ڈاکٹر عبداللہ عباس کے توہین آمیز مضمون کے خلاف علمائے حق نے ایسا مدت اور پھر پورا احتجاج کیا کہ جس سے مولانا ابوالحسن علی ندوی اور ندوۃ العلماء کے مظلوم تعلیمات ڈاکٹر عبداللہ عباس تین ماہ کے اندر ہی (۱۰ مارچ ۱۹۹۲ء) اجوری وضاحت اور مبہم رجوع پر مجبور ہو گئے۔ اس کے بعد اس مسئلہ پر پورے برصغیر میں سکوت طاری رہا جسے ۲۱ سال بعد توڑنے کی سعادت پاکستان میں عالمی

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی

مجلس تحفظ ختم نبوت کے اہم اور مرکزی رہنما مولانا اللہ وسایا صاحب کو حاصل ہوئی۔ اس پر جامع تبصرہ زیر نظر کتاب کے آخر میں زیر عنوان ”شاہین ختم نبوت“ مولانا اللہ وسایاؒ کا حلف فرمائیں۔

موصوف نے محرم ۱۴۳۵ھ کی آمد سے ایک ماہ قبل بلا ضرورت توہین صحابہ پر مبنی ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کا ایک ”مراجعہ عنہ“ مکمل مضمون ختم نبوت کے ترجمان رسالہ ماہنامہ لولاک میں اپنے حسب ذیل ”تعارفی“ کلمات کے ساتھ شائع کروایا:

”واقعہ کر بلا اور اس کا پس منظر“..... کا تجزیہ!

یہ کتاب یزیدیت کی پیروی کا نیا گملہ ہے۔

لکھنؤ میں مولانا محمد منظور نعمانی کے صاحبزادہ نے ”واقعہ کر بلا اور اس کا پس منظر“ لکھی۔ اس پر مولانا ابوالحسن علی ندوی کے حلقہ کے ایک صاحب (مولانا عبداللہ عباس ندوی) نے تبصرہ لکھا جو ریکارڈ میں محفوظ کرنے کے لیے پیش خدمت ہے۔ یہ دارالعلوم ندوہ کے پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنؤ ۱۰ مارچ ۱۹۹۲ء سے ماخوذ ہے۔ ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ ادارہ مذکورہ تمبیدی اور تعارفی کلمات کے بعد آگے پورا مضمون نقل کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو ماہنامہ لولاک ملتان ص ۲۵ تا ۲۵۲۔ ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ / اکتوبر ۲۰۱۳ء۔

”لولاک“ کے مذکورہ شمارہ میں کل پندرہ عنوانات فہرست میں دیئے گئے ہیں جن میں سے صرف چار عنوانات کا ”نائل“ پر اشارہ دیا گیا ہے ان میں سے ڈاکٹر عبداللہ عباس کے توہین صحابہ پر مبنی انتہائی دل آزار، متعفن اور بدبودار مضمون کو خاص طور پر ”ہائی لائٹ“ کر کے ”گلاب کے پھولوں“ میں سجا کر قارئین کو متوجہ کیا گیا ہے جس سے نہ صرف مولانا اللہ وسایا کے ”قصد اور نیت“ کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے بلکہ بعد میں ان کے ”ضروری اعتدال“ کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ مولانا اللہ وسایا نے اسی زیر بحث شمارہ کے ادارہ میں قارئین لولاک کو یہ نوید بھی سنائی کہ ”قارئین تک یہ شمارہ (سالانہ) کانفرنس (۲۵- اکتوبر ۲۰۱۳ء) سے قبل پہنچ جائے گا اور آپ سب اس کو پڑھ کر کانفرنس پر پہنچ جائیں گے“ (ماہنامہ لولاک اکتوبر ۲۰۱۳ء ص ۵)

مولانا اللہ وسایا صاحب نے حضرت ابوسفیان، حضرت ہند، حضرت معاویہ، حضرت یزید بن ابی سفیان اور دیگر اموی صحابہ رضی اللہ عنہم کی توہین پر مبنی اس بدبودار مضمون کو اس کی اشاعت اولین کے ۲۱ سال بعد ”ریکارڈ“ میں محفوظ کرنے کے لیے قارئین کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ کیا ”ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں“ کے الفاظ لکھ دینے سے صحابہ کرامؓ کی توہین اور بے ادبی میں ”تخفیف“ واقع ہو جائے

گی؟ کیا ’اُوارہ‘ اس توہین آمیز مضمون کی اشاعت پر عبداللہ و عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما قرار دے دیا جائے گا؟ اگر بالفرض . . . مولانا اللہ وسایا صاحب کا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کے بدبو دار مضمون کے مندرجات کے ساتھ اتفاق نہیں تھا تو پھر اسے کس کے ”ریکارڈ“ میں محفوظ کرنے کے لیے ”لولاک“ جیسے مذہبی آرگن میں شائع کرایا گیا؟ کیونکہ موصوف کے ”ریکارڈ“ میں تو یہ توہین آمیز مضمون پہلے سے محفوظ تھا۔ موصوف کو اس بات کا خدشہ تھا کہ ۲۱ سال پرانا مضمون لوگوں کے ذہن سے محو ہو گیا ہو گا اس لیے اسے ”تازہ“ کرنے اور ”ریکارڈ“ میں محفوظ کرنے کے لیے دوبارہ شائع کرنا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں موصوف کی مائٹنگ (یعنی محرم سے ایک ماہ قبل) یقیناً قابلِ داد ہے کیونکہ ۱۵ نومبر ۲۰۱۳ء / ۱۰ محرم ۱۴۳۵ھ کو دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی کا سانحہ رونما ہو گیا۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ وضاحت ہے کہ ۱۹۹۲ء کو تعمیر حیات میں ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کا جو مضمون شائع ہوا تھا اس کا عنوان کچھ یوں تھا کہ:

واقعہ کر بلا اور اس کا پس منظر۔

تعمیر حیات کا تبصرہ

از قلم مولانا عبداللہ عباس ندوی

لیکن مولانا اللہ وسایا صاحب نے ماہنامہ لولاک میں تعمیر حیات لکھنؤ ۱۰ مارچ ۱۹۹۲ء کے حوالہ سے ہی ڈاکٹر صاحب کا یہ تبصرہ اس عنوان کے تحت شائع کیا ہے کہ:

”واقعہ کر بلا اور اس کا پس منظر“..... کا تجزیہ!

یہ کتاب یزیدیت کی پیروی کا نیا گملمہ ہے۔

مولانا عبداللہ عباس ندوی

اس عنوان اور ترتیب سے تو یہ مفہوم سمجھ میں آتا ہے کہ عنوان میں ”یہ کتاب یزیدیت کی پیروی کا نیا گملمہ ہے“ کے الفاظ بھی ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی ہی کے ہیں لیکن راقم الحروف کے پاس تعمیر حیات میں شائع شدہ اس مضمون کا مکمل نوٹ ہے اور اس میں مذکورہ الفاظ پورے مضمون میں کہیں بھی نہیں ہیں۔

دونوں مضامین کے عنوانات کے تقابلیں سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ الفاظ پر مشتمل ”مختصر مگر جامع“ تبصرہ مولانا اللہ وسایا صاحب کا خود اپنا ہے جو اس خوبصورتی اور بہارت کے ساتھ شامل کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا اسے عبداللہ عباس ندوی کے ہی الفاظ سمجھے۔ طرفہ متاثرانہ کہ اس قدر اہتمام

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی

اور تعارفی سطور کے ساتھ اشاعت کے باوجود یہ بھی لکھ دیا گیا ہے کہ ”ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں“، اگر بالفرض اتفاق نہیں تھا تو پھر صحابہ کرامؓ کی توہین چینی اس مضمون کی ۲۱ سال بعد محرم کے آغاز سے ایک ماہ قبل اشاعت کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ آخر اس بات کہ ”ریکارڈ میں محفوظ کرنے کے لیے پیش خدمت ہے“ اور ”ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں“ میں کیا ربط اور جوڑ ہے؟

بہر حال اس توہین آمیز مضمون کی اشاعت کے بعد چند حضرات کے توجہ دلانے پر مولانا اللہ وسایا صاحب نے لولاک کے اگلے شمارے میں قارئین سے معذرت کر لی جسے ہر مومن بالقرآن کے ”ریکارڈ میں محفوظ کرنے کے لیے بدیہ قارئین کیا جا رہا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

ضروری اعتذار:

”ندوة العلماء لکھنؤ کا ترجمان رسالہ ”تغیر حیات“ ہے۔ دارالعلوم العلماء کی تاریخ اسلام کی اشاعت میں گراں قدر خدمات، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی سرپرستی میں شائع ہونے والے اس رسالہ میں ندوہ کے نہ صرف فاضل بلکہ ماہر تعلیمات مولانا عبداللہ عباس ندوی کا ایک دیرینہ مضمون تھا۔ کسی نے اس کی فوٹو بھجوائی جو عرصہ سے بغیر پڑھے رکھ دی تھی۔ اب حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور رزوی کی نئی کتاب ”محمود عباسی نظریات کا تحقیقی جائزہ“ تبصرہ کے لیے آئی تو فقیر نے عبداللہ عباس ندوی کا وہ مضمون جو ایک کتاب ”واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر“ پر تبصرہ تھا اسے بھی یہاں ریکارڈ کے لیے شائع کیا۔ کیونکہ محمود عباسی اور تحقیق سنبھلی دونوں بزم یدیت کے علمبردار اور ان کی کتابیں بزم یدیت کی پیروی کا نیا گملہ ہیں۔

ماہنامہ لولاک کی ترتیب کی تمام تر ذمہ داری فقیر کے ذمہ ہے۔ سوال المکرم تا ذی الحجہ شب و روز تین ماہ کے طوفانی اسفار رہے۔ ختم نبوت کانفرنس چناب نگر کی تیاری کی مصروفیت علاوہ ازیں تھی۔ چنانچہ ماہنامہ لولاک کے یہ شمارے بھاگ بھاگ میں مرتب ہوئے۔ اس مصروفیت میں ندوہ کے کام و کام کے اعتماد میں مولانا عبداللہ عباس ندوی کا مضمون وقت نظر سے نہ پڑھا جاسکا۔ سرسری اور سطحی نظر سے دیکھا۔ بعض مقام قلمو د بھی کیے، ”ادارہ کا مضمون سے اتفاق ضروری نہیں“ کا نوٹ لگا کر جلدی میں کمپوزنگ کے لیے بھجوا دیا۔ ایسی چیزوں کی کمپوزنگ کے بعد کantz چھانٹ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان کہ پروف ریڈنگ بھی اپنی مصروفیت کے باعث فقیر نہ کر پایا۔ جب ذی الحجہ کا پڑچہ چھپ کر آیا تو بعض ہی خوابان نے توجہ دلائی کہ اس میں سیدنا حضرت (ابو۔ از۔ مؤلف) سفیانؒ ایسے حضرات

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی

سے متعلق ایسی بات آگئی ہے جو کسی بھی طور پر کسی بھی مسلمان کے ایمانی تقاضا کے منافی ہے۔
امیر مرکز یہ حضرت مولانا عبدالجید لدھیانوی، حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر،
حضرت مولانا عزیز الرحمن جالندھری، مولانا صاحبزادہ عزیز احمد، حضرت مولانا عبدالرؤف،
مولانا محمد طیب فاروقی اسلام آباد اور دیگر احباب نے توجہ دلائی۔

جامعہ نعمانیہ ڈیرہ اسماعیل خان کے مولانا احسان اللہ احسان کے خط سے معلوم ہوا کہ اس
مضمون سے خود مضمون نگار نے بھی رجوع کیا تھا۔ دارالعلوم دیوبند میں اس مضمون کا جواب بھی
لکھا گیا۔ مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا ابوالحسن علی ندوی کی اس پر خط و کتابت بھی ہوئی۔ فقیر کے
لیے یہ تمام معلومات نئی تھیں۔ اپنی لاعلمی پر بہت ہی ترس آیا۔ حضرات صحابہ کرامؓ، حضرات اہل
بیت عظامؑ کی محبت اور ان کا احترام تمام مسلمانوں کے لیے ایمان کا حصہ ہے۔

اس مضمون کے قائل اعتراض حصوں پر جتنی اور اہل اسلام کی (اہل اسلام کی جتنی از مؤلف) دل
آزاری ہوئی ان سب سے بڑھ کر اکیلے فقیر راقم اس سے دل گرفتہ ہوا۔ غفلت چاہے غیر ارادی تھی لیکن اس
کا باعث فقیر بنا۔ اس پر اللہ رب العزت کے حضور تمام تارمین کے سامنے استغفار کرتا ہوں۔ تمام تارمین جن کی
دل آزاری ہوئی، سے معذرت چاہتا ہوں۔ اللہ رب العزت جو دلوں کے رازوں کو جانتے ہیں وہ فقیر کی اس
غیر ارادی غلطی کو معاف فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کو جزائے خیر سے نوازیں جنہوں نے اس پر تنبیہ فرمائی۔ میں
انہیں یقین دلاتا ہوں کہ مجھ تعالیٰ کسی بھی مسلمان سے اصحاب کرامؓ و اہل بیت عظامؑ سے محبت اور ان
کے احترام میں کم نہیں ہوں۔ لولا کہ کارپکار ڈگواہ ہے کہ جب سے اس کی ترتیب فقیر کے ذمہ گئی ہے
اس دن سے کوئی شمارہ صحابہ کرامؓ، اہل بیت عظامؑ کے ذکر مبارک سے خالی نہیں۔ یہ کسی پر احسان
نہیں بلکہ یہ بات ایمان کا حصہ اور عین تقاضا ہے۔ مگر بایں ہمہ انسان نسیان و خطا کا پتلا ہے۔

آئندہ کے لیے بھی دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ایمان و اسلام کی سلامتی سے سرفراز فرمائیں
اور خطاؤں سے محفوظ رکھیں۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔ آمین بحرمۃ النبی الکریم۔

راقم (مولانا) اللہ وسایا

(ماہنامہ لولا کہ ملتان میں اندرون ناسٹل۔ نومبر ۲۰۱۳ء)

تارمین کرام! اس ”ضروری امتداد“ کو بار بار پڑھیں اور خوب ہی یہ فیصلہ کریں کہ کیا اس ”امتداد“ پر یہ
مقبولہ صادق نہیں آتا کہ: ”معذرت راخندہ می آید بر استعداز“

زیر بحث دل آزار مضمون کی اشاعت کے حوالے سے بنیادی سوال یہی ہے کہ ۲۱ سال کے بعد اس کی اشاعت ”بھگم بھاگ“ کیفیت میں کیوں ضروری سمجھی گئی؟ موصوف نے اس کی بنیادی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ ان دنوں میں مفتی عبداللہ کورٹنڈی کی کتاب ”محمود عباسی نظریات کا تحقیقی جائزہ“ تبصرہ کے لیے آئی ہوئی تھی اس لیے فقیر نے عبداللہ عباس ندوی کا وہ مضمون جو ایک کتاب ”واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر“ پر تبصرہ تھا اسے بھی یہاں ریکارڈ کے لیے شائع کیا کیونکہ محمود عباسی اور مفتی الرحمن سنہلی دونوں یزیدیت کے علمبردار اور ان کی کتابیں یزیدیت کی پھیری کا نیا گملمہ ہیں۔“

اسی ”جذبہ صداقت“ کے تحت موصوف نے دل آزار مضمون کے لیے لولاک کے پورے سات صفحات (۲۵۲۱۹) وقف کر دیے حالانکہ سنہلی صاحب کی کتاب تو ان کے پاس برائے تبصرہ ہرگز نہیں آئی تھی۔ اگر سنہلی صاحب کی کتاب سے قارئین کو آگاہ کرنا ضروری تھا تو پھر کیا اس کے لیے یہ بہتر نہیں تھا کہ اسے ترمذی صاحب کی کتاب پر تبصرہ کے ساتھ ہی شامل کر لیا جاتا؟ یہ ملحوظ رہے کہ اس کتاب پر تبصرہ بھی ”لولاک“ کے اسی شمارہ میں شامل ہے جو خود ”ادارہ“ یعنی مولانا اللہ وسایا صاحب کے ہی قلم سے ہے۔ چنانچہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے موصوف فرماتے ہیں کہ:

”رسوائے زمانہ محمود عباسی علیہ ماعلیہ نے ایک کتاب لکھی جو تحقیق کے نام پر دجل و جال اور تلبیس ابلیس کا نمونہ تھی۔ اس کتاب کا نام ”خلافت معاویہ و یزید“ تھا۔ اس کتاب کے ذریعے محمود عباسی نے پاکستان میں فتنہ یزیدیت کی بنیاد رکھی۔ پھر شیطانی ذریت بلکہ ذریت البغایا کی ایک فصل اُگ آئی۔ محمود عباسی کی کتاب حیا سوز تھی تو اس کا جواب ایمان افروز ہے۔ پڑھیے اور آنے والی نسل کو یزیدیت کے ملعون فتنہ سے بچائیے۔“ (ماہنامہ لولاک ۱۵ اکتوبر ۲۰۱۳ء ص ۵۲-۵۳)

کاش کہ موصوف اسی شمارے میں ڈاکٹر ندوی کے مضمون کے لیے پورے سات صفحات وقف کرنے کے بجائے اسی مقام پر سنہلی صاحب کی کتاب کا ذکر بھی کر دیتے۔

مولانا اللہ وسایا صاحب کے ”اعتماد“ میں دوسری حیران کن بات یہ ہے کہ انہوں نے ۲۸ سطروں پر مشتمل اپنے اعتماد میں میں نفس مسئلہ پر صرف ایک سطر ”مصرف فرمائی پھر اس میں صحابی کا پورا نام بھی نہیں لکھ سکے“ اس میں سیدنا حضرت سفیانؓ ایسے حضرات سے متعلق ایسی بات آگئی ہے۔۔۔۔۔“

کاش مولانا اللہ وسایا صاحب ان صحابہ کرامؓ (جن کے ایمان پر ڈاکٹر عبداللہ عباس نے حیا سوز حملے کیے تھے) کا بنام ذکر کر کے کم از کم اسی انداز میں تردید کر دیتے جس انداز میں انہوں نے محمود احمد عباسی کے نظریات کی تردید کی ہے۔

۳۶۔ پیر سید نفیس الحسنی

(م ۱۴۲۹ھ / ۲۰۰۸ء)

خاندانی نام ”انور حسین“ ہے جب کہ ”نفیس الحسنی“ کے قلمی نام سے شہرت پائی۔ سلسلہ نسب خواجہ دکن سید محمد گیسو دراز سے ہوتا ہوا حضرت زید بن زین العابدین بن حسین بن علیؑ تک جا پہنچتا ہے۔ اسی نسبت سے آپ ایک عرصہ تک ”سید انور زیدی“ کے نام سے شعر و شاعری فرماتے رہے اور اپنے آپ کو ”زیدی“ لکھتے رہے۔ بعد میں حضرت حسینؑ اور اپنے جد امجد خواجہ گیسو دراز کی طرف نسبت کر کے ”حسینی“ کہلانے لگے۔

دینی تعلیم تو باقاعدہ کسی مدرسہ سے حاصل نہیں کر سکے البتہ دنیاوی تعلیم گورنمنٹ کالج لاکل پور (فیصل آباد) سے انٹرمیڈیٹ تک پائی جب کہ فن خطاطی میں بام عروج تک پہنچے۔

۱۹۵۷ء میں برصغیر کے مشہور و معروف روحانی پیشوا حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت ہوئے اور تکمیل سلوک کے بعد ”اجازت و خلافت“ سے سرفراز ہوئے۔ چونکہ حضرت شاہ صاحب کا شجرہ حضرت زید بن زین العابدینؑ کے ساتھ ملتا ہے اس لیے ان کے ساتھ بے پناہ محبت و عقیدت تھی۔ اکلوتے بیٹے سید انیس الحسن تو ان کی زندگی میں ہی ۸۔ اکتوبر ۲۰۰۱ء کو انتقال کر گئے تھے لیکن بڑے پوتے کا نام ان ہی کی عقیدت میں سید زید الحسن رکھا جنہیں اپنی زندگی کے اخیر ایام میں جانشینی کو اپسندیدہ سمجھنے کے باوجود کسی نہ کسی مصلحت کے تحت اپنا جانشین نامزد فرما ہی دیا۔

۱۹۸۳ء میں اپنے سفر حج کے موقع پر ”مسند امام زید“ خرید کر ساتھ لائے اور اسے شائع کرانے کی خاطر اپنے ایک مرید مولوی محمد اشرف صاحب (فاضل مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ) کو ترجمہ کرنے کا حکم دیا۔ جب دوسرے علماء کو پتہ چلا تو انہوں نے مولوی اشرف صاحب کو ترجمہ کرنے سے منع کیا کہ اس سے ”شیعیت“ پھیلے گی جس سے وہ تذبذب کا شکار ہو گئے۔

یہ سن کر پہلے تو شاہ صاحب خاموش ہو گئے پھر فرمایا: ”معلوم نہیں انہیں کیا ہو گیا۔ اہل بیت سے ان لوگوں کو اتنی پر خاش کیوں ہے؟ خیر کافی عرصہ اسی طرح گزر گیا۔ میرے (یعنی شاہ جی کے) دل میں خیال آیا کہ جیسے بھی ہو اس کتاب کو چھپنا چاہیے۔ چنانچہ میں نے پختہ ارادہ کر لیا۔

ایک دن میں اسی جوش میں بیٹھا تھا کہ مولانا اشرف صاحب آئے۔ میں نے ان سے صاف صاف کہہ دیا کہ مولانا آپ ترجمہ کریں یا نہ کریں ہم یہ کتاب ضرور چھاپیں گے۔ مولانا نے یہ دیکھ کر ہامی بھرنی کہ میں ضرور اس کا ترجمہ کروں گا...

حضرت نے فرمایا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے اہل بیت سے بہت زیادہ تعلقات تھے۔ حضرت امام صاحبؒ نے حضرت امام جعفر صادقؒ اور ان کے والد امام محمد باقرؒ سے حدیث پڑھی ہے... اور عراق میں امام صاحبؒ نے حضرت امام زیدؒ سے استفادہ کیا ہے اور ان کی تحریک کا بھرپور ساتھ دیا ہے۔“ (مجلس نہیں ص ۲۸۶-۲۸۸)

مولانا نعیم الدین صاحب استاذ الحدیث جامعہ مدنیہ کریم پورک لکھتے ہیں:

”حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو اہل بیت سے محبت ایک تو اس لیے ضروری ہے کہ یہ خاندان رسالت ہے اور حضور علیہ السلام سے محبت کا تقاضا ہے کہ خاندان رسالت سے محبت کی جائے۔ دوسرے اس لیے بھی ضروری ہے کہ ہم خفی میں یعنی حضرت امام ابو حنیفہؒ کے پیروکار ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کو اہل بیتؑ سے بہت زیادہ تعلق تھا۔ آپ اہل بیت کرامؑ کی خدمت میں رہے اور ان کی خدمت کرنے کو باعث سعادت خیال فرماتے تھے۔ آپ نے امام محمد باقرؒ، امام جعفر صادقؒ اور امام زید رحمہم اللہ سے علوم نبوت اور اشغال طریقت حاصل کیے تھے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ، حضرت امام جعفر صادقؒ کی خدمت میں دو سال رہے تھے۔ ان دو سالوں کی نسبت امام صاحبؒ فرمایا کرتے تھے۔

”لو لا المستان لهلك النعمان“ اگر نعمان کو یہ دو سال نصیب نہ ہوتے تو وہ ہلاک ہو جاتا۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اہل بیت کی جانب سے اٹھنے والی ہر تحریک کا ساتھ دیا تھا۔ اموی حکمران ہشام بن عبد الملک کے خلاف جب حضرت امام زیدؒ نے خروج کیا تو حضرت امام ابو حنیفہؒ نے ان کی مالی امداد بھی کی اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بیان بھی جاری فرمایا:

”خُرُوجُهُ بُضَائِي خُرُوجَ رَسُولِ اللَّهِ يَوْمَ بَدَدٍ“ حضرت زیدؒ کا اس وقت اٹھ کھڑا ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدر میں تشریف لے جانے کے مترادف ہے۔ ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحبؒ نے بڑے جوش میں فرمایا:

”نہ معلوم لوگ اہل بیت سے اس قدر کیوں دور ہیں، آخر یہ اہل بیت سے بچ کر کہاں جائیں گے؟ قرب قیامت تو پھر اہل بیت کا دور ہو گا۔ اہل بیت کی عظمت کا اندازہ اس سے کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر سے بھی ایک نماز امام مہدی کی

افتداء میں پڑھو گئے۔“ (مجلس نفیس ص ۷۰-۷۳)،

شاہ صاحب نے فرمایا: ”ہمیں اہل بیت سے شیعوں کا تسلط ختم کرنا چاہیے کیونکہ اہل بیت ہمارے ہیں۔ اہل بیت کو شیعوں کے سپرد کرنے والی پالیسی ٹھیک نہیں ہے۔ ہم اہل بیت کا کثرت کے ساتھ ذکر کریں گے تو شیعہ کا تسلط ختم ہو جائے گا۔“

ایک صاحب سے آپ نے فرمایا: جس طرح ہم پر صحابہ کرام کا دفاع واجب ہے اسی طرح اہل بیت کا دفاع بھی واجب ہے۔ اہل سنت والجماعت کے یہاں صحابہ کرام اور اہل بیت دونوں با عظمت ہیں اس لیے کہ ان کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے اور جس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو وہ قابل عظمت ہے بلکہ اہل بیت کی عظمت زیادہ ہے کیونکہ ان کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہے۔ (حوالہ مذکور ص ۱۲۰)

مولانا نعیم الدین صاحب لکھتے ہیں:

”جب ہم حضرت شاہ صاحب کی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کی زندگی اتباع سنت کا کامل نمونہ تھی۔ شکل و صورت ہو یا لباس و پوشاک، نشست و برخاست ہو یا کردار و گفتار، کھانا پینا ہو یا سونا جاگنا، ہر ہر امر میں آپ نے اتباع سنت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا تھا۔ شاہ صاحب مہر فاطمی پر نکاح پڑھ لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ لڑکی کا والد پانچ ہزار روپے مہر پر مصر ہوا تو جلال میں آگئے اور اس زور سے لڑکی کے والد کے منہ پر ”ہاتھ مارا کہ منہ سے خون نکل آیا لیکن ”خلاف سنت“ نکاح نہیں پڑھ لیا اور سب کو اٹھوا دیا۔ (ملاحظہ ہو مجلس نفیس ص ۸۳-۸۶)

معلوم نہیں کہ پیر صاحب نے بھری محفل میں شریعت میں ایک جائز مطالبہ پڑھنے کے والد کو اس قدر زور دیا کیوں رسید کیا جس کی وجہ سے اس کے منہ سے خون جاری ہو گیا؟

حضرت شاہ صاحب نے اپنی عمرانی میں اپنے کلام ”یہ گگل“ کی ترتیب و طباعت کرائی۔ مرتب اظہار احمد گیلانی تھیس میمنی قادری لکھتے ہیں کہ:

”اس مجموعہ کی ترتیب میں ہر قدم پر جناب نفیس الحسنی مدظلہ العالی کی خواہش اور مشورہ شامل رہا ہے۔“ (یہ گگل ص ۵۹)

اس کتاب کے آخری باب ”مصری قلم“ کے تحت شاہ صاحب کی خطاطی کے چند نمونے بھی دیے گئے ہیں۔ صفحہ ۲۱ پر ایک حدیث لکھی گئی ہے:

”حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْإِيمَانِ — صَدَقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت (جس کی پیر صاحب نے ”صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ کے الفاظ کے ساتھ تصدیق کی ہے) بالکل بے اصل اور محض جعل سازی ہے۔ ایسی کوئی روایت نہ مرفوع ہے اور نہ کسی صحابی کا اثر ہے۔

”مجلس نفیس“ کے بنظر عمیق مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موصوف میں بعض صوفیاء کرام کی طرح ”اہل بیت“ سے اظہار محبت و عقیدت میں اہل سنت کے اعتقاد کے مطابق مطلوبہ احتیاط کے بجائے ”غلو“ اور ”زیدیت“ کی مسلکی جھلک (یعنی تفصیلیات) صاف طور پر نظر آتی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ انداز انہوں نے معتقداہل تشیع کا ”اہل بیت“ سے تسلط ختم کرنے کے لیے اختیار کیا ہو۔ علاوہ ازیں اسی ”مجلس نفیس“ کے آخر میں زیر عنوان ”ملک نفیس“ حضرات ”عشرہ مبشرہ“ کی ترتیب میں حضرت علیؑ کو حضرت عثمانؓ پر مقدم کیا گیا ہے۔

وہ یار بہشتی اند قطعیے ابو بکر و عمر، علی و عثمان
سعد است و سعید، ابو عبیدہ طلحہ است و زبیر، عبدالرحمن
(مجلس نفیس ص ۷۴۹)

جب کہ اسی صفحہ پر ایک دوسرے شعر میں درست ترتیب دی گئی ہے:

جداغ و مسجد و محراب و منبر ابو بکر و عمر، عثمان و حیدر
مرتب ”مجلس نفیس“ محمود احمد عباسی کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

”پاکستان میں ماضی تحریک کے بانی..... آپ علی گڑھ کے فاضل اور سرسید کے افکار کے حامل تھے۔ مروہہ میں نیچری افکار کی ترویج اور نفی اہل بیت کی وجہ سے ان کی شہرت اچھی نہیں تھی۔ قیام پاکستان کے بعد کراچی چلے آئے اور یہاں رسوائے زمانہ کتاب ”خلافت معاویہ ویزید“ لکھ کر ماصیبت کے فروغ کا باعث بنے۔ بزو شیعیت پر کام کرنے والے حضرات عموماً اور ممانی حضرات خصوصاً ان کی تحریک سے متاثر ہوئے۔“ (مجلس نفیس ص ۵۸۱)

یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحب ”فتنہ ماصیبت“ کے خلاف زندگی بھر یہ سر پیکار رہے بلکہ ”انٹھنے والے ہر فتنہ پر نظر رکھتے تھے خواہ وہ داخلی فتنہ ہو یا خارجی فتنہ اور نئے پیدا شدہ فتنوں کے خلاف جہاں خود بھی کوشش فرماتے تھے وہیں اپنے احباب و توسلین کو بھی ان کے دفعیہ کی طرف متوجہ فرماتے تھے۔ فتنہ خارجیت ہو یا رافضیت، ممانیت ہو یا یزیدیت، قادیانیت ہو یا غیر مقلدیت سب ہی سے آپ نہایت خاموشی کے ساتھ برسر پیکار رہے۔“ (مجلس نفیس ص ۱۱۱)

مرتب ”مجلس نفیس“ لکھتے ہیں: ”آج کل بہت سے لوگ کراچی کے محمود احمد عباسی کی زہریلی تحریک سے متاثر ہو کر اہل بیت سے دور ہوتے جا رہے ہیں اور العیاذ باللہ امام عالی مقام حضرت امام حسینؑ کو یزید کے مقابلہ میں خطا وار سمجھنے لگے ہیں اس پر حضرت شاہ صاحبؒ انتہائی افسوس کا اظہار فرماتے تھے کہ ہمارے اکابر اہل بیتؑ کے مناقب بیان کرتے تھے اور یہ جدید محقق یزید کی صفائیاں پیش کرنے میں لگے ہوئے ہیں... (محوالہ سید متین ہاشمی فرمایا) دیوبندیت کو دو چیزوں نے بہت نقصان پہنچایا ہے ایک یزیدیت دوسرے ماتیت۔“ (مجلس نفیس ص ۷۰)

جانشین امیر شریعت سید عطاء المعظم شاہ بخاریؒ کی از زعمائے اہل سنت والجماعت تھے انہوں نے ہر باطل فرقے اور ”فقے“ بالخصوص رافضیت و سبائیت کے خلاف بہت کام کیا شاید اسی وجہ سے نفیس الحسینی شاہ صاحبؒ نے انہیں بھی علامہ محمود احمد عباسی کے متاثرین میں شامل کر لیا؛ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”عطاء المعظم شاہ صاحب (اپنے نام کے ساتھ) صرف ابو ذر بخاری لکھا کرتے تھے لیکن جب محمود احمد عباسی کی کتاب کو پڑھا اور اس سے متاثر ہوئے تو پھر ابو معاویہ یزید ہالیا۔

فرمایا: عباسی کی کتاب نے یزید اسلم ڈھالیا ہے یزید اس سے دھوکہ کھا گئے۔

فرمایا: شاہ (عطاء المعظم شاہ) صاحب نے مجھ سے خود کہا تھا کہ میں نے یہ کتاب (خلافت معاویہؓ و یزید) سو فائدہ پڑھی ہے۔ شاہ صاحبؒ کراچی جا کر اس سے ملے بھی تھے۔“ (مجلس نفیس ۲۳۵-۲۳۶)

جانشین امیر شریعت کے متعلق تو یہ بات ہرگز تسلیم نہیں کی جاسکتی کہ انہوں نے محمود احمد عباسی کی کتاب ”خلافت معاویہ و یزید“ سے متاثر ہو کر اپنی کنیت ”ابو معاویہ“ رکھی کیونکہ وہ خود پاکستان میں تحریک تجدید اسمائے صحابہؓ کے بانی تھے انہوں نے یزید کی کٹھن مہم چلا کر سینکڑوں لوگوں کے گھروں میں نومولود بچوں کا نام ”معاویہ“ رکھوایا۔

خاندان رسالت کے ایک ممتاز فرد ہونے کے باوجود اپنی ”خاندانی عصبيت“ کو قربان کر کے برصغیر کے سادات کی تاریخ میں پہلی بار خود اپنے بچوں کے نام ”محمد معاویہ“ اور ”محمد مغیرہ“ رکھے۔

سخت حیرت ہے کہ ایسے جری، نڈر، بے باک اور بہادر شخص کے بارے میں سید نفیس الحسینی شاہ صاحبؒ نے یہ کس طرح لکھ دیا کہ

”ہمارا یہ مضمون مولانا عطاء المعظم شاہ صاحبؒ نے بھی پڑھا۔ ان کے یہاں کسی کی خوبی مشکل سے بیان ہوتی تھی لیکن اس مضمون کے بارے میں فرمایا یہ ”ایٹم بم“ ہے۔“ (مجلس نفیس ۲۵۴)

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ جانشین امیر شریعت اپنے وپرائے اور دوست و دشمن کی پروا کیے بغیر ہر شخص کی ”واقعی خوبی“ بیان کرنے میں ہرگز ہجرت سے کام نہیں لیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے یزید سمیت محمود احمد عباسی تک کی ”خوبی“ بیان کرنے میں کبھی ”ہجرت“ سے کام نہیں لیا۔ چنانچہ خیر المدارس کے سالانہ جلسہ میں خطاب کرتے ہوئے جانشین امیر شریعت فرماتے ہیں:

”مجھ سے پہلے جس یزید کی تردید ہو رہی تھی میرا ایمان ہے کہ صحابہؓ کی جوتیوں کی برکت سے اگر میں تقریر نہیں کروں گا تو اس یزید کی جوتی کو بھی کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ وہ بہت بڑا مشہور ہے؟ لیکن یقیناً وہ ابن سبا سے برا نہیں ہے، حسن بن صباح سے برا نہیں ہے، سکندر مرزا سے برا نہیں ہے، غمینی سے برا نہیں ہے، اس لیے کہ وہ صحابی کا بیٹا ہے، صحابی کا پوتا ہے، ہائے ماں کا بیٹا ہے اور ام المومنین سیدہ ام حبیبہؓ کا بھتیجا ہے۔

وہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے مقابلے میں تو برا ہو سکتا ہے ہر لپاڑیے کو اس کے مقابلے میں نہیں لایا جاسکتا۔ شرابیوں اور زانیوں کو اس کے مقابلے میں کھڑا نہیں کیا جاسکتا۔ جن کے باپ کا سات ملاحوں میں پتہ نہ ہو وہ یزید کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔“ (ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان ص ۲۱۰۔ اشاعت خاص اکتوبر، نومبر ۱۹۹۷ء)

حضرت سید نفیس الحسنی شاہ صاحب، مولانا قاری قیام الدین الحسنی کی تالیف ”تذکرہ کاتبہ وحی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ“ پر اپنی ”تقریظ“ میں فرماتے ہیں:

آخر میں یہ اشارہ کر دینا بھی ضروری ہے کہ اس زمانہ میں محمود احمد عباسی کی تحریروں سے متاثر ہونے والے اکثر لوگ حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع کرتے ہوئے جاؤہ حق سے تجاوز کر جاتے ہیں اور خاتم الخلفاء الراشدین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی تنقیص و توہین کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس افراط و تفریط سے بھی مسلمانوں کو محفوظ فرمائے۔

(آگے بحوالہ مولانا محمد منظور نعمانی، امام اہل سنت مولانا عبدالحکیم لکھنوی کے ”غیر معمولی اعتدال“ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:)

ایک موقع پر حضرت علی المرتضیٰؑ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درجات کا فرق بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”حضرت علی المرتضیٰؑ سابقین اولین کی پہلی صف کے بھی اکابر ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگرچہ صحابی ہونے کی حیثیت سے ہمارے سرکامناج ہیں لیکن حضرت علی المرتضیٰؑ سے ان کو کیا

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

سید نفیس الحسینی

نسبت؟ ان کی مجلس میں اگر صف نعال میں بھی حضرت معاویہؓ کو جگہ مل جائے تو ان کے لیے سعادت اور باعث فخر ہے۔“

اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو راہ حق و اعتدال نصیب فرمائے اور آخرت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے آل و اصحاب کے ساتھ محشور فرمائے آمین۔۔۔ سید نفیس الحسینی۔ کریم پارک لاہور۔“ (تذکرہ کا تب وحی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ص ۱۹-۲۰)

چنانچہ قاری قیام الدین صاحب نے پیر صاحب کی اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے اسی ”معتدل قول“ کو اپنی کتاب کے آخر میں زیر عنوان ”گرفرق مرا تب نہ کنی زندیقی“ مع ترجمہ نقل کر دیا کہ ”ان کی مجلس میں اگر صف نعال (جو توں کی صف) میں حضرت معاویہؓ کو جگہ مل جائے تو ان کے لیے سعادت اور باعث فخر ہے“ (حوالہ مذکور ص ۲۳)

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت علیؓ بعد از خلافت جماعت صحابہ میں سب سے افضل ہیں لیکن ایک کا تب وحی اور جلیل القدر صحابی کو ”جو توں“ کی صف میں بٹھا بھی یقیناً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین و تنقیص ہے کیونکہ ”صف نعال“ کسی مجلس کی آخری صف بھی شمار نہیں ہوتی۔ اس پر بحث پیچھے زیر عنوان ”امام اہل سنت مولانا عبدالحکیم لکھنوی“ گزر چکی ہے۔

سخت حیرت ہے کہ ہمارے بزرگ سراسر ”توہین و تنقیص“ پر مبنی اس قول کو ”غیر معمولی اعتدال“ قرار دے رہے ہیں۔

اس پر متزاد یہ کہ پیر سید نفیس الحسینی صاحب، اللہ تعالیٰ سے سب مسلمانوں کو اسی ”راہ حق و اعتدال“ نصیب فرمائے جانے کی دعا بھی فرما رہے ہیں۔

گویا پیر صاحب نے راہ ”حق و اعتدال“ متعین فرمادی ہے۔ اب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع کرنے والا شخص اگر انہیں ”صف نعال“ میں جگہ نہیں دے گا تو وہ محمود احمد عباسی کی تحریرات سے متاثر، حد شکن، افراط و تفریط کا شکار، جاہل حق سے تجاوز کرنے والا اور خاتم الخلفاء الراشدین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی تنقیص و توہین کا مرتکب سمجھا جائے گا۔

سید نفیس الحسینی صاحب کی وفات کے پانچ سال بعد ان کے خادم خاص نے علامہ ابن حجر مکی کی کتاب ”قطبیر البیان“ مترجمہ مولانا عبدالحکیم لکھنوی شاہ نفیس اکیڑی کی طرف سے اپریل ۲۰۱۳ء میں شائع کی تو انہوں نے قاری قیام الدین صاحب کی کتاب پر شاہ صاحب کی تحریر کردہ تفریط کو اس کتاب کا ”مقدمہ“ بنادیا۔ ملاحظہ ہو ”مناقب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ“ ص ۱۲۱۰ علاوہ

ازیں میاں رضوان نفیس صاحب نے ”امتتاب“ میں پیر صاحب کو حسب ذیل القابات سے یاد فرمایا:

”امام العاشقین، زید الواصلین، مدبان العارفین، سید الاولیاء، سید الاصفیاء، رہبر شریعت و طریقت، سید السادات، مجمع السادات، مظهر انوار نبوی، مقبول بارگاہ الہی، قطب الاقطاب حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی روح پر فتوح کے۔۔۔ نام (ص ۴۰)

بہر حال حضرت علیؑ اور حضرت معاویہؓ کے تقابلیں میں شعوری یا غیر شعوری طور پر اس قول کو نقل کرنا، عظمت صحابہ سے نا آشنائی ہے۔ احترام صحابیت کا تقاضا تو یہ ہے کہ اگر ایک طرف کوئی عام صحابی جن کی کوئی نمایاں خدمت سامنے نہ آئی ہو اور دوسری طرف حضرت علیؑ نہیں بلکہ افضل امت حضرت ابو بکر صدیقؓ ہوں تو بھی اس قول کو یہ داشت نہ کر سکے۔

چونکہ حضرت نفیس الحسینی صاحب سمجھتے تھے کہ محمود احمد عباسی صاحب کی کتاب ”خلافت معاویہ ویزید“ مواءم و خواص کو مسلک حق سے ہٹانے میں مدد دیتی ہے اور اس کا زہر خوب پھیل رہا ہے اس لیے انہوں نے عباسی صاحب کی کتاب کے جواب میں قاضی الطیر مبارک پوری کی ۱۹۶۰ء میں شائع ہونے والی کتاب ”سیدنا علیؑ و سیدنا حسینؑ“ کی تلخیص کی ذمہ داری خود اٹھائی اور بالآخر ۲۰۰۳ء میں خوبصورت اور عمدہ جلد میں بیڑے سائز کے ۴۲۴ صفحات پر مشتمل یہ کتاب مکتبہ سید احمد شہید لاہور کی طرف سے منظر عام پر آگئی۔ مرتب ”مجلس نفیس“ مولانا نعیم الدین صاحب نے نفیس الحسینی صاحب کی تصانیف کے ذیل میں چودہویں نمبر پر ”تلخیص سیدنا علیؑ و حسینؑ“ کا ذکر کیا ہے۔ اس کتاب میں بھی مختلف مقامات پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ”تعلیض“ کی گئی ہے۔

ایک طرف تو پیر صاحب حضرت علیؑ کو ”خاتم الخلفاء الراشدین“ لکھ رہے ہیں اور دوسری طرف اپنی ”تلخیص“ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو بھی ”خلیفہ راشد“ قرار دے رہے ہیں (ملاحظہ ہو ص ۳۰۸) بلکہ آگے یہ تصریح بھی پائی جاتی ہے کہ: ”یہ بات واضح طور پر معلوم ہو رہی ہے کہ اہل سنت والجماعت کے متفقہ فیعل کے مطابق یزید فاسق تھا نیز بجائے حضرت امیر معاویہؓ کے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ پانچویں خلیفہ راشد ہیں۔“ (سیدنا علیؑ و سیدنا حسینؑ ص ۴۱۳)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ”رشد“ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ”رشد“ کے ساتھ کیا مناسبت ہو سکتی ہے، اول الذکر کا رشد ظنی ہے جب کہ ثانی الذکر کا ”رشد“ اعمیٰ، قطعی، یقینی و قرآنی ہے۔

حضرت معافی بن عمران سے جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے مقام کے بارے میں پوچھا گیا تو:

”فغضب غضباً شديداً وقال لا يقاس بأصحاب النبي صلى الله عليه وسلم أحد، معاوية صاحبه وصهره وكاتبه وأمينه على وحى الله“ (تظہیر البیان ص ۱۰) انہوں نے سخت غصہ کا اظہار کیا اور فرمایا اصحاب رسول کے مقابلہ میں کسی اور کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھادر نعتی، اللہ کی وحی کے کاتب اور امین ہیں۔

اگر حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت، ”خلافت راشدہ“ ہو سکتی ہے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت تو بدرجہ اولیٰ خلافت راشدہ ہے۔ اگر فرق مراتب نہ کئی زندہ بقی اس موضوع پر تفصیلی معلومات حاصل کرنے کے خواہش مند قارئین راقم الحروف کی ضخیم کتاب (مشمول ص ۸۳۲ صفحات) ”عقیدہ امامت اور خلافت راشدہ“ کی طرف مراجعت فرمائیں۔

یہ حضرات، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ”راشد“ کا لفظ گوارا نہیں کر سکتے جب کہ ان کے مشائخ طریقت اور ان کے خلفاء سبھی مقام ”رشد و ہدایت“ پر فائز ہیں۔ چنانچہ نفیس الحسینی صاحب لکھتے ہیں: ”پہلے ایسا ہونا تھا کہ مشائخ اپنے خلفاء کو مختلف مقامات پر مخلوق کی ”رشد و ہدایت“ کے لیے خود بھیجتے تھے۔“ (مجلس نفیس ص ۲۳۹)

بلکہ حضرت نفیس الحسینی صاحب خود بھی اس مقام ”رشد و ہدایت“ پر فائز ہیں۔ چنانچہ سیدنا ظہار احمد گیلانی صاحب موصوف کے متعلق لکھتے ہیں: ”جہاں تک اپنی فہم کا تعلق ہے یہ ’اودبی خواد حسانی‘ ان کے موجودہ مقام رشد و ہدایت پر فائز ہونے، عالمانہ تقدس اور شعور و فکر و نظر کا فطری تقاضا ہو سکتی ہے.....“ (ہر گ گل ص ۳۰)

☆☆☆☆☆☆

۳۷۔ پیر سید نصیر الدین نصیر گولڑوی

(م ۱۴۳۰ھ / ۲۰۰۹ء)

پیر سید نصیر الدین نصیر کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ وہ حضرت پیر مہر علی شاہ کے پوتے، پیر سید غلام معین الدین گیلانی کے صاحبزادے ہیں۔ وہ ۱۴۰۹ھ نومبر ۱۹۴۹ء کو گولڑہ میں پیدا ہوئے۔ وہ شاعر و نعت زبان ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجہ کے متقا و محقق، مذہبی و روحانی پیشوا اور دانشور بھی تھے۔ انہوں نے چالیس سے زائد کتب تصنیف کیں جن میں سے ”نام و نسب“ سب سے زیادہ ضخیم اور اہم ہے۔ موصوف ۳ فروری ۲۰۰۹ء کو جمعہ کے روز دو بجے دن ۶۰ سال کی عمر میں دل کا دورہ پڑنے سے انتقال فرما گئے اور ۱۴ فروری ۲۰۰۹ء کو آستانہ گولڑہ شریف میں ان کی تدفین عمل میں آئی۔

ان کی قبر کے اوپر بڑا سافا نمونہ بھی لگایا گیا ہے۔ قبر کا کتبہ سفید ماربل کا بنا ہوا ہے تاہم اس پر کالے رنگ کا مخمل کپڑا چڑھایا گیا ہے جس پر نہایت نفاست کے ساتھ گولڈن دھاگے سے کڑھائی کی گئی ہے۔ محرابی شکل میں تیار کیے گئے کتبے پر دھاگے سے نقش نگاری کی صورت میں حاشیہ بنایا گیا ہے جس کے اندر سب سے اوپر بسم اللہ شریف درج ہے۔ اس سے نیچے دو گول دائروں کی شکل میں دائیں جانب ”یا اللہ“ اور بائیں جانب ”یا رسول اللہ“ تحریر کیا گیا ہے۔

کتبہ کے غلاف کے نچلے حصے پر بڑے حروف میں ”پیر سید غلام معین الدین نصیر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ درج ہے نام کے اندر سے سورج کی شعائیں اوپر کی طرف پھیلتی نظر آ رہی ہیں۔ سورج کی کرنوں کے اوپر دائیں سے بائیں: ”حضرت علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ“ کے نام تحریر کیے گئے ہیں۔ پیر صاحب کی قبر پر ہرے رنگ کی بے شمار چادریں بھی چڑھائی گئی ہیں جن پر آل رسول اور خلفائے راشدین کے اسمائے گرامی درج ہیں۔

پیر نصیر الدین نصیر کے والد پیر سید غلام معین الدین شاہ گیلانی کا کتبہ سفید ماربل سے تیار کردہ ہے۔ اس پر گاڑھے نیلے رنگ کا مخملی غلاف چڑھایا گیا ہے۔ غلاف پر گولڈن رنگ کے دھاگے سے کشیدہ کاری کی مدد سے کپڑا پر حاشیہ، القابات اور نام درج کیا گیا ہے۔ کتبہ کے اوپر والے حصے پر ۸۶/۹۲ تحریر کیا گیا ہے جس سے نیچے ”یا محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ“ تحریر کیا گیا ہے۔

ان ناموں کے درمیان میں تھو القادر نورج ہے اس کے نیچے یہ اشعار ہیں:

سیدی و مرشدی یا خواجہ مہر علی
دوست رکھتے ہیں تجھے دنیا کے سب غوث و قطب
وید تو وید علی یا خواجہ مہر علی
تو ہے ولیوں کا ولی یا خواجہ مہر علی
وقت آخر یا الہی لب پہ ہو مشتاق کے
خواجہ مہر علی یا خواجہ مہر علی

ان اشعار کے نیچے ’مرقد انور، عمدۃ الواصلین، قدوة السالکین، سلطان العارفین، سیادت پناہ حضرت قبلہ پیر سید غلام عین الدین شاہ گیلانی (المعروف بڑے لالہ جی) درج ہے۔

حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کی قبر کا کتبہ بھی سفید ماربل سے بنایا گیا ہے جس کے اوپر والے حصے پر کالے رنگ کا مٹلی غلاف چڑھایا گیا ہے جس پر گولڈن دھاگے سے ”مہر علی شاہ“ تحریر ہے اس سے نیچے قرآنی آیات درج ہیں جب کہ کتبہ کے نچلے حصہ پر بڑے حروف میں ”قبر مرقد الشریف“ کندہ کیا گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیر نعیر الدین اور ان کے والد کی قبروں کے کتبوں پر ”پنجتن“ کے اسمائے گرامی درج کیے گئے ہیں اس کا زیا دہ تر رواج اہل تشیع کے ہاں پایا جاتا ہے۔

اس ”تمہید“ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں پیر نعیر الدین صاحب کے خیالات بدیہ قارئین کیے جاتے ہیں:

موصوف بہ وایت امام حاکم ارشاد نبوی نقل کرتے ہیں کہ:

”بنو امیہ اور یزید کے بارے میں چند احادیث نقل کر رہا ہوں، یاد رہے کہ ان کے مائل شیعہ نہیں خالص سنی ہیں۔ مگر آپ کہیں گے کہ سنی بھی آدھے شیعہ ہوتے ہیں اگر اہل بیت سے محبت و عقیدت شیعیت ہے تو سنی ضرور شیعہ ہیں مگر بفضلہ تعالیٰ خارج نہیں ہو سکتے۔ ارشاد نبوی ہے:

”میرے اہل بیت کو میرے بعد قتل اور سخت تشدد کا سامنا کرنا پڑے گا اور بے شک ہماری قوم سے

بنو امیہ اور بنو مخزوم ہمارے ساتھ بغض میں سخت ہیں۔“ (رواہ حاکم) (ما و نسب باب نم ص ۵۱۱-۵۱۲)

یہ ملحوظ رہے کہ امام حاکم مشہور شیعہ ہیں۔ (ملاحظہ ہو لسان المیزان جلد ۵ ص ۲۳۳)

اس میں شک نہیں کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ خلیفہ مد حق تھے اور اس پر اجماع امت

ہے۔ جناب امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے خلاف جو یہ اختیار کیا وہ کسی بھی لحاظ سے پسندیدہ نہ تھا۔ ان کے اس رویے کو کھٹن خطائے اجتہادی قرار دے کر، مو جب احمد و ثواب سمجھنا محل نظر ہے۔ کسی شرعی مسئلہ میں حتیٰ الوسع جدوجہد کے بعد اجتہادی غلطی کا معاملہ کچھ اور ہے مگر و نیوی اور ملکی مور میں ایسی اجتہادی خطاء کو جو وہ جب فتنہ بنے، باعث احمد و ثواب قرار دینا قرین دانش مندی و انصاف نہیں۔

ہمیں درجہ صحابیت کا لحاظ ہے اور ہم جناب امیر معاویہؓ کے بارے میں کوئی عناد نہیں رکھتے مگر اتنی بات ضرور ہے کہ ہم ان کے اس طرز عمل کو اجتہادی کارنامہ سمجھنے سے قاصر ہیں۔

ہم اپنے نقطہ نظر کی تائید میں اہل سنت والجماعت کی چند نامور اور معتبر شخصیات کی عبارات و نظریات پیش کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں:

مشہور عاشق رسولؐ اور عارف حضرت مولانا عبدالرحمن جامی قدس سرہ السامی نقشبندی فرماتے ہیں: **جمع از بیعتش ابا کر وند و ندراں سرکشی خطا کر وند** ترجمہ: ایک جماعت نے حضرت علیؓ کی بیعت سے انکار کیا اور اس (جماعت) نے سرکشی میں خطا کی۔ اپنی اسی تصنیف میں مولانا جامی ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

واں خلائی کہ داشت ابا حیدر در خلافت صحابی دیگر
حق در آنجا بدست حیدر بود جنگ با او خطائے منکر بود
ترجمہ: اور وہ دوسرا صحابی جو بہ سلسلہ خلافت حضرت علیؓ سے اختلاف رکھتا تھا (یعنی جناب معاویہ) اس وقت حق حضرت علیؓ کی طرف تھا اور ان سے جبکہ کما خطائے منکر تھا یعنی ما پسندیدہ خطا تھی۔

مقتدر فقیہ اور مصنف بہار شریعت علامہ مفتی امجد علی صاحب قادری رضوی فرماتے ہیں:
مجتہد سے خطا و صواب دونوں صادر ہوتے ہیں۔ خطا دو قسم ہے۔ خطائے عنادی۔ یہ مجتہد کی شان نہیں۔ اور خطائے اجتہادی۔ یہ مجتہد سے ہوتی ہے۔ اور اس سے اس کے صاحب پر انکار نہ ہوگا۔ یہ وہ خطائے اجتہادی ہے جس سے دین میں کوئی فتنہ نہ پیدا ہوتا ہو جیسے ہمارے نزدیک مقتدی کا امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا۔

دوسرے خطائے منکر یہ وہ خطائے اجتہادی ہے جس کے صاحب پر انکار کیا جائے گا کہ اس کی خطا باعث فتنہ ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت سیدنا امیر المومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے خلاف اسی قسم کا تھا۔ (۱) م و نسب باب نہم تحت 'اجتہادی خطاء کی حقیقت ص ۵۳۲-۵۳۳)
جب کہ ایک دوسرے نقشبندی بزرگ حضرت مجدد الف ثانی، جامی کے قول پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

”حضرت مولانا جامی نے جو خطائے منکر کہا ہے اس نے بھی زیادتی کی ہے۔ خطا پر جو کچھ زیادہ کریں خطا ہے اور جو کچھ اس کے بعد کہا ہے کہ ”مگر وہ لغت کا مستحق ہے... الخ“ یہ بھی نامناسب کہا ہے۔ اس کی تردید کی کیا حاجت ہے اور اس میں کون سا محل اشتباہ ہے اگر یہ بات یزید کے حق میں کہتے تو بے شک جائز تھا لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں کہنا ناہی ہے۔

(مکتوبات امام ربانی جلد دوم اردو۔ حصہ چہارم دفتر اول ص ۵۷۹۔ مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)۔

”چونکہ خارجی فضائل اہل بیت کی احادیث کو موضوع اور ضعیف قرار دیتے ہیں اس لیے مناسب ہے جن احادیث کو وہ صحت کا اعلیٰ معیار سمجھتے ہیں ان احادیث کے متعلق محدثین کی رائے بھی پیش کر دی جائے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: اسحاق بن راہویہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ معاویہ بن ابی سفیان کے فضائل کی روایات میں سے کوئی روایت صحیح نہیں ہے۔

اور ابن جوزی نے عبد اللہ بن احمد کی روایت سے نقل کیا ہے کہ:

میں نے اپنے والد (امام احمد بن حنبل) سے پوچھا کہ آپ جناب علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں تو آپ نے سر جھکا لیا اور پھر کہا کہ یہ بات یاد رکھو کہ حضرت علیؑ کے دشمن بہت تھے جنہوں نے آپ کی عیب چینی کرنا چاہی لیکن کچھ نہ پایا۔ پھر انہوں نے ایک ایسے شخص کا سہارا لیا جس نے علیؑ کے ساتھ جنگ کی (پس اس کی تعریف میں غلو سے کام لیا) جس سے ان کا مقصد علیؑ کے بارے میں فریب دینا تھا۔

صاحب فتح الباری فرماتے ہیں کہ امام احمد نے اپنے کلام میں اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ لوگوں نے جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے اپنی طرف سے فضائل و مناقب کی جو روایات گھڑی تھیں ان کی کوئی اصل نہیں اور فضائل معاویہؓ میں بہت سی احادیث مروی ہیں لیکن ان میں سے کوئی روایت ایسی نہیں جو اسناد کے لحاظ سے صحیح ہو۔

..... امام ابن حجر عسقلانی کے مطابق امام احمد بن حنبل کے اشارے سے یہ بات سمجھ میں آ سکتی ہے کہ جناب امیر معاویہؓ کے سلسلے میں امیر نوازوں نے احادیث فضائل اس لیے گھڑی تھیں تاکہ لوگ جناب علیؑ سے بدظن ہو جائیں کہ علیؑ ایسے عظیم انسان سے برسر پیکار ہیں جس کے متعلق رسالت مآبؐ سے اتنی احادیث مروی ہیں۔ جب امیر پرستوں نے احادیث گھڑنے کی اتنی زحمت صرف اس لیے اٹھائی کہ وہ اس سے جناب امیر معاویہؓ کی فضیلت و اہمیت ثابت

کر سکیں.....“ (نام و نسب ص ۵۱۴-۵۱۵)

”شیخ ابن تیمیہ (اگرچہ شیعوں کے شدید مخالف ہیں اور ان کے عقائد باطلہ کی تردید میں ایک ضخیم کتاب منہاج السنہ کے نام سے تصنیف کی جسے آفاقی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس منہاج السنہ میں ابن تیمیہ جناب معاویہؓ کے فضائل اور ان کے اجتہاد کے سلسلے میں مروی احادیث کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

ہاں معاویہؓ کے ساتھ مروانیہ وغیرہم کا ایک بڑا گروہ ہے... اور اس سلسلہ میں معاویہؓ کے لیے بہت سی کتابیں بھی لکھی گئی ہیں جیسے کتاب المروانیہ جس کے مصنف حافظ ہیں اور ایک گروہ نے تو معاویہؓ کے فضائل میں من گھڑت روایات اور احادیث رسالت مآبؐ سے روایت کیں لیکن وہ سب کی سب جھوٹ ہیں..... (منہاج السنہ الجزء الثانی ص ۲۰۷)

خوارج اور امیہ پرستوں سے اتنی گزارش ضرور کی جاتی ہے کہ وہ جن احادیث کو فضائل جناب معاویہؓ میں بطور سند و دلیل پیش کرتے ہیں انہیں جرح و تعدیل کے نزدیک بلحاظ سندان میں ایک روایت بھی صحیح نہیں۔ (نام و نسب ص ۵۱۸-۵۱۹)

”بدعات کا سلسلہ اگرچہ جناب معاویہؓ کے دور مارت میں شروع ہو گیا تھا مگر ان کے خلاف نے تو انتہا کر دی۔ یہاں اس تفصیل میں جانے کا وقت نہیں مختصر ایک بدعت کا ذکر کیا جاتا ہے:

عمیدین میں اذان اور اقامت نہ کہنا سنت ہے مگر جناب معاویہؓ نے نماز عید سے پہلے اذان اور تکبیر شروع کرادی۔ چونکہ ایسے تاریخی حقائق و شواہد کو زیر بحث لانا ہمارا موضوع نہیں ورنہ بے شمار ایسے تاریخی حقائق حوالہ جات کے ساتھ پیش کیے جاسکتے ہیں جن کے مطالعہ سے انسان ضرور چونک اٹھتا ہے اور یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آخر یہ سب کچھ کیوں اور کیسے ہوا؟ اور قرآن و سنت میں اس کا ثبوت کہاں پر موجود ہے؟“ (نام و نسب ص ۵۱۹)

”آپ (یعنی حضرت پیر مہر علی شاہ) جناب حسنؓ کی دست برداری خلافت سے لے کر حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد مقدس تک کے درمیانی عباد مارت کے بارے میں فرماتے ہیں:

خلفائے اربعہ اور مختصر عہد خلافت حسنؓ کے بعد خلافت کی صورت ہی باقی رہ گئی اور کمال معنی ختم ہو گیا۔ جیسا کہ جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور حکومت۔

چنانچہ حدیث شریف میں ”تُخَذَتْ عَلٰی ذَنْبٍ“ (یعنی صلح مکہ کی صورت) کے جو الفاظ وارد ہیں ان کا یہی مفہوم ہے، پھر رفتہ رفتہ سلسلہ خلافت بالکل جبری حکومت اور دعوت الیٰ جہنم تک

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

پیر نعیم الدین گولڑوی

بہنچ گیا لیکن مشیت ایزدی کے مطابق پھر ایک ایسا انقلاب رونما ہوا جس میں خلافت راشدہ کی مشابہت دوبارہ آگئی۔ یہ مبارک دور حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کا تھا۔

آپ نے غور فرمایا کہ جناب حسنؑ کے بعد صورت رہ گئی اور کمالی معنی ختم ہو گیا۔ حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہ کے الفاظ کی جامعیت دیدنی ہے خصوصاً ”معنی یہ ہے اتم مقفوء“ کا جملہ۔

ساتھی آپ نے یہ فیصلہ بھی کر دیا کہ جناب حسنؑ کے ترک خلافت کے بعد خلافت راشدہ کی معنوی مشابہت کسی اموی امیر کے دور میں نہیں پائی گئی۔ البتہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور کو خلافت راشدہ میں شمار کرتے ہیں۔

اگر جناب معاویہؓ کے دور امارت میں بھی خلافت راشدہ کی معنویت پائی جاتی تو ان کے دور کو بھی بطریق اولیٰ خلافت راشدہ میں شامل کیا جاتا کیونکہ وہ تو صحابی بھی ہیں عمر بن عبدالعزیز صحابی تو نہیں مگر ان کے دور کو خلافت راشدہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

مطلب یہ نکلا کہ اگر ایک صحابی ”وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ“ کے عہد خلافت کی جھلکیاں اپنے دور اقتدار میں پیدا نہ کر سکے تو اسے خلافت راشدہ کے مرتبہ و مقام کے زمرے میں شامل نہیں کیا جاسکتا اور ایک غیر صحابی (حضرت عمر بن عبدالعزیز) جو خود بھی اموی ہیں مگر ان کا دور خلافت راشدہ کی مکمل تصویر تھا اس لیے وہ غیر صحابی ہونے کے باوجود اس کے اہل ہیں کہ ان کے دور اقتدار کو نہ صرف یہ کہ دور امارت نہ کہا جائے بلکہ اسے عہد خلافت راشدہ کے زمرین دور میں شامل سمجھا جائے۔

خلفائے راشدین کے متعلق یہ حدیث موجود ہے ”فَعَلَيْكُمْ بِمُسْتَبِيٍّ وَمَنْهُ الْخُلَفَاءُ الرَّاشِدُونَ الْمُهْتَدِينَ“ کہ اے صحابہ اور امت مسلمہ! تم پر میری اور خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی ضروری ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کے مطابق اس کی سنت کا اتباع ضروری ہوگا جس کے دور اقتدار میں خلفائے راشدین کی معنویت پائی جائے اور جس کے دور اقتدار میں خلافت راشدہ کا رنگ ڈھنگ نہ ہو اس کی سنت کا اتباع نہ کیا جائے گا اور یہ پھر یہ کہ یہ حکم دو صحابہؓ تا بعین اور تبع تا بعین تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کے مخاطبین اول صحابہؓ اور پھر قیامت تک آنے والی امت مسلمہ ہے۔

اس تفصیلی جائزے سے ایک منصف مزاج اور ذی عقل انسان بخوامیہ کی دینی حیثیت اور مقام کا خوب اندازہ کر سکتا ہے۔ اگر اب بھی کوئی شک و شبہ ذہن کے کسی گوشے میں جاگزیں ہو جب کہ ہم نے اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں کہا تو ایسی صورت میں ان افراد کے لیے ہم بارگاہ ایزدی میں ہی دعا کر سکتے ہیں: ﴿

بہ ایں بے حاصلان یا دانے یا مرگ ناگاہے (نام و نسب باب نم ۵۴۲-۵۵۵)

☆☆☆☆☆☆

۳۸۔ ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی (م ۱۴۳۷ھ / ۲۰۱۶ء)

ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی ایک معروف بین الاقوامی سکالر ہیں لیکن اپنے ”بھائی“ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کی طرح اموی صحابہ کرامؓ بالخصوص سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ”ہترا“ کی عبادت سرانجام دیتے ہوئے نہایت ہی اطمینان قلب محسوس کرتے ہیں۔ پہلے ڈاکٹر صاحب کی چند ”تعلیقات“ ملاحظہ فرمائیں:

ڈاکٹر رضوان ندوی صاحب نے ۱۹۹۰ء میں شاہ بلخ الدین مرحوم کے ایک مضمون کا تعاقب کرتے ہوئے زیر عنوان ”خانوادہ نبوی کی بحث سے متعلق آخری وضاحت“ ایک جواب تحریر کیا تھا جو ہفت روزہ تکبیر کراچی ۷ مئی ۱۹۹۰ء میں شامل اشاعت ہے۔ اس مضمون میں موصوف اپنے علمی مقام کا تذکرہ ان الفاظ سے کرتے ہیں کہ:

”یہ ماہیز طالب علم حجاز مقدس اور مصر میں ازاد تعلیم کے بعد دمشق یونیورسٹی اور پھر کیمرج میں ڈاکٹریٹ کا طالب علم بھی رہا ہے۔ ندوہ میں تو اس نے صرف ایک سال گزار کر عالمیہ کی ڈگری حاصل کی تھی لیکن عرب ممالک میں اس نے اپنی تعلیم کے آٹھ سال گزارے تھے۔ پھر یہی طالب علم لیبیا و سعودی عرب کی یونیورسٹیوں میں ۲۲ سال تک اسلامی تاریخ و تمدن کا پروفیسر رہا ہے۔“

ڈاکٹر صاحب مذکورہ مضمون میں ایک مقام پر اصول حدیث کے بارے میں اپنی وسعت مطالعہ سے متعلق تعلیٰ فخریہ انداز میں بیان فرماتے ہیں کہ:

یہاں انہوں نے ”صحیح وحسن“ حدیثوں کی تعریف میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے مقدمہ مشکوٰۃ کے اردو ترجمہ سے جو کچھ میرے جواب میں نقل فرمایا ہے وہ بھی عجیب شی ہے۔ میں نے تو ساتویں صدی کے مشہور محدث عمرو بن عبد الرحمن المعروف بابن الصلاح سے ایسی احادیث کی تعریف پیش کی اور وہ تین سو سال بعد کے ایک ہندوستانی محدث کا قول نقل کر رہے ہیں جن کا مآخذ یہی مقدمہ ابن الصلاح تھا۔

ڈاکٹر صاحب شاہ بلخ الدین مرحوم کو شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا حوالہ پیش کرنے پر خوب رگید رہے ہیں اور خود ان کی اپنی حالت یہ ہے کہ اس ”بہمدانی اور تعلقی“ کے باوجود ”مقدمہ ابن

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین ڈاکٹر سید رضوان ندوی

الصلاح“ کے مؤلف کا اسم گرامی بھی صحیح نقل نہیں کر سکے۔ ان کا صحیح نام ”عمر“ نہیں بلکہ عثمان بن عبد الرحمن ہے جب کہ ”عمر“ ان کے بیٹے کا نام ہے، کیونکہ ان کی کنیت ”ابو عمر“ ہے۔

ڈاکٹر صاحب اپنے اس زیر تبصرہ مضمون میں باوجود ”ہمہ دانی“ کے حضرت سعید بن زیدؓ (یکے از عشرہ مبشرہ) کی تاریخ وفات کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

”اور سب سے آخر میں وفات پانے والے سعید بن زید ہیں جن کا انتقال ۱۵ھ میں ہوا۔“
ڈاکٹر صاحب کی یہ ”تحقیق“ صحیح نہیں کیونکہ عشرہ مبشرہ صحابہ میں سے آخر میں فوت ہونے والے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ مشہور قول کے مطابق حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی وفات ۱۵ھ میں ”حقیق“ کے مقام پر ہوئی۔ ”وہ آخر لعمروہ وفات“ اور وہ وفات کے اعتبار سے عشرہ مبشرہ میں آخری ہیں۔ (تقریب المہذب ص ۹۰)

کسی اموی صحابی کا شرف صحبت کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اگر قربت کا تعلق بھی ہو پھر بھی ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی صاحب ان پر ”چوٹ“ کیے بغیر نہیں رہ سکتے، چنانچہ موصوف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد اور سیدہ زینبؓ کے شوہر ابو العاصؓ بن الرقیعؓ پر ”طنز“ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

”حضرت ابو العاصؓ ابن الرقیعؓ حضرت زینبؓ کے شوہر اور بحیثیت مسلمان ایک سالہ داماد کا لقب شریف بنیاد نہیں تھا انہوں نے کسی غزوہ میں حضور صلعم کے ساتھ شرکت نہیں کی۔“

(ڈاکٹر صاحب نے تمام تر تعلی جلالہ کے باوجود یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کے ساتھ ”صلوٰہ و سلام“ مکمل لکھنے کے بجائے ”صلعم“ پر ہی اکتفاء کیا ہے جسے محدثین نے مکروہ قرار دیا ہے)

جب ابو العاصؓ کا ایمان، اسلام، شرف صحابیت اور ہجرت ثابت ہے تو پھر ”ایک سالہ“ کی پچھتی کی کیا ضرورت تھی؟

پھر ”صحابیت“ کے لیے تو صرف ”لقاء و رؤیت“ ہی کافی ہے خواہ ایک ساعت کے لیے ہی کیوں نہ ہو۔ ڈاکٹر صاحب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ انہیں کم شرف صحبت حاصل ہوا اس لیے ان میں کوئی ”نقص“ باقی رہ گیا ہے۔ کیا وہ ”لَا يُحَادُّوْا مُحَمَّدًا اَللّٰهُ اَحْسَنُ“ کے تحت نہیں آتے؟

زیر نظر مضمون کے آغاز میں ڈاکٹر صاحب کا تعارف خود ان کے قلم سے گزر چکا ہے جس میں موصوف نے اپنے بارے میں فرمایا ہے کہ:

”ندوہ میں تو اس نے صرف ایک سال گزرا کہ عالمیہ کی ڈگری حاصل کی تھی“
ڈاکٹر رضوان علی ندوی اگر ندوہ میں ایک سال گزرا کہ ”عالمیہ“ کی ڈگری حاصل کر سکتے

ہیں اور کوئی انہیں ”یک سالہ“ ڈگری ہولڈر قرار دے کر ان کے ”علم و فضل میں نقص بھی نہیں نکالتا تو پھر کیا ”صحبت نبوی“ کی تاثیر اتنی کمزور ہے کہ حضرت ابوالعاصؓ کی یکسالہ ”شرف دامادی“ کی موصوف کے ذہن میں کوئی حیثیت ہی نہیں؟ ڈاکٹر صاحب نے انہیں بحیثیت مسلمان ”یک سالہ داماد“ کہا ہے کیونکہ حضرت ابوالعاصؓ ۷ھ میں مدینہ منورہ تشریف لائے تھے اور ۸ھ میں سیدہ زینبؓ کا انتقال ہو گیا تھا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ بحیثیت مسلمان یک سالہ شرف دامادی کیا موجب طعن ہے؟ مولانا محمد اسلم شیخوپوری مرحوم نے ۱۹۹۸ء میں ماہنامہ ”الاشرف“، کراچی کا قرآن نمبر شائع کیا۔ اس خصوصی اشاعت میں ”مولانا اصلاحی اور سورۃ الحجرات کی تفسیر“ کے عنوان سے ۲۲ صفحات پر مشتمل ایک مضمون ڈاکٹر رضوان ندوی صاحب کا بھی شامل ہے۔

موصوف نے اپنے اس مضمون میں جا بجا دیگر صحابہؓ پر ”تعریف“ کے علاوہ حضرت عثمانؓ کے ماں جائے بھائی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھانجے سیدنا ولید بن عقبہؓ کو سورۃ الحجرات کی آیت ”إِنِّي سَاءَ كُفَّةٌ قَائِدٌ“ کے تحت سخت بد فہم تنقید بنالیا۔ (ملاحظہ ہو ماہنامہ الاشرف کراچی جولائی تا اکتوبر ۱۹۹۸ء ص ۱۱۷ تا ۱۲۸)

راقم الحروف نے اپنے شفیق کرم حضرت سید عطاء الحسن شاہ بخاریؒ کے حکم پر ۱۹ صفحات پر مشتمل اس دل آزار مضمون کا جواب ”تردید اصلاحی یا تو جن صحابی“ کے عنوان سے دیا تھا جو ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان مارچ ۱۹۹۹ء کے شمارہ میں (ایک ہی قسط میں صفحہ ۲۸ تا ۳۶) شائع ہوا۔ راقم کا یہ مضمون جب مولانا محمد اسلم شیخوپوری کی نظر سے گزرا تو انہوں نے راقم کو براہ راست خط بھیجنے کے بجائے بہ عنوان ”اعتماد“ مدیر ختم نبوت کو براہ اشاعت ارسال کر دیا۔ (ملاحظہ ہو نقیب ختم نبوت ملتان ص ۶۰ تا ۶۱، جولائی ۱۹۹۹ء)

مولانا محمد اسلم شیخوپوریؒ کا یہ ”اعتماد“ ان کی اخلاقی جرأت ہی کی نہیں بلکہ ان کے خوف و خشیہ، علم و فضل اور سب سے بڑھ کر ان کی ”ایمانی جرأت“ کا عظیم ثبوت ہے۔

موصوف نے واضح طور پر ڈاکٹر رضوان ندوی کے خیالات سے برأت کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ:

”ماہنامہ نقیب ختم نبوت کے ذی قعدہ ۱۴۱۹ھ کے شمارہ میں آپ کا مضمون ”تردید اصلاحی یا تو جن صحابی“ پڑھا۔ میں آپ کے جذبات و احساسات کی قدر کرتا ہوں اور مضمون کے مندرجات سے متفق ہوں۔ واقعاً ڈاکٹر رضوان ندوی صاحب نے اپنے مقالہ میں جن خیالات کا اظہار کیا وہ ہمارے اکابر کے عقائد اور تاریخی حقائق کے منافی ہیں۔ بلکہ افسانہ ملاقات میں محترم

سید کفیل بخاری زید مجدہ کو ہتکچا ہوں کہ اپنے مسلک کی ایک محترم اور غیر متنازع شخصیت کی توثیق و تعریف کی بناء پر یہ مضمون قرآن نمبر میں شامل کر لیا گیا تھا..... میں ان تمام قارئین سے معافی کی درخواست کرتا ہوں جن کے جذبات اس مضمون کی اشاعت سے مجروح ہوئے.....“

اس تمہید کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھانجے اور سیدنا عثمانؓ کے اخیانی بھائی، اموی صحابی حضرت ولید بن عقبہؓ کے متعلق ڈاکٹر رضوان ندوی صاحب کے ”خیالات“ ملاحظہ فرمائیں:

”افسوس ہے کہ مولانا اصلاحی نے مضمون کے آخر میں ولید بن عقبہ کے دفاع کے بعد..... ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اصلاحی نے سورۃ حجرات کی اس آیت کی تفسیر کو ولید بن عقبہ کے دفاع کے لیے استعمال کیا ہے..... یہ کوئی مناسب طریقہ نہیں ہے کہ اموی خاندان کے ایک ایسے فرد کے دفاع کے لیے جو فتح مکہ کے بعد مجبوراً سلام لائے، ہم اپنے تمام علمائے سلف کو مطعون کریں اور اپنے تمام ذخیرہ تفسیر میں شک پیدا کریں یہ بنو علم کی کوئی خدمت ہے نہ اسلام کی.....، لیکن بعد کے واقعات نے بتایا کہ حضرت عثمانؓ کا یہ اقدام درست نہ تھا..... سعد بن ابی وقاصؓ جیسے صحابی کو معزول کر کے ان کی جگہ ولید بن عقبہ کو مقرر کرنا حضرت عثمانؓ کا ایک غیر مستحسن فعل تھا.....،

جہاں تک عہد نبویؐ میں سرکاری مناصب کے لیے ثقاہت و عدالت کا مسئلہ تھا تو یہ ایک غلط مفروضہ پر مبنی ہے۔ ایسے مناصب پر یقین کے لیے ثقاہت و عدالت سے زیادہ شخصی اعزاز، خاندانی وجاہت اور تعلیم و اہلیت ضروری تھی اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد سائین اولین اور انصار کے بجائے خاندان بنی امیہ کے بعض اہل افراد کو ایسے مناصب سپرد کیے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایسے اصحاب کے بجائے ان لوگوں (بنی امیہ) کو یہ مناصب مالیف قلب کے لیے خاندانی وجاہت اور ذاتی کارکردگی کی بنیاد پر دیے تھے اس میں ثقاہت و عدالت کی کوئی بات نہ تھی۔

قابل افسوس بات یہ ہے کہ بعض لوگ صحابہ کے بارے میں وہ تصور رکھتے ہیں جو شیعہ حضرات اپنے ائمہ کے بارے میں رکھتے ہیں۔ پھر ولید بن عقبہ کی دروغ گوئی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے صحابہ کے بارے میں ناواقفیت اور بے بصیرتی کا الزام کیسے آسکتا ہے؟ (اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے بدر، احد، اُکف، حنین و تبوک میں بعض صحابہ کی خطاؤں کا ذکر کیا)

شیعہ حضرات تو اس حماقت میں گرفتار ہیں ہی کہ ان کے بارہ ائمہ اہل بیت معصوم عن الخطاء تھے لیکن افسوس کہ جواب میں ہمارے بعض علماء اور عوام نے صحابہ کا نعرہ لگا کر شیعوں والی بات صحابہ کے ساتھ کی ہے یعنی ان کو معصوم عن الخطاء سمجھ رکھا ہے اس لیے وہ ان سے کوئی ایسی غلطی

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین ڈاکٹر سید رضوان ندوی

منسوب کرنا نہیں پسند کرتے جو عرصہ حرام ہو مگر کیا کیا جائے ہماری انتہائی صحیح کتب حدیث و تاریخ میں محدودے چند ایسے واقعات مذکور ہیں، ان ہی میں سے ولید بن عقبہ کا معاملہ بھی ہے۔

ان کے علاوہ ایک دوسرے صحابی ابو جحجح الثقفی کا معاملہ ہے جو فتح طائف کے بعد اسلام لائے تھے وہ بھی بادہ نوشی کی لت میں قدیم عرصے سے مبتلا تھے یا لفاظ دیگر "Addict" تھے اور ان پر کئی بار حد جاری ہوئی۔ پھر انہوں نے شراب سے مطلقاً توبہ کر لی۔ مگر وہ صاحب ایمان اور مجاہد تھے..... سو ولید بن عقبہ کا شراب خوری کا معاملہ بھی ایسے ہی Addiction یا مرض کی مثال ہے۔ ان کا نشہ کے عالم میں فجر کی نماز کی امامت کرنا ایک مشہور قصہ ہے۔

(ڈاکٹر صاحب نے اس مضمون میں ۳۳ مرتبہ سیدنا ولید بن عقبہؓ کا نام لکھا ہے مگر کسی مقام پر بھی اس محترم کے نام کے ساتھ ادب و احترام یا علامت رضیؓ نہیں لکھی حالانکہ کاتب تو ماہنامہ الاشرف کا متعین کردہ تھا۔ جب کہ بعض مقامات پر ولید بن عقبہؓ کے نام کے بجائے یوں لکھا گیا ہے کہ: اس کے ایسے قصے ہیں..... اس کے مکروہ حالات..... اس کی بہادری..... اس کو..... بہادر تھا اور جہاد کرتا تھا..... اس کی شراب خوری..... (وغیرہ)،

مولانا اصلاحی صاحب بھول رہے ہیں کہ ولید بن عقبہ بن ابی معیط حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمن کے بیٹے تھے اور طلقاء میں سے تھے یعنی ان لوگوں میں سے جو فتح مکہ کے بعد مجبوراً اسلام لائے۔ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبت بھی حاصل نہیں رہی.....

(ماہنامہ جریدہ الاشرف کراچی قرآن نمبر جولائی تا اکتوبر ۱۹۹۸ء ص ۲۱۷ تا ۱۲)

(ڈاکٹر صاحب کے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھانجے اور حضرت عثمانؓ کے اخیا فی بھائی حضرت ولید بن عقبہؓ کے بارے میں اس ’مذاہر تہتیت‘، ’کوراخصیت و سبائیت کی خدمت کے علاوہ آخر اور کیا نام دیا جاسکتا ہے؟)

ندوی فضلاء کی یہ عظیم جوڑی یعنی ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی اور ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی دونوں اموی صحابہ بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ خصوصی پُر خاش اور عناد رکھتے ہیں اور طعن و تشنیع کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ بلکہ ڈاکٹر رضوان ندوی صاحب تو اپنے ”علم و فضل“ کے لب بولتے پر ”مقام مدح“ سے بھی ”ذم“ کی صورت نکال لیتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے شاہ بلخ الدین مرحوم کے تعاقب میں زیر عنوان ”خانوادہ نبوی کی بحث سے متعلق آخری وضاحت“ ایک مضمون سپر قلم فرمایا ہے۔ (ملاحظہ ہو غفت روزہ بکیر کراچی ۱۷ مئی ۱۹۹۰ء)

اس مضمون میں موصوف ایک مقام پر شاہ بلخ الدین مرحوم کے اس جملہ کہ:
”امن (یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے سب
سے زیادہ مشابہ تھی“ کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

”خلفائے راشدین اور ان صحابہ کی تحقیق ہے جن کو شرہ مبشرہ بالحدیث کہا جاتا ہے کیا یہ عقل
میں آنے والی بات ہے کہ جو جلیل القدر صحابہ حضرت معاویہ کے اسلام سے قبل اکیس سال تک حضور صلعم
کے ساتھ نماز پڑھتے رہے اور بعد میں بھی دو سال مزید ان کی نماز آنحضرت کی نماز سے مشابہ نہ تھی یعنی
ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ وغیرہ پیچھے رہ گئے اور صرف دو سال کی محبت میں امیر معاویہ ان صحابہ کرام سے
جن کو انسابیون الاولون (اسلام میں سبقت کرنے والے) کہا گیا ہے، آگے بڑھ گئے۔
اس فقرہ کے تحت بلخ الدین صاحب کی ماصیحت کھل کر سامنے آگئی ہے۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ قول شاہ بلخ الدین مرحوم کا ہرگز نہیں ہے (جس کی بناء پر
انہیں ”ما صبی“ کا لقب عطا کیا گیا ہے۔ بلکہ یہ قول مشہور اور جلیل القدر صحابی حضرت ابو درداء کا ہے:
”ما رأیت احداً اشدّ صلوٰۃ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من امامکم هذا یعنی
معاویہ رضی اللہ عنہ۔“

میں نے اس تمہارے امام یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے مشابہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔

ڈاکٹر صاحب نے ۱۹۹۹ء میں توسیدنا ولید بن عتبہ کو ہدف تنقید بنایا تھا لیکن حضرت معاویہ
رضی اللہ عنہ کے بارے میں ۱۹۹۰ء کے بعد راقم ان کی تحریری صورت میں ”علی کاوشوں“ سے
بالکل ہی ناواقف ہے لیکن ۷ جولائی ۲۰۱۳ء کے ایک مضمون پر عنوان ”حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ
اور قدیم مؤرخین و محدثین“ (جو انہوں نے مولانا اورنگزیب فاروقی کے مضمون ”سیدنا امیر معاویہ
رضی اللہ عنہ“ کے جواب میں لکھا تھا) سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ”مشن“ کی تکمیل کے لیے
اس پیرائہ سالی میں بھی پر عزم اور پوری طرح جتے ہوئے ہیں۔

محترم فاروقی صاحب نے اپنے مختصر مضمون میں حدیث و تاریخ کی روشنی میں سیدنا معاویہ
رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب بیان کیے تھے اور اس میں کسی کے بھی خلاف حتیٰ کہ اہل تشیع کے
بھی خلاف کوئی اشارہ تک نہ تھا۔ (ملاحظہ ہو روزنامہ امت کراچی / حیدرآباد ۲۰۲۰ء۔ جون ۲۰۱۳ء)
لیکن معلوم نہیں کہ ڈاکٹر رضوان ندوی صاحب کیوں ایک جلیل القدر اور کاتب و جی صحابی

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

ڈاکٹر سید رضوان ندوی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و مناقب پر بھ کر اس قدر مشتعل ہوئے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنی شدید ترین تنقید کا نشانہ بنا ڈالا۔

روزنامہ امت نے ڈاکٹر صاحب کے مضمون سے پہلے حسب ذیل ”تعارفی نوٹ“ دیا ہے کہ:
 ”ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی اسلامی تاریخ، عربی زبان اور دیگر علوم پر اتھارٹی کا درجہ رکھتے ہیں۔ وہ برس باندس عربوں کو عربی زبان اور تاریخ پر حاضرتے رہے۔ ان موضوعات پر پاکستان میں ان سے زیادہ مستند عالم شاید ہی کوئی ہو۔

ڈاکٹر ندوی نے علامہ فاروقی صاحب کے ایک مضمون کے جواب میں یہ تحریر ارسال کی ہے جو صحابی رسول حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حالات پر روشنی ڈالتی ہے۔ علامہ فاروقی کا مضمون دو جوں کو ”امت“ میں شائع ہوا تھا۔

ڈاکٹر ندوی تحقیق میں کس درجہ مہارت رکھتے ہیں اس کا ایک اندازہ ان کی درج ذیل تحریر سے لگایا جاسکتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ایک خالص علمی بحث ہے اس کا کوئی تعلق عقائد یا فقہی اختلافات سے نہیں ہے بلکہ یہ اسلامی تاریخ سے آگہی کی کوشش ہے۔ جس معیار کی بحث ڈاکٹر ندوی نے کی ہے ان سے اختلاف رکھنے والے حضرات سے توقع ہے کہ وہ بھی بحث کا یہ معیار بہ قرار رکھیں گے۔ اس نکتہ نظر سے اختلاف رکھنے والوں کے لیے ”امت“ کے صفحات حاضر ہیں۔ (ادارہ)

ڈاکٹر رضوان ندوی صاحب حسب سابق و حسب معمول اپنا جوابی مضمون ”تعلقی“ سے شروع کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:

ہر پرہیزگار مسلمان جانتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے لیکن ان کے تفصیلی حالات کو صرف وہی جانتے ہیں جنہوں نے اسلامی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ عام لوگوں کی بات نہیں میں نے کراچی میں ڈیفنس سوسائٹی کی دو مساجد کے ائمہ سے جمعہ کے خطبہ میں حضرت معاویہؓ کا ذکر سننے کے بعد ان سے پوچھا کہ حضرت معاویہؓ کب اسلام لائے تھے تو پتہ چلا کہ وہ دونوں امام اس سے بے خبر تھے۔ بلکہ ان کے امتیاز کو تو اور بھی بہت کم لوگ جانتے ہیں جو یہ ہے کہ وہ اسلام میں پہلی سلطنت یعنی مملکت بنی امیہ یا ”دولت اموی“ کے بانی تھے۔ اس لیے ہمارے قدیم محدثین و مؤرخین نے ان کے حالات بڑی تفصیل سے بیان کیے ہیں۔

لیکن چونکہ درس نظامی کے نصاب میں اسلامی تاریخ کا موضوع نہیں پڑھایا جاتا ہے اس لیے مدارس کے فارغ التحصیل مولویوں کو (جو بعد میں مولانا اور مفتی بن جاتے ہیں) بھی حضرت

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

ڈاکٹر سید رضوان ندوی

معاویہ رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی کا تفصیلی علم نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ ان میں سے بیشتر یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ کب اسلام لائے تھے۔

اتوار ۲ جون (۲۰۱۳ء) کو ”امت“ میں ایک ”علامہ“ اورنگ زیب فاروقی صاحب کا ایک مضمون ”سیدنا امیر معاویہؓ“ کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس میں انہوں نے حضرت معاویہؓ کے مناقب بیان کیے ہیں۔ اس مضمون سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے نہ صرف قدیم محدثین و مؤرخین کے بیانات سے اعراض کیا ہے بلکہ قرآن کریم کی صحابہ کرام سے متعلق آیات سے (بھی) اغماض کیا ہے۔

”علامہ“ صاحب کی کسی عربی وارو تصنیف کا کم از کم مجھے علم نہیں..... یہ دوسری بات ہے کہ مضمون نگار نے ایک اسلامی فرقے کے انداز پر جن میں ہر مجلس پر ہننے والا مولوی ”علامہ“ ہوتا ہے، اپنے لیے علامہ کا لقب اختیار کیا ہوتا ہے۔“ (روزنامہ امت ۷ جولائی ۲۰۱۳ء)

”ڈاکٹر صاحب کی ”نگارشات“ کا جواب محمد عرفان الحق صاحب ایڈووکیٹ، پروفیسر عبدالستار انصاری صاحب اور خود مولانا اورنگ زیب فاروقی صاحب نے روزنامہ ”امت“ کے ان ہی صفحات پر مدلل انداز میں دیا ہے۔ جب کہ راقم الحروف ڈاکٹر صاحب کی تازہ ”تحقیقات“ منظر عام پر آنے سے بہت پہلے اپنی دو ضخیم کتابوں تذکرہ سیدنا معاویہؓ (طبع اول ۱۹۹۵ء) اور سیدنا معاویہؓ پر اعتراضات کا علمی تجزیہ (مطبوعہ دارنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ۱۹۹۶ء) میں جملہ اعتراضات کا جواب نہایت ہی تفصیل کے ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش کر چکا ہے۔

زیر نظر کتاب ”سیدنا معاویہؓ کے ماقدرین“ میں حضرت معاویہؓ کے خلاف صرف ان حضرات کی ”تنقیدی نگارشات“ جمع کی گئی ہیں جنہوں نے کسی بھی پیرائے میں انہیں ”ہدف تنقید“ بنایا ہے۔

چونکہ ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی کی ”تحقیقات“ روزنامہ امت کے ذریعے زیر نظر کتاب کی اشاعت اول کے بعد منظر عام پر آئی ہیں اس لیے انہیں اشاعت دوم میں شامل کیا جا رہا ہے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنے جوابی مضمون میں حضرت معاویہؓ کے متعلق حسب ذیل ”تحقیق“ پیش فرمائی ہے: قسط اول و دوم (روزنامہ امت ۷، ۸ جولائی ۲۰۱۳ء)

۱۔ ”مگر حضرت معاویہؓ ہی جلیل القدر صحابی اور عظیم المرتبت خلیفہ تھے تو پھر حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمر فاروقؓ کے لیے کون سے الفاظ مدح باقی رہ گئے؟.....“

۲۔ یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ امیر معاویہؓ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے تھے۔ وہ اور ان کے والد و بھائی یزید بن ابی سفیان صلحاء اور ”مؤلفہ القلوب“ (وہ نو مسلم جن کو اسلام پر قائم

رکھنے کے لیے ان کی مائی مدد کی جاتی ہے) میں سے تھے۔

۳۔ اور ”طلقاء“ وہ اہل مکہ ہیں جو عرب کے جنگی قوانین کے مطابق سب قیدی اور غلام بنائے جاسکتے تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خوف زدہ اہل مکہ کو ”اذہبوا فـانتم الطلقاء“ (جاؤ تم سب آزاد ہو) کی نوید سنا کر سب کو آزاد کر دیا۔.....

۴۔ پھر وہ (معاویہ) ”السابقون الاولون من المهاجرین والانصار“ میں بھی شامل نہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے سورۃ اتوبہ کی آیت نمبر ۱۰ میں اپنی خوشنودی کی خبر دی اور ساتھ ہی ان کو بھی جنہوں نے ان سابقون الاولون (اولین مسلمان) کا بخوبی اتباع کیا یعنی فتح مکہ سے قبل کیونکہ فتح مکہ اور اس کے بعد تو طاقت کے بل پر مکہ اور مقام دیگر مقامات و قبائل میں اسلام پھیل گیا تھا اور اب اسلام لانے والوں کا کسی طرح وہ وجہ نہیں تھا جو سابقون الاولون اور فتح مکہ سے قبل اسلام لانے والوں کا تھا۔.....

۵۔ عشرہ مبشرہ بالمہدیہ یعنی وہ صحابہ کرام جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی، پھر دوسرے سابقون الاولون میں یاسر بن کی یوی سمیہ، جابر بن عبد اللہ، عمار، بلال، صہیب، مقداد، ارقم، عبد اللہ بن مسعود، خالد بن سعید، زید بن حارثہ، حضرت حمزہ، حضرت جعفرؓ وغیرہ دسیوں، مہیوں صحابہ کرام ہیں۔ یہ ہیں جلیل القدر اور عظیم المرتبت صحابہ اور پھر وہ انصار مدینہ جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کو بلکہ اسلام کو مدینہ میں پناہ دی۔ جن کی مہاجرین اولین کے ساتھ جان نثاریوں اور قربانیوں سے اسلام کو بقاء ملی۔ ان کی جلالت قدر پر تاریخ شاہد ہے۔ نہ کہ وہ جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے، نہ کہ وہ جن کو اسلام دسیوں غزوات کے بعد مکہ اور دیگر مقامات پر زیر کر چکا تھا (معاویہؓ اور دیگر بعد از فتح مکہ اسلام لانے والے شکست خوردہ کیونکر جلیل القدر اور عظیم المرتبت صحابہ کی فہرست میں شامل ہو سکتے ہیں؟)

۶۔ علامہ (اورنگ زیب فاروقی) صاحب نے بالکل غلط لکھا ہے کہ امیر معاویہؓ، سیدنا عمر بن خطابؓ کے معتمد خاص تھے۔ بلکہ حضرت عمرؓ نے تو ان کو بزرگوار لباس پہنے ہوئے دیکھا تو ان کو درے مارے کچھ صحابہ کے سامنے ان صحابہ نے جب اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے اوپر اشارہ کر کے بتایا کہ میں نے ان کی بڑائی کے احساس کو ختم کرنا چاہا۔ ابن کثیر اور دوسروں کی روایت میں لفظ ”شہید“ ہے جس کے معنی تکبر کے ہیں۔ حضرت عمرؓ جب امیر معاویہؓ کو دیکھتے تھے تو کہتے تھے، یہ عربوں کا کسریٰ ہے تو وہ (معاویہؓ) کس طرح حضرت عمرؓ کے معتمد خاص ہو سکتے ہیں؟

۷۔ اصل بات یہ ہے کہ ان کے سوتیلے بڑے بھائی یزید بن ابی سفیان جن کو حضرت ابو بکرؓ نے

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

ڈاکٹر سید رضوان ندوی

چار لشکروں کے ساتھ شام و فلسطین کی فتح کے لیے بھیجا تھا ان میں سے ایک لشکر کے کمانڈر یہ تھے۔ طاعون عمواس میں ۱۸ھ میں ان کا انتقال ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے ان کے چھوٹے بھائی کو جو ان کے ساتھ لشکر میں گئے ہوئے تھے ”عمواسات“ کرتے ہوئے دمشق کا امیر (گورنر) بنا دیا تھا لیکن وہ کسی اور اعلیٰ عہدہ پر فائز نہیں رہے۔ یہ بات تو صریح مباحثہ آرائی ہے کہ وہ خلافت صدیقی میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔

۸۔ امام بخاری و امام مسلم نے بہت سے صحابہ کی منقبت و فضیلت میں باب باندھے ہیں لیکن انہوں نے امیر معاویہ کی منقبت میں کچھ نہیں لکھا ہے۔

امام احمد بن حنبل اور امام بخاری کے استاد مشہور محدث اسحاق بن راہویہ نے تصریح کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معاویہؓ کی فضیلت میں کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے۔ بعد میں امام ابن جوزی نے حدیث ”لعلہم اجمعہ ہادیہ....“ کو موضوع لکھا ہے۔ عبد اللہ بن عباسؓ سے مشہور روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھیجا کہ معاویہؓ کو بلا کر لائیں۔ وہ تین مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر بلائے گئے۔ تینوں مرتبہ انہوں نے آکر بتایا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدو عادی ”لا اشیع اللہ بطنہ“ (اللہ کبھی اس کو شکم سیری نہ دے) اس کا نتیجہ تھا کہ وہ دن میں سات بار کھانا، گوشت و طوطہ وغیرہ کھاتے تھے لیکن شکم سیر نہیں ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ میں کھانے سے تھک جاتا ہوں اس لیے رک جاتا ہوں لیکن پیٹ نہیں بھرتا....

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بخاری میں متعدد صحابہ کے فضائل ”مناقب“ کے عنوان سے لکھے ہیں لیکن حضرت معاویہؓ کے حالات ”ذکر معاویہؓ“ کے عنوان سے دیے ہیں اور صرف فقہ کے ایک مسئلے و تزکی بات لکھی ہے۔

حافظ ابن حجر نے اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے امام ابن الجوزی کے حوالے سے امام احمد کا حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے بارے میں یہ حقیقت افروز قول لکھا ہے جو حضرت معاویہؓ کے بارے میں گویا ان کا فیصلہ ہے:

”عبد اللہ بن احمد نے اپنے والد امام احمد بن حنبل سے دریافت کیا کہ حضرت علیؓ و معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

تو انہوں نے سر جھٹکایا اور پھر کہا کہ: تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت علیؓ کے بہت سے دشمن تھے (یعنی خوارج و ماضی) ان کے دشمنوں نے بہت کوشش کی کہ ان کو علیؓ کا کوئی عیب مل جائے لیکن ان کو کوئی عیب نہیں ملا۔ تو انہوں نے ایک ایسے شخص کے حالات کی طرف رخ کیا جس نے

سید معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

ڈاکٹر سید رضوان ندوی

ان (علیؑ) سے جنگ کی تھی اور حضرت علیؑ کی دشمنی میں اس کی تعریف کے ڈوگرے باندھے ہیں۔“
انہوں نے امام احمد کی اس بات کا حاصل ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

”فاشار بهذا الى ما اختلفوا للمعاوية من الفضائل مما لا اصل له“

(اس سے انہوں نے اشارہ کیا ہے ان من گھڑت فضائل معاویہؓ کی طرف جن کی کوئی

حقیقت نہیں ہے۔

اس کے بعد حافظ ابن حجر اپنی رائے لکھتے ہیں کہ ان فضائل میں بہت سی احادیث بیان کی گئی ہیں لیکن از روئے اسناد ان میں سے کوئی صحیح نہیں اور یہی بات پورے یقین کے ساتھ اسحاق بن راہویہ اور امام نسائی وغیرہ نے کہی ہے۔۔۔۔۔

۹۔ ورنگ زیب صاحب تو ان کے ایسے مداح ہیں کہ کاتبہ وحی کے ساتھ ساتھ انہوں نے حضرت معاویہؓ کو ”رازدار رسول“ بھی لکھ دیا ہے۔

یہ یا تو لاعلمی ہے یا صریح غلط بیانی ہے۔ وہ میرٹ ابن ہشام پڑھیں تو ان کو صاف معلوم ہو گا کہ رازدار رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حذیفہ بن الیمانؓ تھے جو جنگ تبوک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور اس موقع پر ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض منافقین کے نام بتا دیے تھے اور ہدایت کی تھی کہ وہ کسی کو نہ بتائے جائیں۔ حضرت عمرؓ نے ان سے بہت پوچھا لیکن انہوں نے نہیں بتایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد انہوں نے حضرت عمرؓ کو یہ نام بتا دیا۔

حافظ ابن حجر نے بخاری و مسلم کے حوالے سے ان کا لقب ”صاحب اسر“ (رازدار) لکھا۔ کسی قدیم عرب مصنف نے معاویہؓ کو صاحب اسر نہیں لکھا ہے۔ وہ ہو بھی کیسے سکتے ہیں؟ وہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف دو سال پہلے اسلام لائے تھے اور ان کے والد ابوسفیان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ حد کے موقع پر لعنت بھیجی تھی، کہا تھا: ”لألهم العن اباسفیان“

۱۰۔ اسی طرح مضمون میں الاصابہ کا یہ حوالہ بھی غلط ہے کہ امیر معاویہؓ کاتبہ وحی تھے۔ اس میں کہیں ان کو کاتبہ وحی نہیں لکھا ہے۔

یہ بات لوگوں نے خواہ مخواہ مشہور کر دی ہے اور افسوس کی بات ہے کہ حافظ ابن کثیر بھی اسی رو میں بہہ گئے ہیں۔ جہاں تک حافظ ابن حجر کا تعلق ہے جو ابن کثیر سے زیادہ وسیع العلم اور حافظ حدیث و مؤرخ ہیں۔ انہوں نے تو تمام کتب تاریخ کی طرح پہلے تو صرف اتنا ہی لکھا ہے ”و کاتب له“ (اور معاویہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لکھا) ملاحظہ کیجیے کہ اس میں کہیں کاتبہ وحی کا ذکر نہیں۔۔۔

زید بن ثابتؓ وحی لکھا کرتے تھے اور معاویہؓ نبی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور عربوں کے درمیان جو معاملات ہوتے تھے وہ لکھا کرتے تھے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط اور معاہدات لکھا کرتے تھے اور یہی بات ابن حجر سے ایک صدی قبل امام ذہبی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مفصل سوانح حیات میں لکھی ہے اور انہوں نے اس کتابت کی حقیقت بھی اس طرح بیان کی ہے ”وكتب لعمرات يصبرة“ چند ہی مرتبہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایسی کتابت یا خطوط نگاری کی۔

یہ افسوس اس بات کا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کتابت وحی کا دستور پینے والے اس اظہار سے تغافل برتتے ہیں کہ وہ ظہور اسلام کے کس سال بعد اسلام لائے فتح مکہ کے موقع پر۔۔۔۔۔ تو سوال یہ ہے کہ اکیس سال تک کون قرآن لکھ رہا تھا؟۔۔۔۔۔

لوگوں نے ان کی کتابت وحی کا اتنا پروپیگنڈہ کیا ہے کہ لوگ ان کو اولین صحابہ میں سے سمجھنے لگے ہیں ان کو معلوم نہیں کہ وہ نہ مہاجرین میں سے تھے اور نہ انصار میں سے جن کی فضیلت قرآن وحدیث میں بیان کی گئی ہے۔۔۔۔۔

ایک بڑی اہم بات جو ان کی کتابت وحی کی نفی کرتی ہے کہ۔۔۔۔۔ اس طرح جب دو مرتبہ (حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانے میں) قرآن کی کتابت کی گئی تو دونوں مرتبہ یہ ہم حضرت زید بن ثابتؓ انصارؓ اور تین قریشی کاتبین وحی کے سپرد کی گئی۔ اگر حضرت معاویہؓ کا تب وحی ہوتے تو ان کو ان لوگوں میں شامل کیا جاتا جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے زمانے میں قرآن کے سات نسخے ایک ایک جلد میں تیار کیے اور وہ مختلف بڑے اسلامی شہروں کو بھیجے گئے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کا وحی لکھنے والوں میں شمار نہیں ہوتا تھا۔۔۔۔۔

۱۱۔ درس نظامی کے مدارس میں اسلامی تاریخ نہیں پڑھائی جاتی۔ افسوس کہ درس حدیث پڑھاتے ہوئے رجال حدیث اور صحابہ کے حالات سے انہیں بے خبر رکھا جاتا ہے۔ افسوس کہ حد تک مجھے اس کا ذاتی تجربہ کراچی میں ہوا۔ ڈیفنس کی دو مساجد میں نماز جمعہ میں، میں نے خطبہ جمعہ میں دوسرے خطبہ میں خلفائے راشدین کے نام کے ساتھ حضرت معاویہؓ کا نام بھی سناتا پہلی مرتبہ مسجد سے باہر نکلتے ہوئے میں نے امام صاحب سے کہا کہ آج آپ نے حضرت ابوعبیدہؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ وغیرہ ”المسلمون الاولون“ صحابہ پر یہ ظلم کیا۔ بڑے سٹ پٹائے کہ کیا بات ہوئی؟ میں نے کہا کہ آپ نے ان جلیل القدر صحابہ کا نام دعا کے

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

ڈاکٹر سید رضوان ندوی

ساتھ دوسرے خطبہ میں نہیں لیا اور حضرت معاویہؓ کا نام لیا جو بہت بعد میں اسلام لائے....
دوسرے (مولوی) صاحب جو ملتان کے کسی بڑے مدرسے کے فارغ التحصیل تھے۔
انہوں نے اپنے خطبہ کا پہلا حصہ مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کا تصنیف کردہ پڑھا۔ دوسرا خطبہ
جس میں خلفائے راشدین کے ساتھ حضرت معاویہؓ کا نام تھا، میں نے موصوف سے پوچھا کہ
آپ نے دوسرا خطبہ مولانا تھانوی صاحب کا نہیں پڑھا وہ کس کا تھا؟
انہوں نے بتایا کہ وہ مفتی رشید احمد صاحب کا تحریر کردہ ہے۔ مولانا تھانوی کے خطبہ ثانیہ
میں حضرت معاویہؓ کا نام نہیں.....

مسند ابوداؤد الطیالسی کے حوالے سے ذہبی نے بیان کیا ہے کہ:
حضرت عائشہؓ سے کہا گیا کہ کیا آپ کا اس پر کوئی تعجب نہیں کہ طلقاء میں سے ایک شخص
(معاویہؓ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے خلافت پر نزاع کر کے خلافت پر قابض ہو گیا؟
تو انہوں نے جواباً کہا: تعجب کی کیا بات ہے؟ یہ اللہ کا اقتدار ہے وہ نیک کو بھی دیتا ہے
اور فاجر کو بھی۔ فرعون نے تو مصر میں چار سو سال تک حکومت کی (مختلف فرقوں نے چار سو سال
تک حکومت کی)....

ذہبی کا آخری فیصلہ ہے ”اور معاویہ بہترین بادشاہوں میں سے تھے وہ بادشاہان جن کا عدل
ان کے ظلم سے زیادہ ہے اور وہ معاویہ خطاکاریوں سے بری نہیں ہے۔ اللہ ان کو معاف کرے۔“
ملفوظ رہے کہ امام ذہبی نے ان کو ”خلیفہ“ نہیں، خیر الملوک“ (بہترین بادشاہ) کہا
ہے۔ کیونکہ تمام تواریخ میں لکھا ہے کہ وہ خود کو ”مول الملوک“ (اسلام میں پہلا بادشاہ کہتے تھے)
اور ان کے طور طریقے بھی بادشاہوں جیسے تھے۔ گارڈ، محل، خواجہ سرا، خادم وغیرہ۔
خلافت، سیدنا حسنؓ کی خلافت کے فوراً بعد سن ۴۱ھ میں ختم ہو گئی کہ خلافت کے تیس سال
پورے ہو گئے تھے۔ امام ذہبی اور دیگر کے بقول پھر معاویہؓ حکمران ہوئے اور زبیر وزینت اور
رعب و داب پر انہوں نے بہت توجہ کی۔

اس کے ساتھ انہوں (ذہبی) نے کہا: کاش کہ انہوں نے یزید کو ولی عہد نہ بنایا ہوتا اور امت
کے لیے اختیار چھوڑ دیا ہوتا کہ وہ خلیفہ کا انتخاب کرے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابن حزم نے اپنے
رسالہ ”اسماء الخلفاء والولاة و ذکر مدنتهم“ میں سیدنا حسنؓ کے عہد تک تو خلافت کا لفظ لکھا
ہے۔ اور پھر حضرت معاویہؓ کے عہد حکومت کو ”ولایۃ معاویۃ بن ابی سفیان، ولایۃ یزید

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین ڈاکٹر سید رضوان ندوی

”ابنہ“ اور پھر سب اموی حکمرانوں کے لیے ”ولایت“ کا لفظ لکھا ہے۔ صرف حضرت عمر بن عبدالعزیز کے لیے ”خلافت“ کا لفظ لکھا ہے۔

الغرض ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف طویل ”فرد جرم“ عائد کر کے آخر میں لکھتے ہیں کہ:

”یہ ہیں حضرت معاویہؓ کی زندگی کے صحیح حالات۔ ان میں سے بہت سے گوشے ابھی لائق بحث ہیں۔ یہاں صرف مولانا اورنگ زیب کی غلطیوں کی تصحیح کی گئی ہے۔ عام قارئین کو یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ وہ ظہور اسلام کے ۲۱ سال بعد اور وفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سال پہلے فتح مکہ کے بعد اسلام لائے اور وہ کاتب وحی نہیں تھے۔“ (لاحظہ ہو نزاع مامت کراچی ۷ جولائی ۲۰۱۳ء)

ابھی ابھی ڈاکٹر رضوان ندوی صاحب کا ”کیجہ“ ٹخنڈا نہیں ہوا۔ ایک طرف تو لکھ رہے ہیں کہ ”یہ ہیں حضرت معاویہؓ کی زندگی کے صحیح حالات“، لیکن اس کے ساتھ فوری طور پر یہ وضاحت بھی جاری کر دیتے ہیں کہ:

”ان میں سے بہت سے گوشے ابھی لائق بحث ہیں۔“

موصوف کا زیر نظر جوابی مضمون زیادہ تر تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ”قدح“ پر مبنی ہے اور جہاں کہیں قارئین کو ”مدح“ کا گمان ہو جائے تو اس کا ازالہ یوں فرما رہے ہیں کہ ”ان میں سے بہت سے گوشے ابھی لائق بحث ہیں۔“

موصوف نے یہ مضمون قارئین یعنی معاندین و ناقدین معاویہؓ کو ”کسی تعصب اور فرقہ وارانہ ذہنیت سے دور رکھ کر حضرت معاویہؓ سے متعلق صحیح معلومات“ پہنچانے کی غرض سے ہی لکھا ہے مگر افسوس کہ وہ ”بعض گوشوں“ کی ابھی تک توضیح نہیں کر سکے یا رقم الحروف کی اس تک ”رسانی“ نہیں ہو سکی۔

ڈاکٹر سید رضوان علی صاحب نے اپنے ”جوابی مضمون“ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر جو ”فرد جرم“ عائد کیے ہیں اس سے وہ یقیناً ”معاندین معاویہؓ“ کی فہرست میں شامل ہو گئے ہیں اور جن گوشوں سے انہوں نے ہنوز پردہ ہٹانا ہے تو ان کے متعلق اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو پہلے ہی آگاہ فرما چکے ہیں:

”قَدْ بَدَأَ الْبَعْضَاءُ مِنْ أَقْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ“ (سورۃ آل عمران آیت ۱۱۸)

ظاہر ہو چکا ہے بغض ان کے مونہوں (یعنی زبانوں) سے اور جو چھپا رکھا ہے ان کے سینوں نے وہ اس سے بڑا ہے۔ ہم نے صاف بیان کر دیں تمہارے لیے اپنی آیتیں اگر تم سمجھدار ہو۔

۳۹۔ پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری

اور چند دیگر بریلوی علماء

پروفیسر ڈاکٹر علامہ طاہر القادری ایک منفرد شخصیت کے مالک ہیں۔ ”منہاج القرآن“ اور اتفاق فاؤنڈری کی مسجد کی خطابت سے مذہبی میدان میں اترے پھر ”پاکستان عوامی تحریک“ کے نام سے ایک سیاسی جماعت قائم کر کے ملک میں ”نفاذ شریعت“ کی تحریک برپا کر دی جو ۱۹۹۰ء کے الیکشن کے شدید حادثے میں اپنی جان ”جان آفریں“ کے سپرد کر گئی۔ مذکورہ الیکشن سے چند ماہ قبل انہوں نے اپنے مکان پر فائرنگ کا ڈرامہ بھی رچایا جس کا پردہ لاہور ہائی کورٹ کے ایک رکنی ٹریبونل نے اپنی رپورٹ میں چاک کر دیا۔ ہفت روزہ زندگی لاہور کی رپورٹ کے مطابق ملاحظہ فرمائیں:

وہ ایک محسن کش، ہاشمگر گزار، خود غرض، جھوٹے، دولت کے پجاری، خود پرست اور شہرت کے بھوکے انسان ہیں۔

فائرنگ کا ڈرامہ ان کے ذہن کی اختراع ہے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ گولی شیشے کو لگے اور شیشہ نہ ٹوٹے؟

خون انسانی نہیں بناؤں تھا۔

جائے وقوعہ پر پائے جانے والے نشانات خود ساختہ تھے۔

عدالتی کارروائی کی مکمل تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو:

ہفت روزہ زندگی لاہور ۲۲ تا ۲۷ ستمبر ۱۹۹۰ء ص ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵۔

ملک میں ”مصطفوی انقلاب“ برپا کرنے کے لیے موصوف نے ۱۰ جنوری ۱۹۹۰ء کو تحریک

نفاذ فقہ جعفریہ کے ساتھ ایک دس نکاتی معاہدہ بھی کیا۔

موصوف اہل تشیع کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے ایک مرتبہ ”امام خمینی کی یاد میں منعقدہ

تعزیتی جلسہ“ سے خطاب کے لیے تشریف لے گئے جہاں انہوں نے زیر دست الفاظ میں امام خمینی

کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ:

”آیت اللہ نے حضرت علیؑ کی ہی زندگی گزاری اور حضرت امام حسینؑ کی طرح دنیا سے

رخصت ہوئے۔ امام خمینی خود تو زمین کے پیٹ میں چلے گئے مگر زمین کی پیٹھ پر چلنے والے لاکھوں

انسانوں کو جینے کا طریقہ سکھا گئے۔“ (روزنامہ جنگ۔ لاہور ایڈیشن ۸ جون ۱۹۸۹ء)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین ڈاکٹر طاہر القادری اور بریلوی علماء

اگر بغرض محال امام خمینی اسلام دشمن اور صحابہ دشمن نہ بھی ہوتے تو پھر بھی ایسے ”ریمارکس“ جانز نہیں تھے۔

ڈاکٹر طاہر القادری ملی یکجہتی کونسل میں بھی نہایت سرعت کے ساتھ شامل ہوئے تھے پھر اپنے مقاصد حاصل کرنے کے بعد جلد ہی واپس بھی چلے گئے۔

روزنامہ اساس راولپنڈی ۱۹۹۷ء میں ”آج کی شک صیت“ (یعنی شخصیت) کے کالم کے تحت مختلف سیاست دانوں اور شخصیات کے تعارف کا ایک سلسلہ شروع کیا گیا تھا ان میں ڈاکٹر طاہر القادری بھی شامل تھے۔ اس کالم کا عنوان ہی ”علامہ فی الفور“ تھا۔ اس کے بعض جملے بدیہ تارمین کیے جاتے ہیں:

”علامہ فی الفور ان لوگوں میں سے ہیں جو ہر کام جلدی سے کرتے ہیں، وہ تو دیر کرنے میں بھی جلدی کرتے ہیں۔ انہوں نے معروف ہونے میں تو چند ماہ ہی لگائے البتہ غیر معروف ہونے میں کئی سال لگائے ہیں۔ مولانا خواب زادہ علامہ فی الفور بڑی ”جھنگ جو“ شخصیت ہیں۔ لاہور آ کر لاء کالج کے ہاسٹل میں رہے۔ یہاں ”لاء ہاسٹل“ سے مراد سہرا ل نہیں کہ وہاں بھی ”مدران لاء، فادران لاء، سسٹران لاء“ بلکہ ہر کئی ان لاء ہی ہوتا ہے۔ وہاں سے نکل کر فیض الحسن صاحب سے ”فیض“ لیا۔۔۔

مولانا خواب زادہ علامہ فی الفور اس وقت سوتے ہیں جب اٹھنا ہو، جب کہ ہم جیسے تب اٹھتے ہیں، جب سونا ہو۔۔۔ لوگ تو جاگتے ہیں یہ سوئے ہوئے بھی فارغ نہیں ہوتے، خواب ملاحظہ فرما رہے ہوتے ہیں۔۔۔ علامہ صاحب جاگتے ہیں خواب دیکھتے ہی نہیں دکھاتے بھی ہیں۔ فرماتے ہیں: ان کا نام بھی خواب میں رکھا گیا۔ یہی ہی نہیں انہوں نے نام پیدا بھی خواب ہی سے کیا۔۔۔ علامہ صاحب دنیا کے واحد فرد ہیں جنہیں کوئی وراثی عمر کی دعا بھی نہیں دے سکتا کیونکہ بقول علامہ فی الفور بحوالہ خواب نمبر۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے میری عمر ۶۳ سال مقرر کی جو حضور پاکؐ نے بڑھا کر ۶۶ برس کر دی لیکن میں نے قبول نہ کی اور عرض کیا کہ میں ۶۳ برس سے زیادہ زندہ نہیں رہنا چاہتا کیونکہ اس طرح عمر کے سلسلے میں سنت نبویؐ کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوں گا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مان کر ۶۳ کر دی۔۔۔ ایک صحافی دوست بتاتے ہیں کہ علامہ کی دعا بڑی جلد قبول ہوتی ہے۔ میں مانے گیا، مدعا بیان کیا تو انہوں نے کہا: ”جاؤ، کھوٹی رقم مل جائے گی“ اور ان کی آدھی دعا فوراً قبول ہو گئی کہ میں وہاں سے چلا آیا۔۔۔ (روزنامہ اساس ۲۱۔ اکتوبر ۱۹۹۷ء)

معروف کالم نگار جناب خالد مسعود خان صاحب رقم طراز ہیں کہ:

”قادری صاحب نے عالم رویا میں امام ابو حنیفہؒ سے براہ راست علم حاصل کیا۔ ان سے پڑھا اور ان کی شاگردی میں رہے۔ اس سلسلے میں وہ یہ واقعہ خود اپنی زبان سے یوں بیان کرتے ہیں:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین ڈاکٹر طاہر القادری اور بریلوی علماء

”میری حقیقت کا تو عالم یہ ہے کہ میں نے تو عالم رویا میں کوئی پندرہ بیس سال کے لگ بھگ کا عرصہ امام اعظم کی شاگردی کی، آپ سے پڑھا، عالم رویا میں بہارِ ست تلمذ کا شرف ملا ہے۔ عالم رویا میں بطریق منام (خواب میں) تو میں مر سکتا ہوں حقیقت کیسے چھوڑ سکتا ہوں؟ میں تو ان کا کف بردار رہوں، ان کے جوتے اٹھانے والا ہوں، میرا تو جینا، مرنا امام اعظم کے قدم کے نشان پر ہے“

یہ ان کا ایک بیان ہے۔ صرف دو ماہ بعد حیدرآباد میں ان کا بیان ملاحظہ فرمائیں: میں عالم رویا میں خواب میں اللہ کی عزت کی قسم، تاجدارِ کائنات کے نعلین پاک کی قسم، عالم رویا میں ۹ سال تک امام اعظم ابوحنیفہ سے پڑھا ہوں“

اب آپ دیکھیں ایک بیان میں پندرہ بیس سال اور دوسرے بیان میں اللہ کی عزت اور تاجدارِ کائنات کے نعلین کی قسم اٹھا کر یہ مدت نو سال کر دی۔ ان کے مطالبات ایک دوسرے کی ضد ہیں، ان کی سوچ اور مطالبات آئین سے متصادم ہیں..... میں اسلام آباد میں بیٹھ کر انقلاب کا نظارہ کروں گا۔ اگر آتے ہوئے انقلاب کا نظارہ نہ کر سکا تو کم از کم انقلاب کی واپسی کا منظر تو ضرور دیکھوں گا۔ ممکن ہے یہ گناہ گار آنکھیں بعد ازاں انہیں کینڈا جاتے ہوئے بھی دیکھیں مگر فی الحال تو انقلاب کی آئیاں جانیاں دیکھنے کے لئے خرچ کر کے اسلام آباد جا رہا ہوں۔ خدا نہ کرے کہ میرا یہ سارا خرچہ برباد ہو جائے اور میں نہ تو انقلاب کو آتا دیکھ سکوں اور نہ جاتا ہوں۔ بلکہ انقلاب کی ڈیڈ لائن میں اضافہ ہو جائے۔ (روزنامہ دنیا۔ ۱۸ اگست ۲۰۱۴ء۔ تحت کالم ”کنہرا“، زیر عنوان ”انقلاب کی آئیاں جانیاں“)

اس تمہید کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ڈاکٹر صاحب کے خیالات خود بریلوی علماء کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

”حضرت امیر معاویہؓ کے انتقال کا وقت جب قریب آیا تو انہوں نے اس خواہش کے پیش نظر کہ یہ حکومت اور خلافت میرے ہی خاندان میں رہے اپنی زندگی میں یزید کو ولی عہد مقرر کر دیا اور اس کی تخت نشینی کے لیے راہ ہموار کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔

میں سمجھتا ہوں اور بلاشبہ اس بات کا اقرار اور اعلاں کرتا ہوں کہ سیدنا امیر معاویہؓ کی یہ دوسری زید دست لغزش اور ہولناک سیاسی خطا تھی جس نے تاریخ اسلام پر بڑے دور رس نتائج مرتب کیے اور امت مسلمہ کے سیاسی تشخص کو خلافت سے اٹھا کر ملوکیت کی گود میں دھکیل دیا۔ ہم ان دونوں غلطیوں کو شرف صحابیت کے حوالے سے اجتہادی غلطیاں تسلیم کرتے ہیں۔“ (شہادت امام حسینؓ حصہ اول ص ۱۳ بحوالہ دشمنان امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا علمی محاسبہ ص ۷۷)۔

”حضرت امیر معاویہؓ ان کے دور حکومت کی نسبت ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے کی

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین ڈاکٹر طاہر القادری اور بریلوی علماء

وجہ سے حیا کو اور خاموشی کو فرض جانتے ہیں اور زبان کھولنے کو ناپسند کرتے ہیں اور گناہ سمجھتے ہیں۔
لیکن آگے جب یزید کا باب آتا ہے تو یزید پر ہزار بار لعنت بھیجتے ہیں۔ جو کچھ میں نے عرض کیا اہل سنت کی عقائد کی تمام کتابوں میں وراثتاً ہی ہمیشہ بیان کرتے چلے آئے ہیں۔

سیاست معاویہ کا فتنہ آج پیدا ہوا ہے فقط اہل بیت پاک اور حسنین کریمین اور حضرت علی شیر خدا کی خلافت کے خلاف بغض اٹھنے کے لیے اس فتنے کو جاگرایا گیا ہے۔ (محبت حسینؑ اور شہادت لام حسینؑ ص ۱۷۵)
”جب ہم واقعہ کربلا کا تصور کرتے ہیں تو ہمیں معاویہ یاد آ جاتا ہے۔“

(شہادت حسینؑ ص ۵۲۔ بحوالہ دشمنان امیر معاویہ کا علمی محاسبہ ص ۳۷۷، ۳۸۳)

ممتاز بریلوی عالم شیخ الحدیث جامعہ رسولیہ شیرازیہ مولانا محمد علی صاحب طاہر القادری صاحب کے مذکورہ نظریات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”اگر طاہر القادری کو یہ خوف نہ ہو کہ مجھے علما اہل سنت شیعہ اور انفعی کی طرف منسوب کریں گے تو وہ کھل کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں تنقیص کرتا..... اور طاہر القادری تو موذی سے بڑھ کر زبان کھول رہا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاست ایک فتنہ تھی جس کا واضح معنی یہ ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاست اگر فتنہ ہے تو پھر امیر معاویہؓ اس کے ساتھ موصوف ہوئے کیونکہ مفت موصوف کے بغیر وجود نہیں رکھتی تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات کو فتنہ کہنا یہ انتہائی جرأت ہے۔

اور جو یہ بار بار کہہ رہا ہے کہ امیر معاویہؓ کے خلاف زبان کھولنے سے صرف اس لیے حیا آتی ہے کہ انہیں صحابی کہا جاتا ہے تو یہ اس کا کہنا بھی بے معنی ہے۔ جب کہ وہ امیر معاویہؓ کی ذات کو فتنہ کہہ رہے ہیں تو پھر کون سی حیلاقی رہ گئی ہے اور پھر واضح الفاظ میں کہہ رہا ہے کہ میں بلاتامل اس بات کا اقرار اور اعلان کرتا ہوں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہولناک سیاسی غلطیاں کی ہیں۔ لیکن مجھے انتہائی افسوس ہے کہ کاش طاہر القادری سلف صالحین اور اپنے اکابر شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور مجدد الف ثانی وغیرہ کی تحریرات جو کہ انہوں نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں تحریر کی ہیں ان کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی اتباع کرتے اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان و مناقب تحریر کرتے نہ کہ ان کی شان میں طعن و تنقیص کرتے اور اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فاضل بریلوی کی کتاب احکام شریعت (حصہ اول ۵۵) کو اگر طاہر القادری صاحب پڑھ لیتے اور پھر اعلیٰ حضرت سے جو وہ اپنی عقیدت کا اظہار اور دعویٰ کرتے ہیں، پھر یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات میں طعن و تنقیص نہ کرتے۔ کیونکہ اعلیٰ حضرت نے اس جگہ یوں لکھا ہے:

و من یکون یطعن فی معاویہؓ فذلک من کلاب الہاویہ

جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرے وہ جہنمی کتوں میں سے ایک کتا ہے۔
فقیر کے شیخ کامل پیر طریقت، رہبر شریعت حضرت قبلہ پیر سید محمد باقر علی شاہ صاحب زیب نشین
سجادہ عالیہ حضرت کیلیا نوالی شریف کی زبان اقدس سے میں نے کئی مرتبہ سنا ہے کہ جو آدمی سیدنا امیر معاویہ
رضی اللہ عنہ کی شان میں تنقیص کرنے والا ہے اسے اللہ تعالیٰ ولایت عطا نہیں کرتا.....

مذکورہ واقعہ سے ان سید زادوں، بیروں اور علماء کو عبرت حاصل کرنی چاہیے جو اہل سنت کے
مقتداء کہلانے کے باوجود امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقیص کرتے ہیں۔ ایسوں کو روحانی فیض
کیا مل سکتا ہے اور پھر مجھے اس بات کی سمجھ نہیں آتی کہ طاہر القادری کہہ جو روحانی مقتداء کہلاتے
ہیں ان کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات فتنہ اور خش خطاؤں سے ملوث تو نظر آتی ہے مگر جو دشمن
صحابہ خمینی ہے اس میں طاہر القادری کو کوئی نقص نظر نہیں آیا اور..... اس عنوان کے ساتھ خمینی کی
تعریف کی "امام خمینی کا جینا علی کی طرح اور مرنا حسین کی طرح ہے".....

قارئین کرام خود فیصلہ کریں کہ یہی وہ خمینی ہے جو شیعہ عقیدہ رجعت کا معتقد ہے اور اس کا یہ
بھی عقیدہ ہے کہ امام مہدی دوبارہ آئیں گے اور اکرام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ کو زندہ کر کے
ان پر حد لگائیں گے اور ابو بکر و عمرؓ اس امت کے فرعون و ہامان ہیں۔ اس خمینی کو طاہر القادری امام
حسینؓ کی شہادت اور علی المرتضیٰ کی ولایت کا وارث کہہ رہا ہے۔

طاہر القادری نے خمینی کی مذکورہ تعریف کر کے کیا امام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ اور ابو بکر صدیقؓ
اور عمرؓ بن خطاب کا دل نہ دکھایا اور ان کی ناراضی مول نہ لی؟ میں کہتا ہوں کہ ان حضرات کو اذیت و دکھ
پہنچانا دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچانا اللہ
تعالیٰ کو تکلیف دینا ہے تو جس نے اللہ اور اس کے رسول کو دکھایا اس کا حشر کیسا ہوگا؟

تو معلوم ہوا کہ طاہر القادری کا جو عنوان (امام خمینی کا جینا علیؓ اور مرنا حسینؓ کی طرح ہے) وہ
اس قدر گستاخی پر مبنی ہے کہ جس کی وجہ سے اس کے سارے اچھے اعمال اکارت گئے اور آخرت بھی
مرد باؤ کر بیٹھا اور بارگاہ صدیقی، فاروقی اور نبوی سے مردود ہو گیا۔

سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی محبت اور وقار و عظمت سے درحقیقت طاہر القادری کا سینہ
بالکل خالی ہے بلکہ اس کی جگہ عداوت و کدورت اور بغض سے اس کا دل بھر چکا ہے۔ محض علمائے اہل
سنت کی گرفت کا خوف اسے زبان کھولنے سے روک رہا ہے ورنہ وہ دے لفظوں دل کی بات کہہ گیا ہے
جیسا کہ اس کی کتاب شہادت حسینؓ کو ای دے رہی ہے اور ہمارے خیال کی تائید کرتی ہے:
"جب ہم واقعہ کربلا کا تصور کرتے ہیں تو ہمیں معاویہ یاد آ جاتا ہے۔"

اب رہی یہ بات کہ واقعہ کربلا کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا کیا واقعا جانا کس نوعیت کا ہے۔ انداز تحریر بتا رہا ہے کہ ان کی یا ایک مجرم اور شہادت امام حسینؑ کا اصلی سبب کے طور پر آتی ہے لہذا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ کربلا کے ساتھ تصور کسی عزت و احترام اور عظمت کے طور پر نہیں بلکہ ایک سازشی، دشمن اہل بیت اور فاسق و فاجر کے طور پر آتا ہے۔

طاہر القادری کی یہ تحریر اس بات کی واضح نشاندہی کرتی ہے کہ اس کے دل میں حضرت امیر معاویہؓ کا قطعاً ادب و احترام نہیں۔ اسی لیے اس کا یہ کہنا کہ ”شرف صحابیت ہمیں مانع ہے“ یہ بھی ایک عذر رنگ سے کم نہیں۔ اگر شرف صحابیت واقعی ان کی توہین سے مانع ہوتا تو ”شہادت حسینؑ“ نامی کتاب کی مذکورہ عبارت لکھتے وقت اس شرف کا لحاظ و خیال کدھر گیا۔

تاریخ کرام! حضرت عمر بن عبدالعزیز ایسی شخصیت جو عظیم الشان ہے انہوں نے بھی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی کسی گستاخی یا زیادتی کی نشاندہی نہ کی بلکہ گستاخان امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو کوڑے لگوائے۔ ان کا یہ طرز عمل بتاتا ہے اور واضح شہادت دیتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ قریب ہونے کے باوجود انہیں تو کوئی عیب یا گستاخی نظر نہ آئی اور چودہ سو سال کے لگ بھگ گزرنے کے بعد جن لوگوں کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی گستاخیاں نظر آنے لگیں اور تحریر و تقریر میں ان کی شان میں مازیہ اور گستاخانہ انداز اپنایا، کیا ان لوگوں کی بات کا کوئی وزن ہو سکتا ہے؟ اور کیا ان کے بغض و عداوت سے بھرے الفاظ اس کی دلیل بن سکتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کیا جانا درست ہے؟ ہر ذی عقل اور ذی علم اس کے خلاف ہی فیصلہ کرے گا اور قرآن و حدیث کی رو سے وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اعلیٰ جنتی قرار دے گا۔ ایسی شخصیت کے خلاف مازیہ الفاظ اور گستاخانہ طرز اختیار کرنا اپنی بدقسمتی بلکہ ازلی بدبختی کی علامت ہی ہو سکتا ہے۔

خلاصہ کلام طاہر القادری اہل سنت اور اسی طرح وحیدانثر مان اہل حدیث اگر چہ اپنے آپ کو محبت صحابہ کہلاتے ہیں مگر ان کے دلوں میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد ماجد حضرت ابوسفیانؓ کے خلاف بغض و عداوت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے جس کا واضح ثبوت خود ان کی تحریرات سے ملتا ہے، لکھتے ہیں:

”ان کا صحابی ہونا مانع ہے کہ ان کے حق میں کچھ کہیں۔“

مطلب یہ کہ آپ کا صحابی ہونا ہمیں زبان کھولنے سے روک رہا ہے اور لعن طعن کرنے سے صرف صحابیت آڑے آ رہی ہے۔ ورنہ ہم وہی کچھ کہتے جو دشمن کہا کرتے ہیں۔ گویا ان کے سینوں میں عداوت کی آگ جل رہی ہے۔ جیسا کہ طاہر القادری نے شہادت حسینؑ کے صفحہ ۵۲ پر لکھا ہے کہ:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین ڈاکٹر طاہر القادری اور بریلوی علماء

”جب ہم واقعہ کربلا کا تصور کرتے ہیں تو ہمیں معاویہ یاد آ جاتا ہے۔“ یعنی ہمیں اس قدر غصہ آتا ہے کہ گویا قاتل معاویہ ہی ہیں۔

یاد رہے کہ امام اہل سنت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گستاخوں کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کا دُشمن دوزخی کتاب ہے۔ یہ فتویٰ خاص کر طاہر القادری کو پڑھنا چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کرنے والا اور آپ کی تنقیص کرنے والا اہل سنت کا فرد ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ فیصلہ مجدد الف ثانی کا بھی ہے اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرات صحابہ کرامؓ سے عداوت اور بغض سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے۔ آمین۔ فاعثروا بنا ولی الابصار (دشمنان امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا علمی محاسبہ۔ جلد اول ص ۳۷۸-۳۸۵۔ طبع ۱۹۹۲ء)

مشہور بریلوی عالم دین جناب ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی کی زیر سرپرستی ادارہ دارالاسلام لاہور نے ”معاویات“ کے نام سے مستقل طور پر ایک شعبہ قائم کیا ہے جس کے تحت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل اور دفاع سے متعلق جدید و قدیم سنی لٹریچر شائع کیا جاتا ہے۔ اس وقت ادارے کی مطبوعہ کتاب ”دفاع سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ“ رسائل فی افضال معاویہ رضی اللہ عنہ، راقم الحروف کے سامنے ہے۔ اس کتاب سے مؤلف اور ناشر کے شکریہ کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن و تشنیع سے متعلق ڈاکٹر طاہر القادری سمیت چند بریلوی علماء کا تذکرہ جدید قارئین کیا جاتا ہے:

مدیر دارالاسلام جناب محمد رضا الحسن قادری رقم طراز ہیں:

”صحابہ کرام علی الخصوص حضرت امیر معاویہؓ کی ماموس کے تحفظ کے لیے ہمیں یہ تحریک

کیوں چلائی پڑی؟ اس کے محرکات و اسباب کی چند جھلکیں ہم پیش کرتے ہیں

یہ وقت ہے کہ زمانے پہ آشکار کریں

وہ راز خاص کہ حامل ہیں جس کے یہ رگ و پے

اور یہ نمونے صرف اہل سنت بریلوی حضرات کے ہیں باقی طبقات سے بھی اگر شمار کیے جائیں اور ان کی تفصیل لکھی جائے تو کئی دفتر جمع ہو جائیں۔

راقم کے مشاہدے سے گزشتہ چند سال سے جو باتیں آرہی ہیں یہاں اسی ترتیب سے پیش کی جائیں گی جس سے اس امر کا وضوح بھی ہو جائے گا کہ یہ خطرناک سوچ کیسے منظم اور مربوط انداز میں پھیلائی جا رہی ہے اور اس کے ازالہ کے لیے ہمیں کس قدر پھرتی سے کام کرنے کی ضرورت ہے؟

۱۔ ادارہ پاکستان شناسی لاہور والے بابا جی تلگیر اندین خان امرت سری نے ستمبر ۲۰۱۰ء

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدین ڈاکٹر طاہر القادری اور بریلوی علماء

میں ’’ابلاغ‘‘، پروفیسر علامہ سید محمد سلیمان اشرف بہاری، چچا پٹی تو اس کے شروع میں ڈاکٹر وحید عشرت کا دیباچہ شامل کیا۔ اس میں انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کئی طرح کی ست باتیں لکھ کر ان کے کردار کو داغدار کرنے کی کوشش کی۔

اس سے مذہبی حلقوں کے اہل علم حضرات میں کافی اضطراب پایا گیا۔ ’’ابلاغ‘‘ میں ظہور الدین خان کی جاہ جاحاشیہ آرائی نے جلتی پرتیل چھڑکنے کا کام کیا۔

اگست ۲۰۱۲ء میں ظہور الدین خان کی تحریک پر کمری مختار جاوید منہاس صاحب نے ’’میں زہر بلائیں کو کیسے ہوں قد؟‘‘ میں مکتبہ اعلیٰ حضرت لاہور کی مطبوعہ ’’تاریخ اسلام‘‘ مرتضیٰ احمد خان میکش کی کتاب کو بنیاد بنا کر ادارہ کی کئی غیر معمولی غفلتوں کی خبر لی۔ اس میں دانتہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ایسے عامیانہ انداز میں کروایا گیا ہے کہ ایک عام مسلمان کے درجے سے بھی نیچے لے آئے۔ راقم نے منہاس صاحب سے اس معاملے پر بات کی تو انہوں نے بھی احساس کیا۔ دراصل یہ ظہور الدین صاحب کا کارنامہ ہے جو انہوں نے منہاس صاحب کے نام کے سہارے اپنے لیے راہ ہموار کی ہے۔

کچھ عرصہ سے ادارہ پاکستان شناسی کی طرف سے کتاب ’’مناقب اہل بیت‘‘ عزیز الحق کوژندوی کی تشہیری مہم چل رہی ہے۔ ماشاء اللہ والحمد للہ! انکس میں بابا ظہور الدین اپنا کمال پُر وبال بھی فرما رہے ہیں۔ وہ حسب سابق اس کتاب کی ابتداء میں اپنا دیباچہ شامل کرنا چاہا رہے ہیں اور اس میں جو عہدہ وہ پنا کرنا چاہتے ہیں وہ جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیوی میسون اور کچھ دیگر تاریخی باتوں کا سہارا لے کر آپ کے سیاسی اور ریاستی کردار کو مجرمانہ حد تک مجروح کرنا ہے۔ اس پر ان کے دلائل کے اجل تاخذ عیسائی مؤرخین کی کتب تاریخ ہیں۔

ایک طرح سے وہ اہل بیت کے ذکر خیر کے ساتھ ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کردار کو گنداکر کے دکھانے کی دانتہ کوشش میں مصروف ہیں جس سے لازماً رافضیت و شیعیت کے پاؤں مضبوط ہوں گے اور ایسے ہی کچھ فرض و شناس لوگوں کی غیر ذمہ دارانہ حرکات سے نفعیاء وہ رنگ اختیار کر لیتی ہے کہ تاریخ کسی ابو یزید محمد دین بٹ اور محمود عباسی کو پیدا کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دونوں قسم کے فتنوں سے بچائے رکھے۔

ظہور الدین صاحب اپنی عمر کے آخری حصے میں پہنچ کر بیٹری سے کیوں اتر گئے ہیں اور وہ کسی کے صلاح مشورے کو خاطر میں نہ لانے پر مجبور کیوں ہیں؟ اس کے پیچھے دراصل ان کی گھریلو ناچاقیاں، حالات کی ستم ظریفی اور بیٹوں کی ان سے عدم التفاتی ہے جس نے ان کے حس خدشیت کو پختہ کر دیا ہے اور قبولیت کی خصلت ان میں معدوم ہو چکی ہے۔ انہیں ہر وہ بات جو ان کی سوچ کے

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین ڈاکٹر طاہر القادری اور بریلوی علماء

خلاف ہواس سے چڑھی ہو گئی ہے۔ یقین کریں جن لوگوں کی ان سے شناسائی نہیں ہے وہ انہیں دیوانہ خیال کرنے لگے ہیں آپ اندازہ کریں کہ میری ان سے ایک سال تو اس سے اس مسئلہ میں کٹھنارہ ہوتی رہی۔ میں نے ان کی نشست اپنے کرم فرما ملائمہ حافظہ فریاد علی قادری اور مولانا عبد الجبار قادری زید مجدہما (تلمیذان حضرت شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی) سے کروائی۔ عزت مآب قاری محمد لقمان قادری صاحب سے اتفاقاً میرے ہی پاس ان کی ملاقات ہو گئی۔ ہر بار کیا ہوا؟ یہی کہ اپنی طرف سے دو چار سطحی دلائل دینے کے بعد ظہور صاحب بغلیں جھانکنے لگ جاتے اور پھر ان کے در و زبان ایک ہی بات ہوتی:

”تم لکھو! میرے خلاف لکھو! میری تحریروں کا جواب دو! مضمون لکھو! کتاب لکھو! یہ بھی کرو وہ بھی کرو! اس کے علاوہ کوئی بات، کوئی دلیل ان کے کشتول تحقیق سے برآمد نہ ہوتی۔ جو شخص مومنہ پر چھوٹا پڑ جائے اس کو تحریری جواب دینا اپنی حماقت کو ثابت کرنے کے مترادف ہے۔ واللہ هو الجادی و مالک یوم النادی۔“

میرا ظہور الدین صاحب سے چونکہ 5 سال سے تعلق ہے اور ابتداء سے کچھ عرصہ تک لٹریچر سے شناسائی میں وہ میری مدد بھی کرتے رہے ہیں۔ ان کو اس تکلیف میں دیکھ کر مجھے ترس بھی آتا ہے اور وہی تمنا بھی یہی ہے کہ وہ اس کلفت سے ماڑی جان کو آزاد کر لیں تاکہ زندگی کے بچے کچھ دن سکھ کے ساتھ جاسکیں۔ اس واسطے ان کو شورہ دینا چاہتا ہوں کہ:

بابا جی! سیدھے سے جا کر اپنا گھر چلائیں! آپ کے ذہن میں! میرا معاویہ رضی اللہ عنہ کی جو بھی تصویر بن چکی ہے، بجا، مگر وہ اپنی تمام ریاست کا انصرام آپ کے گھر سے سو گنا اچھا چلاتے تھے

گدائے خاک نشینی تو حافظا مخروش
رموز مملکت خویش خسرواں دانند

۲۔ میرا ہارون الرشید (موہڑہ شریف کوہ مری ضلع راولپنڈی) نے اپنی ایک دعا کے دوران حضرت سیدنا مولانا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ”منافق“ کہا۔ (العیاذ باللہ)

۳۔ قاری کلچر احمد فیضی نے ”شرح خصال علی“ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق مردود و موطر و اقوال بیان کیے ہیں۔ (رافضیوں کے اس اجر تہی محقق کو ہم اسی سال میزان تحقیق پر پیش کریں گے۔ پھر آپ دیکھیے گا کہ اس کی تحقیق کی زنبیل سے کیا کیا کچھ نکلتا ہے۔ حقیقتاً ہے فریب کمال خوش نظری ترے خیال کے فرضی بتوں کی عشوہ گری عجب نہیں کہ خرد کا نقاب اٹھ جائے بہ روئے کار جو آئے جنوں کی پردہ دری

۴۔ صلح الامام ڈاکٹر طاہر القادری کا بیداری شعور کے سلسلے میں کیے ہوئے ایک خطاب کا چھوٹا سا حصہ ہم تک پہنچا۔ اس میں نعمنا انہوں نے جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کے مناقب بیان کرنے والوں کو ”فتنہ گر“، ”بیزیدی“، ”خارجی الذہن“، ”حب اہل بیت کے مخالف“ وغیرہ قرار دیا۔ اور یہ سب انہوں نے کہا تو کسی اور کو نہیں، سنی مدیو یلماء کو کہا۔ اتنی تواضع کرنے کے بعد وہ گویا ہوئے کہ ”ایسے لوگوں کو اہل سنت کی صفوں سے جوڑتے مار کر نکال دو۔“

طاہر القادری صاحب کا دل عیسائیوں جن کے کفر پر بعض قطعہ شاہد ہیں، کی محبت سے اتلہڑ ہو چکا ہے کہ اس میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی محبت کے لیے ذرا بھی جگہ باقی نہیں رہی ہے البتہ وہ ”کرمس ڈے“ کو خوب انجوائے کرتے ہیں حتیٰ کہ اپنے چہیتے عیسائی بھائیوں کے لیے مسجد کے دروازے تک کھول دیتے ہیں۔ طاغوت کے پیروکاروں سے اس حد تک انسیت اور محمد عربیؐ کے صحاب سے اتنا نفرت ہے!! خیر ان کے اس بیان کی باقی سب باتیں تو ہماری سمجھ میں آتیں مگر یہ بات اب تک ہمارے لیے ناقابل فہم رہی ہے جو انہوں نے کافی زور دیتے ہوئے کہی کہ میرے پاس عقائد کی پچاسوں کتابیں ہیں، عقیدہ کی کسی کتاب میں ان (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) کے مناقب پر کوئی باب قائم نہیں ہے۔

یہ بات بھی ہمیں ہضم ہو گئی کہ آئینہ اب کے پاس عقائد کی پچاسوں کتابیں ہیں۔ مشکل یہ ہے کہ طاہر القادری صاحب! آپ کو مناقب کے ابواب حدیث کی کتابوں میں تلاش کرنے چاہیے تھے نہ کہ عقائد کی۔

اور اگر جناب کتب عقائد میں دیکھنے پر ہی یہ ضد ہیں تو ان ہی پچاسوں کتابوں میں سے جن کتب میں حضرت علی المرتضیٰؑ کے مناقب کے ابواب ملیں گے، ان ہی میں تھوڑا آگے بھی دیکھ لیں۔ آپ کو مناقب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے باب بھی نظر آجائیں گے اور اگر چند ایک کتب میں اس کے برعکس ہو بھی تو یہ قاعدہ یا د فرمائیں: ”عدم الذکر لا یستلزم عدم الوجود۔“

منہاج القرآن لاہور کے مفتی اعظم حضرت علامہ مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی نے جب ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مناقب پر کتاب تصنیف کرنی شروع کی تو طاہر القادری صاحب نے انہیں اس صالح کام سے ٹوک دیا۔

یہ روایت مجھ تک میرے والد گرامی حضرت علامہ مفتی غلام حسن قادری مدظلہ سے پہنچی ہے جو ہزاروی صاحب موصوف کے شاگرد ہیں۔

ایک بات اور۔۔۔ کہ طاہر القادری کی شروع دن سے شہرت مذہبی رنگیلے کی سی رہی ہے۔ ان کی باتوں کو اکثر لوگ سنجیدگی سے نہیں لیتے، مگر فکر اس وقت دامن گیر ہوتی ہے جب ان کے جیالے متوالے انہیں دنیا کا سب سے بڑا عالم ماننے پر تیار جاتے ہیں۔

سوچنے والی بات ہے کہ کچھ عرصہ سے ایسی کرخت باتیں کرنا ان کا محبوب مشغلہ یا کہہ لیں کہ اپنی تشہیر کا سستا کاروبار بن چکا ہے۔ سمجھ نہیں آتی کہ یہ ان کے اندر کا بخار ہے یا وہ کسی کے اشارے پر یہ سب کچھ کرنے اور کہنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ خیر، حقیقت جو بھی ہے اللہ عز و شانہ اس سے خوب باخبر ہے۔ ویسے اب ان کی حالت قرآن مجید میں مذکور اس شخص کے مشابہ ہو چکی ہے جس کے متعلق اللہ جل شانہ فرماتا ہے:

وَأَسْلُ غَلَبِهِمْ نَبَأُ الَّذِي آتَيْنَاهُ الْآيَاتِنَا فَاتَّبَعَهُ فَتَسْلَخُ مِنْهُ الْقُلُوبُ فَإِنْ فَكَانَ مِنَ الْغَافِقِينَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هُوَاهُ فَمَنْ لَهُ يَكْمُلُ الْكَلْبُ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَيْكَ آتُوتَرُّكُهُ يَلْهَيْكَ (الاعراف ۷۵-۷۶ ترجمہ ”عرفان القرآن“ ص ۷۵۷)

۵۔ علامہ محمد بن خوردازمینی کی کتاب ”غوثِ اعظم“ حال ہی میں زاویہ پبلشرز لاہور سے چھپی۔ اس کا آغاز نبی کریمؐ کے ذکر مبارک سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد خلفائے راشدین کے حالات ہیں۔ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت اور خاص طور پر حضرت علی المرتضیٰؓ کے ذکر پاک میں مصنف نے حضرت سید امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں ایسے حیا سوز اور عظمت آمیز جملے لکھے ہیں جنہیں پڑھ کر کسی بھی سچے مسلمان کا ایمان زخمی ہو جاتا ہے۔ یہ عبارات ہم اپنے رسالہ ”زہدِ خراب حال“ میں نقل کر چکے ہیں۔ فمن شاء فليرجع اليه۔

مولوی بن خوردازمینی نے آج تک اہل سنت کے علمی حلقوں سے ”حاشیہ ہراس“ کی بہ دولت خاصی داد و وصول کی ہے۔ لوگ انہیں اہل سنت کا بڑا عالم گمان کیا کرتے تھے۔ شاید ہزار میں سے کسی ایک کو بھی اس شخص کے رافضیانہ نظریات کی خبر نہیں تھی۔ ہم قاری ظہور احمد سند گیلوی صاحب کے شکر گزار ہیں کہ جن کی تحریک پر ”غوثِ اعظم“ والی کتاب شائع کی گئی جس نے کم از کم ان کی تصور پر نیم رخ کا پورا چہرہ قہر نمایاں کر دیا ہے۔

۶۔ سید حمس الدین شاہ بخاری نے چند دن پہلے عثمان مسجد اسلام پورہ لاہور میں تقریر کی۔ اسے ٹی آئی کے کچھ ساتھیوں نے بتایا کہ ان کی کئی باتوں سے اہل علاقہ پریشان ہیں، علماء ان کے اس بیان سے ہزار ہیں۔

۷۔ سید مزل حسین شاہ نے ایک مقام پر تقریر کی جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہی بے باک طعن کیا۔ جس پر حاضرین میں سے نعرہ بلند ہوا ”معاویہ یہ لعنت“ (اعوذ باللہ) مزل حسین شاہ نے فوری طور پر اسے منع تو کیا مگر چند لمحے گزرنے کے بعد اس لعین شخص کا ذکر ان الفاظ میں کیا: ”میں اپنے عزیز کو داد دیتا ہوں، اس کے اپنے جذبات تھے..... (ان تمام باتوں کے ثبوت ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ جو صواب تصدیق چاہیں رابطہ فرمائیں)

ومن یسکون یطعن فسی معاویہ فذاک کلب من کلاب النہاویہ

۸۔ مولانا مفتی محمد شوکت سیالوی صاحب (خانیوال) نے چند سال قبل ڈیرہ غازی خان میں ایک تقریر کی تھی جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بے احتیاطی سے کئی باتیں نکل گئیں۔ ان سے ۲۹/۲۶ ستمبر (۲۰۱۲ء) کیون پر بات ہوئی تو انہوں نے سابقہ کئی باتوں سے اپنا رجوع کرنا بیان کیا مگر ابھی تک ان کا متعین موقف تحریری صورت میں سامنے نہیں آ سکا تو قیاس ہے کہ وہ اس مازک مسئلے میں اپنا دھوکہ نظریہ جلد سے جلد شائع کریں گے۔ واللہ اعلم

۹۔ مولانا محمد حنیف قریشی (راولپنڈی) کے چند غیر محتاط جملے بابت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مشہور ہو گئے تھے۔ اس معاملے میں ان کی وضاحت بھی موجود ہے اور ان کے قریبی ساتھیوں سے معلوم پڑا ہے کہ وہ اس سے لاتعلقی ہیں۔

۱۰۔ علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب (ماہم اعلیٰ جماعت اہل سنت پاکستان) کے حوالے سے بھی کئی باتیں گردش میں ہیں۔ شنید ہے کہ انہوں نے علماء کی ایک مجلس میں اپنی سابقہ باتوں سے رجوع اور توبہ کر لی ہے۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو۔

یاد رکھیں! جب بھی کچھ لوگ بے جہانی میں یا جاننے کے باوجود صحابہ کرام ایسی بڑی ہستیوں کے بارے میں نامناسب باتیں کر جاتے ہیں تو جواباً مصلحتاً کچھ لوگوں کو ان کی ذاتی سرزنش کر کے ان کی غیرت کو اشتعال دلا کر انہیں یہ باور کرانا پڑتا ہے کہ جیسے آپ حضرات مجمع عام میں ان جلیل القدر شخصیات کی عزتیں اچھا لیتے ہیں جس سے ہمارے جذبات مجروح ہوتے ہیں اور بلا ریب نبی کریم کے قلب اطہر کو بھی ٹھیس پہنچتی ہے، تو چلو آپ کا ظرف بھی ماپ لیتے ہیں۔ ذرا دیکھیں تو سہی کتنے طوفان سمو سکتے ہیں آپ اس میں۔ لہذا جن حضرات پر اس قبیل سے کچھ بھی الزام ہوں کہ جن کا علاقہ کسی نہ کسی طرح عقائد سے متصل ہو وہ وضاحت طلبی پر تپیدہ اور رنجیدہ نہ ہوا کریں کیونکہ جہاں صحابہ کی عزت کا سوال ہو وہاں اپنے نام کی عزت کو قربان کر دینا چاہیے۔ ایسے لوگوں کے لیے دامن کی سیاہی دھونے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنا وضاحتی بیان، رجوعی موقف تحریراً تفصیلاً شائع کر دیں یا کوئی مضمون یا جامع تحقیق کتابی صورت میں پیش کر دیں۔ اگر طباعت کی بابت وہ کسی قسم کی رکاوٹ محسوس کریں تو ہمارے ادارہ سے رجوع کریں۔ ان شاء اللہ اہل سنت کی مؤید تحریریں ان کے شایان شان شائع کی جائیں گی۔“ (دفاع سیدنا معاویہؓ۔ رسائل فی افضال معاویہؓ ص ۶۱-۱۲ مطبوعہ دارالاسلام 8.C محی الدین بلڈنگ۔ ڈاتا دہار مارکیٹ لاہور)

☆☆☆☆☆

۴۰۔ پیر سید مہر حسین بخاری۔ اٹک

موصوف ”متوحد“ معلوم ہوتے ہیں۔ اپنے کا شانہ کا نام بھی ”بیت المتوحید“ رکھا ہے۔ سید لعل شاہ بخاری کے غالی عقیدت مند اور ان کے افکار و نظریات اور تحقیقات و تدقیقات سے متاثر ہی نہیں بلکہ ان کے پرچارک و مبلغ بھی ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے ”پیر و مرشد“ کے متعلق لکھتے ہیں:

”رئیس تحقیقین امام اہل سنت مولانا سید لعل شاہ بخاری دامت برکاتہم کی کتاب اختلاف یزید...“

موصوف، راقم الحروف کے نام اپنے ایک مکتوب (محررہ ۱۱ نومبر ۱۹۸۶ء) میں رقم طراز ہیں:

”حضرت اقدس فخر تحقیقین مولانا سید لعل شاہ صاحب بخاری دامت برکاتہم وفضلوہم نے بھی اپنی ماوراء عصر تالیف میں...“

مگر یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مولوی مہر حسین بخاری نے ”معاویہ دشمنی میں اپنے ”رئیس تحقیقین اور فخر تحقیقین“ کو بھی بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ اس سلسلے میں ان کی کتب سے چند اقتباسات بدیہ قارئین کیے جاتے ہیں:

”قاضی (مظہر حسین) صاحب گستاخی معاف اگر اختلاف یزید کے مطالعہ کے بعد ماواقف قاری کو حضرت معاویہ کے ساتھ حسن ظن نہیں رہتا تو آپ یقین فرمائیں کہ آپ کی کتاب ”خارجی فتنہ“ پڑھ کر واقف کار قارئین کو بھی حسن ظن نہیں رہتا (اور اسی وجہ سے تشدد و نواصب نے آنجناب کو بھی شیعہ قرار دیا ہے) اور قارئین اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ حضرت معاویہ کو ”رضی اللہ عنہ“ کہنا خلاف قرآن ہے اور ”میں قرآنی جائز نہیں۔“ (الاجابة الکافیہ فی ردّ دفاع معاویہ ص ۱۹)،

”اور یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ معاویہ اور اس کے حامی جائز تھے جو اہل سنت کا متفق علیہ مسئلہ ہے اور اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ محبت عادلوں اور امانت داروں سے رکھتے ہیں اور اہل جور و خیانت سے بغض رکھتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ معاویہ جائز تھا اور اللہ کے قرآن، نبی کی حدیث میں خیانت کی۔ نیز بیت المال میں خیانت کی اور جس نے خیانت پر ساتھ نہ دیا اسے جیل میں محبوس کر دیا اور اسے وہیں موت نے آکر رہائی دلائی۔ لہذا معاویہ سے بغض رکھنا عین ایمان اور اہل سنت کا مذہب ہے۔“ (جواز الصلوٰۃ و التعلیم علی خیرۃ النبی الکریم ص ۳۱)،

”معاویہ حغلب تھا۔ جائز خلیفہ یا حکمران نہیں حضرت علی علیہ السلام، حسین علیہما السلام اور اس دور کے تمام صحابہ معاویہ سے تمہا کرتے تھے اور دوستی نہیں رکھتے تھے۔ (حوالہ مذکور ص ۳۷)۔“

”معاویہ کے اپنے اعتراف اور محققین علمائے اہل سنت کی تصریح کے بعد کوئی بیہ نہیں کہ ہم متر و ہوں لہذا اہل سنت کا مذہب معاویہ کو حغلب جانتا ہے۔“ (حوالہ مذکور ص ۴۱)

”لاؤ ڈپٹیکر سے فضا میں جب باربار سیاست معاویہ زندہ باد کے نعرے بلند ہوتے ہیں تو سامعین کے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ امیر معاویہ کے وہ کون سے قابل قدر اور مستحسن اقدامات تھے جن کی بدولت آج چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود ہمارے کانوں کے پردے اس ناموس آواز سے بچھٹے جاتے ہیں۔ تاریخ دان کے علاوہ جب تاریخ کا کوئی طالب علم بھی امیر معاویہ کی زندگی پر نظر ڈالتا ہے تو اسے سب سے پہلے خلیفہ راشد سے بغاوت نظر آتی ہے، جنگ صفین کا بولناک منظر نظر آتا ہے، حضرت حجر بن عدی، حضرت محمد بن ابی بکر اور حضرت حکم کے ناجائز قتل نظر آتے ہیں، بیت المال کا ماروا استعمال اور اس ادارہ سے خرویدہ جیسے کربہ افعال نظر آتے ہیں، اختلاقی زیادہ کا مسئلہ سامنے آتا ہے۔

شر فائے صحابہ و صلحائے امت کو چھوڑ کر اپنے جانے پہچانے بدکردار بیٹے کی جبری نامزدگی دکھائی دیتی ہے۔ حضرت علیؓ اور اولاد علیؓ پر بدبر منبر سب و شتم کی بوچھاڑ نظر آتی ہے۔ توریت المسلم من الکافر جیسے خلاف سنت فیصلے علم میں آتے ہیں۔ معاویہ کے گورنروں کی زیادتیاں اور ان سے عدم مواخذہ کی گھناؤنی صورتیں تصویر میں دکھائی دیتی ہیں۔ بلکہ میں یہ کہنا پسند کروں گا کہ خدا اور رسول کی صریح مافرمائی اور قرآن و سنت سے کھلے انکار جیسی صورتیں نظر آتی ہیں۔

یہ امور ”حضرت“ معاویہ کی سیاست کا جزو لاینفک تھے۔ کیا یہی سیاست معاویہ ہے جسے آج زندہ باد کے نام سے پکارا جاتا ہے؟ کیا کوئی ماضی اس سیاست معاویہ سے انکار کر سکتا ہے؟

اگر یہ سیاست معاویہ ہے تو اسے زندہ باد کہنا کہاں کا انصاف ہے؟ اور اسے زندہ باد کہنا خاتم بدہن تمام اسلام کو مردہ باد کہنے کے مترادف ہے۔“ (سیاست معاویہ ص ۶۷-۷۰)

نواصب نے معاویہ کو ایک جلیل القدر اور صاحب فضیلت ثابت کرنے کے لیے حدیثیں وضع کیں اور اس مقصد سے وفات کے دفاتر بھردیے اور جہاں بھی کسی صحابی کے بارے میں کوئی کلمہ منقبت دیکھا یا پایا تو اسے فی الفور معاویہ پر چسپاں کر دیا اور معاویہ کو جامع الصفات ثابت کرنے کے لیے تمام صحابہ کے اوصاف ڈھونڈ ڈھونڈ کر انہیں معاویہ کے لیے ثابت کیا گیا۔

بنو امیہ کا جابرانہ دور حکومت تقریباً نوے سال رہا تو اس کا اثر کافی لوگوں میں سرایت کر گیا اور معاویہ کو بد قسمتی سے ایک جلیل القدر صحابی تسلیم کر لیا گیا جو اس امت کا بہت بڑا المیہ ہے۔ مگر جاننا چاہیے کہ ہر زمانے میں بعض حق پرست لوگ بھی موجود رہے ہیں۔ چنانچہ محدثین کا اتفاق ہے کہ معاویہ کی فضیلت میں پورے ذخیرہ حدیث میں ایک روایت بھی صحیح نہیں ہے۔ (حوالہ مذکور ص ۱۸۱-۱۸۲)

”لواء الغدر عندنا“ (غدر کا جھنڈا عمرو بن عاص اور معاویہ جنہوں نے امام برحق جناب علی المرتضیٰ سے غداری کی اور واقعہ تحکیم میں عہد شکنی غدر کیا تو قیامت کے دن معاویہ صاحب اور عمرو بن العاص کی مقعدوں میں غدر کا جھنڈا نصب کیا جائے گا۔

روز قیامت سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لواء الحمد ہوگا جو لوگ اس جھنڈے کے نیچے جمع ہوں گے شفاعت کے حق دار ہوں گے اور یہ لواء الحمد جناب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اٹھائیں گے۔ جب کہ معاویہ اور عمرو بن عاص کے پاخانہ کے مقام میں غدر کے جھنڈے لواء الغدر نصب ہوں گے۔ حضرت علیؑ کو ماننے والے لواء الحمد کے نیچے ہوں گے اور جنت میں جائیں گے اور معاویہ صاحب کے پیروکار روحانی لواء الغدر رکے نیچے ہوں گے اور اپنے ٹھکانے پر اپنے مقتداؤں کے پیچھے جائیں گے۔ پسند اپنی اپنی نصیب اپنا اپنا۔“ (سیاست معاویہ ص ۳۹)

”میں علیؑ وجہ البصیرت یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت علیؑ کی شہادت بھی معاویہ اور اس کے ساتھیوں کی سازش کا نتیجہ ہے۔۔۔۔۔ چنانچہ عبدالرحمن بن ملجم مشہور خارجی نے معاویہ کی اعانت سے کوفہ کی جامع مسجد میں نماز فجر کے وقت شیب بن بجرہ کی ہمراہی میں حضرت علیؑ پر اچانک حملہ کر دیا۔ زخمی ہونے کے تیسرے دن ۲۰ رمضان المبارک شب یک شنبہ ۴۰ھ کو رشتہ بدایت کا چہرہ اغ، شہنشاہ ولایت معاویہ کی سیاست کا شکار ہو کر دنیا کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔“ (حوالہ مذکور ص ۴۹)

جنگ صفین کے مقتولین کا خون بھی یوں تو معاویہ کے سر پر ہے لیکن حضرت حجر کا قتل بغیر جنگ کے جبراً ہوا ہے لہذا یہ زیادہ کرنا کہ ہے۔ یوں معاویہ فرمان باری تعالیٰ:

”مَنْ يَمُنْ بِمُؤْمِنٍ مُنْعِمًا فَقَرَّاءَ هَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعْنَةُ“ کا صحیح مصداق بنا ہے۔ اب اگر قرآن کے فیصلے کے بعد معاویہ کے پیجاری سے رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ پڑھیں تو یہ خدائے بزرگ و بڑے اور اس کے کلام سے مقابلہ ہے۔ ان کے کہنے سے معاویہ اللہ کا پسندیدہ بندہ نہیں بن سکتا۔“ (حوالہ مذکور ص ۱۲۴)

☆☆☆☆☆☆

۴۱۔ مولوی عبدالقیوم علوی

مولوی عبدالقیوم علوی (متوطن پنڈ سنگریال ڈاکخانہ گولڑہ شریف تحصیل و ضلع اسلام آباد) بھی مولوی لعل شاہ بخاری کے شاگرد ہیں (جن کا تذکرہ پیچھے گزر چکا ہے) چنانچہ مولوی صاحب اپنے استاذ، صاحب ’’استخلاف یزید‘‘ کے متعلق لکھتے ہیں:

’’ان کے بعد علمائے دیوبند میں سے ہمارے محترم و مکرم استاذ علامہ زماں، محقق دوراں، جامع علوم و فنون، مزمل شبہات و ظنون حضرت مولانا سید لعل شاہ صاحب بخاری اوام اللہ فیوضہم۔۔۔۔۔۔‘‘ (تاریخ نواصب جلد اول ص ۸-۹)

مولوی صاحب نے اپنی کتاب ’’المصروف القواصب علی أعناق النواصب یعنی تاریخ النواصب‘‘ میں جا بجا کاتب وحی، صحابی رسول حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ’’کافر، ملعون، منافق، دشمن اسلام اور کتے و خنزیر‘‘ کے براہ قرار دیا ہے (العیاذ باللہ) جس کے خلاف ۴ فروری ۱۹۸۵ء کو خطیب لال مسجد مولانا محمد عبداللہ صاحب نے عدالت میں مقدمہ دائر کیا اور پانچ سال کی مساعی جیلہ کے بعد بالآخر ۱۵ نومبر ۱۹۸۹ء کو عدالت نے عبدالقیوم علوی، صلاب ’’تاریخ نواصب‘‘ کو جرم ثابت ہونے پر تین سال قید با مشقت کی سزا سنائی۔ یہاں موصوف کے چند ’’ہفوات و ہذیبات‘‘ بذریعہ قارئین کیے جاتے ہیں:

- ۱۔ ’’بغض علی‘‘، خلافت علیؑ کا انکار اور علیؑ علیہ السلام پر سب و شتم کرنا شعائر نواصب میں سے ہے۔ رہی یہ بات کہ اس کا مبتدی اور بانی کون ہے؟ اس کا تفصیلی جواب تو حصہ دوم میں ہی آئے گا۔ سردست اتنا بتا دیتا ہوں کہ ان سب افعال شیعہ و عقائد قبیحہ کا بانی معاویہ بن ابی سفیان ہے جسے اہل سنت غیر شعوری طور پر جلیل القدر صحابی سمجھے بیٹھے ہیں۔۔۔۔۔۔ بانی ما صیرت معاویہ تھا۔۔۔۔۔۔‘‘ (تاریخ نواصب ص ۵)
- ۲۔ اہل سنت کے نزدیک نواصب کتے اور خنزیر کے براہ ہیں اور لڑنے والا حضرت مرتضیٰ کا جو بغض و عداوت سے لڑتا ہے کافر ہے بالاجماع اہل سنت کے نزدیک۔۔۔۔۔۔ جبکہ صلیبی محض بغض و عداوت کی بناء پر واقع ہوئی تھی۔ اجتہادی خطا و غیرہ کا بہانہ، عذر گناہ و بدتر از گناہ کا مصداق ہے۔‘‘ (حوالہ مذکور ص ۷)
- ۳۔ ’’ہاں یہ بات درست ہے کہ جنہوں نے امام حسن علیہ السلام کو زہر دے کر شہید کرایا کہ

آئندہ امر خلافت میں کوئی مدعی باقی نہ رہے اور جس نے اپنے پیارے بیٹے کو کہا کہ وہ اللہ جس نے علی و حسن علیہما السلام کو رسوا کیا، حسین علیہ السلام کو بھی ذلیل و خوار کرے گا۔ ایسے صحابہ سے البتہ بغض پیدا ہوگا اور یہ کوئی مذموم نہیں بلکہ محمود ہے۔ درحقیقت یہ لوگ صحابی نہیں تھے بظاہر تسلیم و انقیاد کا دم بھرتے تھے، اندر سے باپ دادا کے دین پر قائم تھے۔ انہیں تو بدروغ مکہ کی ذلت کا انتقام لینا تھا، سولے لیا۔ ایسے لوگوں سے تو بغض ہی رکھا جائے گا، محبت و احترام کیسے کیا جائے؟“ (حوالہ مذکور ص ۳)

۴۔ ”یہاں اس بات کی وضاحت کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ماصیبت کے بہت سے اجزاء ہیں۔ ایک عام جزء جو تقریباً تمام اہل سنت میں پایا جاتا ہے، معاویہ کو مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علی علیہ السلیمات کے مقابلہ میں مجتہد خطی سمجھنا ہے، اس سے بھی ادنیٰ مرتبہ معاویہ کو مولاعلیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں بوجہ مقاسمہ وغیرہ باطل پر گردانا اور فاسق جاننا ہے۔ ماصیبت کا یہ ادنیٰ مرتبہ حق کے قریب ہے پورا حق اس لیے نہیں کہ مرتبہ صحابیت کو اڑنا کر طعن وغیرہ سے مانع ہوتے ہیں۔ یہ دونوں مراتب صدراول کی اکثریت میں پائے جاتے تھے، بعد میں مجتہد خطی ماننے کا حصہ غالب ہو گیا۔“ (حوالہ مذکور ص ۴۲-۴۳)

۵۔ ”عرض ہے کہ بنو امیہ ہی وہ قبیلہ ہے جس نے آخری دم تک نور اسلام کو ختم کرنے کے لیے کفر کی ظلمات کی امانت کی، آخر مکہ فتح ہوا اور مجبوراً دارِ اسلام میں داخل ہو گئے، بعد میں موقع کی تلاش میں رہے، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے سبب مہیا کیے۔ وہ ابوسفیان جس نے شیخ نبوت کو گل کرنے کی ناپاک کوششوں میں ساری زندگی صرف کر دی تھی اب اس کے بیٹے معاویہ نے یا دگار نبوت شاہ ولایت مولاعلیٰ علیہ السلام اور ان کی شہادت کے بعد امام حسن علیہ السلام کے ساتھ اسی مقصد کو سامنے رکھ کر محاربت کی بالآخر دشمنانِ نبوت کے ہاتھ غاصبانہ طور پر خلافت آ گئی۔ انہوں نے اب اسلام پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیے۔ رہی سہی کسر کو پورا کرنے کے لیے یزید کو ولی عہد بنایا۔“ (حوالہ مذکور ص ۴۷)

۶۔ ”جیسے افعال شنیعہ عبید اللہ بن زید، مسلم بن عقبہ مری وغیرہ اسکا ان نواصب نے یزید پلید کے حکم سے اہل بیت اور انصار و مہاجرین سے کئے ہیں، ایسے ظلم و ستم ہمر بن ارطاة نے معاویہ کے حکم سے کیے ہیں۔ جس طرح عبید اللہ وغیرہ کے افعال کی نسبت یزید کی طرف کی جاتی ہے اس لیے کہ یہ کام اس کے حکم و رضا سے ہوئے ہیں۔ اسی طرح ہمر بن ارطاة کے ظلم و تعدی کا طوق معاویہ کے گلے میں ڈالا جائے گا اس لیے کہ ہمر نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کیا، معاویہ کے حکم سے کیا ہے۔“ (حوالہ مذکور ص ۲۵۲)

۷۔ علوی صاحب بحوالہ تاریخ ابوالنہد اء روایت امام شافعی لکھتے ہیں:

”انہوں نے ربیع کو خفیہ طور پر کہا کہ چار صحابیوں کی شہادت قبول نہیں کی جاتی اور وہ چار معاویہ، عمرو بن عاص، مغیرہ اور زیاد ہیں۔“

شہادت سے مراد یہاں روایت حدیث ہے کیونکہ یہ چاروں شخص امام شافعی کے دور میں آنجمنائی ہو چکے تھے، پھر یہ محدو فی القذف بھی نہ تھے کہ امام شافعی کا قول اس گواہی پر محمول کر لیا جائے۔ امام شافعی کے نزدیک یہ چاروں دوست اپنی بدکرداری اور عداوت اہل بیت علیہم السلام کی وجہ سے غیر عادل ہیں۔.....

(اسی وجہ سے) امام شافعی کو تشیع اور رفس کا مزم ٹھہرایا گیا ہے یہاں تک کہ انہیں حب آل رسول علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اعلان کرنا پڑا۔ ہم سب باتوں کا اظہار مناسب نہیں تھا اس لیے یہ بات اپنے خاص شاگرد ربیع کو بتائی اور انہوں نے بھی یہ بات خواص تک ہی محدود رکھی لیکن ایسی روایات کو اعلانیہ بیان کرنا دشوار تھا اس لیے زیادہ عرصہ سینہ بہ سینہ چلتی رہی آخر کسی نے اس روایت کو تحریری صورت میں پیش کر دیا۔.....

جو مسائل اس حصہ (یعنی تاریخ نواصب حصہ اول) میں زیر بحث آئے ہیں یہ حصہ دوم کے لیے مقدمہ اور تمہید کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اصل کام حصہ دوم کی تالیف ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ مقصد میں کامیاب فرمائے آمین۔

خادم اہل سنت عبدالقیوم علوی۔ ۱۴ محرم الحرام ۱۴۰۵ھ / ۱۰ اکتوبر ۱۹۸۴ء
(تاریخ نواصب حصہ اول ص ۲۶۱-۲۶۲)

☆☆☆☆☆☆

۴۲۔ مفتی محمد سعید خان اسلام آبادی

محترم جناب مفتی محمد سعید خان صاحب کی شخصیت علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں ہے بالخصوص وہ پیر طریقت مولانا عزیز الرحمن ہزاروی کے ارشادات ، مولانا احسان الحق حسینی (واہ) ، مولانا عبدالرؤف (مدرس دارالعلوم زکریا اسلام آباد) ، مدیر ماہنامہ بیداری حیدرآباد محمد موسیٰ بیٹو، کے مضامین استفسارات و مراسلات کی روشنی میں کتاب ”آپریشن خلافت ۱۹۹۵ء“ (مولفہ بریگیڈیئر مستنصر باللہ) اور عمران خان و ریحام خان کے نکاح کے حوالے سے ”خواص“ کے حلقے میں بہت معروف ہیں۔

مفتی صاحب کی اپنے ”ماقدین“ کے ساتھ خط و کتابت اور مراسلات (جس کا سلسلہ ۲۰۱۰ء تک زور شور کے ساتھ جاری رہا) سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف نے نہایت ہی ”صبر و استقامت“ اور ”تحمل و بردباری“ کے ساتھ حالات کا مقابلہ کیا لیکن جوں ہی اس ”شدت“ میں کمی واقع ہوئی تو موصوف نے اپنی تمام صلاحیتیں صحابی رسول سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین و تنقیص پر صرف کرنا شروع کر دیں چنانچہ ۲۰۱۱ء کے سال میں تو وہ اس ”معاذ“ پر پوری طرح سرگرم عمل رہے۔

اس وقت ماہنامہ الحامد کے ”مہرِ یل ، مہی ، و مہر ۲۰۱۱ء“ کے شماروں کے علاوہ موصوف کا تحریر کردہ ۲۰ صفحہ پر مشتمل ایک کتابچہ ”دیوبندیت کی تطہیر ضروری ہے۔۔۔ ایک تجزیہ۔۔۔“ ایک فکر، مطبوعہ ”شعبہ نشر و اشاعت تحریک خدام اہل سنت والجماعت پاکستان“ راقم الحروف کے پیش نظر ہے۔ اس کتابچے پر تاریخ طباعت درج نہیں ہے لیکن صفحہ ۴۲ پر اسلام آباد میں یکم محرم ۱۴۳۲ھ کے جلوس کے ذکر سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۰۱۱ء سے پہلے اس کی طباعت ممکن ہی نہیں ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق ان کی ”تحقیق“ اور ”حلقہ دیوبند“ سے متعلق ان کا ”تجزیہ“ ملاحظہ فرمائیں: ”دیوبندیت یا اہل السنۃ والجماعۃ کا یہ فیرتا ہوا زمانہ کس قدر پر پوری آب و تاب سے چمکتا رہا۔ اس کی کرنیں عالم کو مستنیر کرتی رہیں۔ ان کے اکابر خالصتاً علیہ اللہ عوام کی رہنمائی کرتے رہے۔۔۔۔۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اس سورج کو بھی نصف النہار سے مائل بہ زوال ہونا پڑا اور صحیح عقیدہ ، صحیح علم اور صحیح تصوف ان تینوں میدانوں میں بدعات کا نفوذ ہوا۔ چنانچہ آج ہم جس دیوبندیت کو دیکھتے ہیں یہ وہ مسلک نہیں ہے جو اس مدرسے کے

بانیان دسر پرستان کا تھا، یہ وہ عقائد نہیں ہیں جو حضرت مجدد اور شاہ ولی اللہ کے تھے.....

اس مسلک دیوبندیہ میں تین دراڑیں پڑیں۔ عقیدہ میں بھی دراڑ پڑی، علم میں بھی دراڑ پڑی اور سلوک و احسان میں بھی دراڑ پڑی اور یہ دراڑیں ان علمائے کرام نے ڈالیں جو اپنے آپ کو دیوبند کی طرف منسوب کرتے تھے اور ہیں اور انہوں نے ہی عوام کو گمراہ کیا۔

اپنے اکابر یعنی اہل سنت والجماعت کے مسلک سے انحراف اور عقیدے میں پہلی دراڑ اس وقت پڑی جب یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ حضرت رسالت مآب کی حیات کی نوعیت کیا ہے؟ اور جو زائران کے روضہ اطہر پر جا کر انہیں سلام پیش کرتا ہے وہ اسے سنتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر سنتے ہیں تو ان کے سامع اور حیات کی کیفیت کیا ہے؟

میسویں اہل علم اور مشائخ کی آراء سامع و حیات مبارکہ کی تھیں اور ان کا کہنا یہ بھی تھا کہ ہمارے اکابر اور اہل السنۃ والجماعت کا مسلک یہی ہے۔ دوسری طرف علمائے کرام کی ایک مکمل جماعت نے اس عقیدے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا..... اور اب حال یہ ہے کہ دونوں فرقے اپنے آپ کو دیوبند ہی سے منسوب کرتے ہیں۔ ان ہی اکابرین دیوبند کے نام لیوا ہیں اور ان ہی کی نسبت سے تعلیم و تعلم میں مصروف ہیں جب کہ ان میں سے یقیناً ایک گروہ اس مسلک سے منحرف ہے جو اکابرین اہل سنت والجماعت یا دیوبند کے علماء و مشائخ کا تھا.....

(حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق عقیدے میں دوسری دراڑ کا ذکر بعد میں کیا جائے گا)

ہمارے ملک میں دیوبندیہ کو ان نواصب کے علاوہ جس مسلک یا عقیدے نے بہت نقصان پہنچایا ہے وہ وہابیت ہے۔ اسی کا اثر ہے کہ اب بیعت کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ اس مسلک کے علماء بھی اب اول تو بیعت نہیں کرتے اور کرتے بھی ہیں تو ذکر اور سلوک کے اسباق کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ اولیاء اللہ کا توسل، اہل اللہ کا ادب، شعائر اللہ کا احترام اور چھوٹے بڑے کی تمیز اٹھ جانے کا ایک سبب وہ وہابیت کا اثر ہے جو ہمارے مدارس میں گھس آئی ہے اور تو حید کے نام پر طلباء، حضرات اولیاء کرام کو گستاخ آمیز جملوں کا نشانہ بنانے لگے ہیں۔

تیسری خرابی یہ ہے کہ جن بدعات کے رد پر ہمارے اکابرین اہل السنۃ والجماعت نے تقریباً ڈیڑھ سو برس خیم ٹھوک کر جھاڑ دیا، اب وہی بدعات ان نام نہاد مسیوین، صوفیوں، دیوبندیوں نے اپنائی ہیں مثلاً:

اکابرین اہل السنۃ والجماعت رضی اللہ عنہم ہمیشہ دن منانے کے خلاف رہے لیکن اب خلفائے راشدینؑ کے باقاعدہ دن منائے جاتے ہیں اور اس بات کی ترغیب و سعی نامبارک بھی کی جاتی ہے۔

محرم ۱۴۳۲ھ یہ پہلا سال ہے کہ اپنے آپ کو کئی اور دیوبندی کہنے والے علماء کرام نے اسلام آباد میں صحابہ کرامؓ کے کام پر ایک باقاعدہ جلوس نکالا ہے۔ شیعہ حضرات دس محرم مناتے ہیں اور انہوں نے یکم محرم منایا ہے۔

تیجہ اور چالیسواں جو ہمیشہ بدعت قرار دیے جاتے رہے اب دیوبندی اور اہل السنّت والجماعت کہلانے والے علماء ان رسومات میں شریک ہونے لگے ہیں۔ بڑے بڑے علماء اور مشائخ کے سوئم ہوتے ہیں اگر یہ سب کچھ جائز ہے تو یہ اکابر آخر کس بات پر، ان اعمال کو بدعت قرار دے کر طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بننے رہے..... اور ایک اور بدعت جسے اکابرین امت نے حرام قرار دیا ہے اور اسے ”خیانت“ کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے اب دیوبندی مدارس اور خانقاہوں کی رونق بن گئی ہے۔ کسی بھی مدرسے کے مہتمم عالم دین ہیں یا کسی بھی خانقاہ کے شیخ، صاحب مسند و ارشاد ہیں تو ان کے انتقال پر اہتمام ان کے صاحبزادے اور خانقاہ، شیخ کے صاحبزادے کے حوالے کر دی جاتی ہے..... لیکن اب ہو یہ رہا ہے کہ یہ شرعی مناصب (اہتمام اور مشیت) بطور وراثت منتقل ہو رہے ہیں..... یہ دونوں عہدے شرعی ہیں اور انہیں غیر اہل لوگوں کے سپرد کرنا حرام، ناجائز اور خیانت ہے۔ جو لوگ ان بدعات میں ملوث ہیں اللہ تعالیٰ کے یہاں یقیناً مجرم ٹھہریں گے..... اب ہمارے ہاں ان عہدوں کی منتقلی نہ بنائے وراثت ہو رہی ہے نہ کہ مہ بنائے المیت۔

یہ بدعتیں پچھلے دور میں ان لوگوں کے ہاں ہوا کرتی تھیں جنہیں اہل السنّت والجماعت دیوبندی علماء کرام کفر اللہ سوا دہم بدعتی کہتے تھے اور اب ہمارے اپنے علماء و مشائخ کے انتقال کے بعد یہی حرام کام اور بدعتیں خود دیوبندی مدارس اور خانقاہوں میں ہو رہی ہیں۔ یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا ان بدعات کے ارتکاب اور وقف میں خیانت پر کوئی سزا نہیں ملے گی؟ دیوبندی مدارس کے زوال اور خانقاہوں کے کا جڑ جانے کی ایک وجہ، اس بدعت کا ارتکاب بھی ہے..... حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت عمل ایمان ہے اور کون ایسا مسلمان ہے جو اس محبت کی حرارت اپنے دل میں محسوس نہیں کرتا لیکن بدعات میں انہماک اور سنت و بدعت کی حدود نہ پہچاننے کی وجہ سے اب ہم دیوبندیوں کا یہ عشق نبوی بدعتیوں جیسا ہونے لگا ہے۔ اپنے علماء و مشائخ کے عمل کو کتاب و سنت کے مقابلے میں لانے لگے ہیں اور اپنے مشائخ کے خوابوں کو عملی طور پر شرعی دلیل سمجھے بیٹھے ہیں۔ یہ سب باتیں اہل السنّت کے مسلک سے لگانیں کھاتیں....

ہم خدام اہل السنّت والجماعت سب کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ دیوبندیت کے کام پہ یہ کیا کچھ ہو رہا ہے اور یہ کیا گل کھلائے جا رہے ہیں؟ سنت و بدعت کا فرق مٹایا جا رہا ہے اور اہل بدعت کے اعمال سے ہیزاری کے اظہار میں کمی واقع ہو رہی ہے۔

حضرت مولانا سر فراز خان صاحب تحفہ راہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہما کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد اب کون ہے جو اس نئی نسل کو سنت اور بدعت کا امتیاز سکھائے؟ کون ہے جو اہل السنّت والجماعت کو ماصیحت کے علمبرداروں سے ممتاز کرے؟ اب کہیں خال خال، کونوں کھدروں میں صرف چند ہستیاں باقی ہیں جو اہل السنّت والجماعت کے ٹٹماتے چراغ ہیں۔ اب یہ ان کا فریضہ ہے اور انہیں چاہیے کہ وہ انھیں اور اس دیوبندیہ کی تطہیر کریں۔ یہ صاف صاف تحریر فرمادیں کہ اہل السنّت والجماعت دیوبندی ہونے کا معیار کیا ہے؟ اہل السنّت والجماعت کون ہیں اور اہل بدعت کون ہیں؟ جو کم علمی اور بد عملی کے باوجود بنی، دیوبندی ہونے کے مدّعی ہیں۔“ (دیوبندیہ کی تطہیر ضروری ہے۔ ایک تجزیہ۔ ایک تقریر ص ۲۰۷)

عقیدے میں دوسری دراڑ یہ پڑی کہ ان میں سے بعض حضرات نے سانحہ کربلا کو بغاوت قرار دیا۔ سیدنا حسین بن علیؑ کی صحابیت کا انکار، اہل بیت کرامؑ کی تنقیص خلیفہ راشد سیدنا علی بن ابی طالبؑ کے مقابلے میں حضرت سیدنا معاویہؓ کو ترجیح دینا اور یزید کو امیر المومنین اور ایک خدا ترس انسان ثابت کرنے کی کوشش کرنا۔ یہ وہ دراڑ تھی جس نے دیوبندیہ جیسی مٹھل کی چادر میں ماصیحت کا بیوند لگایا اور اب ہمارے دیا رومضار میں یہ حال ہے کہ دیوبندیہ کے متشیبین ردّ شیعیت میں جب تک اپنا تعلق ماصیحت سے نہ جوڑ لیں ان کی تردید مکمل نہیں ہوتی۔

سیدنا معاویہؓ کو خلیفہ راشد قرار دینا اور پھر ان کو مہاجر، بدری اور بیعت رضوان میں شریک صحابہ کرامؓ سے افضل قرار دینا یہ اہل السنّت والجماعت کا مسلک نہ تھا، نہ ہے اور نہ ہی ان کی عقائد کی کتابیں اس عقیدے کی تائید کرتی ہیں مگر ہمارے دور میں یہ دراڑ گہری سے گہری ہوتی چلی جا رہی ہے اور یہ سب پیوند، دیوبندیہ ہی کے نام پر لگائے جا رہے ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے جوتوں کے تلے کی خاک، امت کے لیے سرمہ تو تیا ہے۔ بلاشبہ وہ صحابی رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے، امیر عادل تھے لیکن نہ ہی وہ خلیفہ راشد تھے اور نہ ہی ان کا دور حکومت، خلافت راشدہ میں شمار ہوتا ہے۔

اہل السنّت والجماعت کا مسلک یہی ہے... دیوبندی علمائے اہل السنّت والجماعت کا یہی مسلک ہے... اس لیے جو اہل علم غلط فہمی سے ”نواصب“ کا عقیدہ (کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد تھے) رکھتے ہیں انہیں چاہیے کہ یا تو وہ اپنے اس غلط نظریہ سے توبہ کریں اور ماصیحت کو چھوڑ کر اہل السنّت والجماعت دیوبندی علماء کرام رحمہم اللہ کی طرف رجوع کریں اور یا پھر اگر یہ

نہ کر سکیں تو پھر یہ جھوٹے بولنا چھوڑ دیں کہ ہم دیوبندی ہیں.....

قادیانی حضرات کے ساتھ ہمارا جھگڑا کیا ہے؟ یہی ماکہ وہ بھی اپنے کفریہ عقائد کو اسلام کے نام پر پیش کرتے ہیں اور اہل السنّت والجماعت یہی کہتے ہیں کہ لوگوں کو دھوکہ مت دو اور کفر کو اسلام کا لبا وہ مت اوڑھاؤ۔ ایسے ہی ماضی کر رہے ہیں کہ اپنے گمراہ کن عقائد (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد سمجھنا) کو اہل السنّت والجماعت دیوبندی حضرات کا عقیدہ قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ اکابرین امت رحمہم اللہ ان ہفتوات سے کوسوں دور تھے۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی بہت تمنّائی۔ پہلی مرتبہ جب ہندوستان جانا ہوا تو لکھنؤ ان کی خدمت میں بھی حاضری ہوئی۔ یہ زمانہ ان کی رحلت سے کچھ ہی پہلے کا تھا۔ امام اہل السنّت حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب لکھنؤی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کچھ دریافت کیا تو اگرچہ وہ معذور تھے لیکن ان پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ چارپائی پہنے لگی۔ تمنّا ہوئی کہ شاید یہ ذکر نہ کیا جاتا تو بہتر ہوتا۔ کیا معلوم تھا کہ انہیں حضرت امام اہل السنّت رحمۃ اللہ علیہ سے اس قدر تعلق اور محبت ہے۔ انہوں نے منجملہ اور باتوں کے اس روایت کی بھی تصدیق فرمائی جو خود انہوں نے ہی (اپنے کانوں سے سن کر) اپنے مؤقر جریدے ”الفرقان“ ذی قعدہ ۱۳۸۱ھ میں تحریر فرمائی تھی (پھر آگے موصوف نے پورا اقتباس نقل کر دیا جس کے آخر میں یہ عبارت ہے):

”حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگرچہ صحابی ہونے کی حیثیت سے ہمارے سرتاج ہیں لیکن حضرت علی مرتضیٰ سے ان کو کیا نسبت؟ ان کی مجلس میں اگر ”صف نعال“ میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جگہ مل جائے تو انکے لیے سعادت اور باعث فخر ہے۔“

(یہ ملحوظ رہے کہ مفتی محمد سعید خان صاحب نے حضرت نعمانی کا یہ مضمون اپنے مؤقر جریدے ماہنامہ ”الحامد“ اپریل، مئی ۲۰۱۱ء کے شماروں میں بھی شائع کیا ہے)

یہ جہاں اہل السنّت والجماعت کا عقیدہ اور نظریہ کہ حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا بلاشبہ اپنی جگہ پر ایک مقام ہے وہ قابل صد احترام ہیں لیکن ان کا مقابل امیر المؤمنین سیدنا حضرت علیؑ سے کرنا! چہ معنی دار؟ پھر یہ عقیدہ (یعنی حضرت معاویہؓ خلیفہ راشد نہیں ہیں اور حضرت علیؑ کی مجلس میں ان کا درجہ ”صف نعال“ میں ہے پھر ان کا یہ مقام بھی قطعی اور یقینی نہیں بلکہ احتمالاً ہے کہ ”اگر اس صف میں“.....) کچھ ایسا نہیں ہے بلکہ حضرات ائمہ اہل السنّت والجماعت رضی اللہ عنہم کے تمام عقائد کچھ ایسے نہیں ہیں کہ انہوں نے اپنے طور پر گھڑ لیے ہوں (معاذ اللہ) بلکہ ہر برعتیہ کے کاشیوت قرآن کریم سے ہے

اور یا پھر احادیث متواترہ اور مشہورہ سے۔ اور پھر ان متواترہ اور مشہورہ روایات کو لفظاً یا معنی یا ایک نسل سے دوسری نسل کو اور یا پھر ایک قرن سے دوسرے قرن کو منتقل ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

ماضی جو ہر ہر مقام پر سیدنا علیؑ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کا تقابل کرنے کی کوشش کرتے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ جو عقیدہ حضرت شاہ ولی اللہ (کہ حضرت معاویہؓ کی حکومت ”ملک عضوض“، یعنی کاٹ کھانے والی بادشاہت تھی) اور امام اہل السنۃ حضرت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنؤیؒ (کہ حضرت علیؑ کی مجلس میں اگر صف نعال میں بھی حضرت معاویہؓ کو جگہ مل جائے تو ان کے لیے سعادت اور باعث فخر ہے) اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (کہ اہل سنت حضرت معاویہؓ کو صحابی سمجھتے ہیں خلفاء میں نہیں گنتے، ملوک میں شمار کرتے ہیں لیکن ملوک ملوک میں بھی فرق ہے ایک نوشیروان تھا ایک چنگیز خان) نے بیان کیا ہے کچھ خانہ زاد نہیں ہے بلکہ عبد صحابہ کرامؓ سے معاملہ یوں ہی چلا آ رہا ہے۔

حضرت علیؑ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے دو خلافت میں ایک رائے یہ بھی تھی کہ ایک شوریٰ منعقد کر کے خلافت کا فیصلہ ان کی رائے کے مطابق کر دیا جائے اور دو جلیل القدر صحابہ کرام حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابو درداءؓ رضی اللہ عنہما اس رائے سے نہ صرف یہ کہ متفق تھے بلکہ وہ اس تجویز کو پیش نظر رکھتے ہوئے فریقین سے گفتگو بھی کرنا چاہتے تھے۔ جب اس مقصد کے لیے انہوں نے سفر کرنا چاہا تو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ الاشعرؓ جو اپنے مرتبے اور مقام میں ان دونوں حضرات سے اس قدر چھوٹے تھے کہ حتیٰ کہ ان کی صحابیت میں بھی اختلاف ہے..... نے ان دونوں جلیل القدر صحابہ کرامؓ سے عرض کیا:

عجبا منكما كيف جاز عليكما ما جئتما به، تدعوان عليا ان يجعلها شوري وقد علمنا انه قد بليعه المهاجرون والانصار واهل الحجاز والعراق، وأن من رضىه خير ممن كرهه، ومن بايعه خير ممن لا يبيعه سوى مدخل لمعلوية في الشورى وهو من الطلقاء الذين لا تجوز لهم الخلافة وهو أبو رؤس الاحزاب۔ (تہذیب الکمل فی اسماء الرجال باب الامین رقم ۳۹۱۰ جلد ۱۱ ص ۳۳۳)

”مجھے آپ دونوں حضرات پر تعجب ہے کہ آپ اس بات کو کیسے جائز اور درست سمجھتے ہیں کہ سیدنا علیؑ کو چھوڑ رہے ہیں اور اس معاملے (خلافت) کے لیے شوریٰ بلا رہے ہیں؟ حالانکہ آپ دونوں کو اچھی طرح پتہ ہے کہ (سیدنا علیؑ کا سیدنا معاویہؓ سے کیا مقابلہ؟) ہا جبرین، انصار صحابہ کرامؓ، اہل حجاز اور اہل عراق، سبھی نے سیدنا علیؑ کی خلافت پر بیعت کی ہے اور جو لوگ ان کی خلافت پر خوش ہیں وہ ان لوگوں سے زیادہ اہم (خیر) ہیں جو ان کی خلافت پر ناخوش ہیں اور جنہوں نے بھی اس

خلافت کی بیعت کی ہے وہ ان سے نیا دہا چھتے ہیں جن لوگوں نے یہ بیعت نہیں کی۔

اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو شوروی میں شامل کرنا کیسے درست ہے جب کہ وہ تو ان لوگوں میں سے ہیں جو فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کو خلافت نہیں دی جاسکتی اور (کیا آپ کو یاد نہیں) کہ وہ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) اور ان کے والد (حضرت ابوسفیانؓ) تو کفار کے سرداروں میں سے تھے۔ (یہ ملحوظ رہے کہ روایت میں بین القوسین الفاظ بھی مترجم یعنی مفتی محمد سعید خان کے ہیں)

پھر ان دونوں اکابرین امت، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوذرؓ نے کیا کہا؟ یہ بھی پڑھ لیجیے۔

”فقدما علی مبسرهما و تابا منہ بین یدیه ، رحمة اللہ علیہ۔“ (ایضاً)

سو یہ دونوں حضرات اپنے اس جانے کے عزم پہ مادم ہوئے اور اپنی رائے سے رجوع کیا۔ یہ اچھا مشورہ دینے پہ عبد الرحمن بن غنم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔

اس روایت سے جہاں اس عقیدے کی تائید ہوتی ہے جو اہل اہل السنۃ رحمہم اللہ نے بیان فرمایا ہے وہاں ہمیں یہ اخلاقی سبق بھی ملتا ہے کہ کوئی بھی شخص جو اپنے مقام اور عمر میں ہم سے کتنا ہی چھوٹا، کیوں نہ ہو، اگر ہماری کسی لغزش اور کوتاہی کی نشاندہی کرے تو ہمیں باطنی مل حق کے سامنے سر جھکا دینا چاہیے۔ (دیوبندیہ کی تطہیر ضروری ہے۔ ایک تجزیہ۔ ایک فکر۔ ص ۱۲۸)

معلوم نہیں کہ کن ”مقاصد“ کی خاطر جناب مفتی صاحب ”دیوبندیہ“ کی تطہیر میں حضرت معاویہؓ کو زیر بحث لائے ہیں؟ اس مضمون میں اگر انہیں کوئی ”ضرورت“ یا ”مجبوری“ لاحق تھی بھی تو وہ اپنے آپ کو احترام اہل بیتؓ اور ”فسق یزید“ تک ہی محدود رکھتے لیکن صدافسوس کہ وہ ”صغریٰ، کبرے“ اور موضوع و منکر روایات کے سہارے اپنے تصدیق کنندگان سمیت ایک جلیل القدر صحابی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین کا ارتکاب کر بیٹھے اور طرفہ تماشایہ کہ انادہ حضرت معاویہؓ کو ”خلیفہ راشدہ“ مجتہد“ اور صحابہ کے بارے میں کتاب و سنت اور عقائد اہل سنت کے عین مطابق ”کف لسان“ کے حکم پر عمل چیرا ہونے والوں کو نہ صرف ”توبہ“ کا مشورہ دے رہے ہیں بلکہ ”اہل السنۃ والجماعت“ دیوبندی علماء کرام رحمہم اللہ کی طرف ”رجوع“ کرنے کی دعوت بھی دے رہے ہیں۔ (دیوبندیہ کی تطہیر ص ۱۰) معلوم نہیں کہ مفتی صاحب کون سے دیوبندی علماء کی طرف ”رجوع“ کی دعوت دے رہے ہیں کیونکہ وہ ابھی ”دیوبندیہ کی تطہیر“ کے عمل سے فارغ نہیں ہوئے۔ اگر ان کی مراد وہ دیوبندی علماء ہیں جن کا ذکر زیر نظر کتاب میں گزر چکا ہے تو ان کے حق میں اب دعائے خیر ہی کی جاسکتی ہے۔

موصوف ایک طرف ”توہین و تنقیص“ پر مبنی ”صاغر“ سے مروی روایات کو عین ”حق“ سمجھ کر ان کے سامنے ”اکامہ“ کو بھی بلا ہل سر جھکانے کا ”فتویٰ“ صادر فرما رہے ہیں لیکن دوسری طرف جس منصب سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت مزید اجاگر ہوتی ہے، اس کے حاملین کی فہرست سے بڑی ”خوبصورتی اور چالاکي“ کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی ”حذف“ کر دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی ایک کتاب میں ”کاتین وحی“ کی فہرست سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام ”حذف“ کر گئے۔ ملاحظہ ہو قرآن حکیم کی تلاوت کے احکام اور مسائل ص ۴۷۔ زیر عنوان ”قرأت اور رسم الخط“۔ جب کہ جمہور مفسرین، محدثین اور ائمہ اہل السنۃ والجماعت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعارف ہی ”کاتب وحی“ کے لقب سے کراتے ہیں۔

یہی نہیں بلکہ حضرت مفتی محمد سعید خان صاحب اپنے مرشد قاضی مظہر حسین صاحب کی طرح حضرت معاویہؓ کی توہین و تنقیص کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ چنانچہ انہوں نے زیر عنوان ”کم سن بچوں کی شادیاں“ ایک مضمون سپرد قلم کیا ہے، اس میں بھی وہ چالاکي کا مظاہرہ کرتے ہوئے ابن عساکر کی ایک من گھڑت روایت کی بناء پر حضرت معاویہؓ کی توہین کر بیٹھے۔ پڑھیں اور سردھنیے۔

”اپنی حیات طیبہ میں حضرت عبداللہ بن عامر دمشقی تشریف لے گئے۔ وہاں پر سیدنا حضرت معاویہؓ امیر مقرر تھے۔ انہوں نے ان کا بہت شاندار استقبال کیا اور پھر ان کے اسی قیام کے دوران اپنی بیٹی ہند بنت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ان کی شادی بھی کر دی۔

حضرت معاویہؓ بہت سمجھدار اور دانا انسان تھے۔ انہوں نے جب اپنی بیٹی ہند کی شادی کی ہے تو اس بچی کی عمر نو برس تھی۔ انہوں نے اپنی اس بیٹی کی رہائش کے لیے اپنے گھر سے متصل ایک گھر بھی تجویز کیا اور بیٹی کو سمجھایا کہ بیٹی یہ آپ کا شوہر ہے اور آپ دونوں کا تعلق اللہ تعالیٰ نے درست قرار دیا ہے اپنی شوہر کی مانتی رہیں۔

(فلما خرج قال معاویۃ لایتنہ لاتفعلی فانما هو زواج الذی أحله اللہ لک)

اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں اس عمر کی بچیوں کی شادی بخوشی کر دی جاتی تھی۔۔۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے اس داماد سے اتنی محبت تھی کہ ان کے انتقال پر فرمایا:

عبداللہ اب تمہارے بعد کون سی قابل فخر شخصیت ہمارے خاندان میں بچی ہے؟ اور عبداللہ تمہارے جائے پیچھے، دشمنوں کے مقابلے میں اب ہم کس کو پیش کیا کریں گے؟

(توفی قبل معاویۃ سنۃ تسع وخمسين ، فقال معاویۃ یمین نفاخرو یمین نباھی)

بعدہ۔۔۔ سیر اعلام النبلاء، عبداللہ بن عامر ج ۳۔ ص ۲۱)

اصول روایت و روایت کے سہارے کے بغیر بھی ایک سطحی نظر سے بھی اس روایت کا من گھڑت ہونا واضح ہو جاتا ہے لیکن مفتی محمد سعید خان صاحب نے جو ”مسلوب بیان“ اختیار کیا ہے وہ کسی طور پر بھی برادرِ نبی رسولؐ، کاتبِ وحی، فاتحِ عرب و عجم، صحابی رسولؐ اور خلیفہ راشد، عادل و مدق سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے شایانِ شان نہیں ہے۔ چنانچہ موصوف فرماتے ہیں کہ:

”امیر دمشق حضرت معاویہؓ نے حضرت عبداللہ بن عامرؓ کا بہت شاندار استقبال کیا، اپنی بیٹی ہند بنت معاویہ (فرط جوش میں ’اپنی بیٹی ہند بنت معاویہ‘ جگر اڑکھ گئے حالانکہ ’اپنی بیٹی‘ سے مفہوم تو واضح ہو گیا تھا لیکن اس موقع پر انہوں نے خلاف ضابطہ و اصول ”معاویہ“ نام کی تصریح بھی ضروری سمجھی) سے ان کی شادی کر دی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بہت سمجھدار اور دانا انسان تھے، بچی کی عمر ۹ برس تھی، بیٹی کی رہائش کے لیے اپنے گھر سے متصل ایک گھر بھی تجویز کیا اور بیٹی کو سمجھایا کہ بیٹی یہ آپ کا شوہر ہے آپ دونوں کا تعلق اللہ نے درست قرار دیا ہے، اپنے شوہر کی مانتی رہیں۔“

معلوم نہیں کہ مفتی صاحب نے بیٹی کی اس انداز کے ساتھ شادی کرنے پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ”سمجھداری اور داناگی“ کا ذکر بطور خاص کیوں کیا؟ البتہ اس ”مسلوب بیان“ سے خود مفتی صاحب کی اپنی ”داناگی اور سمجھداری“ ضرور ثابت ہو گئی ہے۔ اس کے بعد کم عمری میں بچوں کی شادی پر جس مثال سے حضرت مفتی صاحب نے استدلال فرمایا وہ ”واقعی“ پوری دنیا کی تاریخ کی ایک انوکھی مثال ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

”حضرت ہشام بن عروہؓ، حضرت زبیر بن عوامؓ کے بیٹے تھے۔ ان کی پیدائش ۶۱ھ میں ہوئی۔۔۔ ہشام بن عروہ بن زبیرؓ کی شادی جب اپنی چچا زاد بہن فاطمہ بنت منذر بن زبیرؓ سے ہوئی تو فاطمہ بنت منذر کی عمر نو برس تھی۔“

حضرت زبیر کا خاندان اپنی گونا گوں خصوصیات کی بناء پر مسلمانوں اور عربوں کا مشہور گھرانہ تھا۔ اگر کم سنی کی شادی اس معاشرے کے لیے کوئی عجیب اور انہونی بات ہوتی تو اس زمانے کے لوگ اعتراض کرتے یا یہ بات اچھالتے لیکن تاریخ کھنگال لیجیے کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ملے گا جو اس قسم کے ازدواجی بندھن پر اعتراض کرتا ہو۔

(حدث عن امرأتی فاطمة بنت المنذر وأدخلت علی وھی بنت تميم سنین وماراها رجل حتی لقیته اللہ۔۔۔ الکامل فی ضعفاء الرجال محمدين اسحق بن بشار مدنی۔ ج ۷۔ ص ۲۵۶) (ماہنامہ الحامد۔ لاہور ص ۲۳۔ ۲۴ مئی ۲۰۱۱ء)

مفتی صاحب نے یہاں ”ہشام بن عروہ کو حضرت زبیر بن عوامؓ کا بیٹا قرار دیا ہے حالانکہ وہ ان کے پوتے ہیں اور ان کی سن پیدائش ۶۱ھ بتائی ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت زبیرؓ جنگ جمل کے موقع پر ۳۶ھ میں شہید ہو گئے تھے۔ باپ کی وفات کے پچیس سال بعد کسی بیٹے کا پیدا ہونا واقعی یہ پہلی اور آخری مثال ہے۔

مفتی صاحب سے پہلے امام الزہدین والعارفین، جناب قاضی زہد الحسینی صاحب نے کسی مردے کے ہاں بعد از مرگ ایک بچے کی پیدائش کا ذکر فرمایا ہے لیکن وہ اس سے بہت کم مدت میں پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

”ایک آدمی کے دفن کے بعد جب کفن چوروں نے اس کی قبر کھودی تو وہ زندہ ہو کر بھاگ آیا۔ پھر کافی زمانہ زندہ رہا۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے ایک بیٹا بھی دیا جس کا نام مالک تھا“

(رحمت کائنات، ص ۷۷۔ گیارہواں ایڈیشن ۱۹۹۸ء)

اس غلطی کو مفتی صاحب یا کمپوزر اور پروف ریڈر کا ”سبب“ قرار دیا جاسکتا ہے لیکن اس قسم کے ”واقعہ“ سے کم سنی کی شادی پر استدلال نہیں کیا جاسکتا کیونکہ مفتی صاحب کے بقول اس ”قصے“ کے راوی محمد بن اسحاق ہیں جنہوں نے نہ صرف فاطمہ بنت منذرؓ کی عمر نو سال بتائی ہے بلکہ ان کے شاگرد ہونے اور ان سے حدیث سماعت کرنے کا بھی دعویٰ کیا تو اس پر ہشام بن عروہ کو سخت غصہ آیا اور فرمایا:

”تعذبوا اللہ الکذاب یروی عن امرأتی ابن راہا؟ ولقد دخلت بها وحی بنت تميم

سنین وماراها مخلوق حتی وصلت باللہ عز وجل“ (تاریخ بغداد، جلد ۱ ص ۲۲۳)

اللہ کا دشمن پر لے درجے کا چھوٹا، میری بیوی سے روایت کرتا ہے۔ اس نے میری بیوی کو کہاں دیکھا تھا؟ حالانکہ جب میں نے اس کے ساتھ شادی کی تو وہ نو سال کی تھی اور اس کے بعد اس کو کسی مخلوق نے نہیں دیکھا یہاں تک کہ وہ اللہ سے جاملی۔

موصوف ایک دوسری روایت میں فرماتے ہیں: ”کانت اکبر منی بثلاث عشر سنة“

(تہذیب اجتہاد تحت ذکر فاطمہ بنت منذر) وہ (یعنی میری بیوی) مجھ سے تیرہ سال بڑی تھی۔

اگر بقول مفتی صاحب فاطمہ بنت منذرؓ کی عمر بوقت رخصتی نو سال تھی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت ہشام نے اپنی پیدائش سے بھی چار سال پہلے فاطمہ بنت منذرؓ سے نہ صرف نکاح کر لیا تھا بلکہ ازواجی زندگی سے بھی لطف اندوز ہو رہے تھے۔ کم سنی کی شادی اور اس قسم کے جملہ واقعات کی تفصیل کے لیے راقم الحروف کی کتاب ”عمرائے تحقیق پر نظر“ ایک تقابلی مطالعہ کی طرف مراجعت فرمائیں۔

”کم سنی“ کی شادی کے حوالے سے بھی مفتی صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک متھک خیز کہانی نقل کر دی۔

حضرت معاویہؓ کے بارے میں مفتی صاحب کا (ذم بصورت مدح) ایک اور انداز ملاحظہ فرمائیں:

”حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تاریخ اسلام کی وہ مظلوم شخصیت ہیں جن کی آج تک کوئی ایسی سوانح عربی، فارسی یا اردو زبان میں نہیں لکھی گئی جو ان کے شایان شان ہو۔ کچھ حضرات نے ان کی زندگی کے چیدہ چیدہ واقعات بیان کر دیے ہیں اور کچھ حضرات نے ان کی شخصیت پر لگائے جانے والے اثرات کا دفاع کیا ہے۔ ان کے زمانے میں اسلام کو کیا عروج ملا، ان کی شخصیت اور تصویروں کے مختلف اجزاء جو پوری تاریخ اسلام کی کتابوں میں بکھرے پڑے ہیں، میں باہمی ربط کیا ہے؟، ان کا دور حکومت کیسا تھا؟ امیر شام ہونے اور جب حضرت حسن بن علیؓ نے ان کی بیعت کر لی تھی تو اس وقت ان کی حیثیت میں کیا فرق آگیا تھا؟ بعض لوگوں کو جو انہوں (نے) سزا دی تھی اس کا سبب کیا تھا؟ یہ یاد کرو جائیں کیوں مقرر کیا گیا تھا؟ انتقال کیسے ہوا تھا؟

یہ تمام سوالات اپنے جوابات چاہتے ہیں لیکن ابھی تک کوئی ایسا اللہ کا بندہ نہیں آیا جو مستندین کی کتابوں کو کھنگالے، اس موضوع پر مطالعے کا حق ادا کرے، تمام اعتراضات کے تسلی بخش جوابات لکھے اور اس مظلوم شخصیت کا دفاع کرے۔

ان کی مظلومیت کا حال تو یہ ہے کہ بالعموم ان کی تصویر کشی جس قلم سے کی گئی ہے وہ قلم ان کے دشمن کے ہاتھ میں تھا اور اس ظالم نے ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔

اس حقیقت کا دوسرا رخ دیکھیے تو اب آہستہ آہستہ ان کے ایسے چاہنے والے پیدا ہو گئے ہیں اور وہ بدن بام عروج کی منازل طے کر رہے ہیں جن کا سرمایہ علم اردو کی چند کتابوں کے علاوہ کچھ نہیں۔ علم اور مطالعے کی گہرائی تو کجا انہوں نے ”العقد الفريد، المعارف، البدایة والنهاية اور الکامل لابن الاثير“ کا نام تک نہیں سنا۔

تاریخ سے بے خبری بھی اگرچہ ان کا ایک جرم ہے لیکن اس سے بھی بڑھ کر ان کا جرم یہ ہے کہ حضرات اہل السنۃ والجماعہ کثر اللہ سواہم نے کتب عقائد میں حضرت سیدنا معاویہ بن ابوسفیانؓ کا جو مقام متعین کیا ہے، یہ بے علم شخص اس مقام تک سے بے خبر ہیں اور اس روش کا نتیجہ یہ ہے کہ اس نسل کے کئی ایک ذہین، جوشیلے، مختص لیکن حقائق و عقائد اہل السنۃ والجماعہ سے بے خبر نو جوان، انہیں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں ہی نہیں لاتے بلکہ حضرت خلیفہ راشد سیدنا علی بن ابی طالب

رضی اللہ عنہ پر انہیں ترجیح دیتے ہوئے، ان کی افضلیت کے بھی قائل ہوتے جا رہے ہیں.....

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ خیر کی آڑ میں سیدنا علیؑ کی ہستی کو کثافتہ تنقید بنانا اور پھر اس سے بھی مزید آگے بڑھ کر حضرات اہل بیت کرامؑ کی توہین کرنا یہ ہم اہل السنّت والجماعت کا مسلک نہیں ہے۔“ (ماہنامہ الحامد لاہور ص ۵۲۳۔ دسمبر ۲۰۱۱ء)

حضرت مفتی صاحب کی اس بات کے ساتھ مکمل اتفاق ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ خیر کی آڑ میں سیدنا علیؑ اور اہل بیت عظامؑ کو کثافتہ تنقید بنانے والوں کا اہل السنّت والجماعت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر انہیں اس بات کا بھی واضح، واضح و آشکار اور نوک لفظ میں اعلان کر دینا چاہیے کہ حضرت علیؑ اور دیگر اہل بیت عظامؑ کے تذکرہ خیر کی آڑ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے احباب کی توہین، تنقیض اور انہیں ہدف تنقید بنانے والوں کا بھی اہل السنّت والجماعت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

مفتی محمد سعید خان (جنہوں نے ”العقد الفريد، المعارف، البداية والنهاية اور اکمل لابن اثیر“ جیسی معرکہ الآراء کتب کا صرف ”نام“ ہی نہیں سن رکھا ہے بلکہ انہیں باقاعدہ ”علم اور مطالعے“ کی گہرائی بھی حاصل ہے) نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نہایت ہی محنت، جانفشانی و عرق ریزی حتیٰ کہ ہندوستان کی سفری صعوبتیں جھیلنے کے بعد جو ”تحقیقی“ مضامین سپرد قلم کیے ہیں ان کے مطالعہ کے بعد حضرت مفتی صاحب کے اس مبنی پر حقیقت اور اہلانی“ قول کی صداقت اور حقانیت پر کامل یقین ہو جاتا ہے جو انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت پر قلم اٹھانے والوں کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا کہ: ”حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مظلومیت کا حال تو یہ ہے کہ بالعموم ان کی تصویر کشی جس قلم سے کی گئی ہے وہ قلم ان کے دشمن کے ہاتھ میں تھا اور اس ظالم نے ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔“ کاش کہ موصوف اس موضوع پر خوب ہی کوئی مستند کتاب تصنیف فرما دیتے تو بہت ہی بہتر ہوتا۔ گذشتہ صفحات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق مفتی صاحب کی صرف ۲۰۱۱ء میں (الحامد اپریل، مئی، دسمبر اور دئیوبندیت کی تطبیق ضروری ہے کے حوالے سے) تحریری نگارشات کا ذکر کیا گیا ہے ان کے تقریری ارشادات اس کے علاوہ ہیں۔

معلوم نہیں کہ ذمہ داران وفاق المدارس اور وابستگان دارالعلوم دئیوبند مفتی صاحب کی خواہش کے مطابق ”دئیوبندیت“ کی ”تطبیق“ کا فریضہ کب سرانجام دیتے ہیں؟ اس ”مہم اور ضروری“ کام میں تاخیر اور غفلت سے مزید شکوک و شبہات جنم لیتے رہیں گے۔

ماصبیوں، خارجیوں، ممتیوں، بدعتیوں، مزیدیوں اور مدارس و خانقاہوں میں موروثیت کے علم

مرداؤں، ٹھگوں اور خانوں کو ”دیوبندیہ“ اور ”وفاق المدارس“ سے نکالے بغیر ”دیوبندیہ“ کی تعمیر ہرگز نہیں ہو سکتی۔ کوئی اللہ کا بندہ اٹھے اور ”دیوبندیہ“ کو اس ”گندگی“ سے پاک کر دے۔ اس فریضے کو مہم انجام دینے کے لیے ”تحریک خدام اہل سنت پاکستان“ سے بہتر اور کوئی تنظیم نہیں ہو سکتی کیونکہ اس تحریک کو مفتی صاحب کے کتابچے ”دیوبندیہ کی تعمیر ضروری ہے۔۔۔۔۔ ایک تجزیہ۔۔۔۔۔ ایک فکر“ کی نہ صرف طباعت اور نشر و اشاعت کی ”سعادۃ“ حاصل ہوئی ہے بلکہ امیر تحریک خدام اہل سنت پاکستان جناب قاضی محمد ظہورالحسین ظہر صاحب نے ان کے عقائد، افکار و نظریات کی مکمل تائید و تصدیق بھی فرمائی ہے:

مفتی محمد سعید خان کے بارے میں امیر تحریک خدام اہل سنت والجماعت قاضی محمد ظہورالحسین اظہر کی طرف سے ایک ضروری وضاحت:

”جناب مفتی محمد سعید خان صاحب ۲۰۰۸ء سے تحریک خدام اہل سنت والجماعت سے باقاعدہ وابستہ ہوئے ہیں۔ ہم نے ان میں کسی قسم کی عقیدہ و عمل کی خرابی نہیں دیکھی۔ ان کے عقائد و اعمال اہل سنت والجماعت کے بالکل مطابق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور انہیں اپنے اکابرین اہل سنت والجماعت کے عقائد و اعمال پر استقامت بخشے۔

تحریک خدام اہل سنت والجماعت اور جناب مفتی محمد سعید خان صاحب کے تعلق کی حالت یہ ہے کہ ہم نے انہیں جب بھی اور جہاں بھی اپنے سٹیج پر بلایا ہے انہوں نے مکمل تعاون کیا ہے۔ مجدد سجاد تعالیٰ ان کی تقاریر سے اہل سنت والجماعت کو مسلسل فائدہ پہنچ رہا ہے۔ وہ اپنے بیانات میں مرزائیت، رافضیت، خارجیت، منکرین حدیث و فقہ، بدعات اور جدید گمراہ کن نظریات کا ہمیشہ رد کرتے رہے ہیں۔

جناب مفتی صاحب کے خلاف اب جو بھی الزامات اور تحریرات کا سلسلہ شروع ہوا ہے ہم ان تمام الزامات کو بے حقیقت سمجھتے ہیں اور جناب مفتی صاحب کی ان الزامات سے مکمل برأت کا اعلان کرتے ہیں۔ نیز میں مفتی صاحب کو ہدایت کرتا ہوں کہ آئندہ کسی تحریک کا کوئی جواب آپ کے کسی ساتھی کی طرف سے نہ آنا چاہیے اور آپ اپنی صلاحیتیں مفید کاموں میں استعمال کریں۔ معترض حضرات سے گزارش ہے کہ مفتی صاحب کے جس عقیدہ یا عمل سے انہیں اختلاف ہو اس کی حقیقت جاننے کے لیے مرکزی دفتر خدام اہل سنت والجماعت سے رجوع فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اہل سنت والجماعت کے موقف پر استقامت اور تمام اہل بدعت سے نفرت پر قائم رکھے۔ آمین“

(ماہنامہ حق چار یار۔ لاہور ص ۶ جلد ۲۴ شمارہ ۴۔ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ / اپریل ۲۰۱۱ء)

۴۳۔ مولانا محمد طارق جمیل صاحب

مولانا طارق جمیل صاحب تبلیغی جماعت کے ایک انتہائی بااثر اور عالمی مبلغ ہیں۔ ان کے وعظ اور بیان میں بلا کی تاثیر پائی جاتی ہے اور بلا مبالغہ ان کے بیانات سے لاکھوں لوگوں کی زندگی میں نمایاں تبدیلی آئی ہے۔ لیکن بایں ہمہ ان کے بعض بیانات سے دین کے دیگر شعبوں اور پہلوؤں کی کم وقعتی اور بعض اوقات فریق مخالف کی مجلس ”شام غریباں“ کا احساس ہونے لگتا ہے۔ اور ایسے مواقع پر ”آڈیو“ پر وگرام سننے ہوئے ”مولانا“ طالب جوہری اور مولانا طارق جمیل میں فرق و امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ طرز عمل عام سامعین کے حق میں دینی اعتبار سے نہایت ہی مضر ہے۔

راقم الحروف کو متعدد مرتبہ موصوف کے بیانات سننے کا اتفاق ہوا تو بالخصوص واقعہ کربلا اور حدیث کساء یعنی بیچ تن پاک کے حوالے سے بعض نکات کی تشریح و ترتیب میں فریق مخالف کے ساتھ حیرت انگیز مماثلت پائی گئی۔ گزشتہ پانچ چھ سالوں کے دوران میں واقعہ کربلا، مصائب اہل بیت اور حدیث کساء جیسے عنوانات خصوصیت کے ساتھ موصوف کے بیانات میں زیر بحث رہے۔

مؤخر الذکر عنوان پر انہوں نے ابتداء میں تو اشارنا و کنایا پھر بلا لحاظ موقع و محل حتیٰ کہ زلزلہ ۲۰۰۵ء اور ایام حج میں قیام منیٰ کے دوران بھی کھلم کھلا اظہار خیال کرنا شروع کر دیا۔ راقم سمیت بعض احباب نے موصوف کو مذکورہ عنوانات پر عام اجتماعات میں لب کشائی سے اجتناب اور تبلیغی چھ نمبروں تک ہی محدود رہنے کا قیمتی مشورہ دیا مگر افسوس کہ اسے درخور اعتناء نہ سمجھا گیا۔

راقم الحروف کے پاس مولانا طارق جمیل صاحب کے ۱۹ دسمبر ۲۰۰۶ء کو جھگڑت میں ایک طویل بیان پر مشتمل تین کیسٹیں محفوظ ہیں جن سے فریق مخالف کی ”مجلس“ اور ”نوحہ“ کی فضا کا گمان ہونے لگتا ہے۔ (یہ ملحوظ رہے کہ نوحہ کا لفظ بھی موصوف نے خود ہی اپنی اسی تقریر میں استعمال کیا ہے کہ ”ہم نوحہ بھی پڑھتے رہیں تو کوئی نہیں سنتا“)

اس بیان میں موصوف نے بغیر کسی موقع و محل اور ضرورت کے ہزاروں کے مخلوط (شیعہ، سنی اور مرد و خواتین) اجتماع میں فرمایا کہ:

”مضرت عائشہؓ پر کھلم کھلا ”زنا“ کی تہمت لگائی گئی۔“

موصوف اس موقع پر بہتان اور تہمت جیسے الفاظ بھی استعمال کر سکتے تھے لیکن نبیوں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ کے لیے ”زنا“ جیسا قبیح ترین اور مکروہ ترین لفظ استعمال کیا۔ اگر کسی مولوی کی اپنی نہیں ماں پر اس قسم کی تہمت لگائی جاتی تو کیا وہ اسے لفظ ”زنا“ کی تصریح کے ساتھ ہزاروں کے اجتماع میں بیان کر سکتا تھا؟ وہ تو اسے تنہائی میں بھی ہرگز زبان پر لانا کوارا نہ کرتا لیکن موصوف نے تو ہزاروں کے اجتماع میں حضرت عائشہؓ کے لیے اس لفظ کے استعمال کرنے میں ذرہ برابر بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔

اگر اس موقع پر (بقول مولانا طارق جمیل) مولانا حق نواز جھنگوی جیسا ”مخلص“، ماہر، بے علم، شعلہ بیان خطیب، ”ہوتا تو وہ ضرور ملک بھر میں آگ بھڑکا دیتا۔“ گرافوس ہزاروں تبلیغی بھائیوں کی موجودگی میں ابن ابی کی ”سنت“ کو زندہ کرنے والے طارق جمیل صاحب نے حضرت عائشہؓ کی شان میں یہ گستاخی کی مگر کسی ”تبلیغی بھائی“ کے کان پر جوں تک نہ دینگی۔

”حمیت نام تھا جس کا گئی تیور کے گھر سے“

ستم بالائے ستم یہ کہ اس ”مبلغ اعظم“ نے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ”بے حمیتی“ کا الزام عائد کر دیا۔ قارئین کرام موصوف کا سلسلہ کلام ملاحظہ فرمائیں:

”نبیؐ نے کبھی بیان میں مکے نہیں لہرائے، کبھی آستین نہیں چڑھائی، کبھی کسی کے عیب کو نہیں اچھالا، کبھی کسی کو منبر سے رسوا نہیں کیا، کبھی کسی کی بھائی کو منبر سے بیان نہیں کیا۔

عبداللہ بن ابی نے کھلم کھلا حضرت اماں عائشہؓ پر زنا کی تہمت لگائی۔ کھلم کھلا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر یہ نہیں کہا کہ عبداللہ بن ابی میرے گھروالوں کے بارے میں کیا کہہ رہا ہے؟ (لیکن موصوف نے خود یہ منبر وہ الفاظ و ہرا دیے)

یوں فرمایا: کیا ہوا لوگ میرے گھروالوں کے بارے میں مجھے تکلیف دے رہے ہیں۔ تو اتنے کھلم کھلا منافق کو بھی منبر پر نام لے کر رسوا نہیں کیا۔

میرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی نے منبر پر کھڑے ہو کر یہ نہیں کہا کہ عبداللہ بن ابی کیا کر رہا ہے؟ جو اتنا وسیع ظرف دے کر جائے، جو اتنے اعلیٰ اخلاق دے کر جائے اس کی امت آپس میں دست و گریباں ہو جائے.....

موصوف کے ”زریر خیالات“ پر تبصرہ ایک مستقل کتاب کا متقاضی ہے۔ کاش موصوف بیان کرنے سے پہلے صحیح بخاری کی طرف ہی مراجعت کر لیتے اور مجمع عام میں اس ”کذب بیانی“ کے قوی تر ٹکب نہ دیتے۔

امام بخاری اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں کہ:

”فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ يَوْمِهِ فَاسْتَعْلَزَ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ أَبِي وَهْبٍ عَمَلِي الْمَنْبَرِ فَقَالَ يَا مَعْصِرَ الْمُسْلِمِينَ مَنْ يَعْلُزُّنِي مِنْ رَجُلٍ قَدْ بَلَغَنِي عَنْهُ أَذَاهُ فِيْ أَخْلِيَّ وَاللَّهِ مَا عَلِمْتُ عَمَلِي أَخْلِيَّ إِلَّا خَيْرًا.....“ (صحیح بخاری - کتاب المعازی باب حدیث الاکب)

چنانچہ رسول اکرمؐ نے اسی دن عبد اللہ بن ابی کے خلاف مدد طلب کرتے ہوئے برسرِ منبر خطاب فرمایا۔ اے گروہِ مسلمین! کون ہے جو اس شخص کے مقابلہ میں میری مدد کرے جس کی جانب سے مجھے میرے اہل خانہ کے متعلق تکلیف پہنچی ہے۔

اللہ کی قسم! میں اپنے اہل کے بارے میں صرف خیر کو ہی جانتا ہوں۔

مولانا طارق جمیل صاحب کے قابلِ اعتراض اور مخالف اہل سنت والجماعت نظریات جاننے کے لیے مفتی محمد عیسیٰ خان صاحب (سابق صدر مفتی نضرۃ العلوم گوجرانوالہ) کی تالیف لطیف:

”کلمۃ الہادی الی سولہ المسبیل فی جواب من لبس الحق بالباطیل“ کی طرف مراجعت فرمائیں۔

کتاب کی تالیف سے قبل موصوف نے مولانا طارق جمیل صاحب کے بیانات سے قابلِ اعتراض نکات جمع کر کے ۲۱ صفحات پر مشتمل ایک چارج شیٹ ملک بھر کے علماء کرام اور مشائخ عظام کی خدمت میں ارسال فرمائی۔ اس چارج شیٹ میں ”تفحیک جہاد توہین صحابہؓ ورتوہین علماء کرام کے علاوہ سبائیت، رافضیت، بدیویت اور موذویت کی مختلف فیہ مسائل میں صفائی پیش کرنے کے علاوہ فرقِ باطلہ کی تائید و تصویب بھی پائی جاتی ہے۔ یہاں توہین صحابہؓ بالخصوص توہین معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق موصوف کے افکارِ بدیہ قارئین کیے جاتے ہیں:

”نیز یہ کہ ستر صحابہؓ نے بیعت کی۔ تو صحابہؓ کیا تھے؟ وہ ایسے ویسے تھے جنہوں نے بیعت کر لی؟ اللہ کے بندو! وہ کمزور تھے اور کمزور کے احکام اور ہیں۔ ستر صحابہؓ کا بیعت کرنا یہ کہ کوئی اور تقویٰ کے ترازو میں نہیں بٹھاتا۔ وہ کمزور تھے۔ حجاج کی امارت میں حضرت انسؓ رہ رہے تھے تو اس سے حجاج پاک ہو گیا؟ اور کئی صحابہؓ تھے جو حجاج کی حکومت میں موجود تھے تو حجاج پاک دامن ہو گیا؟ ابن زیاد کی ولایت میں کئی صحابہؓ تھے تو ضعف کے احکام میں، ضعف کے حالات میں ضعف والی ترتیب کا اختیار کرنا پڑے گا۔“

(چارج شیٹ ص ۴۔ کلمۃ الہادی الی سولہ المسبیل فی جواب من لبس الحق بالباطیل۔ طبع اہل ص ۶۸۔ طبع دوم ۱۴۳۲ھ)

”نظامِ حضرت معاویہؓ کو آگے لانے کے لیے چل رہا تھا اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اس وقت تمام صحابہؓ میں حکومت چلانے کی اہلیت میں حضرت معاویہؓ کے برابر کوئی نہیں تھا اور خلافت ختم ہو رہی تھی اور حکومت آ رہی تھی۔ حکومت کسی بڑے صحابی کے ہاتھ لگے یہ کوئی اس صحابی کے شان

کے مناسب نہیں ہے تو کوئی چھوٹے درجے کے صحابی کو ہی اسے لینا تھا، بڑے درجے کے صحابی اس میں آہی نہیں سکتے تو چھوٹے درجے کے صحابہ میں معاویہ رضی اللہ عنہ انیس برس حکومت کا تجربہ حاصل کر چکے تھے۔ گورنر رہے اور اس کے ساتھ بنو امیہ میں سے تھے جو بنو ہاشم کے بعد سب سے معزز شاخ ہے۔ میں نے اس کو بہت پڑھا ہے کیونکہ میں خود اس میں الجھا ہوا تھا تقریباً جتنے بھی اہل سنت ہیں وہ یہاں آکر شیعہ بن جاتے ہیں صرف اس مسئلے پر۔

تو معاویہ رضی اللہ عنہ اور جو بھی اس طرف تھے وہ (یعنی اہل سنت) اس میں افراط و تفریط کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس کو میں نے بہت پڑھا کہ میں اس کا کوئی حل نکالوں۔ یہ تعصب کہ شیعہ کے مقابلے میں ہم صحابہ کو معصوم بنا دیتے ہیں۔ یہ ذہن میرا کبھی نہیں رہا کہ وہ معصوم ہیں۔ معصوم اور مخفوظ تو ایک ہی چیز ہے۔ میں نے سوچا بہتر ایسا عنوان ہو جو دل کو بھی لگے اور عقل کو بھی لگے۔ یہ عنوان میں نے خود ہی سوچے ہیں جو میں تمہیں بتا رہا ہوں اور اس کو پڑھ پڑھ کے تو پھر یہ بات میرے سامنے آئی کہ اللہ کے نکلونی نظام میں اس سے خوب صورت اور مشکل تھی ہی کوئی نہیں۔

اور خلافت کے لیے اولیت تقویٰ کو نہیں ہے۔ خلافت کے لیے اولیت تدبیر کو ہے کہ یہ تدبیر میں کیسا ہے؟ انتظام میں کیسا ہے؟

معاویہ رضی اللہ عنہ عبد اللہ بن عمرؓ کے تو مامن کے برابر بھی نہیں تھے درجے کے لحاظ سے۔ اور خود معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنا فرمان ہے کہ:

میرا یہ دعویٰ ہے ہی نہیں کہ میں تم میں بہتر ہوں۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ میں اس سے زیادہ تمہارے لیے نفع بخش ہوں۔“

بس یہ بات ذہن میں رکھو کہ علیؓ حق پر تھے اور معاویہؓ اس کے مقابلے میں خطا پر تھے۔ جس نے پوچھنا ہے جب اس نے ہی معاف کر دیا ہے تو پھر مجھے کہنے کی کیا ضرورت ہے؟ کہ نہیں جی دونوں ہی حق پر تھے۔ وہ الحق تھے اور یہ حق تھے یہ بڑی رکاب دلیلیں ہیں۔ یہ ساری باتیں میں نے سنی ہوئی ہیں اور پڑھی بھی ہوئی ہیں۔ یہ میرے دل کو نہیں لگیں۔ حضرت علیؓ حق پر اور معاویہؓ خطا پر۔ خطا میں چونکہ بددیانتی نہیں تھی وہ اپنے کو صحیح سمجھ کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی خطا مغفور ہے۔ بس۔ اب ہمیں تاویل کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ (کسی طالب علم نے سوال کیا کہ کیا یہ اجتہادی غلطی تھی؟ تو اس پر مولانا کا جواب یہ تھا) ارے یہ تو سب ہمارے سابقے لائے ہیں۔ خطا تھی۔

ایک جگہ میں نے ایسی کوئی بات کر دی تو ایک طالب علم بڑے غصے سے میرے پاس آیا اور کہنے لگا: اس کا مطلب ہے کہ صحابہ دنیا کے طلب گار تھے تو میں نے یہ آیت پڑھ دی ”منکم من یرید الدنیا“ اور یہ کن کے بارے میں ہے؟ وہیں چپ ہو کر واپس آ گیا۔“

(چارج شیٹ ص ۳۔ کلمۃ البیادى الى سواء السبيل فى جواب من ليس الحق بالاطيل طبع اول ص ۷۷۔ طبع دوم ص ۱۱۵)
”دوسری بات یہ ہے کہ ہم شیعوں کے رد میں صحابہ کو بھی معصوم بنانے کے چکر میں پڑ جاتے ہیں، ان کی خطا کی تاویل کرنا شروع کر دیتے ہیں تو اس کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ بس یہ ایک آیت کافی ہے ”و کلا وعد اللہ الحسنی“

تاویل نہ کرو، مانو خطا ہوئی ہے۔ خطا کی تاویل کرنا تو کمزور راستہ ہے۔۔۔۔۔
امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو کتاب لکھی ہے مولانا تقی عثمانی صاحب نے وہ تاویل میں پڑے ہیں ہر جگہ۔ کئی جگہ وہ تاویل بڑی ہی کمزور ہے تو یہ تاویل کا راستہ صحیح نہیں ہے۔ وہ معصوم نہیں تھے، انبیاء نہیں تھے، محفوظ بھی نہیں تھے۔ یہ معصوم اور محفوظ تو ایک ہی چیز ہے۔ ان میں کوئی فرق ہے؟ اللہ نے ان کو معاف کر دیا تو صحابہ کا دفاع یوں ٹھیک نہیں ہے کہ ان کی غلطیوں کی تاویل شروع کر دو۔“ (چارج شیٹ ص ۱۰)

مولانا تقی عثمانی صاحب نے جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع کیا تو موصوف نے اسے کمزور تاویل قرار دیا اور جب عثمانی صاحب نے اہل تشیع کی تحفیر کے حوالے سے برصغیر کے جید علمائے کرام اور منتقدان عظام کے متفقہ فتویٰ (جسے مولانا منظور احمد نعمانی نے مرتب فرمایا تھا) کے ساتھ اختلاف کیا تو مولانا طارق جمیل صاحب نے فرمایا کہ:

”اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں بڑے راسخ لوگ دیے ہیں۔ مفتی تقی عثمانی صاحب اس وقت حجت ہیں۔ عالمی سطح پر اس شخص کا علم مانا ہوا ہے۔“ (چارج شیٹ ص ۱۶)
بہر حال چارج شیٹ کے منظر عام پر آنے اور بعض علماء کی گرفت کے بعد مولانا طارق جمیل نے حسب ذیل وضاحت جاری کی کہ:

”میرے تمام تر عقائد وہی ہیں جو زبدۃ المحدثین شارح سنن ابی داؤد حضرت مولانا ضلیل احمد سہارنپوری کی عمدہ تالیف ”المعتمد علی المفند“ میں اور تحکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کے عقائد پر تحریر کردہ رسائل میں درج ہیں۔

باقی اگر میرے بعض درسی بیانات میں اس سے مختلف تاثر پایا جاتا ہے تو وہ میری تعبیر کی

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقلدین مولانا طارق جمیل

غلطی ہے عقیدے کی غلطی نہیں۔ میں اس پر معذرت خواہ ہوں۔ آئندہ پوری احتیاط کروں گا۔“

(ماہنامہ حق چار یا رس ۲۹۔ جون ۲۰۰۹ء)

اس معذرت نامے پر اگرچہ تاریخ درج نہیں ہے لیکن بعد میں مولانا طارق جمیل صاحب نے یہ رجوع نامہ باقاعدہ لفظ ”رجوع“ کی تصریح کے ساتھ بقلم خود اور مع دستخط و تاریخ (۷ جولائی ۲۰۰۹ء) مفتی محمد عیسیٰ خان صاحب کو ارسال کر دیا جس کا ٹکس موصوف نے اپنی کتاب ”کلمۃ الہادی“ کے آخری صفحہ پر شائع کر دیا ہے۔

مؤثر انداز کر رجوع نامے میں مولانا طارق جمیل صاحب نے سابقہ ”معذرت نامے“ کی عبارت میں اس پر معذرت خواہ ہوں۔ آئندہ پوری احتیاط کروں گا، ”کو“ میں اس سے رجوع کرنا ہیوں اور آئندہ پوری احتیاط کروں گا“ کے الفاظ سے تبدیل کر دیا۔ جب کہ باقی عبارت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کیا اس مبہم رجوع سے مولانا طارق جمیل صاحب نے ”چارچ شیٹ“ میں مذکور اپنے تمام غلط افکار و نظریات سے رجوع کر لیا ہے؟

”رجوع نامے“ میں کتاب ”المہند علی المغند“ کا حوالہ دیا گیا تھا جو بعد میں عقائد علمائے دیوبند کے نام سے (مع عربی متن و ترجمہ) مکتبہ حنفیہ جامع مسجد گنبدوائی جہلم کی طرف سے ۱۳۸۲ھ میں شائع ہوئی۔

کتاب مذکور دراصل مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کی تالیف ”حسام الحرمین“ مطبوعہ ۱۳۴۵ھ کے جواب میں لکھی گئی تھی۔

”حسام الحرمین“ میں فاضل بریلوی نے حرمین شریفین کے علماء کی تصدیقات کے ساتھ اکابر علماء دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا خلیل احمد سہارنپوری اور مولانا اشرف علی تھانوی کی عبارات پر قطعی تکفیر کا فتویٰ صادر کیا اور یہاں تک لکھا کہ: ”جو شخص ان کو کافر نہ کہے وہ بھی کافر ہے۔“

حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی مساعی جمیلہ سے علمائے حرمین شریفین نے چھبیس سوالات اکابر دیوبند کو جواب کے لیے ارسال کیے۔ جن کے جوابات پر مشتمل مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے اکابر دیوبند و دیگر علماء کی تصدیقات کے ساتھ ۱۳۴۵ھ میں ہی ”المہند علی المغند“ کے نام سے ایک کتاب شائع کر دی۔ اس کتاب میں چھبیس سوالات میں سے ایک سوال بھی ایسا نہیں ہے جو مولانا طارق جمیل صاحب کے خلاف ”مفرد جرم“ میں مذکور نظریات کے ساتھ کوئی ادنیٰ مطابقت بھی رکھتا ہو۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین مولانا طارق جمیل

مشاجرات صحابہ یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے دوسرے سے کوئی سوال ہی نہیں ہے لہذا مولانا طارق جمیل صاحب کا ”المہند علی المہند“ میں مذکور علمائے دیوبند کے عقائد کے ساتھ متفق ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا اور نہ ہی اسے رجوع کا نام دیا جاسکتا ہے۔

علاوہ ازیں اس رجوع نامے میں موصوف کا یہ فرمانا کہ:

”اگر میرے بعض درسی بیانات میں اس سے مختلف تاثر پایا جاتا ہے تو وہ میری تعبیر کی غلطی ہے، عقیدے کی غلطی نہیں۔ میں اس سے معذرت خواہ ہوں، آئندہ پوری احتیاط کروں گا۔“
”چارچ شیٹ“ کے سرسری مطالعے کے بعد کوئی عام شخص بھی اسے ”تعبیر کی غلطی“ قرار نہیں دے سکتا۔

کیا امام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ کی طرف قبیح ترین اور گروہ ترین لفظ منسوب کرنا تعبیر کی غلطی ہے؟

کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علیؑ اور سیدہ فاطمہؑ کے کردار کا تو بین امیر نقشہ کھینچنا تعبیر کی غلطی ہے؟

یہ ملحوظ رہے کہ موصوف نے اپنے ایک بیان میں فرمایا کہ:

”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں سیدہ فاطمہؑ کو اس دیکھا۔ استفسار پر معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ سے جھگڑا ہو گیا ہے۔ حضرت علیؑ کو تلاش کیا تو انہیں مسجد میں لیٹے ہوئے پایا، فرمایا: ”قم یا اباترا“ ۴۱ ابوتراب کھڑے ہو جاؤ۔

ابوتراب کے لفظ سے مخاطب کرنے کا مقصد یہ تھا کہ میں تجھ سے راضی ہوں۔ پھر ان کو گھرائے۔ خود بیچ میں لیٹ گئے۔ حضرت علیؑ کو دائیں طرف لٹایا اور سیدہ فاطمہؑ کو بائیں طرف۔ لیٹے لیٹے حضرت علیؑ اور سیدہ فاطمہؑ کا ہاتھ پکڑا اور اپنی ناف کے اوپر لاکر دونوں کا ہاتھ آپس میں ملا دیا۔ فرمایا: اب صلعم ہو گئی۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر نکل پڑے خوش خوش تو صحابہؓ نے کہا بڑے خوش نظر آ رہے ہیں تو فرمایا: علیؑ اور فاطمہؑ کی صلعم کرا کے آیا ہوں۔“ (مخلص)

کیا صحابہ کرامؓ کو نہایت حقین کے ساتھ دنیا کا طلب گار قرار دینا تعبیر کی غلطی ہے؟

کیا حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کا امتحان لے کر انہیں ۹۹% نمبروں سے زیادہ کا مستحق قرار دینا تعبیر کی غلطی ہے؟

کیا مسئلہ فدک پر حضرت عباسؓ اور حضرت علیؑ کے باہمی اختلاف کی نفی کر کے حضرت عمرؓ

کو تب ہم قرار دینا تعبیر کی غلطی ہے؟

حضرت عمرؓ کے بارے میں یہ ریہا کس دینا کہ:

”تو حضرت عمرؓ ایسے بیگنی ٹی بنے سن رہے، ایسے سن رہے،“ کیا تعبیر کی غلطی ہے؟

(ملاحظہ ہو بیانات طارق جمیل ص ۸۳۔ جلد دوم مکتبہ رحمانیہ لاہور)

حدیث رسولؐ ”ما انا علیہ واصحابی“ کے علی الرغم ۲ فرقوں کو بھی بالآخر ناجی قرار دینا تعبیر کی غلطی ہے؟

کیا جملہ صحابہؓ کو کافر قرار دینے والے کی عدم تکفیر کا قائل ہونا تعبیر کی غلطی ہے؟

کیا اہل تشیع کی اکثریت کو تحریف قرآن سے مبرا قرار دینا تعبیر کی غلطی ہے؟

کیا عقیدہ ”عصمت ائمہ“ کو نقیض ختم نبوت نہ تسلیم کرنا تعبیر کی غلطی ہے؟

مولانا حق نواز جتھنکوی، مولانا ضیاء الرحمن فاروقی، مولانا محمد اعظم طارق اور مولانا علی شیر حیدری کی خطاؤں کو اجتہادی خطا تسلیم کر لیا جائے لیکن صحابہ کرامؓ کی خطاؤں کو خطائے اجتہادی قرار نہ دینا بھی کیا تعبیر کی غلطی ہے؟

کیا اہل تشیع کی تکفیر کے حوالے سے جمہور علماء حق اور مفتیان عظام کے متفقہ فیصلہ میں بیان کردہ وجوہ کفر (عقیدہ امامت، تحریف قرآن اور تکفیر صحابہؓ) کے ساتھ عدم اتفاق تعبیر کی غلطی ہے؟ کیا ان ضال اور مضلل کافر گروہوں کی وکالت کرنا اور صفائی پیش کرنا تعبیر کی غلطی ہے؟ کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو چھوٹے درجے کا صحابی تسلیم کرنا تعبیر کی غلطی ہے؟ کیا حضرت معاویہؓ کو درجے میں عبداللہ بن عمرؓ کے کاخن کے برابر بھی نہ سمجھنا تعبیر کی غلطی ہے؟ کیا حضرت معاویہؓ کی خطا کے ساتھ ”اجتہادی“ کے اضافے کو ”ساجتے، لاجتے“ قرار دینا تعبیر کی غلطی ہے؟

کیا ”چارچ شیٹ“ میں مذکور دیگر باطل نظریات سے قطع نظر صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے ہی موصوف کے افکار و نظریات کو تعبیر کی غلطی قرار دیا جاسکتا ہے؟

مولانا مفتی محمد عیسیٰ خان گورمانی اور مولانا محمد نواز بلوچ کی مرتبہ ”چارچ شیٹ“ میں مذکور جہانم یا افکار و نظریات کو تعبیر کی غلطی باور کرنا، سمجھنا اور تسلیم کرنا یقیناً ”خطائے منکر، خطائے اعتقادی اور خطائے عنادی“ ہے، جو مولانا طارق جمیل صاحب کے ایک مبہم اعلان سے تعبیر کی غلطی میں ہرگز تبدیل نہیں ہو سکتی۔ پھر اس پر ”معذرت خواہی“ کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟ سچی بات تو یہ ہے

کہ خواص ”معدرت“ پر یہ مقولہ صادق آتا ہے کہ: ”معدرت را خندہ می آید بر استعداد“
 مولانا طارق جمیل صاحب ”خواص“ کی ایک جماعت کے ساتھ حویلیاں تشریف لائے۔
 خود سابق ناظم ملک حبیب الرحمن صاحب کی کٹھی پر قیام پذیر رہے جب کہ باقی افراد جماعت مرکزی
 جامع مسجد میں ٹھہرے رہے۔ اسی قیام کے دوران ۱۳ جولائی ۲۰۱۲ء کو موصوف مشہور دشمن معاویہ رضی اللہ
 عنہ محمود شاہ محدث ہزاروی (جن کے نظریات گزشتہ صفحات میں قارئین ملاحظہ کر چکے ہیں) کی خانقاہ
 پر بھی اپنے میزبان اور سابق وائس چیئرمین خالد پرویز صاحب کی معیت میں تشریف لے گئے
 جہاں ان کے صاحبزادے اور علمی و فکری جانشین سید محی الدین محبوب حنفی قادری کے ساتھ ملاقات
 اور تبادلہ خیال کا ”شرف“ حاصل فرمایا۔ نگلے دن اس ملاقات کی تصاویر بھی اخبارات کی زینت بنیں۔
 نام نہاد ”محدث ہزاروی“ کی خانقاہ پر حاضری اور ان کے جانشین سے ملاقات کا مقصد
 ”دعوت تبلیغ“ تو ہرگز نہیں تھا کیونکہ اس خانقاہ میں نہ صرف یہ کہ ہر دور میں ”تبلیغی جماعت“ کا
 داخلہ بند رہا ہے (اور ملاقات کے بعد بھی بدستور بند ہی ہے) بلکہ محدث ہزاروی نے تحریر او
 تقریر اعلیٰ دیوبند کی تحفیر بھی کی ہے چنانچہ موصوف اپنی کتب میں ”براہین قاطعہ، تقویت
 الایمان، حفظ الایمان، بلغة الحیران“ کے مصنفین مولانا خلیل احمد سہانپوری، شاہ اسماعیل شہید،
 مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا حسین علی اور شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان کے متعلق لکھتے ہیں کہ:
 ”مسوایوں کے نمائشی علم دین پر صحیح العقیدہ، ماخوانہ مسلمان بھی اعتنا نہیں کر سکتا، ورنہ کسی عالم
 دین سے ممکن نہیں کہ ان پر دین، اسلام، ایمان کا اطلاق بھی روا رکھے بلکہ علماء اسلام تو ایسے
 منکروں کو تمام شرکوں سے بلکہ دہریوں سے بدتر و گمراہ جانتے ہیں اور ان کو اپنی خواہش نفس کے
 پجاری بتاتے ہیں اور اس میں کیا شک ہے جو باوعاء مسلمانی و نمائش ایمانی کے باوجود اللہ، رسول
 کے فرمان پاک کو بمقابلہ قول کسے چھوڑ دے اور اللہ و رسول کے ادب و عشق کے برخلاف راہ چلے
 وہ شرکوں اور دہریوں سے گھٹ کر کیسے ہے؟ اسے انہیں کاشریک حال ہمارے علماء اسلام و مشائخ
 اہل سنت و جماعت نے بتایا ہے۔“ (جامع الخیرات ص ۵۴۰-۵۴۱)

موصوف حضرت تھانوی کی ایک عبارت (حفظ الایمان) کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

”کتاب و سنت و آثار کی رو سے یہ کلام کمال توہین و استخفاف مرتبہ نبوت ہے۔ اور ابانت
 و استخفاف انبیاء قطعاً کفر و ارتداد ہے۔.....“

لیکن ان گستاخان مصطفیٰ و علماء سوء نے محض اپنے مدرسہ دیوبند کی فضیلت بیان کرنے کو یہ

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین مولانا طارق جمیل

افسانہ گھڑا اور تنقیص رسالت کے مرتکب ہو کر اپنی آخرت پر باد کر بیٹھے
یہ کانگریس ملا میں تم کو بتاؤں کیا ہیں گاندھی کی پالیسی کے عربی میں ترجمہ ہیں
(مسنون وعائیں ص ۲۵، ۳۵)

مولانا طارق جمیل صاحب کا ایک منکر صحابیت معاویہ رضی اللہ عنہ، شاتم معاویہ رضی اللہ عنہ اور منکر علمائے دیوبند کی خانقاہ پر حاضری کا متفقد بعض نظریات میں ہم آہنگی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ کوکہ موصوف تو ہیں و تحقیر صحابی میں اس حد تک نہیں گئے تاہم جزوی طور پر تو ہیں معاویہ رضی اللہ عنہ کے ضرور مرتکب ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ”خانقاہ محمودیہ“ اور امام بارگاہ کے عین وسط ”ریلوے گراؤنڈ“ میں سلج پر موصوف کے پہلو میں ”محدث ہزاروی“ کے ایک دوسرے صاحبزادے سید عبدالقادر شاہ بھی تشریف فرما تھے موصوف نے ہزاروں کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے وہی تاریخی مذبذبات اور تھمسی پھمسی ضعیف، منکر اور موضوع دلیات بیان فرمائیں بلکہ ”مرزئی“ حالات کا مشاہدہ کرتے ہوئے مسلم بن عقبہ کی قبر بھی جہنم کے انگاروں سے بھری ہوئی بتائی۔ جن سے متاثر ہو کر گلانی اور اسماعیلی سبائیوں نے خوب داد و تحسین دی تو ہیں صحابہ کے سلسلہ میں موصوف کی ”جسارت“ میں کمی آنے کے بجائے اضافہ ہی ہوتا رہا۔ موصوف نے رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ کے آخری عشرے کے آغاز میں پاکستان ٹیلی ویژن کے پروگرام ”روشنی کا سفر“ میں کروڑوں مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے سیدنا مروان بن الحکمہ خاتمہ کی خبر سنائی کہ مرتے وقت اس کا چہرہ قبلہ سے ہٹ جاتا تھا۔ العیاذ باللہ

مولانا طارق جمیل صاحب حضرت معاویہ اور حضرت مروان رضی اللہ عنہما کے بارے میں تو تنقیص و توہین پر مبنی کلمات بے دریغ استعمال کر لیتے ہیں مگر دوسری طرف اس قدر وسیع انظر ف اور وسیع القلب ہیں کہ مشہور فلم اسٹار ”وینا ملک“ کے ساتھ بخوشی اور بلا تکلف دوہی میں شاہی ظہرانے اور عشاء یہ میں شرکت فرما لیتے ہیں۔ (روزنامہ دنیا ۱۶ جنوری ۲۰۱۴ء) پھر جب وینا ملک کے بااں امریکا کے ایک ہسپتال میں بیٹے کی پیدائش ہوئی تو وینا ملک اور اسد خٹک نے مدینہ منورہ میں موجود مولانا طارق جمیل صاحب کو اس سے آگاہ کیا تو انہوں نے دونوں کو مبارکباد دی اور موبائل فون پر نومولود کے کان میں اذان دی۔ (روزنامہ دنیا ۲۵ ستمبر ۲۰۱۴ء)

اس اذان کی شرعی حیثیت تو مفتیان کرام ہی واضح کر سکتے ہیں البتہ نومولود کے ”سعادت مند“ ہونے میں کوئی شک نہیں۔

قالی اللہ الممشکی من زمان قد امتلا جوراً وظلماً وتوهيناً وقباحة۔

۴۴۔ شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا صاحب

پاکستان کے دینی، تحرکی اور علمی حلقوں میں مولانا اللہ وسایا صاحب کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے بلائٹک وشبہ روح رواں ہیں۔ ”محتساب تقادینیت“ کی تشکیل یقیناً ان کا ایک اہم کارنامہ ہے۔ عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے سلسلہ میں ان کی ”مفید، مثبت، تعمیری، تحریری، تقریری اور تحقیقی“ کاوشیں بھی عیاں ہیں۔

”انسان“ خطا کا پتلا تو ہے ہی مگر وہ جب اپنے مخصوص دائرے سے باہر نکلے گا اور دوسرے شعبوں کے بارے میں بھی ”ماہرانہ“ رائے دے گا یا اپنے ہی شعبہ میں مطالعہ اور تحقیق کے بغیر تحریر یا تقریر اظہار خیال کرے گا تو اس سے صرف غلطی ہی نہیں بلکہ ”غلطاً“ بھی سرزد ہوگا۔ ”غلطاً“ کی ”اصطلاح“ بھی موصوف کی اپنی ہی وضع کردہ ہے۔ (ماہنامہ لولاک مارچ/اپریل ۲۰۱۱ء ص ۵۲) اسی طرح کا بلکہ اس سے کئی گنا زیادہ ایک ”غلطاً“ ان سے اس وقت سرزد ہوا جب انہوں نے اکتوبر ۲۰۱۳ء کے ”لولاک“ میں ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کا توہین بلکہ تکفیر صحابہ پرچہ ایک پرانا اور بدبو دار مضمون گلاب کے پھولوں میں سجا کر شائع کیا۔

”لولاک“ کے مذکورہ شمارے میں کل پندرہ عنوانات فہرست میں دیئے گئے ہیں جن میں سے صرف چار عنوانات کا تسلسل پر ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں سے ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کے توہین صحابہ پرچہ انتہائی دل آزار، متعفن اور بدبو دار مضمون ”واقعہ کر بلا اور اس کا پس منظر“ کا تجزیہ، ”کون خاص طور پر“ ہائی لائٹ کر کے ”گلاب کے پھولوں“ میں سجا کر قارئین کو اس کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں مولانا اللہ وسایا صاحب نے مضمون کے بعض مقام قلم زد بھی کئے اور ایک آدھ مقام پر جلی عنوان بھی قائم کیا (جو اصل مضمون میں نہیں تھا) اس سے موصوف کی مضمون کے ساتھ نہ صرف ذاتی دلچسپی اور قصد و نیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے بلکہ بعد میں ان کے ”معمومانہ اعتذار“ کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے۔

یہی نہیں بلکہ موصوف نے اسی زیر بحث شمارہ کے ادارہ (کلمۃ الیوم) میں قارئین کو یہ نوید بھی سنائی کہ ”قارئین تک یہ شمارہ (سالانہ ختم نبوت) کانفرنس (منعقدہ ۲۵ اکتوبر ۲۰۱۳ء) سے قبل پہنچ جائے گا اور آپ سب اس کو پڑھ کر کانفرنس پر پہنچ جائیں گے“ (ماہنامہ لولاک۔ اکتوبر ۲۰۱۳ء ص ۵)

موصوف نے محرم ۱۴۳۵ھ کی آمد سے ایک ماہ قبل بالکل غیر ضروری طور پر ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کا ”خلیظ“ مضمون ختم نبوت کے ترجمان رسالہ میں اپنے حسب ذیل تعارفی کلمات کے ساتھ شائع کیا:

واقعہ کر بلا اور اس کا پس منظر..... کا تجزیہ

یہ کتاب یزیدیت کی پیروی کا نیا کملہ ہے۔

مولانا عبداللہ عباس ندوی

(لکھنؤ میں مولانا محمد منظور نعمانی کے صاحبزادہ نے ”واقعہ کر بلا اور اس کا پس منظر“ لکھی۔ اس پر مولانا ابوالحسن علی ندوی کے حلقہ کے ایک صاحب نے تبصرہ لکھا جو ریکارڈ میں محفوظ کرنے کے لئے پیش خدمت ہے۔ یہ دارالعلوم کے پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنؤ ۱۰ مارچ ۱۹۹۲ء سے ماخوذ ہے۔ ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ ادارہ)

مذکورہ تمہیدی اور تعارفی کلمات کے بعد از صفحہ نمبر ۱۹ تا ۲۵ یعنی پورے سات صفحات میں ڈاکٹر صاحب کا مضمون نقل کیا گیا ہے۔

مولانا اللہ وسایا صاحب نے تو جین صحابہ یعنی اس بدیو دار مضمون کو اس کی اشاعت اولین کے اکیس سال بعد ”ریکارڈ“ میں محفوظ کرنے کے لئے پورے اہتمام کے ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا: ”ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں“ کا ”نوٹ“ لکھ دینے سے صحابہ کرامؓ کی تو جین اور بے ادبی میں کوئی ”تخفیف“ واقع ہو جاتی ہے؟ کیا ادارہ (جو صرف موصوف خود ہیں) اس تو جین آمیز مضمون کی اشاعت پر عند اللہ وعند الناس یہی الذمہ قرار دیا جاسکتا ہے؟

اگر بالفرض..... موصوف یا ادارہ کا زیر بحث مضمون کے مندرجات کے ساتھ اتفاق نہیں تھا تو پھر اسے کس کے ”ریکارڈ“ میں محفوظ کرنے کے لئے ”لولاک“ جیسے مذہبی رسالے میں شائع کرایا گیا؟ کیونکہ موصوف یا ”ادارہ“ کے ریکارڈ میں تو پہلے سے ہی محفوظ تھا۔

موصوف کو اس بات کا خدشہ تھا کہ اکیس سال پرانا مضمون (جو صرف اور صرف لکھنؤ میں شائع ہوا تھا) جس سے پاکستان کے مسلمان مسلسل ”محروم“ چلے آ رہے تھے اور ”خیاس“ کے ذہن سے بھی محو ہو گیا ہوگا لہذا اسے ”مازہ“ کرنے اور ”ریکارڈ“ میں محفوظ کرنے کے لئے دوبارہ شائع کرنا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں موصوف کی ”مائٹنگ“ (یعنی محرم سے ایک ماہ قبل) یقیناً قابلِ داد ہے کیونکہ ۱۵ نومبر ۲۰۱۳ء، محرم ۱۴۳۵ھ کو دارالعلوم تعلیم القرآن کا سانحہ رونما ہو گیا۔

یہ ملحوظ رہے کہ دارالعلوم تعلیم القرآن ”اشاعت ابو حیدر السہ“ کا مرکز ہے اور اس جماعت کو

”پتھری ویزیدی“ کے ناموں سے بھی مطعون کیا جاتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل وضاحت ہے کہ ”تغیر حیات“ میں ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کے مضمون کا عنوان یہ تھا:

واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر۔

تغیر حیات کا تبصرہ

از قلم مولانا عبداللہ عباس ندوی

مگر اس کے برعکس مولانا اللہ وسایا صاحب نے ماہنامہ لولاک میں تغیر حیات لکھنؤ (۱۰ مارچ ۱۹۹۲ء) کے حوالہ سے ہی ڈاکٹر صاحب کا تبصرہ اس عنوان کے تحت شائع کیا ہے:

واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر..... کا تجزیہ

یہ کتاب یزیدیت کی پیروی کا نیا گملہ ہے۔

اس عنوان اور ترتیب سے تو یہی مفہوم سمجھ میں آتا ہے کہ عنوان میں مذکور ”یہ کتاب یزیدیت کی پیروی کا نیا گملہ ہے“ کے الفاظ بھی ڈاکٹر صاحب کے ہی ہیں لیکن راقم الحروف کے پاس تغیر حیات کے مضمون کا مکمل نوٹ ہے اور اس میں مذکورہ الفاظ نہ صرف عنوان بلکہ پورے مضمون میں کہیں بھی نہیں ہیں۔

عنوان میں مولانا اللہ وسایا صاحب کے ”مضافہ“ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ڈاکٹر صاحب کے مضمون کے ”بظن عمیق“ مطالعے کے بعد موصوف کا اخذ کردہ اپنا نتیجہ ہے جسے اس خوبصورتی اور مہارت کے ساتھ عنوان کا حصہ بنا دیا گیا ہے کہ پڑھنے والا اسے ڈاکٹر صاحب کا ہی عنوان قرار دے۔ طرفہ تماشایہ کہ اس قدر اہتمام اور تعارفی سطور کے ساتھ اشاعت کے باوجود یہ بھی لکھ دیا گیا ہے کہ ”مدارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں“

یہاں ”مدارہ“ سے مراد موصوف کی اپنی ذات ہے اگر انہیں بالفرض مضمون کے مندرجات کے ساتھ اتفاق نہیں تھا تو پھر صحابہ کرامؓ کی توہین پرچنی اس مضمون کی اکیس سال بعد محرم کے آغاز سے عین ایک ماہ قبل اشاعت کی ضرورت کس داعیہ کے تحت محسوس ہوئی؟ آخر اس بات کہ ”ریکارڈ میں محفوظ کرنے کے لئے پیش خدمت ہے“ اور ”مدارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں“ میں کیا رابطہ اور جوڑ ہے؟

اس توہین آمیز مضمون کی اشاعت کے بعد چند حضرات کے احتجاج اور توجہ دلانے پر موصوف نے لولاک کے اگلے شمارے میں قارئین سے معذرت کر لی۔ چونکہ زیر نظر کتاب میں ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کے اصل مضمون پر تبصرہ پیچھے گزر چکا ہے جس کی پاکستان میں تازہ اشاعت میں صرف اور صرف

مولانا اللہ وسایا صاحب کی تمام تر ذاتی کاوشیں شامل ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی ریکارڈ میں محفوظ کرنے کے لئے اسے جوں کا توں نذر قارئین کر دیا جائے:

ضروری اعتذار

ندوة العلماء لکھنؤ کا ترجمان رسالہ ”تغیر حیات“ ہے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی تاریخ اسلام کی اشاعت میں گراں قدر خدمات حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کی سرپرستی میں شائع ہونے والے اس رسالہ میں ندوہ کے نہ صرف فاضل بلکہ ناظم تعلیمات مولانا عبداللہ عباس ندوی کا ایک ویسے مضمون تھا۔ کسی نے اس کی فوٹو بھجوائی جو عرصہ سے بغیر پڑھے رکھ دی تھی۔ اب حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی کی نئی کتاب ”محمود عباسی نظریات کا تحقیقی جائزہ“ تبصرہ کے لئے آئی تو فقیر نے عبداللہ عباس ندوی کا وہ مضمون جو ایک کتاب ”واقعہ کر بلا اور اس کا پس منظر“ پر تبصرہ تھا اسے بھی یہاں ریکارڈ کے لئے شائع کیا۔ کیونکہ محمود عباسی اور متیق سنہلی دونوں یزیدیت کے علمبردار اور ان کی کتابیں یزیدیت کی پیروی کا نیا گملمہ ہیں۔ ماہنامہ لولاک کی ترتیب کی تمام تر ذمہ داری فقیر کے ذمہ ہے۔ شوال المکرم تا ذی الحجہ شب و روز تین ماہ کے طوفانی اسفار رہے۔ ختم نبوت کانفرنس چناب گمر کی تیاری کی مصروفیت علاوہ ازیں تھی۔ چنانچہ ماہنامہ لولاک کے یہ شمارے بھاگم بھاگم میں مرتب ہوئے۔ اس مصروفیت میں ندوہ کے مام و کام کے اعتماد میں مولانا عبداللہ عباس ندوی کا مضمون وقت نظر سے نہ پڑھا جاسکا۔ سرسری اور سطحی نظر سے دیکھا۔ بعض مقام قلم زد بھی کئے۔ ”ادارہ کا مضمون سے اتفاق ضروری نہیں“ کا نوٹ لگا کر جلدی میں کمپوزنگ کے لئے بھجوا دیا۔ ایسی چیزوں کی کمپوزنگ کے بعد کانسٹ چھانٹ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان کہ پروف ریڈنگ بھی اپنی مصروفیات کے باعث فقیر نہ کر پایا۔ جب ذی الحجہ کا پرچہ چھپ کر آیا تو بعض ہی خواہاں نے توجہ دلائی کہ اس میں سیدنا حضرت سنیان ایسے حضرات سے متعلق ایسی بات آگئی ہے جو کسی بھی طور پر کسی بھی مسلمان کے ایمانی تقاضا کے منافی ہے۔

امیر مرکز یہ حضرت مولانا عبدالجید لدھیانوی، حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، حضرت مولانا عزیز الرحمن جالندھری، مولانا صاحبزادہ عزیز احمد، حضرت مولانا عبدالرؤف، مولانا محمد طیب فاروقی اسلام آباد اور دیگر احباب نے توجہ دلائی۔ جامعہ نعمانیہ ڈیرہ اسماعیل خان کے مولانا احسان اللہ احسان کے خط سے معلوم ہوا کہ اس مضمون سے خود مضمون نگار نے بھی رجوع کیا تھا۔ دارالعلوم دیوبند میں اس کا جواب بھی لکھا گیا۔ مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا ابوالحسن علی ندوی کی اس پر خط و کتابت بھی ہوئی۔ فقیر کے لئے یہ تمام معلومات نئی تھیں، اپنی لاعلمی پر بہت ہی ترس آیا۔ حضرات صحابہ کرام حضرتات

اہل بیت عظامؑ کی محبت اور ان کا احترام تمام مسلمانوں کے ایمان کا حصہ ہے۔

اس مضمون کے قابل اعتراض حصوں پر جتنی اور اہل اسلام کی دل آزاری ہوئی، ان سب سے بڑھ کر اکیلے فقیر راقم اس سے دل گرفتہ ہوا۔ غفلت چاہے غیر ارادی تھی لیکن اس کا باعث فقیر بنا۔ اس پر اللہ رب العزت کے حضور تمام قارئین کے سامنے استغفار کرتا ہوں۔ تمام قارئین جن کی دل آزاری ہوئی، سے معذرت چاہتا ہوں۔ اللہ رب العزت جو دلوں کے رازوں کو جانتے ہیں وہ فقیر کی اس غیر ارادی غلطی کو معاف فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کو جزائے خیر سے نوازیں جنہوں نے اس پر تنبیہ فرمائی۔ میں انہیں یقین دلانا ہوں کہ مجھ کو تعالیٰ کسی بھی مسلمان سے اصحاب کرامؑ و اہل بیت عظامؑ سے محبت اور ان کے احترام میں کم نہیں ہوں۔ لولا کہ کاریکار ڈگواہ ہے کہ جب سے اس کی ترتیب فقیر کے ذمہ لگی ہے اس دن سے کوئی شمارہ صحابہ کرامؑ، اہل بیت عظامؑ کے ذکر مبارک سے خالی نہیں۔ یہ کسی پر احسان نہیں بلکہ یہ بات ایمان کا حصہ اور عین تقاضا ہے۔ مگر بایں ہمہ انسان نسیان و خطا کا پتلا ہے۔ آئندہ کے لئے بھی دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ایمان و اسلام کی سلامتی سے سرفراز فرمائیں اور خطاؤں سے محفوظ رکھیں۔

وما ذالك على الله بعزيز۔ امين بحرمۃ النبی الکریم

راقم (مولانا) اللہ وسایا

(ماہنامہ لولا کہ ملتان نومبر ۲۰۱۳ء میں اندرون ہاسٹل)

ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی کا سات صفحات پر مشتمل توہین آمیز مضمون اور موصوف کا ایک صفحہ پر ”ضروری اعذار“ پڑھنے کے بعد اس ”معذرت“ پر یہ مقولہ صادق آتا ہے کہ:

”معذرت را خندہ می آید یا استعذار“

قارئین کرام! جس صفحہ پر سب سے زیادہ توہین آمیز مواد ہے اسی صفحہ کا آغاز مولانا اللہ وسایا صاحب نے باقاعدہ عنوان قائم کر کے کیا ہے کہ:

در حقیقت مصنف کو جو الجھن پیش آئی ہے اس کے دو اسباب ہیں

جبکہ ڈاکٹر صاحب کے مضمون میں یہ عنوان نہیں ہے بلکہ مسلسل عبارت ہے۔

یہ ممکن ہے کہ مولانا اللہ وسایا صاحب نے باقی مضمون ”سرسری اور سطحی“ نظر سے دیکھا ہو لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ توہین سے بھرپور صفحہ انہوں نے ”سرسری اور سطحی“ نظر سے دیکھا ہے۔ زیر بحث صفحہ انہوں نے نہایت ہی غور و خوض اور ”وقت نظر“ سے پڑھا ہے کیونکہ اسی کے ”پہلے پیرا گراف“ سے

انہوں نے چند سطور قلم زد کی ہیں جبکہ اس کے آگے پیچھے سارا تحفیری مواد موجود تھا۔

قارئین کرام! ہمارا نامہ لولاک (اکتوبر ۲۰۱۳ء) صفحہ نمبر ۲۱ سے قلم زد جسے سمیت سیاق و سباق ملاحظہ فرمائیں:

”ایک یہ کہ انہوں نے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا کہ تاریخ کا کوئی حادثہ یا واقعہ ماضی سے جدا کر کے ایک اکائی کی شکل میں نہیں دیکھا جاسکتا۔ کربلا کا واقعہ بنو امیہ اور بنو ہاشم کی دیرینہ عداوتوں کا ایک منطقی نتیجہ (Quence cose) تھا (جبکہ اصل مضمون میں یہ لفظ Cose Quence ہے) وہ خدا و تمس جو ظہور اسلام کے بعد بہت طاقتور شکل میں ابھر کر سامنے آئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ۲۳ سالہ عرصہ نبوت میں ۲۱ سال تک بلکہ ساڑھے اکیس سال تک شد و مد سے قائم رہیں۔ غزوہ بدر میں مسلمان فوج کی کامرانی نے جس طبقہ کو سب سے زیادہ براہ فرودختہ کیا اس کے سربراہ ابوسفیانؓ تھے۔ اسی طرح غزوہ احد میں ان کا اور ان کی اہلیہ جگر خوار جزرہ، ہندہ کا کردار یہ سب وہاں تھے جن میں مؤرخین کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(اس کے بعد مولانا اللہ وسایا صاحب نے حسب ذیل سطور قلم زد فرمائی ہیں:)

فتح مکہ کے بعد یہ گروہ اسلام لایا (یا بقول سید قطب شہید کے استسلام کیا) مگر اس استسلام کے بعد اچانک ایک لہ میں ایسی تبدیلی ہو گئی کہ وہ بدر کا غم بھول گئے، اپنی امانیت کو بھول گئے، عقلاً محال بات ہے اور“

(اس قلم زد جسے کے بعد اسی صفحہ بلکہ اسی سطر سے تسلسل کے ساتھ مضمون جاری ہے۔ موصوف نے غلٹ میں ”خطرناک“ لفظ ”اور“ کو بھی قلم زد کر دیا جبکہ یہ اگلے جملے کا حصہ ہے) صحاح کی مستند روایات سے ثابت ہے کہ ہندہ نے بیعت کے الفاظ دہراتے ہوئے بھی اپنے اندرونی کرب و غم اور غیظ و غضب کا اظہار کیا تھا۔

حضرت ابوسفیانؓ (جبکہ اصل مضمون میں علامت ترضی یعنی ”وہ“ نہیں ہے) نے احتجاج کیا تھا کہ اب وہ دن آگیا ہے کہ یہ پسماندہ (یعنی ابو بکرؓ) ہم اشراف پر فوقیت دینے جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ کے خلاف حضرت علیؓ کو اکسانے کی کوشش بھی ان سے ثابت ہے۔

اسلام کے پورے طور پر فاتح ہو جانے کے بعد جب مقاومت کی تمام راہیں مسدود ہو گئی تھیں اس عرصہ مختصر میں اس گروہ کی طرف سے کسی واضح دشمنی کا ثبوت تاریخ میں نہیں ملتا مگر جس

طرح صلیبیوں کے دل میں صلیبی جنگوں میں شکست کا غم و غصہ آج تک موجود ہے، اسی طرح اس گروہ میں بدر کے انتقام کا جذبہ سینہ کے اندر بھڑکتی ہوئی آگ کی طرح جوش مارتا رہا۔

حضرت عثمانؓ کی خلافت نے اہل اسلام کی طرف سے ان کے عناوہ کو ختم کیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ان کا دل صاف نہیں ہوا۔ احمد امین نے ”فجر الاسلام“ اور اس کے مقدمہ میں طحسین نے اس کی نشان دہی کی ہے۔ ممکن ہے یہ تجزیہ غلط ہو مگر یہ غلط نہیں ہے کہ جرہ اور کربلا کے واقعات کو ان خلفیات سے جدا کر کے نہیں دیکھا جاسکتا..... اس حادثہ کا سرِ احقر حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد سے نہیں، غزوہ بدر کے واقعات سے مربوط کیا جائے تو تاریخی، احداث کی کڑیاں ایک دوسرے سے زیادہ پیوستہ نظر آئیں گی۔

واقعات جو تاریخ کی کتابوں میں متغایر و متناقض ہیں اس کا سبب کوئی معتمد نہیں ہے جو سمجھ میں نہ آسکے۔ خلافت راشدہ کے بعد ”ملکیت غصہ“ (یعنی خلافت معاویہ) کا دور شروع ہوا تو قدرتنا دگر وہ ہو گئے۔ ایک وہ جس کو حکومت وقت سے وابستگی تھی خواہ جان بچانے کی خاطر طامع کی وجہ سے یا مسلمانوں میں آپس کی خانہ جنگی سے نجات حاصل کرنے کی خاطر وہ سمجھتا تھا کہ جس کا غلبہ ہے اس کی تائید کی جائے۔ دوسرا طبقہ تھا جو اصل دین کی پامالی پر رنجیدہ تھا“ (ماہنامہ لولاک، کتوبر ۲۰۱۳ء ص ۲۱)

قارئین کرام! مذکورہ عبارت میں صرف ”رنجیدہ تھا“ صنفی نمبر ۲۲ سے لیا گیا ہے باقی تمام عبارت ص ۲۱ ہی کی ہے۔ اسے بار بار پڑھیں اور ”قلم زد“ حصے کا ماقبل اور مابعد کو دیکھیں اور یہ فیصلہ کریں کہ کیا اس میں ”قلم زد“ حصے سے زیادہ توہین نہیں پائی جاتی۔ یہ صرف ایک صنفی عبارت ہے جبکہ یہ پورا مضمون صنفی نمبر ۱۹ سے ۲۵ تک پھیلا ہوا ہے۔ ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ موصوف نے چند سطور کیوں قلم زد کیں؟ کیا یہ خیانت کے زمرے میں نہیں آتا؟ اگر ان سطور میں توہین پائی جاتی تھی تو پھر اس کی وضاحت کیوں نہ کی؟ توہین آمیز سطور حذف کر کے اور اس کی وضاحت نہ کر کے موصوف نے قارئین کو دھوکے میں مبتلا رکھنے کی کوشش کی کہ کہیں قارئین مضمون نگار ڈاکٹر عبداللہ عباس سے بدظن نہ ہو جائیں۔ کیا اس عبارت کی موجودگی میں شایعین شتم نبوت مولانا اللہ وسایا صاحب کا ”معتصومانہ اعتذار“ ایک لمحہ کے لئے بھی قابل قبول ہو سکتا ہے؟ سوال یہ ہے کہ ڈاکٹر عبداللہ عباس کے دل آزار مضمون کی ۲۱ سال بعد لولاک میں اس کی اشاعت ”بھاگم بھاگ“ کیفیت میں کیوں ضروری سمجھی گئی؟

موصوف نے اس کی بنیادی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ ”ان دنوں میں مفتی عبداللہ کو رتزدی کی کتاب ”حمو وعباسی نظریات کا تحقیقی جائزہ“ تبصرہ کے لئے آئی ہوئی تھی اس لئے فقیر نے عبداللہ

عباس ندوی کا وہ مضمون جو ایک کتاب ”واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر“ پر تبصرہ تھا، اسے بھی یہاں ریکارڈ کے لئے شائع کیا کیونکہ محمود عباسی اور عتیق الرحمن سنہلی دونوں یزیدیت کے غلبہ دار اور ان کی کتابیں یزیدیت کی پیروی کا نیا گملمہ ہیں“

سوال یہ ہے کہ حضرت ترمذی صاحب کی کتاب پر جب تبصرہ اسی شمارے میں آگیا ہے تو کیا ”سرسری اور سطحی“ طور پر پڑھا جانے والا ڈاکٹر صاحب کا تو جین آمیز مضمون بھی اسی شمارے میں آنا لازمی تھا؟ آخر ”وقت نظر“ سے پڑھے جانے تک اسے مؤخر کیوں نہیں کر لیا گیا؟

موصوف نے معلوم نہیں کہ کس طبقہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ماہنامہ لولاک کے سات صفحات صحابہ کرام کی توہین کے لئے مختص کر دیئے حالانکہ سنہلی صاحب کی کتاب ان کے پاس مدائے تبصرہ ہرگز نہیں آئی تھی۔

اگر سنہلی صاحب کی کتاب سے قارئین کو آگاہ کرنا ہی مقصود تھا تو کیا اس کے لئے الگ سے کوئی مضمون نہیں لکھا جاسکتا تھا؟ کیونکہ سنہلی صاحب کی کتاب کوئی اسی مہینے میں تو شائع نہیں ہوئی تھی وہ بھی تو ”لولاک“ میں شائع ہونے والے مضمون سے ۲۱ سال پہلے طبع ہوئی تھی۔

مولانا عتیق الرحمن سنہلی صاحب کی کتاب پہلی مرتبہ ”واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر“ جنوری ۱۹۹۲ء میں شائع ہوئی۔ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے اس پر تبصرہ چند روزہ قلمی حیات میں ۱۰ مارچ ۱۹۹۲ء کو شائع کیا۔ جس کا فوٹو لے کر مولانا اللہ وسایا صاحب نے اپنے رسالہ ماہنامہ لولاک (اکتوبرہ ۲۰۱۳ء) میں ۲۱ سال بعد شائع کیا وہ بھی اس مجبوری کی بناء پر کہ ان دنوں ان کے پاس مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی کی کتاب ”محمود عباسی نظریات کا تحقیقی جائزہ“ مدائے تبصرہ آگئی تھی۔

سوال یہ ہے کہ اس مقصد کے لئے مولانا اللہ وسایا صاحب نے اتنی زحمت کیوں اٹھائی کہ ۲۱ سال پیچھے وہ بھی لکھنؤ کے ایک رسالے سے سنہلی صاحب کی کتاب پر ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کے سات صفحات کا توہین صحابہ پر مشتمل ایک مضمون ”ڈھونڈ“ نکال لائے حالانکہ ان کا یہ مقصد پاکستان، ملتان اور لاہور میں بھی پورا ہو سکتا تھا۔

سنہلی صاحب کی کتاب پر اسی سال مولانا عبدالحق خان بشیر نے ۳۲ صفحات پر مشتمل جامع تبصرہ قلم بند کیا تھا جو یک جا ایک ہی قسط میں شائع ہوا۔ ملاحظہ ہو: ماہنامہ حق چارپارہ۔ اکتوبر ۱۹۹۲ء ص ۶۰ تا ۶۹ مع تبصرہ ص ۲۵۔ اس کے بعد مولانا قاضی مظہر حسین صاحب نے چاراقساط میں یہ عنوان ”واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر“ کا ایک مائدہ جائزہ“ شائع کیا۔ ملاحظہ ہو: ماہنامہ حق چارپارہ نومبر ۱۹۹۲ء، جنوری، فروری، مئی ۱۹۹۳ء۔

علاوہ ازیں مولانا اللہ وسایا صاحب کے ”ضروری اعتذار“ میں ایک حیران کن بات یہ ہے کہ انہوں نے ایک صفحہ کی ۲۸ سطروں پر مشتمل اپنے ”اعتذار“ میں نفس مسئلہ پر صرف ایک سطر صرف فرمائی پھر اس میں حضرت معاویہؓ کے والد گرامی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خسر سیدنا ابوسفیانؓ کا پورا نام بھی نہیں لکھ سکے: ”اس میں سیدنا حضرت سفیانؓ ایسے حضرات سے متعلق ایسی بات آگئی ہے.....“ جبکہ اسی ”اعتذار“ میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے قائدین و عہدیداران کے نام مع القاب و مکوننت تحریر کئے اور باقی سطروں میں اپنی کارگزاری اور بے گناہی، ہیبت کی کہ..... اپنی لاعلمی پر بہت ہی ترس آیا، غفلت چاہے غیر ارادی تھی، فقیر کی اس غیر ارادی غلطی.....“

قارئین کرام! ماہنامہ لولاک (اکتوبر ۲۰۱۳ء) کے صفحہ نمبر ۲۱ کی ”قلم زد“ سطور کو چھوڑ کر بھی باقی عبارت میں صحابہ کرامؓ کی تکفیر و توہین کو دیکھیں اور پھر مولانا اللہ وسایا صاحب کا ”اعتذار“ پڑھیں اور موصوف کو ”شاباش“ دیں کہ کس طرح انہوں نے پورے ”اعتذار“ میں مضمون نگار یا تبصرہ نگار ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کو ”محفوظ راستہ“ دے دیا۔ حالانکہ وہ یہ بات تسلیم کر چکے ہیں کہ ”جو کسی طور پر کسی بھی مسلمان کے ایمانی تقاضا کے منافی ہے“

مولانا اللہ وسایا صاحب نے جو غلط ترین مضمون شائع کیا اس کے مطابق:

۱۔ حضرت ابوسفیان، حضرت ہند، حضرت معاویہ اور دیگر افراد رضی اللہ عنہم حقیقتاً مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ ظاہری طور پر اطاعت قبول کی تھی۔

۲۔ ظاہری اطاعت کے بعد کیا وہ زمانہ کفر و شرک کی عداوتوں کو بھول گئے تھے۔ یہ عقلاً محال ہے۔ جو چیز عقلاً محال ہوتی ہے اس کا وجود ناممکن ہوتا ہے۔ یعنی فتح مکہ کے موقع پر بنو امیہ کے جن لوگوں نے استسلام کیا تھا یہ ناممکن ہے کہ وہ بدر کی شکست کا غم بھول گئے ہوں۔

۳۔ جگر خوار جزہ بند نے بیعت اسلام کے وقت بھی اپنے اندرونی کرب و غم کا اظہار کیا تھا۔ ۴۔ ابوسفیان نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے خلاف سازش کی اور حضرت علیؓ کا ساتھ دیا۔ مولانا اللہ وسایا کا اپنا اعتقاد بھی یہی ہے تفصیل آگے آ رہی ہے۔

۵۔ غلبہ اسلام کے بعد یہ گروہ مقابلہ کی طاقت نہ پا کر ایک محدود عرصہ کے لئے خاموش رہا مگر جس طرح اُمویوں کے دل میں صلیبی جنگوں کا غم آج تک موجود ہے اسی طرح اس گروہ کے سینہ میں بدر کے انتقام کا جذبہ بھڑکتی ہوئی آگ کی طرح جوش مارتا تھا۔

۶۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت نے اسلام سے ان کے عناد کو ختم کر دیا تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم سے ان کا دل صاف نہیں ہوا پھر معلوم نہیں کہ اسلام سے ان کا دل کیسے صاف ہو گیا تھا؟ اس مضمون میں حضرت ابوسفیان، حضرت ہند، حضرت یزید بن ابی سفیان، حضرت معاویہ، حضرت عتاب بن اسید، حضرت خالد بن سعید وغیرہ رضی اللہ عنہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمد صحابہ کوصلیبیوں کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے انگریزوں کی صف میں کھڑا کر دیا گیا ہے۔

سخت تعجب ہے کہ مذکورہ فرد جرم پڑھ کر ایک عام مسلمان کا خون کھول اٹھتا ہے مگر مولانا اللہ وسایا صاحب اسے کس طرح ٹھنڈے پیٹوں پر داشت کر گئے۔

موصوف نے جب ڈاکٹر صاحب کا مضمون ہی ”وقت نظر“ سے نہیں دیکھا تو ان کا ”رجوع نامہ“ کب دیکھا ہوگا اور اس ”رجوع“ کے بارے میں بھی انہیں مولانا احسان اللہ احسان (ڈیرہ اسماعیل خان) نے خط کے ذریعے آگاہ کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے الفاظ یہ تھے:

”یزید کے خلاف شدت جذبات میں میرے قلم سے ایک ایسی عبارت نکل گئی جس سے حضرت ابوسفیانؓ، حضرت ہندؓ اور ہوامیہ کے بعض دیگر صحابیوں کی تنقیص کا مطلب نکالا جاسکتا تھا“ اس ”رجوع نامے“ کو اس وقت کے علماء نے مسترد کر دیا تھا۔ مولانا منظور احمد مظاہری قاضی شہر کانپور لکھتے ہیں کہ:

”اپنے وضاحتی بیان میں عبداللہ عباس ندوی صاحب نے ہرگز ہرگز اپنے فاسد خیالات سے رجوع نہیں کیا ہے بلکہ عام لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی ہے۔ یہ ایک علمی مسئلہ ہے۔ عوام اس کی نزاکت اور اس کے دور رس اثرات کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے“

قارئین کرام! اموی صحابہ کرامؓ کی تکفیر سے متعلق صریح عبارات پڑھنے کے باوجود مولانا اللہ وسایا صاحب نے ”اعتذار“ میں ڈاکٹر صاحب کے بارے میں کس قدر زورم گوشہ اختیار کیا ہے۔ دوسری طرف لولاک کے اکتوبر ۲۰۱۳ء کے شمارے میں ہی مولانا عبدالشکور ترمذی کی کتاب ”محمود عباسی نظریات کا تحقیقی جائزہ“ پر تبصرہ میں مولانا اللہ وسایا صاحب کا غیظ و غضب اور جلال ملاحظہ فرمائیں:

”رسوائے زمانہ محمود عباسی علیہ ما علیہ نے ایک کتاب لکھی جو تحقیق کے نام پر دجل و جال اور تلبیس ابلیس کا نمونہ تھی۔ اس کتاب کا نام ”خلافت معاویہ و یزید“ تھا۔ اس کتاب کے ذریعے محمود عباسی نے پاکستان میں فتنہ یزیدیت کی بنیاد رکھی۔ پھر شیطانی ذریت بلکہ ذریت البغایا کی ایک فصل اُگ آئی۔ حوالے دینے میں یہ شخص خائن اور بددیانت ثابت ہوا۔ دجل میں شیطان کے کان کترنا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ اس کی کتاب نے شرفیقن کا دروازہ کھولا کہ اہل حق تڑپ گئے اور اہل باطل کو سرور حاصل ہوا۔ محمود عباسی کی کتاب حیا سوز تھی تو اس کا جواب ایمان افروز ہے۔ پڑھیئے اور آنے والی نسل کو

یزیدیت کے ملعون فتنہ سے بچائیے۔“ (ماہنامہ لولاک - اکتوبر ۲۰۱۳ء - ص ۵۲-۵۳)

کیا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کا مکروہ ترین اور بدبودار مضمون (جس میں اموی صحابہ کو کافر تک قرار دیا گیا ہے) محمود عباسی کے بارے میں استہمال کردہ الفاظ سے کچھ زیادہ کا مستحق نہ تھا۔ آپ ”ضروری اعتدال“ پڑھیں اور سر دھوئے کہ مجال ہے کہ ان ۲۸ سطروں میں ڈاکٹر صاحب کی مذمت میں کوئی ادنیٰ سا اشارہ بھی کیا گیا ہو یا جن صحابیوں کو چین و کھنجر کی گئی ہے ان کے نام لے کر ان کی منقبت بیان کی گئی ہو۔

کاش! مولانا اللہ وسایا صاحب ان صحابہ کرامؓ (جن کے ایمان پر ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے حیا سوز حملے کئے تھے) کے اسمائے گرامی ذکر کر کے اگر زیادہ نہیں تو کم از کم اسی انداز میں تردید کرتے جس ”جلال“ اور غیظ و غضب میں موصوف نے محمود احمد عباسی کے نظریات کی تردید کی ہے کیونکہ محمود عباسی کی نسبت ڈاکٹر صاحب کہیں یزید سے مجرم تھے۔

مگر صد افسوس! مولانا اللہ وسایا صاحب اموی صحابہؓ کے بارے میں نہ صرف یہ کہ ڈاکٹر صاحب کے مضمون کی کوئی تردید نہ کر سکے بلکہ ان کے بعض الزامات کو صحیح سمجھ کر نقل بھی کرتے رہے۔ اس کی ایک تازہ مثال ماہنامہ لولاک دسمبر ۲۰۱۵ء کے شمارے میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے ایک مضمون ”فضائل مدینہ النبیؐ“ کی اشاعت ہے۔

شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ ۱۰۵۲ھ میں فوت ہوئے تھے ان کے ایک غیر تحقیقی مضمون کو تقریباً چار سو سال بعد ۱۴۲۳ھ میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے ترجمان رسالہ ماہنامہ لولاک میں معلوم نہیں کہ کس ”قلبی روگ“ کی بناء پر شامل اشاعت کیا گیا؟ اس مضمون میں واضح طور پر حضرت انسؓ بن ارقطہ، حضرت جابرؓ، حضرت علیؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کی توہین و تنقیص کے علاوہ مؤخر الذکر کی بیعت کو ”بیعت ضالہ“ بھی قرار دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت جابرؓ جیسے جلیل القدر صحابی پر ایک یہ الزام بھی عائد کیا گیا ہے کہ انہوں نے جان کے خوف سے ام المؤمنین سیدہ ام سلمہؓ کے مشورہ پر چار و ناچار ”بیعت ضالہ“ کر لی تھی۔ اس کی تفصیل پیچھے زیر عنوان ”شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ، گزر چکی ہے۔“

ابھی حال ہی میں ۲۱ نومبر ۲۰۱۵ء کو جویلیاں کی ایک مسجد میں علماء کرام اور مفتیان عظام کی موجودگی میں مولانا اللہ وسایا صاحب ختم نبوت کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے حضرت ابوسفیان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے خلاف ایک موضوع اور من گھڑت روایت بیان کر گئے۔ موصوف نے ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کے مضمون میں حضرت ابوسفیانؓ پر عائد کردہ ایک الزام کو صحیح سمجھ کر بیان کرتے ہوئے کہا کہ:

”جب ابو بکر صدیقؓ خلیفہ بن گئے تو ایک آدمی دوڑتا ہوا حضرت علیؓ کے پاس گیا اور کہا کہ ابو بکرؓ خلیفہ ہو گئے۔ حضرت علیؓ مسکرائے اور آگے چل پڑے۔ پھر کہا کہ ابو بکرؓ خلیفہ ہو گئے۔ حضرت علیؓ مسکرائے اور آگے چل پڑے۔ تیسری دفعہ پھر وہ آدمی حضرت علیؓ کے سامنے آیا پھر وہی سوال کیا تو حضرت علیؓ نے مسکرا کر جواب دیا کہ تم نے کیا بار بار رٹ لگا رکھی ہے کہ ابو بکرؓ خلیفہ ہو گئے جس کو آپؓ نے اپنی زندگی میں اپنا امام بنایا تھا اگر اس کو ہمارا امام مقرر کیا گیا تو کیا حرج ہے؟“

موصوف نے اس واقعہ کے بیان میں حضرت علیؓ کو کسانے والے کا نام تو نہیں لیا مگر مقرر خود بخوب جانتے ہیں کہ یہ شخص کون ہے؟ جب مسجد میں علماء کی موجودگی ایک جھوٹا واقعہ اس قدر ”دھڑلے“ سے مزے لے لے کر بیان کر دیا تو پھر اس شخص کا نام مخفی رکھنے میں کیا حکمت محسوس کی؟ مقرر موصوف کو یہ تو علم ہے کہ ”وہ شخص“ تین مرتبہ حتیٰ کہ راستہ تبدیل کر کے بھی حضرت علیؓ کے سامنے آ کر انہیں مشتعل کرتا رہا کیا موصوف اس بات سے بے خبر تھے کہ وہ شخص کون تھا؟ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے دو مرتبہ تو حضرت علیؓ ”شخص مذکور“ کی بات سن کر مسکرا گئے پھر تیسری مرتبہ ”مسکرا“، کفر فرمایا: ”تم نے کیا بار بار رٹ لگا رکھی ہے؟“ کیا ایسا جواب ”مسکرا“ کر ہی دیا جاتا ہے یا اپنی ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے؟

اس واقعہ کے بیان کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے اصل واقعہ میں اپنے الفاظ شامل کر کے بدترین تدلیس کا ارتکاب کیا ہے اس طرح وہ ”مذلسین“ کی صف میں بھی شامل ہو گئے ہیں۔ (قبلك قلبفر حوالہ)

مولانا اللہ وسایا صاحب کے مدوح ڈاکٹر عبداللہ عباس نے نام لے کر کہا کہ:

”حضرت ابوسفیان نے احتجاج کیا تھا کہ اب وہ دن آگیا ہے کہ یہ (یعنی ابو بکرؓ) پس ماندہ ہم اشراف پر فوقیت دیئے جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ کے خلاف حضرت علیؓ کو کسانے کی کوشش بھی ان سے ثابت ہے“ (ماہنامہ لولاک اکتوبر ۲۰۱۳ء ص ۲۱)

چونکہ ڈاکٹر عبداللہ عباس کے نزدیک خلافت صدیقؓ کے خلاف حضرت ابوسفیانؓ کی کوشش ”ثابت“ تھی اس لئے مولانا اللہ وسایا صاحب نے بھی اپنے بیان میں حضرت ابوسفیانؓ کا نام لیئے بغیر ان کوششوں کا ذکر کیا جنہیں حضرت علیؓ نے یہ کہہ کر کہ ”تم نے بار بار رٹ لگا رکھی ہے“ نام کام بنادیا۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب بحوالہ تاریخ طبری لکھتے ہیں کہ:

”اسی طرح حضرت ابوسفیانؓ کو بھی عصیبت ہی کی بناء پر ان (یعنی حضرت ابو بکرؓ) کی خلافت

ماگوار ہوئی تھی اور انہوں نے حضرت علیؑ سے جا کر کہا تھا کہ: ”قریش کے سب سے چھوٹے قبیلے کا آدمی کیسے خلیفہ بن گیا؟ تم اٹھنے کے لئے تیار ہو تو میں واوی کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں“ مگر حضرت علیؑ نے یہ جواب دے کر ان کا منہ بند کر دیا کہ:

”تمہاری یہ بات اسلام اور اہل اسلام کی دشمنی پر دلالت کرتی ہے۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ تم کوئی سوار اور پیادے لاؤ۔ مسلمان سب ایک دوسرے کے خیر خواہ اور آپس میں محبت کرنے والے ہوتے ہیں خواہ ان کے دیا اور اجسام ایک دوسرے سے کتنے ہی دور ہوں، البتہ منافقین ایک دوسرے کی کاٹ کرنے والے ہوتے ہیں۔ ہم ابو بکرؓ کو اس منصب کا اہل سمجھتے ہیں اگر وہ اہل نہ ہوتے تو ہم لوگ کبھی اس منصب پر مامور نہ ہونے دیتے۔“ (خلافت و ملکیت ص ۹۷)

مولانا اللہ وسایا صاحب نے خلافت صدیقؓ کے خلاف سازش کرنے والے اور حضرت علیؑ کو مشتعل کرنے والے جس شخص کا نام تقیہ مخفی رکھنے کی کوشش کی تھی اسے ان کے مدوح ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنی تحریرات میں واضح اور ظاہر کر دیا۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اللہ وسایا صاحب نے جس واقعہ کو اللہ تعالیٰ کے پاک گھر میں، منبر رسولؐ پر بیٹھ کر اپنے ”خطاب“ میں بیان کیا ہے اسے اس کے ”محل مأخذ“ سے قارئین کی خدمت میں پیش کر دیا جائے تاکہ وہ یہ فیصلہ کر سکیں کہ مولانا اللہ وسایا صاحب کی طرح اسے صحیح اور ثابت سمجھنے والے حضرت علیؑ، حضرت عباسؓ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہم کی کس قدر گستاخی اور توہین کے مرتکب ہوئے ہیں:

”قال ابوسفیان لعلی ما بال هذا الأمر فی اقل حتی من قریش واللہ لئن شئت لأملأنها علیہ خیلاً ورجالا فقال علی یاأبا سفيان طال ما عادت الاسلام وأهله قلم تضروه بذانك شبثا إنا وجدنا أبابکر لها أهلا لما اجتمع الناس علی بیعة ابی بکر أقبل أبوسفیان وهو یقول واللہ انی لأری عجاجة لا یطفئها الا دم یا آل عبدمناف فیما أبوبکر من أمورکم أين المستضعفان، أين الأذلان علی والعباس و قال أبا حسن ابعسط یدک حتی أبایعلک فأبى علی علیہ فجعل یتمثل بشعر الملتمس ولن یقیم علی خسف یرادیه إلا الأذلان عبرالحی والوند هذا علی الخسف معکوس برمته وذایشج قلا یکسی له أحد فزجره علی وقال إنک واللہ ما أرادت بهذا إلا الفتنة وإنک واللہ طال ما بغیت

الاسلام شراً لا حاجة لنا في نصيحتك.....

لما بويع أبو بكر قال أبو سفيان لعلی والعباس أئتما الأذلان ثم أنشد بيتهم:
 إن الهوان حمار الأهل يعرفه والحر ينكره والرسلة الأجد
 ولا يقيم على ضيم يراد به إلا الأذلان عبر الحى والوند
 هذا على الخصف معكوس برمته وذایشج فلا ييكى له أحد
 (تاریخ الامم والملوك - الجزء الثاني ص ۴۹۹ - طبع بيروت - لبنان ۱۸۷۹ء)
 ابوسفیانؓ نے علیؓ سے کہا کہ یہ کیا ہوا کہ حکومت قریش کے سب سے کم تعداد قبیلے میں چلی
 گئی۔ اللہ کی قسم اگر تم چاہو تو میں واوی کو سواروں اور پیادوں سے بھروں۔ حضرت علیؓ نے کہا:
 اے ابوسفیان! تم ہمیشہ سے اسلام اور مسلمانوں کے دشمن رہے مگر تمہاری دشمنی سے اسلام کو، کوئی
 نقصان نہیں ہوا۔ ہم نے ابوبکرؓ کو خلافت کا اہل سمجھ کر ان کی بیعت کی ہے.....

جب سب لوگ ابوبکرؓ کی بیعت کے لئے جمع ہوئے تو ابوسفیانؓ سب کے پاس آئے اور کہنے
 لگے کہ مجھے یقین ہے کہ اس کارروائی سے ایک ہنگامہ بچا ہو جائے گا جس میں خون ریزی ہو کر
 رہے گی۔ اے آل عبد مناف! ابوبکرؓ کو تمہارے معاملات میں مداخلت کرنے کا کیا حق ہے؟ وہ
 دونوں ذلیل کہاں ہیں جن کو کمزور اور حقیر سمجھا گیا ہے یعنی علیؓ اور عباسؓ؟
 اے ابوالحسن! آپ ہاتھ بڑھائیں میں آپ کی بیعت کرتا ہوں مگر علیؓ نے اس کی بات نہ
 مانی تو ابوسفیانؓ نے اس وقت کی مثال میں ملقمس کے یہ اشعار پڑھے: (ترجمہ)
 سوائے ان دو ذلیلوں، قبیلے کے گدھوں اور خیمے کی میخ کے، اور کوئی دوسرا ظلم کو آسانی سے
 برداشت نہیں کرتا۔ میخ پر جب ضرب لگائی جاتی ہے تو اس کا سر دیتا چلا جاتا ہے اور گدھا اپنے بار کی
 وجہ سے کراہتا ہے مگر کوئی اس پر رحم نہیں کرتا۔

علیؓ نے ابوسفیانؓ کو ڈانٹا اور کہا: اس تجویز سے تیرا مقصد صرف فتنہ و فساد بپا کرنا ہے تو نے
 ہمیشہ اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے ہمیں تیری اس نصیحت کی ضرورت نہیں ہے.....
 ابوبکرؓ کی بیعت کے بعد ابوسفیانؓ نے علیؓ اور عباسؓ سے کہا کہ: تم دونوں ذلیل ہو کہ اس موقع
 پر خاموش ہو اور پھر یہ شعر اس موقع کی مثال میں پڑھے۔ (ترجمہ)

صرف شہری گدھا ذلت کو برداشت کر لیتا ہے مگر شریف اور جواں مرد اسے برداشت نہیں کرتا۔
 اور سوائے بھتی کے گدھے اور میخ کے کوئی ظلم کو آسانی سے برداشت نہیں کرتا۔ میخ پر جب ضرب

پڑتی ہے تو اس کا سرب جاتا ہے اور گدھا اپنے باریک سے کراہتا ہے مگر کوئی اس پر رحم نہیں کرتا۔
قارئین کرام! یہ ہے امام طبری کی منقولہ اصل روایت جسے حضرت ابومنیانؓ کی دشمنی میں
شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا صاحب نے صحیح سمجھ کر مختصر بیان کیا۔ معلوم نہیں کہ موصوف کس
طبقے کی وکالت اور ترجمانی کا فریضہ ادا کر رہے ہیں کیونکہ یہ مشن شیعوں، رافضیوں اور سبائیوں
کے علاوہ کسی سنی کا تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔

جس داستان کی بنیاد پر سیدنا ابومنیانؓ کو اسلام اور مسلمانوں کا دشمن قرار دیا گیا ہے وہ روایت
اور درایت ہر اعتبار سے باطل ہے جس کے ”اصل“ راوی محمد بن جریر طبری ہیں جن کا مختصر تعارف زیر
نظر کتاب کے آغاز میں گزر چکا ہے جبکہ ان کے مفصل اور جامع تعارف کے لئے راقم الحروف کی
تبلیکہ خیز کتاب ”امام طبری۔ حیات و خدمات“ کی طرف مراجعت فرمائیں۔

”شاہین“ ختم نبوت مولانا اللہ وسایا کا بیان کردہ یہ واقعہ لغو، بے بنیاد اور یقیناً کسی سبائی کا
گھڑا ہوا ہے۔ اسے صحیح تسلیم کرنے سے نہ صرف حضرت ابومنیانؓ بلکہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ
رضی اللہ عنہما کی توہین بھی لازم آتی ہے۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کیا حضرت علیؓ ایک عمر سیدہ شخص سالار قریش اور نبی
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خسر (جن کی شرفاً تعظیم و تکریم لازم ہے) کو ”اسلام دشمن اور منافق“ کہہ
سکتے تھے؟ کیا وہ ایسے عظیم المرتبت شخص جن کے گھر کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع
پر ”دارالامن“ قرار دیا تھا (من دخل دار ابی سفیان فهو امن) صحیح مسلم کتاب الجہاد۔ باب فتح
مکہ) ان کی زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ کر سکتے تھے؟

حضرت ابومنیانؓ کی عزت و تکریم ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہؓ کے والدینؓ رگوار، نبی اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کے خسر مدارا و سب سے بڑھ کر ایک صحابی رسولؐ کی حیثیت سے ہر مسلمان پر واجب ہے۔

حضرت ابومنیانؓ نے اعلیٰ کلمۃ اللہ کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں غزوات
میں شرکت کی غزوہ طائف میں تو ان کی ایک آنکھ اپنے مقام سے باہر آ گئی۔ اس موقع پر نبی اکرم صلی
اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ”آپ چاہیں تو میں اللہ سے دعا کرتا ہوں، آپ کی آنکھ ٹھیک ہو جائے گی
اور اگر آپ چاہیں تو بدلے میں جنت ملے گی۔“ حضرت ابومنیانؓ نے عرض کیا کہ مجھے جنت چاہئے۔

”ان شئت دعوت فردت البک وان شئت قال الجنة۔ قال: الجنة یعنی

اختار الجنة“ (الاصابہ تحت صخر بن حرب جلد ۲ ص ۱۷۹)

پھر جنگ یرموک میں دوسری آنکھ بھی شہید ہو گئی اس کے بعد بھی جس شخص کی زبان سے حضرت ابوسفیانؓ کی توبین و تنقیص ہو تو اس پر اللہ کی پھٹکار ہو۔

اس موقع پر اگر ان کا کوئی ”جیالا“ یہ تاویل کرے کہ مولانا اللہ وسایا صاحب نے اپنے خطاب میں یہ واقعہ سنایا ہے انہوں نے ”ایک آدمی کہا“ ابوسفیانؓ کا نام تو نہیں لیا۔ ہم بھی ”مام“ کا اظہار نہیں کرتے اور بے نام لئے کہتے ہیں کہ جو بھی حضرت ابوسفیانؓ کی توبین و تنقیص کا مرتکب ہو۔ ع

اللہ کی ہو پھٹکار ان پر ہم سو بار کہتے ہیں

شاید ختم نبوت مولانا اللہ وسایا نے اسی مقام پر اور اسی ”خطاب“ میں آگے چل کر یہ ”گوہرائشی“ بھی فرمائی کہ:

”جہاں تک اہل سنت والجماعت کے عقیدے کا تعلق ہے کہ جس دن علی المرتضیٰؑ خلیفہ ہوئے اس وقت کل روئے زمین پر آپ کا کوئی ہم سر نہیں تھا۔ افضل و اعلیٰ شان حضرت علیؑ کی اس وقت تمام صحابہؓ، تابعینؓ پورا مدینہ طیبہ بھی ”معاویہ“ بن جانا تو تب بھی علی المرتضیٰؑ کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا..... میں ان تنقیصات میں نہیں جانا چاہتا.....

میں یزید کو گالی نہیں دیتا، اس پر فتویٰ نہیں لگاتا لیکن اپنے ایمان کی بات ضرور کہتا ہوں کہ یزید زیادہ سے زیادہ تاریخ کا حصہ ہوگا، حسینؑ تو ایمان کا حصہ ہیں۔ آج میرے سامنے ویل یہ پیش کی جاتی ہے کہ اگر یزید کو برا کہیں گے تو حضرت معاویہؓ پر حرف آئے گا۔

بندگان خدا کیوں دھوکہ دیتے ہو۔ اگر نوحؑ کے بیٹے کے غلط ہونے پر حضرت نوحؑ کی نبوت پر اعتراض نہیں آ سکتا، اگر ابولہب اور ابو جہل کے غلط ہونے سے حضورؐ کی نبوت پر اعتراض واقع نہیں ہو سکتا تو یزید کو غلط کہنے سے سیدنا معاویہؓ کی صحابیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیوں دھوکا دیتے ہو خلق خدا کو کہ انہوں (صحابہؓ) نے بیعت کی تھی۔

ذرا مجھ سے بھی پوچھ یزید کے والد کا نام بھی معاویہ ہے، یزید کے بیٹے کا نام بھی معاویہ ہے، یزید کے مرنے کے بعد یزید کا بیٹا جس کا نام معاویہ تھا اس نے صحابہ کرامؓ کی بھری مجلس میں کہا، مجلس کے اندر کہا کہ: ”مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ میرا باپ یزید جن گناہوں کی گھڑی اپنے سر پر اٹھا کر گیا ہے یہ اللہ کے حضور کیا جواب دے گا۔“

(یزید کے) بیٹے نے کہا: آج (یزید کے) پوتے پتہ نہیں کیا کہتے ہیں ”گدھے کہیں کے، نہ دین کے، نہ دنیا کے، خسر الدنیا والآخرة“.....

(خطاب کے آخر میں فرمایا:) میری بات ختم ہوئی۔ اب آپ مجھ سے سوال کریں کہ مولوی صاحب آپ کا موضوع تو ختم نبوت ہے۔ آپ نے کیا بحث شروع کر دی؟ میں کہتا ہوں مرزا قادیانی نے بھی حسینؓ کو گالی دی تھی آج کوئی بد نصیب بھی حسینؓ کو گالی دے گا تو میں دونوں کے راستے میں رکاوٹ کھڑی کروں گا اس لئے کہ ہم حسینؓ کے ساتھ ہیں۔“

شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا کی یہ تقریر سن کر یقین نہیں آتا کہ موصوف نے یہ ”مجلس شریف“ کسی مسجد میں پڑھی ہوگی کیونکہ اس طرح کی مجلسیں تو ”امام باڑوں“ میں ہی پڑھی اور سنی جاتی ہیں۔ مگر حویلیاں و ایبٹ آباد اور خود ”مجلس خواں“ کے ساتھ آئے ہوئے مرکزی مبلغ (جنہوں نے ان سے پہلے خطاب بھی کیا تھا) مولانا قاضی احسان احمد سمیت تمام شرکاء اس بات کے شہد ہیں کہ یہ ”مجلس شریف“ مسجد میں ہی پڑھی گئی۔ معلوم نہیں کہ اس ”امام باڑوی“ مجلس میں ”مجلس خواں“ نے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کا باہمی تقابل کیوں کیا؟ حضرت علیؓ کا تو ذکر ہی کیا وہ تو بعد از خلافت سب سے افضل ہیں بلکہ حضرت معاویہؓ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے ہزاروں صحابہ (ساتھین اولین من المہاجرین والانصار) بھی حضرت معاویہؓ سے افضل ہیں۔ مگر اس فرق کے باوجود وہ خود بھی قبل از فتح مکہ کے مسلمانوں میں شامل ہونے کی بناء پر اپنے بعد تمام اسلام قبول کرنے والوں سے یقیناً افضل ہیں۔ اس ”تقابل“ کی ضرورت تو اس وقت پیش آسکتی تھی جب کسی نے اس طرح کا کبھی کوئی دعویٰ کیا ہوتا۔

حضرت معاویہؓ خود حضرت علیؓ کی محض فضیلت ہی نہیں بلکہ ”افضلیت“ کے قائل تھے۔ جب انہیں حضرت علیؓ کی شہادت کی اطلاع ملی تو خود شدید غمی ہونے کے باوجود کھڑے ہوئے اور پڑھنے کے ساتھ ساتھ بے اختیار رونے لگے۔ ان کی اہلیہ کہنے لگیں کل ان سے لڑتے رہے ہو اور ”الیوم نکحی علیہ“ آج ان پر روتے ہو تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا: ”ویسحک انک لا تدین ما فقد الناس من الفضل والفقه والعلم“ افسوس ہے تجھ پر تجھے کیا خبر کہ آج لوگوں نے کس قدر غم و فتنہ کو کھو دیا ہے؟ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۴۰)

جب اس قسم کا کوئی دعویٰ سرے سے موجود ہی نہیں تو پھر ”مجلس خواں“ نے یہ ہتک آمیز تقابل کیوں کیا کہ اس وقت تمام صحابہؓ، تابعینؓ، پورا مدینہ طیبہ بھی ”معاویہ“ بن جاتا تو تب بھی علی المرتضیٰؓ کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، اس ”تقابل“ میں حضرت معاویہؓ کی صریح توہین پائی جاتی ہے۔ کیا حضرت معاویہؓ توہین و تنقیص کے بغیر حضرت علیؓ کی فضیلت نہیں بیان کی جاسکتی؟

شاہین ختم نبوت شدید غصے کے عالم میں فرماتے ہیں کہ:

”آج میرے سامنے دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ اگر یزید کو برا کہیں گے تو حضرت معاویہؓ پر حرف آئے گا، ہندگان خدا کیوں دھوکہ دیتے ہو حضور کی امت کو۔ اگر نوح کے بیٹے کے غلط ہونے پر (نوح کی) نبوت پر اعتراض نہیں آسکتا، اگر ابولہب اور ابو جہل کے غلط ہونے سے حضور کی نبوت پر اعتراض واقع نہیں ہو سکتا تو یزید کو غلط کہنے سے سیدنا معاویہؓ کی صحابیت پر بھی کوئی اثر نہیں پڑتا.....“

”شدید غصے“ میں اسی طرح کے ”استدلال“ کی توقع ہو سکتی ہے۔ ”مجلس خواں“ نے ”کنعان، ابولہب اور ابو جہل“ کی جو مثالیں ”حمز ی“ کے ساتھ بطور دلیل پیش کی ہیں انہیں سن کر ”شکر کا مجلس“ پر بھی (الامشاء اللہ) یقیناً وجد طاری ہو گیا ہوگا۔ فاسد اور باطل قیاس کی اس سے بڑھ کر ”شاید“ ہی کوئی مثال پیش کی جاسکے۔

سخت حیرت ہے کہ جو دلیل چودہ سو سال کے بعد موصوف کو سوجھی، یزید کے معاصر صحابہؓ و تابعینؓ سب کے سب ہی اس سے لاعلم رہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ زیادہ سے زیادہ ایک گناہ گار مومن (یعنی یزید) کو اللہ کے گھر میں منبر رسولؐ پر بیٹھ کر ”علماء“ کی موجودگی میں کنعان، ابولہب، ابو جہل (جن کا کفر ناص قطعی سے ثابت ہے) کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

ہر دور میں مسلمانوں کا ”جمہور“ یزید کے ایمان کا قائل رہا ہے۔ اگر یزید بفرس محال کا فر ہوتا تو پھر صحابہؓ و تابعینؓ پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک ”کافر“ کو اقتدار سے الگ کیوں نہ کیا تھا؟ حالانکہ پاکستان جیسے ملک کے آئین میں بھی اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ کوئی غیر مسلم اور کافر ملک کا سربراہ نہیں بن سکتا۔

مولانا اللہ وسایا نے جمہور اہل سنت کے برعکس موقف اختیار کر کے یزید کو کفار کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ جس سے حضرت معاویہؓ کی صحابیت کسی طور پر بھی محفوظ نہیں رہ سکتی۔ حضرت نوحؑ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غیر مسلم اقارب کا مقابلہ کیا ہے انہیں امت پر ”مسلط“ نہیں فرمایا اور نہ ہی ابولہب و ابو جہل کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ تربیت رہے ہیں اس لئے ان کی نبوت پر اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔

کیا حضرت معاویہؓ کی برأت کے لئے قرآن مجید کا بیان کردہ یہ اصول کافی تھا کہ:

”لا تزر وازرة وزر اخری“ ہر شخص اپنے اعمال و افعال کا خود ذمہ دار ہے۔ لہذا کسی کا بوجھ دوسرے پر نہیں ڈالا جاسکتا۔

مگر صد افسوس کہ موصوف کھلے عام ایک بالکل خلاف حقیقت بات بیان کر کے نہ صرف

یزید کی ”کھنفر“ بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھی مرتکب ہو گئے۔

شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا کا غصہ ابھی بھی ٹھنڈا نہیں ہوا اور اپنا ”بیان“ جاری رکھتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں کہ:

کیوں دھوکا دیتے ہو خلق خدا کو کہ انہوں (صحابہؓ) نے بیعت کی تھی۔

ذرا مجھ سے بھی پوچھ یزید کے والد کا نام بھی معاویہ ہے، یزید کے بیٹے کا نام بھی معاویہ ہے، یزید کے مرنے کے بعد یزید کا بیٹا جس کا نام معاویہ تھا اس نے صحابہ کرامؓ کی بھری مجلس میں کہا، مجلس کے اندر کہا کہ: ”مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ میرا باپ یزید جن گناہوں کی گٹھڑی اپنے سر پر اٹھا کر گیا ہے یہ اللہ کے حضور کیا جواب دے گا۔“

(یزید کے) بیٹے نے کہا: آج (یزید کے) پوتے پتہ نہیں کیا کہتے ہیں ”گدھے کہیں کے، ندین کے، نہ دنیا کے، خسر الدنیا والآخرۃ“.....

موصوف کو سبائیوں کے ساتھ اتحاد اور اٹھک بیٹھک کا بہت فائدہ ہوا کہ ان کی نکال میں تیار کردہ ”روایات و حکایات“ ان کے ہاتھ لگ گئیں اور اللہ کے گھر میں منبر رسولؐ پر بیٹھ کر جھوٹے واقعات بیان کرنے سے اس عمر میں بھی ذرہ برابر نہ شرمائے۔ کاش کہ موصوف پورا واقعہ مع سند بیان کر دیتے یا اس کتاب کا کچھ ”تہ پتہ“ ہی بتا دیتے کہ انہیں یہ ”الہام“ کہاں سے ہوا؟

یزید کا بیٹا معاویہ، یہ کہہ رہا ہے کہ ”وہ گناہوں کی گٹھڑی سر پر اٹھا کر گیا ہے، آج پوتے پتہ نہیں کیا کہتے ہیں گدھے کہیں کے، ندین کے، نہ دنیا کے“

جس طرح ”شاہین ختم نبوت“ نے بزع خود حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے خلاف سازش کرنے والے اور امت میں نفاق و تفرقہ ڈالنے والے (حضرت ابوسنیانؓ) کا نام جاننے کے باوجود نہیں لیا اور تحریف و تدلیس کے ساتھ واقعہ بیان کر دیا اسی طرح انہوں نے یہاں بھی وہی گل کھلایا کہ ۶۴ھ کے ایک واقعہ کو خود اپنی ”سند“ سے آگے چلا دیا۔

اگر وہ حضرت ابوسنیانؓ کا نام لیتے یا امام طبری کا حوالہ دے دیتے تو سامعین المناثر لے سکتے تھے اس لئے انہوں نے نام کو مخفی رکھا اسی طرح انہوں نے اپنی تقریر کے آخر میں بھی ادھورا واقعہ نقل کر کے اسے صحیح نہ تسلیم کرنے والوں پر یہ ”ظنریہ پھبتی“ بھی کس دی کہ ”گدھے کہیں کے۔ ندین کے، نہ دنیا کے، خسر الدنیا والآخرۃ“

آئیے دیکھتے ہیں کہ مذکورہ ”ظنریہ پھبتی“ کا اصل حقدار کون ہے؟

معاویہ بن یزید خطبہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

”وان جئنی معاویہ نازع الأمر اھلہ، و من هو احق بہ منہ: علی بن ابی طالب و ركب بکم ما تعلمون حتی ائنتہ منبتہ فصار فی قبرہ رھینا بذنوبہ ثم قلد ابی الأمر و کان غیر اھل لہ و نازع ابن بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقصف عمرہ و انتہر عقبہ و صار فی قبرہ رھینا بذنوبہ۔ ثم بکی وقال: لن من أعظم الامور علینا علمنا بمسوء مصرعہ و بنس منقلبہ و قد قتل عترۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و باح الحرم و خرب الکعبۃ“

”(معاویہ بن یزید نے کہا) میرے دادا معاویہؓ نے اس خلافت میں ان سے جھگڑا کیا جو اس خلافت کے اہل تھے اور ان سے زیادہ اس کے حق دار تھے اور وہ علیؓ بن ابی طالب ہیں اور آپ سب کو ظلم ہے کہ معاویہؓ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا؟ یہاں تک کہ اسے موت آگئی اور وہ گناہوں کی گھڑی لئے اپنی قبر میں پہنچ گیا۔ پھر میرے باپ (یزید) نے خلافت کا معاملہ سنبھالا اور وہ بھی اس کا اہل نہیں تھا اس نے نواسہ رسولؐ (حسینؓ) سے جھگڑا کیا اور اپنی زندگی گنوا دی پھر اپنے گناہوں کا بوجھ لئے اپنی قبر میں پہنچ گیا۔

پھر وہ (معاویہ بن یزید) رونے لگے اور کہا ہمارے لئے یہ بہت بڑی مصیبت ہے کہ ہمارے علم میں اس کا بد انجام اور بڑی عاقبت ہے اس نے نواسہ رسولؐ کو قتل کیا، حرام کھلا لیا اور کعبہ میں تخریب کاری کی۔“

قارئین کرام! یہ ہے وہ اصل اور پورا واقعہ جسے شایعین ختم نبوت نے اللہ کے پاک گھر میں منبر رسولؐ پر بیٹھ کر مخالفین کو یہ دہائی دیتے ہوئے کہ ”ہند گان خدا کیوں دھوکا دیتے ہو حضورؐ کی امت کو.....“ کیوں دھوکا دیتے ہو خلق خدا کو“ انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ یہ باور کرایا کہ یزید کے خلاف اپنا ہی بیٹا گواہ بن کر میدان میں آگیا۔ معلوم نہیں کہ اس ”امام باڑوی“ مجلس میں یہ ”مجلس خواں“ جب اپنی زبان سے بار بار یہ لفظ نکال رہا تھا کہ ”کیوں دھوکا دیتے ہو حضورؐ کی امت کو، کیوں دھوکا دیتے ہو خلق خدا کو“ تو اسے خود اللہ کا خوف کیوں محسوس نہیں ہوا؟

اگر مذکورہ واقعہ پورا نقل کیا جاتا تو اس کے چھوٹے کاپول تو وہیں کھل جاتا کہ اس میں تو پہلے حضرت معاویہؓ کو مجرم دکھایا گیا ہے اس واقعہ کی ساخت خود تارہی ہے کہ یہ کسی سبائی کا گھڑا ہوا ہے۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ مولانا اللہ وسایا صاحب نے ماہنامہ لولاک میں صحابہ کرامؓ کی شدید ترین توہین پر مبنی ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کے بدبو دار مضمون سے متعلق جو ”ضروری اعتذار“ شائع کیا تھا اس میں نفس مضمون کے حوالے سے کوئی تردید نہیں کی گئی بلکہ اس میں بھی موصوف نے تمام تراپنی کارگزاری بیان کر کے علماء کرام اور قارئین کی آنکھوں میں دھول جھونکی ہے۔

دراصل یہ ”ضروری اعتذار“ بھی تقیہ اور نفاق کے پردوں میں لپٹا ہوا تھا کیونکہ بعد میں موصوف نے اپنی تقریر و تحریر میں جو وہ یہ حضرت ابوسفیان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے لئے روارکھا وہ کسی طور پر بھی قابل اطمینان نہیں ہے۔ اس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

موصوف نے اس ”اعتذار“ میں ایک طرف تو یہ کہا کہ میں نے ڈاکٹر ندوی کا مضمون پڑھے بغیر لگا دیا تھا جبکہ دوسری طرف یہ فرما رہے ہیں کہ میں نے اسے سرسری اور سطحی نظر سے دیکھا اور بعض مقامات قلم زد بھی کئے۔ اس حذف و اضافہ کی کارروائی سے صاف طور پر معلوم ہو گیا ہے کہ موصوف نے اس مضمون کو بلا استیعاب مطالعہ کے بعد ہی اسے شامل اشاعت کیا ہے۔ علاوہ ازیں انہوں نے ”اعتذار“ میں جن ”اعتذار“ کا ذکر کیا ہے تو ان کے متعلق ایک مبتدی طالب علم بھی جانتا ہے کہ ان کی پرکاشہ کے ہمراہ بھی کوئی دینی، علمی اور شرعی حیثیت نہیں ہے۔ بلکہ اس سے النان کا اپنا ”تساہل و تغافل“ ثابت ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کے ایک مضمون کو ”بائی لائن“ کرنے کے لئے یہ جتنی سرخی یا عنوان قائم کیا ہے جو اصل مضمون میں نہیں پایا جاتا:

”درحقیقت مصنف کو جو الجھن پیش آئی ہے اس کے دو اسباب ہیں“، ملاحظہ ہو ماہنامہ

لولاک ص ۲۱، اکتوبر ۲۰۱۳ء۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ مضمون کے جس حصے پر مذکورہ عنوان قائم کیا گیا ہے اور جہاں سے دو سطریں حذف کی گئی ہیں اسی صفحہ میں وہ تو جین آمیز مواد موجود ہے۔ اس کا صاف مطلب تو یہ ہے کہ موصوف کو حضرت ہند، حضرت ابوسفیان، حضرت معاویہ اور دیگر اموی صحابہ رضی اللہ عنہم کی تو جین کے ساتھ ”اتفاق“ تھا۔ کیونکہ دو سال بعد بھی موصوف حضرت ابوسفیانؓ کے خلاف (صرف نام حذف کر کے) اللہ کے گھر میں منبر رسولؐ پر بیٹھ کر شرکائے ختم نبوت کا نفرین سے خطاب کرتے ہوئے وہی واقعہ بیان کر رہے ہیں جسے دو سال پہلے ماہنامہ لولاک کے اوراق کی زینت بنایا تھا۔ مذکورہ تفصیل سے شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا صاحب کے ”ضروری اعتذار“ کے تحت اس ”محصومانہ عذر“ کہ:

فقیر کے لئے یہ تمام معلومات نئی تھیں اپنی لاعلمی پر بہت ہی ترس آیا“ (ماہنامہ لولاک ص اندرون ماسٹل نومبر ۲۰۱۳ء) کی حقیقت بھی واضح ہو گئی ہے۔

اموی صحابہ کرامؓ بالخصوص حضرت ابوسفیان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی تو جین کے بعد اس بحث کے آخر میں مولانا اللہ وسایا صاحب کے ایک دوسرے ”خطاب“ کا ذکر کیا جاتا ہے جس میں نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا اظہار ایک انتہائی گھٹیا مثال کے ذریعے کیا گیا ہے ملاحظہ فرمائیں: مولانا محمد رضوان عزیز ۱۲ اپریل ۲۰۱۴ء کو جامعہ مدنیہ جدید لاہور میں منعقدہ ”عظیم الشان، فقید المثال ختم نبوت کانفرنس“ کی روداد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”انسانوں کا یہ بھانپیں مارنا ہوا سمندر جذبات کا بحرنا پیدا کنارا ایک خاص لگن اور شوق سے آج مورخہ ۱۲ اپریل کو جامعہ مدنیہ جدید میں جمع تھا اور جامع کی وسیع و عریض زمین باوجود اپنی وسعت کے تنگ دامنی کا گلہ کر رہی تھی.....

دوسری نشست کی صدارت جامعہ مدنیہ کے مہتمم و شیخ الحدیث حضرت مولانا سید محمود میاں نے فرمائی اور سرپرستی امیر مرکزیہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالجبار لدھیانوی نے فرمائی۔ مہمان خصوصی میں وہ عظیم ہستیاں تھیں جو جانِ محفل ہوا کرتی ہے۔ حضرت پیر و مرشد مفتی محمد حسن، پیر طریقت مولانا سعید الحسن دہلوی، ڈاکٹر محمد اولیس، مولانا محبت البیہی اور حضرت مولانا نعیم الدین..... مولانا عزیز الرحمن جالندھری۔ مولانا قاضی احسان احمد، مولانا محمد یوسف خان، مولانا محمد رضوان عزیز، مولانا عبدالحق خان بشیر، مولانا عبدالرؤف فاروقی، مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی، مولانا عبدالشکور حقانی، سید محبوب شاہ گیلانی، مفتی محمد شاہد مسعود، مولانا عبدالشکور نقشبندی، مولانا سید عبدالجبار ندیم شاہ، مولانا اللہ وسایا، مولانا امجد خان، سید ضیاء اللہ شاہ بخاری، مفتی کفایت اللہ اور دیگر حضرات نے خطاب فرمائے۔ سب کے بیانات پر مغز دل نشین تھے.....

مولانا اللہ وسایا کے وجد آفرین خطاب نے تو مجمع پر رقت طاری کر دی۔ مولانا اللہ وسایا عمر کے جس حصے میں ہیں وہاں قانونِ فطرت اپنے جو بن دکھا رہا ہے۔ طبعی عوارض یہ اجازت نہ دیتے تھے کہ عہد گزشتہ کو آواز دے کر وہی حالت شباب کا ساز بجایا جاتا مگر آقا کی محبت جو رگ و ریشے میں رچی بسی ہے اس نے وہ سب کھلوا یا جو وقت کا تقاضا تھا، راہروانِ عشق و مستی کے لئے نشانِ منزل تھا۔ مولانا نے کیا خوب فرمایا:

”تیرے عشق نچایا کر کے تھیتا تھیتا“

ایک عہد تھا جو بیت گیا، ایک لمحہ تھا جو گزر گیا، کہنے والے حالی دل کہہ کے رخصت ہوئے، سننے والے درودِ لے کر روانہ، آقا کی ختم نبوت کا ترانہ گونجا اور صبح قیامت تک اس کی بازگشت سنائی دیتی رہے گی، (ماہنامہ لولاک جون ۲۰۱۴ء ص ۵۰-۵۱)

مولانا محمد رضوان عزیز نے مولانا اللہ وسایا کے وجد آفرین خطاب کو ”راہروانِ عشق و مستی“

کے لئے ”نشان منزل“ قرار دیا ہے اور اس کی خوب ”تحسین“ کرتے ہوئے اس تقریر کا مرکزی نقطہ ہی یہ مصرعہ قرار دیا کہ:

”تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا“

اس مرکزی نقطہ کا خاصہ یہی نہیں ہے کہ جس ”مجمع“ میں بھی یہ ”گایا“ یا سنایا جائے تو اس مجمع پر ”رقت“ طاری ہو جایا کرتی ہے مگر اس کانفرنس کی روداد سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض حضرات پر یہ ”رقت“ ہی طاری نہیں ہوئی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان کے ”حواس“ بھی معطل ہو گئے۔ ۱۲ اپریل ۲۰۱۴ء کو کانفرنس کا انعقاد ہوا اور جون کے شمارے میں یہ روداد شائع ہوئی۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے قائدین، ادارہ لالاک اور شراکائے کانفرنس کو اس طویل دورانیہ میں یہ احساس تک نہ ہوا کہ مولانا اللہ وسایا صاحب نے ایک انتہائی گھٹیا ”مصرعہ“ کے ذریعے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار کیا۔ کانفرنس کی ”روداد“ کے مرتب مولانا محمد رضوان عزیز نے بجا طور پر اس مصرعہ یعنی ”تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا“ کو ”برہان عشق و مستی“ کے لئے نشان منزل قرار دیا۔ البتہ اسے گانے کے لئے موقع و محل اور جگہ مقام کا انتخاب صحیح نہیں ہوا۔ کیونکہ اس مصرعہ کے شایان شان پروگرام کے لئے کوئی ”ٹائٹ کب“ یا ”سینما ہال“ ہی مناسب رہتا ہے۔ تعجب بالائے تعجب یہ کہ جو گھٹیا مصرعہ ایک محدث اور چند ہزار کے مجمع میں ”گایا“ گیا اسے ادارہ لولاک نے اپنے ماہنامے میں شائع کر کے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ پھر انٹرنیٹ پر ”آپ لوڈ“ کرنا اس پر مستزاد ہے۔ کیونکہ اس سے بڑھ کر ”عشق و مستی“ والوں کے لئے اور کوئی نشان منزل نہیں ہو سکتا۔

اس ”مصرعہ“ کا تاریخی پس منظر بیان کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لفظ ”عشق“ کی تعریف نذوقتاً زمین کر دی جائے۔

”عشق“ عربی زبان کا لفظ ہے مگر قرآن اور حدیث کے وسیع ذخیرے میں یہ لفظ استعمال نہیں ہوا اس لئے اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس گھٹیل لفظ کا استعمال جائز نہیں ہے۔ امام ابن تیمیہؒ نے اسے اللہ تعالیٰ یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں استعمال کرنے کو ”بدعت و ضلالت“ قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو: مجموع الفتاویٰ جلد ۵ ص ۴۳۔

موصوف ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:

”وہو من الامراض التي نفع دین صاحبها، و عرضه ثم قد نفعه عقله ثم

جسمه“ (مجموع الفتاویٰ جلد ۱۰ ص ۱۳۱)

یہ ان امراض میں سے ہے جو آدمی کے دین اور اس کی عزت کو خراب کر دیتے ہیں بلکہ کبھی

اس کی عقل اور جسم کو بھی خراب کر دیتے ہیں۔

حافظ ابن قیم لکھتے ہیں کہ:

”ولا يحفظ عن رسول الله صلى الله عليه وسلم لفظ العشق في حديث

صحيح البه” (زاد المعاد جلد ۲ ص ۲۵۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لفظ ”عشق“ کسی صحیح حدیث میں قطعاً محفوظ نہیں۔

قاضی محمد سلمان منصور پوری لکھتے ہیں کہ:

غزلیات و ادبیات کے شیدالفظ عشق کا استعمال اکثر کیا کرتے ہیں۔ قرآن مجید اور احادیث پاک کے ماہرین سے یہ مرعفی نہیں ہے کہ ہر دو کلام پاک میں لفظ عشق کا استعمال نہیں ہوا ہے۔ قاموس میں ہے:

”الجنون فنون، والعشق من فنه يستحلبه المرء على نفسه باستحسان بعض

الصور والشمائل“ یعنی جنون کے بہت سے اقسام میں عشق بھی جنون کی ایک قسم ہے۔ اس مرض

کو انسان اپنے نفس پر بعض صورتوں یا خصلتوں کے اچھا سمجھ لینے سے خود وارد کر لیا کرتا

ہے۔ (میرت رحمة الملائین جلد دوم ص ۲۳۶۔ باب ہفتم ”حب النبی“)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لفظ ”عشق“ کا

استعمال درست نہیں ہے کیونکہ یہ ایک ایسی خصلت ہے جو جنون کی قسم میں سے ہے۔ کفار نے

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ

”اذک للمجنون“ (الحجرات آیت ۶) یقیناً تو بتو کوئی دیوانہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس الزام کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ:

”ما بصاحبکم من جنة“ (الاعراف آیت ۱۸۳)

ان کے ساتھی کو ذرا بھی جنون نہیں۔

”ما بصاحبکم من جنة“ (سبا. آیت ۴۶)

تمہارا اس رفیق کوہ کوئی جنون نہیں۔

”ما انت بنعمة ربک بمجنون“ (القلم آیت ۲)

آپ اپنے رب کے فضل سے دیوانہ نہیں ہیں۔

”وما صاحبکم بمجنون“ (التکویر آیت ۲۲)

اور تمہارا ساتھی دیوانہ نہیں ہے۔

”عشق“، شہوت اور ہوس کے گرد دیوانہ وار گھومنے والا ایک بازاری لفظ ہے غالب نے اسے دماغ کا خلل قرار دیا تھا۔ یہ لفظ ایرانی شاعری سے اردو میں آیا، یہ ایک مرض ہے جو ہوا و ہوس کے جلو میں پروان چڑھتا ہے یہ صرف نفسانی تسکین کا طلبگار ہوتا ہے۔ آج بھی کوئی شخص اپنی ماں، بہن اور بیٹی کے لئے عشق اور عاشق کا لفظ ایک لمحے کے لئے بھی گوارا نہیں کرتا بلکہ سنتے ہی اس کے رگ و پے میں غیرت کی بجلیاں کوندنے لگ جاتی ہیں۔

معلوم نہیں کہ یہ گھٹیا اور بازاری لفظ شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا جیسے اہل علم نے ”عشق و مستی“ میں ڈوب کر مشائخ طریقت، شیوخ حدیث اور علماء حق کی موجودگی میں ختم نبوت کا نفیس کے شرکاء سے خطاب کرتے ہوئے کیوں استعمال کیا؟ موصوف اگر اس موقع پر صرف ”عشق“ کا لفظ ہی استعمال کرتے تو پھر بھی اس کے گھٹیا اور بازاری ہونے میں کوئی شک نہیں تھا مگر انہوں نے جو مصرعہ سنایا گلیا (”تیرے عشق نچایا کر کے تھیتھا تھیتھا“) جو اکثر ماتر کلیوں اور ستہنابالوں میں گلوکاراؤں کی زبانی گایا جاتا رہا ہے۔ سخت حیرت ہے کہ موصوف نے اس سے ”محبت رسول“ کیوں کر مراد لے لی؟ کیا ہمارے اکابر یہ ”مصرعہ“ سنا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار فرماتے تھے یا ان کے ارشادات کی اتباع کر کے؟

”تیرے عشق نچایا کر کے تھیتھا تھیتھا“

دراصل یہ ایک ”کافی“ تھی جو یکے شاہ نے اپنے پیر شاہ عنایت کو ”منانے“ کے لئے ایک ”مغنیہ“ (یعنی گانے والی) کا روپ دھار کر ایک خاص جمع میں گائی تھی۔

یکے شاہ (۱۰۸۱ھ ۱۱۱۱ھ) حسنی، حسینی اور قادری سید تھے جبکہ ان کے پیر شاہ عنایت اراکین خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ جس کی وجہ سے اہل خاندان اس رابطہ کو اپنے خاندانی وقار کے خلاف سمجھتے تھے جیسا کہ موصوف خود اس کا یوں اظہار کرتے ہیں کہ:

یکے نوں سبھاؤں آئیاں بھیئناں تے بھر جائیاں
آل نبی، اولاد علی دی توں کیوں لیکیاں لائیاں
یکے شاہ کے مرشد شاہ عنایت کا مقام ملاحظہ فرمائیں:

”مضرت یکے شاہ کو ایک دفعہ حب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا بے تاب کیا کہ ان کا جی چاہا ایک دم مدینہ منورہ جا کر روضہ اقدس سے چالپنوں۔ آخر مرشد کامل شاہ عنایت کی خدمت میں اپنا مدعا بیان کیا۔ آپ نے پوچھا کیوں جاتے ہو؟ یکے شاہ نے جواب دیا کہ نبی کا فرمان ہے ”جس نے میری قبر کی زیارت کی گویا اس نے مجھے زندہ دیکھا“ مرشد نے فرمایا: تین دن کے بعد

جواب دیں گے۔

بکھے شاہ مرشد کی خدمت میں ٹھہر گئے۔ تیسرے روز خواب میں سرورِ دو عالم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا: اپنے مرشد کو لاؤ۔ آپ فوراً بلا لائے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت شاہ عنایت کو اپنے دائیں پہلو میں بٹھالیا۔

بکھے شاہ نے نظر اٹھائی تو مرشد کو بھی حضرت رسول اکرمؐ کا ہم شکل پایا اور بالکل تیز نہ کر سکے کہ ان میں سے مرشد کون ہے؟ اور آنحضرتؐ کون ہیں؟ اسی حیرت میں آنکھ کھل گئی، گھبرائے ہوئے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ نماز تہجد ادا کر کے مراقبہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک لمحہ کے بعد سراٹھایا اور فرمایا: اب تمہارا مقصد حل ہو گیا؟ حضرت بکھے شاہ نیاز مندانہ مرشد کے قدموں میں گر پڑے۔ حضرت مرشد سے عقیدت کا اظہار یوں کرتے ہیں:

بکھا شوہ دی ذات نہ کائی میں شوہ عنایت پایا ہے
یعنی اے بکھا! اللہ کی کوئی ذات نہیں ہے۔ اپنے پیر عنایت شاہ میں اللہ کا جلوہ نظر آتا ہے۔
عنایت دم دم مال چتا ریا سائوں آمل یار بیار ریا
ہر سانس کے ساتھ ہم نے پیر عنایت کا نام لیا۔ اے محبوب میرے پاس آجا۔
بکھے نوں لوگ متین دیندے بکھیا توں جا بود مسیحی
وچ مسیحاں کہیہ کچھ ہندا بے دلوں نماز نہ منی
باہروں پاک کہیتے کہیہ ہندا بے اندروں نہ گئی پلیتی
بن مرشد کامل بکھیا تیری اینویں گئی عبادت کیتی
یعنی بکھے کو لوگ نصیحت کرتے ہیں کہ اے بکھیا تو مسجد میں ڈیرا لگا دے لیکن مسجد میں بیٹھنے سے کیا حاصل ہوگا۔ اگر خلوص سے نماز ادا نہ کی گئی تو پیر و فی جسم پاک کرنے سے کیا ملے گا اگر دل سے گندگی دور نہ کی جائے۔

مینوں عشق بلارے دیندا منہ چڑھیا یار بلیندا
کتے شیعہ اے کتے سنی اے کتے جٹا دھاری کتے منی اے
میری سب سے فارغ سنی اے جو کہاں سویا منیندا
یعنی میں عشق کے جھولے میں جھول رہا ہوں میری زبان پر جو نام جاری ہے وہ مجھے بلا رہا ہے۔ کہیں شیعہ ہے کہیں سنی ہے کہیں لہجے بالوں والا سادھو ہے کہیں کس کا سر منڈا ہوا ہے لیکن

میری ہنڈیا ان سے الگ ہے جو اللہ سے طلب کرتا ہوں وہ مجھے دے دیتا ہے۔
یہی نہیں کہ بکھے شاہ نے یہاں ”اہل سنت“ سے برأت کا اعلان کیا ہے بلکہ ان کی نظر میں
ہندو، مسلمان میں بھی کوئی فرق نہیں تھا۔

۲۰۰۴ء میں قصور میں بکھے شاہ کا تین روزہ سالانہ عرس شروع ہوا جس میں شرکت کے لئے
بھارت سے ۹۵ رکنی وفد بھی آیا ہے جس میں تمام شعبہ ہائے زندگی کے لوگ شامل تھے۔ کیونکہ بکھے شاہ
کی نظر میں ہندو، مسلمان میں کوئی فرق نہیں تھا۔ اگلی کہانی ”سر راہے“ کے کالم نگار کی زبانی پڑھیں:

کتے رام واس کتے فتح محمد ایہو قدیمی شور مت گیا دوباں دا جھگڑا نکل پیا کچھ ہور
میری بکل دے وچ چورنی میری بکل دے وچ چور
یعنی مسلمان اور ہندو میں صرف نام کا جھگڑا ہے ورنہ خدا نہ مسلمان ہے نہ ہندو۔ صرف ان
لوگوں نے اسے مختلف نام دے رکھے ہیں۔

بکھے شاہ ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ:

نہ میں مومن وچ مسیتاں نہ میں وچ کفر دیاں ریتاں
نہ میں پاکاں وچ پلپیتاں نہ میں موسیٰ نہ فرعون
بکھیا کیہ جاں میں کون؟

یعنی موسیٰ میں بھی اللہ موجود ہے اور فرعون میں بھی اللہ ہی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بھارتیوں کا وفد پاکستان آ رہا ہے تاکہ وہ ہمیں بتا سکے کہ مذہب کے نام پر
الگ وطن بنانا ہماری غلطی تھی ورنہ ہندو اور مسلمان اصل میں ایک ہی ہیں۔ اسے کہتے ہیں۔

نیا جالا لائے پرانے شکاری
(روزنامہ نوائے وقت۔ ”سر راہے“ ۱۲۸ اگست ۲۰۰۴ء)

بکھے شاہ اور ان کے مرشد کے مذکورہ تعارف کے بعد:

”تیرے عشق نچایا کر کے تھیتا تھیتا“ کا پس منظر ملاحظہ فرمائیں:

ایک دفعہ بکھے شاہ اپنے استاد حافظ غلام مرتضیٰ کی بیٹی کی شادی کے موقع پر استاد کی طرف
سے مہمانوں کی دیکھ بھال کی خدمت پر مصروف تھے۔ حسین اتفاق ان کے مرشد شاہ عنایت
لاہوری کے حقیقی بیٹے اور داماد مولوی ظہور محمد صاحب خاص طور پر ملنے آئے۔ بکھے شاہ کو مہمان
خصوصی کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اپنے ایک درویش کو ہدایت کی کہ ان کی خاطر مدارات میں کوئی

کسر نہ اٹھا رکھی جائے اور فرمایا کہ مہمانوں سے فارغ ہو کر میں ان کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ اتفاق سے یکے شاہ تمام رات شاوی کے کام سے فرصت نہ پاسکے۔ دھڑمولاوی ظہور محمد صاحب اپنی جگہ ہمدن منتظر رہے مگر یکے شاہ نہ آئے تو وہ مایوس ہو گئے۔

صبح ہوئی تو مولوی ظہور محمد صاحب بلا اطلاع لاہور واپس چلے گئے اور اپنے خسر سے یکے شاہ کی بے اعتنائی کی شکایت کی۔ حضرت شاہ عنایت نے بھی اپنے مرید کی غیر متوقع بے رخی کو سخت ناپسند کیا اور جلالت میں آکر یکے شاہ کو اپنے روحانی فیض سے محروم کر دیا۔

یکے شاہ بڑی قوتوں کے بعد اپنے مرشد شاہ عنایت کے شطاری سلسلہ کے بزرگ شیخ محمد غوث گوالیاری کے مقبرہ پر حاضر ہوئے جو قلعہ گوالیار میں واقع ہے۔ اور قریب ہی ہند کے ماہر راگی تان سین کا مرقد بھی ہے۔ خواب میں آپ کو شیخ محمد غوث گوالیاری کی زیارت ہوئی جنہوں نے آپ کو عرفان کی دولت بخشی اور تان سین کی قبر پر پیری کے ڈھائی پتے کھانے کی ہدایت فرمائی۔ صبح آپ نے حسب فرمان تان سین کی قبر پر درخت سے پتے کھائے جس سے آپ میں موسیقی کا کمال پیدا ہو گیا اور آپ کی طبیعت کو سکون حاصل ہوا۔ گوالیار سے آپ قصور آئے اور ایک دن ٹھہر کر لاہور چلے گئے، وہاں ان قوالوں سے ملے جو حضرت شاہ عنایت کی محفل میں عارفانہ کلام گایا کرتے تھے۔ آپ نے انہیں بتایا کہ آپ مغنیہ کے بھیس میں اپنے پیر کی بارگاہ میں رسائی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

قوالوں نے حضرت شاہ عنایت کے فرضی ہندوستانی مغنیہ کے فن موسیقی کی بہت تعریف کی اور پیش کرنے کی اجازت چاہی۔ حضرت شاہ عنایت بولے ہم اس مغنیہ کو خوب جانتے ہیں اور جمعہ کے دن سماع کی اجازت دے دی۔ یکے شاہ بہت خوش ہوئے۔ جمعہ کے روز آپ نے مغنیہ کا بھیس بدلا اور قوالوں کے ساتھ مرشد کی محفل میں جا پہنچے۔

مرشد کے فراق میں آپ بڑھال ہو چکے تھے۔ قدم بوسی کی تمنا نے بے کل کر دیا تھا۔ جن مصائب کے ساتھ روٹھے پیر کو منانے کے لئے ہندوستان کا سفر کیا تھا اس سے آتش شوق اور بھی بھڑک اٹھی تھی۔

اس پر موسیقی کے فیض نے کلام میں سوز و درد کوٹ کوٹ کر بھر دیا اور بول کو جا دواثر بنا دیا تھا۔ پھر مرشد کو جلد از جلد منانے کا خیال بھی دل میں چمکیا لے رہا تھا لہذا آپ نے ایسے درد بھرے لہجہ میں گانا شروع کیا کہ ساری محفل تحسین و آفرین کی صداؤں سے گونج اٹھی۔ خود سازندوں نے بھی دل کی اس قدر گہرائیوں سے نکلے ہوئے بول سمجھی نہیں سنے تھے۔

آپ نے محفل کا یہ رنگ دیکھا تو آپ اصل مقصد کی طرف آئے اور اپنی مشہور کافی گانا شروع کر دی:

تیرے عشق نچایا کر کے تھنیا تھنیا جھب وے بوہڑیں آ طیبیا
عشق ڈیرہ میرے اندر کینا بھر کے زہر پیالہ پیتا
وچ انتقاری تیری رہتا تیرے عشق نچایا کر کے تھنیا تھنیا
جھب وے بوہڑیں آ طیبیا نہیں ناں میں مر مٹیاں
تیرے عشق نچایا کر کے تھنیا تھنیا تیرے عشق نچایا کر کے تھنیا تھنیا
بکھا، شاہ عنایت آئے میرے بوہے شکر کینا آج اوہ میرے ہوئے
میں بھل مٹیاں تیرے مال نہ مٹیا تیرے عشق نچایا کر کے تھنیا تھنیا
یعنی تیرے عشق میں مجھے ماچنا پڑا۔ اے مرشد جلد آ۔ میرے اندر عشق نے ڈیرہ جھلایا ہے
اور یہ زہر کا پیالہ میں نے خود پیا ہے۔ یہ بڑی کھٹن منزل ہے۔ مجھے تیرا انتقار ہے۔ بکھے شاہ،
مرشد میرے دروازے پر آگیا ہے میں نے شکر کیا کہ مجھے ان کا وصال نصیب ہوا۔
جب آپ کا فیاں گا چکے تو حضرت شاہ عنایت نے مغنیہ سے پوچھا: تو بکھا ہے۔ آپ نے کہا
میں ”بکھا“ نہیں ”بھلا“ ہوں یعنی بھولا، بھٹکا ہوا ہوں۔

پیر نے آپ کو گلے سے لگا لیا۔ معرفت کا چھینا ہوا خزانہ واپس کر دیا اور کہا کہ اب یہ تمہاری
مستقل دولت ہے۔ اسے کوئی نہیں چھینے گا۔ (بکھے شاہ مؤلفہ محمد شریف گلزار ص ۳۷ تا ۴۲۔ ملخصاً۔
مطبوعہ فیروز سنز لاہور۔ اشاعت دوم ۱۹۷۸ء)
بکھے شاہ کی یہ کافی اور موسیقی اس قدر مشہور ہوئی کہ اس کے بعد ”معشوقاؤں“ نے رونچھے
”عاشقوں“ کو اس کافی اور موسیقی کے ساتھ خوب ماچ ماچ کر منانا شروع کر دیا۔ پھر اس ”کافی“
کو گلوکارائیں فلموں، مائٹ کلیوں اور سینما ہالوں میں گاتی رہیں جن میں سے چند مشہور نام یہ ہیں:
عابدہ پروین، شاہدہ منی، عذرا جہاں، نصرت فتح علی خان، جاوید بشیر۔ ملاحظہ ہو:

qausain.wordpress.com / www.theosufi.com/

www.punjabi-kavita

علاوہ ازیں پنجابی فوک سنگر ”جسیر جسی“ نے بھی یہ کافی گائی اور پاپ راک بینڈ ”جال“
نے ۲۰۱۱ء میں ”کوک سٹوڈیو“ میں اس کافی کو گایا۔ مزید یہ آں ۲۰۱۰ء میں ”تیرے عشق نچایا“ کے
عنوان پر باقاعدہ ایک فلم بھی معرض وجود میں آگئی۔ مذکورہ لوگوں کے علاوہ مولانا اللہ وسایا
صاحب واحد وثنی شخصیت ہیں جنہیں ایک مذہبی راہنما ہونے کی حیثیت سے عظیم الشان اور

فقید المثل ختم نبوت کانفرنس میں ایک مغنیہ کے روپ اور لباس میں حضرت کبھی شاہ کی مانج کے دوران گائی ہوئی کافی کا مرکزی مصرعہ سنانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ مولانا رضوان عزیز نے تو ”کافی“ کا یہ مصرعہ پڑھنے یا سنانے پر انہیں خوب داد تحسین دی مگر اس طرح کے ”عشق“ کے اظہار سے عزت و شہرت کے بجائے ”نقصان“ ہی اٹھانا پڑتا ہے۔

مجھ سا جہاں میں کوئی نادان بھی نہ ہو کر کے عشق جو کہتا ہے نقصان بھی نہ ہو ”تیرے عشق نچایا“ کا منہم تو واضح ہے جبکہ اردو ڈکشنری میں ”تھی تھی“ (تھ۔ئی، تھ۔ئی) کا معنی ہے: تال، سم، تالی، آواز جو گویے نکالتے ہیں، گانا، ناچنا، ماپنے گانے کی آواز۔ تھاپ کی آواز۔ ملاحظہ ہو: فیروز اللغات اردو ص ۳۹۹۔

قارئین کرام! کہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا ایمانی اور پاکیزہ جذبہ اور کہاں ایک گھٹیلہ بازاری اور مغلی جذبات کی عکاسی کرنے والی گلوکاراؤں اور گلوکاروں کی فلموں میں گائی ہوئی یہ کافی؟ اگر تمثیل میں محض ”عشق“ کا لفظ بھی آجاتا تو پھر بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت جائز نہیں تھی مگر ”تیرے عشق نچایا کر کے تھیتا تھیتا“ کی نسبت کو تو کسی لحاظ سے بھی صحیح نہیں کہا جاسکتا اور نہ ہی اس ”کافی“ کی کسی تاویل سے تائید کی جاسکتی ہے۔

کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے الفاظ کے چناؤ میں احتیاط ملحوظ نہیں رکھنی چاہئے۔ یہاں قائل کی ”نیت و مراد“ کا سہارا بھی نہیں لیا جاسکتا یہاں صرف ”عرف“ کا ہی اعتبار ہوگا۔ مولانا شاہ اسماعیل شہید فرماتے ہیں کہ: ”یہ بات محض بے جا ہے کہ ظاہر میں لفظ بے ادبی کا بولے اور اس سے کچھ اور معنی مراد لے“ (تقویۃ الایمان ص ۸۰۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

مولانا رشید احمد گنگوہی ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

”یہ الفاظ قبیحہ بولنے والا اگرچہ معانی حقیقیہ مراد نہیں رکھتا معنی مجازی مقصود لیتا ہے مگر تاہم ایہام گستاخی و اباحت و اذیت ذات پاک حق تعالیٰ شانہ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خافی نہیں، یہی سبب ہے کہ حق تعالیٰ نے لفظ ”راعنا“ بولنے سے صحابہ کو منع فرمایا اور ”انظرنا“ کا لفظ عرض کرنا ارشاد کیا حالانکہ مقصود صحابہ معاذاً اللہ ہرگز وہ معنی کہ یہودیہ لیتے تھے، نہ تھے مگر ذریعہ شوخی یہودیہ کا اور وہ ہم اذیت و گستاخی جناب رسالت کا تھا لہذا حکم ہوا: ”لا تقولوا راعنا و قولوا انظرنا.....“

اور علیٰ ہذا حضرات صحابہ کا پکار کر بولنا مجلس شریف میں آنحضرتؐ میں ہرگز بوجہ اذیت و گستاخی معاذاً اللہ نہ تھا بلکہ حسب عادت و طبع تھا مگر چونکہ اذیت و بے اعتنائی شان والا کا اس میں ایہام تھا کہ یہ حکم ہوا:

”یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهُ بِالْقَوْلِ کَجَهْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحِیْطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ“
کیا صاف حکم ہے کہ اگرچہ تمہارا قصد گستاخی نہیں مگر اس فعل سے ”خطِ اعمال“ تمہارے ہو جاویں گے اور تم کو خبر بھی نہ ہوگی۔“ (تالیفات رشیدیہ ص ۶۸۷۔ تحت ’’ظا نف رشیدیہ‘‘
اس تو فیح کے بعد مولانا رضوان عزیز کی یہ ”رواد“ پڑھیں کہ:

مولانا اللہ وسایا کے وجد آفرین خطاب نے تو مجمع پر رقت طاری کر دی۔ مولانا اللہ وسایا عمر کے جس حصے میں ہیں وہاں قانونِ فطرت اپنے جو بن دکھا رہا ہے۔ طبعی عوارض یہ اجازت نہ دیتے تھے کہ عہد گذشتہ کو آواز دے کر وہی حالت شباب کا ساز بجالایا جائے مگر آقا کی محبت جو رگ و ریشہ میں رچی بسی ہے اس نے وہ سب بھلوا دی جو وقت کا تقاضا تھا، راہروانِ عشق و مستی کے لئے نشانِ منزل تھا۔ مولانا نے کیا خوب فرمایا:

”تیرے عشق نچایا کر کے تھیتھیتھا“ (ماہنامہ لولاک جون ۲۰۱۲ ص ۵۱)
”تیرے عشق نچایا کر کے تھیتھیتھا“ کی ”کافی“ دراصل ”طبعاً تھیتھیتھا“ اور ”تھا تھک تھیتھا“ کے تقلید اور ”میں“ ”مات کلبوں، سینا بالوں اور تھیتھروں“ میں زیادہ تر مدہوشی کی حالت میں ماپتے ہوئے ہی لکائی جاتی ہے۔

صدائے فوس! عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے روح رواں مولانا اللہ وسایا اور مولانا رضوان عزیز جس گھٹیا، بازاری اور انتہائی رکیک و خسیس مصرعہ کو بقائے نبی ہوش و حواس ”حب النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ کا مترادف قرار دے رہے ہیں اس سے تو ”ابانت نبی“ ہی کا پہلو ا جا کر ہو رہا ہے اور یہ اتنا بڑا اجر م ہے کہ جو اگر ”لا شعوری“ طور پر بھی سرزد ہو جائے تو اس پر ”خطِ اعمال“ کا ضابطہ لاگو ہو جاتا ہے۔
راقم الحروف کو کامل یقین ہے کہ جذبہ ”حب النبی“ سے سرشار کوئی، عالم، کوئی مفتی حتیٰ کہ کوئی مسلمان مولانا اللہ وسایا کے ایک فقید المثال تحفظ ختم نبوت کانفرنس میں کہے گئے اس ”مصرعہ“ کی تائید و حمایت نہیں کر سکتا۔

(کیوں دھوکہ دیتے ہو؟ جذبہ ”حب النبی“ سے سرشار ایک مولوی، ایک مفتی، ایک مسلمان پیش نہیں کیا جاسکتا جو یہ کہے کہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے روح رواں مولانا اللہ وسایا صاحب نے مجھے شاہ کی کافی کا یہ مصرعہ ”تیرے عشق نچایا کر کے تھیتھیتھا“ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں صحیح پڑھا تھا۔ راقم الحروف نے غلط کہ دیا، تارمین سے معافی کا خواست گار ہے بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ ایک شریف آدمی بھی ایسا پیش نہیں کیا جاسکتا جو مولانا اللہ وسایا صاحب کی تائید کرے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کی محبت میں صحیح ”مصرعہ“ پڑھتا تھا۔)

یہ ملحوظ رہے کہ بین القوسین عبارت میں اختصار کر دہ ”اسلوب“ اور لہجہ خود مولانا اللہ وسایا صاحب کے حویلیاں کے ایک ”اہم خطاب“ سے ہی مستعار لیا گیا ہے۔

چلئے چھوڑئے گزشتہ ساری بحث کو۔ آپ ”مراقبہ“ کی حالت میں ”تیرے عشق نچایا کر کے تمہیں تمہیں“ کا مصرعہ بارگاہ رسالت میں پیش کرنے کا تصور کر لیں۔ سارا معاملہ واضح ہو جائے گا۔ ”مراقبہ“ کو بھی رہنے دیں آپ کا یہ ”اعتقاد“ تو ہے ہی کہ جس محفل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہو یا صلوٰۃ و سلام ہو تو فرشتے وہاں کی رپورٹ روضہ مقدسہ میں پیش کرتے ہیں جب ”بنام“ یہ رپورٹ پیش ہوئی ہوگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا محسوس فرمایا ہوگا؟ اس کا تصور بھی روٹنے کھڑے کر دینے کے لئے کافی ہے۔

مگر صد افسوس! مولانا اللہ وسایا صاحب، شرکائے محفل اور جن لوگوں نے ”لولاک“ میں یہ عشقیہ رپورٹ پڑھی معلوم نہیں ان کے ضمیر نے ابھی تک انہیں کوئی ”کچوکا“ کیوں نہیں لگایا؟ اس بحث کے آخر میں اس شاعر کو ذرا تحسین پیش کیا جاتا ہے جس نے اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا

ہے شان تیری اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ
جو لفظ بھی تیری شان کے شایاں نظر آیا

اختتامیہ

زیر نظر کتاب میں اختصار کے پیش نظر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے صرف سنی ”ناقدین“ کے افکار و نظریات پیش کیے گئے ہیں جن میں یقیناً بعض ”معاقدین“ بھی ہیں۔ ممکن ہے کہ ان کا اصل تعلق ہی اہل تشیع کے ساتھ ہو اور انہوں نے تہذیب اہل سنت کا لبادہ اوڑھ رکھا ہو؛ لیکن دیگر اکابرین اہل سنت کے بارے میں اس طرح کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ نہ صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت، مشاہدات صحابہ کے شرعی حکم اور صحابہ کے اعلیٰ و ارفع مقام سے آگاہ ہیں بلکہ اس کے مبلغ اور پرچارک بھی رہے ہیں۔ اس کے ساتھ اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اکابر کے ”ریہا رکس“، پڑھ کر کوئی بھی انصاف پسند سنی قاری ان کے ساتھ نہ تو اتفاق کر سکتا ہے اور نہ ہی ان کی کوئی صحیح تاویل یا توجیہ۔

اسی طرح یہاں ”توہین و تنقیص“ پر مبنی کلمات کے بارے میں قائلین کی ”نیت و مراد“ کا سہارا بھی نہیں لیا جاسکتا کیونکہ انہوں نے اکابر کے وفات پا جانے کے بعد ان کی ”نیت و مراد“ معلوم کرنے کا کوئی طریقہ موجود نہیں ہے اور نیا یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ”قائلین اور مائلین و کاتبین“ کی ”مراد و نیت“ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو مگر ”سائلین اور ناظرین و قارئین“ اسے ”بے ادبی“ پر ہی محمول کریں گے۔ کیونکہ سب و شتم اور نقص و عیب کے کلمات میں قائل کی ”نیت و مراد“ کے بجائے ”عرف“ کا اعتبار ہوتا ہے اور ظاہری کلمات کو دیکھا جاتا ہے جب کہ فقہاء کرام کے نزدیک بلا جبر واکراہ اور قصد و عمدہ ”مصریح الدالالت“ الفاظ میں نیت و مراد ادا تاویل تو جیسا قائل قبول اور ناقابل اعتبار ہے۔ شاہ اسماعیل شہید فرماتے ہیں کہ:

”اور یہ بات محض بے جا ہے کہ ظاہر میں لفظ بے ادبی کا بولے اور اس سے کچھ اور معنی مراد لے.....“ (فتاویٰ الایمان ص ۸۰۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ”راعنا“ کا لفظ استعمال کرنے سے منع کر دیا۔ حالانکہ یہ لفظ اپنی جگہ ٹھیک تھا اور اس میں معنوی طور پر کوئی خرابی نہیں تھی اور مسلمانوں کی نیت بھی صحیح تھی لیکن یہودیوں اور منافقوں نے اس لفظ کو گستاخی کا ذریعہ بنا لیا تھا۔

کیا اکابر کے حضرات معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں حسب ذیل صریح الدلائل کلمات تو چین و تنقیص پہنچی نہیں ہیں؟

”ہماری مجلسوں کا بوسنیان کے بیٹے (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کے ذکر سے گندہ نہ کرو۔ معاویہ، بوسنیان اور حکم ملعون ہیں! اللہ ان پر لعنت کر (العیاذ باللہ)۔ معاویہؓ ”لَا بَسَّالُ عَہْدِ الظَّالِمِیْنَ“ کی رو سے امانت، خلافت اور امارت کا مستحق نہیں، وہ ایک مغلوب حکمران تھے۔ حضرت علیؓ اور حضرات حسنینؓ و دیگر صحابہ ان سے دوستی و محبت نہیں رکھتے تھے بلکہ ان پر لعنت و تہرا کرتے تھے۔ بوسنیان اور ان کا گروہ ائمة الکفر میں شامل تھا،

یہ اکابر اعلانیہ اور سرمنبر حضرت معاویہؓ کی مذمت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ان کی محبت ہمارے دل میں نہیں آ رہی، معاویہؓ سلطان جائز تھے، معاویہؓ فاسدناویل کرتے تھے، اول جس نے اسلام میں بغاوت کی وہ معاویہؓ ہے اور ابانت کا لفظ معاویہ سے ماخوذ ہے کیونکہ وہ ”عسوی“ سے مشتق ہے اور وہ بھیڑیے اور کتے کا بھونکنا ہے، معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے مابین اختلافات ”اجتہادی“ نہیں تھے اور وہ ”خطائے منکر“ کے مرتکب تھے۔

معاویہؓ باغی، طاغی، حضرت علیؓ کے فرمان اور حکم عدول تھے انہوں نے منفی خلافت کی طلب و خواہش ترک نہیں کی، ظاہری ہی نہیں بلکہ باطنی اور حقیقی بغاوت اختیار کی، قصاص عثمانؓ کا لبادہ ریا کارانہ طور پر اوڑھ اور انہوں نے قرآن و حدیث دونوں کے احکام ترک کر دیے۔

انصاف اور اعتدال یہ ہے کہ معاویہؓ کو مذکورہ امور کا مرتکب سمجھا جائے۔

معاویہؓ نے احکامات رسالت مآبؐ کی نفی کی۔ وہ باغی اور باطل پر تھے۔ ان کا مطالبہ قصاص عثمانؓ اور جنگ صفین وغیرہ حرکات شائبہ نفسانی سے خالی نہ تھے۔ معاویہؓ کو دینی تمکین حاصل نہ تھی۔ کوئی سنی انہیں خلیفہ راشد نہیں سمجھتا۔

خلفائے اربعہ اور ان کے طور و انداز میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ ہم امیر معاویہؓ کو جلیل القدر صحابہ میں شمار نہیں کرتے کہ ہم ان کی طرف سے معذرت پیش (یعنی وفاق) کریں۔

ابن عمر رسول خلیفہ راشد علی المرتضیٰ اور امیر شام کا مقابلہ ہی کیا؟ ”چراغ مروہ کجا، شمع آفتاب کجا۔“ قرآنی نص کے ذریعے حضرت علیؓ کی بیروی حضرت معاویہؓ پر لازم ہے لیکن انہوں نے بیروی کے بجائے مخالفت کی، اطاعت کے بجائے قتال کیا۔ اس صورت میں ان کے موقف کو کون صحیح کہہ سکتا ہے؟

معاویہؓ باعتبار درجہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ناخن کے برابر بھی نہیں تھے، وہ خطا کے مرتکب

ہوئے۔ یہ ”اجتہادی“ وغیرہ تو سابقہ لائحے ہیں، تاویل نہ کرو، مانو خطا ہوئی ہے۔ خطا کی تاویل کرنا تو کمزور رامتہ ہے۔ وغیرہم۔۔۔ یہ ملحوظ رہے کہ ”معاندین معاویہ“ کے ”ریڈ مارکس“ ان کے علاوہ ہیں جو کتاب میں اپنے اپنے مقام پر ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔

اکامہ کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ ”تحقیقی کلمات“ خود ان کی بار بار شائع ہونے والی کتب سے ماخوذ ہیں جن میں سے بعض درس نظامی کے نصاب میں بھی شامل ہیں۔ راقم الحروف نے ”اکامہ“ کو سیدنا معاویہؓ کے ”مائدین“ کی قطار میں ہرگز کھڑا نہیں کیا بلکہ ان کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے بغیر کسی قطع و برید اور توڑ موڑ کے پوری احتیاط سے ان کے کلمات نقل کیے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اکامہ کے مذکورہ کلمات درست تسلیم کرنے سے کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت داغ دار اور مجروح نہیں ہوتی؟ کیا مذکورہ صریح الدلالت کلمات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین اور تنقیص پر مبنی نہیں ہیں؟

اگر بغرض محال مذکورہ کلمات سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین نہیں ہوتی تو کیا خود اکامہ کی مدح و توصیف میں مذکورہ کلمات ان کے پیروکار پر داشت کر لیں گے؟ (جب کہ یہ جملہ اکامہ مل کر بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خاک پا کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتے)

اگر وہ ان کلمات کو اپنے اکامہ کے حق میں پر داشت نہیں کر سکتے اور انہیں اکامہ کی گستاخی اور توہین پر محمول کرتے ہیں تو پھر ان کلمات کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین و تنقیص کیوں نہیں سمجھا جاتا؟

کیا مذکورہ کلمات کے استدعال سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایذا نہیں پہنچے گی؟ کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا ہی نہیں ہے؟ (ومن اذا هم فقد اذانی)

اکامہ کے زیر بحث ”کلمات“ سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف سبائی پر وپیگنڈے سے متاثر ہو گئے ہیں اور یہ خیال کچھ بعید بھی نہیں ہے۔ کتب اسماء الرجال کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خارجیوں اور سبائیوں کے گمراہ کن نظریات نے ہر دور میں بعض صحیح العقیدہ علماء دین کو بھی کلی یا جزوی طور پر متاثر کیا۔ مفسرین، محدثین، متکلمین اور فقہاء میں سے بعض ائمہ فن ایسے بھی ملتے ہیں جو تمام تر علم و فضل کے باوجود سبائی، خارجی اور ماضی تھے یا پھر ان کے نظریات سے جزوی طور پر متاثر۔ ان کے حالات ایک مستقل کتاب کے مستقاضی ہیں۔ امام ذہبی نے ”مذکرۃ الحفاظ“ میں جاہلان کے علم و فضل کے اعتراف کے ساتھ ساتھ ان کی خاص ”علمت“ کی بھی نشاندہی فرمائی ہے۔ انہوں نے جہاں بعض حضرات کو

”الامام، الحافظ، الحجة، الاعلام، الفقيه، القلوة، العابد، المحدث، الامام الجوال، العارف، الصدوق، الحافظ الكبير، من أوعية العلم، إمام المحدثين، الحافظ الثبت، الحبر العالم“ کے القابات سے یاد کیا ہے تو وہیں ساتھ ہی ساتھ ”کان عثمانیا، قبه خارجية، قبه تشيع قليل، کان تشيع، کان شيعا محترقا، غل فسی التشيع، تقوا عليه التشيع، کان شديد التعصب للتشيع فی الباطن وکان يظهر التعمن فسی التقديم والخلافة وکان منحرقا عن معاوية وآل منظرأهراً بذلك ولا يعنذر منه“ وغیرہ الفاظ کے ذریعہ ان کے چہروں پر سے رہائے تقيہ بھی اتاری ہے۔

اس ایک ”اشارے“ سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ اکابر اپنے مخصوص ماحول سے کئی یا جزوی طور پر متاثر ہوتے رہے ہیں۔ اس لیے صحابہ کرامؓ کے بارے میں قرآن، حدیث اور کتب عقائد اہل سنت میں بیان کردہ شرعی مقام و مرتبہ کے مقابلے میں اکابر کے صحابہ کرامؓ کے کردار کو مجروح کرنے والے اقوال کو بلا ادنیٰ توقف رد کر دیا جائے گا۔

علامہ سید محمد یوسف بنوری فرماتے ہیں کہ:

”کیا کوئی معمولی قسم کا متقی اور پرہیزگار آدمی ان جگرپاش اتہامات کو ٹھنڈے دل سے برداشت کرے گا؟ اگر نہیں۔۔۔ اور یقیناً نہیں۔۔۔ تو کیا صحابہ کرامؓ ہم بالافتواں سے بھی گئے گزرے ہوئے؟ کہ ایک دونوں بلکہ مثالب وقبائح اور اخلاقی گراؤ کی ایک طویل فہرست ان کے نام چڑھی جائے، پھر بے لاگ تحقیق کے نام سے اسے اچھالا جائے اور روکنے اور نوکے کے باوجود اس پر اصرار کیا جائے۔“

کیا صحابہ کرامؓ کی عزت و حرمت یہی ہے؟ کیا اسی کا نام ”ذکر بالخیر“ ہے؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معزز صحابہؓ اسی احترام کے مستحق ہیں؟ کیا ایمانی غیرت کا یہی تقاضا ہے؟ کیا مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھول جانا چاہیے:

جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہتے ہیں تو ان کے جواب میں یہی کہو ”تم میں سے (یعنی صحابہ کرامؓ اور ان کے ماقدرین میں سے) جو برا ہو اس پر اللہ کی لعنت“ (ترمذی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ بعد کی امت کے لیے حق و باطل کا معیار ہیں۔ انہیں معیت نبوی کا جو شرف حاصل ہوا، اس کے مقابلہ میں کوئی بڑی سے بڑی فضیلت ایک جو کے برابر بھی نہیں۔ کسی بڑے سے بڑے ولی اور قطب کو ان کی خاک پا بننے کا شرف حاصل ہو جائے تو اس کے لیے مایہ صدفخار ہے۔

اس لیے امت کے کسی فرد کا خواہ وہ اپنی جگہ مفکر و دوران اور علامہ زمان ہی کہلاتا ہو ان پر تنقید کرنا قلبی زلیغ کی علامت ہے۔“ (عصمت امیاء و حرمت صحابہ ص ۲۷۔ مطبوعہ مدرسہ اخبار اعلوم چکول) دراصل اکابر کی بیرونی اور اکابر پرستی میں فرق نہ کرنا سب سے بڑی گمراہی اور بے راہ روی ہے۔ جب انسان حقیقتِ ایمان و اسلام اور اطاعتِ الہی سے بے پروا ہو کر ادھر ادھر کی ٹانگ نوٹیاں مارتا ہے اور خواہش نفس و شیطان کا اسیر ہو جاتا ہے تو اس کے نزدیک سب سے بڑا سہارا، ”کتب فکر“ کی عصمت میں پناہ لینا اور اپنے پیروں اور بزرگوں کی ”کبریائی“ اور ”تقدیس“ کا اظہار کرنا اور اپنے اعمال و مشاقت کو ثابت ثابت کرنے کے لیے ”شرعی جواز“ کی صورتیں پیدا کرنا ہوتا ہے۔

ایسے شخص کے سامنے جب کبھی قرآن و حدیث کے واضح احکام اور مسلمہ حقائق پیش کیے جاتے ہیں تو وہ اس کے جواب میں بھی اپنے ”مضرت اقدس“ کا بلا دلیل قول پیش کر کے قرآن و حدیث اور عقل و فہم سے یہ کہہ کر صاف صاف بغاوت اختیار کر لیتا ہے کہ ہمارے ”مضرت اقدس“ تم سے زیادہ شریعت سے واقف اور تم سے زیادہ قرآن و حدیث کے عالم ہیں۔

درحقیقت یہی جاہلی عصمت ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ایک شخص اکابر کے غلط افکار کے تعصب میں ایسا گرفتار ہو جائے کہ نہ ان پر کوئی تنقید برداشت کرنے کو تیار ہو اور نہ ان کے غلط افکار کی جگہ صحیح افکار قبول کرنے پر ہی آمادہ ہو۔

اکابر کے ساتھ خوش عقیدگی اور حسن ظن کی حدود سے تجاوز اندھی تقلید کو جنم دیتا ہے۔ اندھی تقلید کا مطلب یہ ہے کہ اکابر کے ساتھ اتنا حسن ظن ہو جائے کہ ان کو بجائے خود مسند تسلیم کر لیا جائے اور ان کے کسی قول و فعل کو کتاب و سنت کی کسوٹی پر پرکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی جائے۔ اگر جان بوجھ کر اور قصداً اس نے یہ روش اختیار کر رکھی ہے تو یہ ”مفلوہ عقیدت“ کے ساتھ ساتھ ”سہمان حق“ بھی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک امر کو جانتے ہوئے اور اس کے اظہار کی ضرورت محسوس ہوتے ہوئے بھی کسی طمع یا خوف کے سبب سے اس کے اظہار سے گریز کیا جائے۔ حق کی شہادت دینا اس امت کا حقیقی فرض منہی ہے اور جو لوگ علم رکھتے ہوئے اس کو چھپاتے ہیں ان کے بارے میں حدیث میں یہ ”وعید“ آئی ہے کہ: ”من سئل عن علم علمہ ثم کتمہ الحکم یوم القیامۃ بلحجۃ من نار“ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۴۔ کتاب العلم) جس سے علم کی کوئی ایسی بات پوچھی گئی جس کو وہ جانتا ہے پھر اس نے وہ بات چھپائی تو اس کو قیامت کے دن آگ کی لگام لگائی جائے گی۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

اختتامیہ

صحابہ کرامؓ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن باتوں پر عبدلیا ہے ان میں ایک نہایت اہم بات یہ بھی ہے کہ:

”وَعَلَىٰ أَنْ نَقُولَ بِالْحَقِّ أَيْنَمَا كُنَّا لَا نَخَافُ فِي اللَّهِ لَوْمَةً لَّا تُؤْمَرُ“

(مختصر المعاصح ص ۳۱۹۔ کتاب الامارۃ والقضاء)

ہم ہر حال میں حق کہیں گے جہاں کہیں بھی ہوں۔ اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں کریں گے۔

یہ حدیث تو منبر سے لے کر دار تک اور مدارس و مساجد سے لے کر بادشاہوں کے درباروں تک ہر جگہ حق کے اعلان کا مطالبہ کر رہی ہے لیکن یہاں اکابر پرستی کا نتیجہ یہ ہے کہ صحابہؓ کی کردار کشی کے باوجود ”تفقیدت مند“ محض اس اندیشہ سے حق کا اظہار نہیں کرتے کہ کہیں ”عنسرت اقدس“ کی روح ناراض نہ ہو جائے۔ انہوں نے ”اظہار حق“ کے بجائے ”حق پوشی“ ہی کو دین بنا لیا ہے اور مطعون وہ نہیں کیے جاتے جو حق کو چھپاتے ہیں بلکہ وہ لوگ کیے جاتے ہیں جو اظہار حق کی جرأت کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا اکابر کی ناراضی یا ان کی بے ادبی کے خدشے کے پیش نظر اظہار حق سے خاموشی اختیار کی جاسکتی ہے؟

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ جو ”ادب“ ضرورت کے وقت بھی اظہار حق کا روادار نہ ہو اس کو ”ادب“ سمجھنا ہی بے اطم ہے۔

مولانا محمد انور شاہ کاشمیریؒ نے اپنے قیام ڈائجیل کے زمانے میں فرمایا کہ:

”اس زمانہ میں کلمہ حق کہنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ ہم نے صرف ایک کلمہ حق کہا تھا تو اس کی وجہ سے آج آٹھ سو میل دور پھینک دیے گئے۔“ (انوار الباری شرح صحیح بخاری جلد ۶ ص ۲۱۶) موصوف کے داماد اور مرتب انوار الباری مولانا سید احمد رضا بجنوری نے جب ”تفرعات اکابر“ پر ”تعلقات، وانتقادات“ کے نشتر چلائے تو اس حق گوئی و صاف گوئی پر بہت سے ہم عصر اکابر و اصاغر ”سیخ پا“ اور ”جیس بجیس“ ہوئے۔ اس پر موصوف نے جواب فرمایا کہ:

”واضح ہو کہ تفرعات اکابر پر انتقادات و تعصب یا ان کی نشاندہی پورے ادب و احترام کے ساتھ مولانا بنوری مرحوم کی تالیفات میں بھی ملے گی اور راقم الحروف بھی اس کا عادی ہے جس کو کچھ لوگ تشدد کا نام دھرتے ہیں یا اپنے کسی تعلق یا عقیدت کے تحت اس کو بدایا قابل شکایت سمجھنے کا مزاج بناتا رہا تو خدا نخواستہ وہ وقت دور نہیں ہوگا کہ حق و باطل کا امتیاز اٹھ جائے گا اور صرف وہ اہل قلم قابل

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

اختتامیہ

پذیرائی رہیں گے جو ”مصلحت بین وکارسان کن“ پر عمل پیرا ہوں گے۔“ (حوالہ مذکور جلد ۱ ص ۲۵۷)
یہ اصول بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ اکابر ”مطاع مطلق“ اور معصوم عن الخطا نہیں ہیں کہ ہر بات میں ان کی اطاعت کی جائے اور دلائل کے ساتھ بھی ان کی رائے سے اختلاف کی گنجائش نہ ہو۔ صرف اللہ تعالیٰ اور نبی کی ذات ہی مستقل طور پر ”مطاع“ ہے۔ ان کے علاوہ ہر ایک کی اطاعت ”معروف“ کی قید کے ساتھ مقید ہے۔:

”لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق، لا طاعة في معصية إنمّا الطاعة في المعروف“ (مشکوٰۃ ص ۳۲۱، ۳۱۹)

حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں بھی ”معروف“ کی قید لگائی ہے ”ولا یعصیٰک فی معروف“ حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تو ”معروف“ ہی ہوتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو پھر بھی معصوم عن الخطا ہیں۔ ان کے بعد سب سے برگزیدہ اور مقدس طبقہ صحابہ کرامؓ کا ہے۔ ان کی پیروی سے متعلق بھی اصول فقہ میں یہ تصریح پائی جاتی ہے کہ صحیح افعال و اقوال میں ان کی پیروی کی جائے نہ کہ خطاؤں میں تو پھر اکابر و علماء و مشائخ کی غیر شرع و اہل بلا قید اطاعت کیونکر کی جاسکتی ہے؟

بالخصوص ان کے حضرات معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں تو بین و تنقیص پر مبنی کلمات کے سلسلہ میں علامہ ابن حجرؒ قہمیؒ کی فرمائے ہیں کہ:

”ولا جمل ذلك قال أئمتنا لا يجوز لأحد أن يتبع زلات العلماء أي إن بعض العلماء قد يؤدي اجتهاده إلى أمر بعيد جدا من الأدلة والقواعد فيبعد ذلك كالزلة و يمنع غيره من تقلبده قبها“ (تطبیح ایمان والمان ص ۴۹)

اسی وجہ سے ہمارے کائنات نے کہا ہے کہ:

کسی شخص کے لیے علماء کی اغزشوں کا اتباع جائز نہیں۔ یعنی بعض علماء سے کبھی اجتہادی غلطی ہو جاتی ہے اس غلطی میں ان کی تقلید نہ چاہیے۔ (تحریر ایمان ترجمہ تطبیح ایمان از مولانا عبدالکھور کھنوی ص ۱۳)
جب کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اکابر کی منقولہ تفصیلی عبارات ”خطائے اجتہادی“ کے زمرے میں نہیں آتیں۔ جب ”خطائے اجتہادی“ میں اکابر کی تقلید و اتباع جائز نہیں ہے تو پھر بھلا ”خطائے منکر و خطائے عناد“ میں ان کی اتباع کیونکر جائز ہو سکتی ہے؟
سنن دارمی کی روایت کے مطابق حضرت عمرؓ نے زیاد بن حذیر سے کہا کہ:

”أهل تعرف ما يهدم الإسلام قال قلت لا قال يهدمه زلّة العالم وجدال المناهق بالكتاب وحكم الأئمة المضلّين“ (مختلّو کتاب العلم)
کیا جانتے ہو کہ اسلام کو کیا چیز گرا دیتی ہے۔ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا: اسلام کو عالم کی افروش، منافق کا قرآن میں جھگڑنا اور گمراہ سرداروں کی حکومت تباہ کر دے گی۔

لیکن یہ اہم تعصب اور اکابر پرستی کا کہ یہاں جو پورے ادب و احترام کے ساتھ اکابر کی کسی رائے کے ساتھ اختلاف یا عدم اتفاق کا اظہار کر دے تو اسے ”خطائے بزرگاں گرفتار گرفتار خطا است“ کی رو سے گستاخ اکابر اور گردن زدنی قرار دے دیا جاتا ہے۔

جو شخص کسی بزرگ کے ذاتی معاملات کو ہدف تنقید بنائے یا ان کی اخلاقی اور بشری کمزوریوں کی بناء پر ان کے کردار پر کچھ اچھالے تو یہ شخص بلاشبہ قابل مذمت ہے لیکن دینی و اعتقادی غلطیوں کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ان پر، پر وہ ڈالنا اور انہیں نظر انداز کرنا انتہائی مذموم ہے اور امت کو گمراہی کے راستے پر ڈالنا ہے۔ کیونکہ یہ اکابر اپنے اپنے حلقہ اثر میں ”مقتداء“ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے ایسے طبقہ کی اعتقادی خطاؤں کو طشت انہام کر کے ان کی اصلاح کرنا اور صحابہ کرامؓ کا دفاع کرنا ہم فریضہ ہے۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ نے اپنے ایک رسالہ ”ربوہ روافض“ کی حجت بنی ایف کے تحت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پیش فرمائی ہے:

”جب بدعتیں اور فتنے نمودار ہونے لگیں اور میرے اصحاب کو یہ ابھلا کہا جانے لگو تو اہل علم پر واجب ہے کہ وہ اپنے صحیح علم کو پیش کریں اور جو عالم ایسا نہ کرے گا اس پر اللہ، فرشتوں اور تمام بندوں کی لعنت پڑے گی اور اللہ تعالیٰ اس کا کوئی نیک عمل، طاعت و صدقہ قبول نہ فرمائے گا۔“

(تائید اہل سنت اردو ترجمہ ردّ روافض از مولانا محبوب احمد ص ۴۲)

یہ حدیث ملاحظہ فرمائیے ”مرقاۃ“ میں اور علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے ”الصواعق المحرقة“ میں بھی نقل فرمائی ہے۔ اس فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضا ہے کہ علماء و صلحاء امت اپنی پوری ایمانی و عملی قوت کے ساتھ حضرات صحابہ کرامؓ کی شرعی عظمتوں کا تحفظ کریں اور بلا خوف و لومہ لام ہر محاذ پر ان فتنوں کا مقابلہ کریں۔

اکابر کی ”تنقیصی“ عبارات، ”کو“ خطائے بزرگاں گرفتار گرفتار خطا است“ (یعنی بزرگوں کی غلطی کو پکڑنا بھی خود ایک خطا ہے) کے تحت طشت انہام نہ کرنا یا اوباس کو امت اختیار کر لینا بالکل غلط ہے۔ عام سماجی، خاندانی اور معاشرتی زندگی میں تو کسی حد تک یہ مقولہ درست قرار دیا جاسکتا ہے کہ بزرگوں سے

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدرین

اختتامیہ

اگر کوئی خطا ہو جائے تو اسے نظر انداز کر دینا چاہیے لیکن ادبی، لسانی، دینی اور اعتقادی امور میں اسے کسی طور بھی صحیح نہیں کہا جاسکتا کیونکہ بعض اوقات اکابر کی زبان و قلم سے نکلی ہوئی غلطیاں جو یقیناً جان بوجھ کر نہیں کی جاتیں لیکن اگر انہیں ”سوء ادب“ کے خدشہ کے پیش نظر یا ”خطائے بزرگاں گرفتار“ خطا است“ کے مقولے پر عمل کرتے ہوئے نظر انداز کر دیا جائے تو عام لوگ (بلکہ ”تعلیم یافتہ“ غائی عقیدت مند) اس غلطی کو بھی فریضہ عقیدت کی وجہ سے صحیح سمجھنے لگتے ہیں اس طرح ”غلطی و غلطی“ ہوتی چلی جاتی ہے اور اکابر کی ”سند“ کی وجہ سے اس خطا پر ”صواب“ کی مہر تصدیق بھی ثبت ہو جاتی ہے۔

در اصل ”غلو و عقیدت“ ایک مہلک بیماری ہے۔ مقام پرستی اور اکابر پرستی ”عزیز ابن اللہ، مسیح ابن اللہ، وروڈ، سوار، لغوث، یلوق، نسر، لات، منات، جمبل و عزنی کی عبادت اسی ”غلو“ ہی کا نتیجہ ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس ”غلو“ سے منع فرمایا ہے:

”لَا تَغْلُوا فِی دِیْنِکُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلٰی اللّٰهِ اِلٰہَ الْحَقِّ، لَا تَغْلُوا فِی دِیْنِکُمْ

غیر الحق“ (النساء ۱۷۱، المائدہ ۷۷)

یہی حال کفار کا تھا کہ: ”وَ اِذَا قِیلَ لَهُمْ اتَّبِعُوا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَل نَّتَّبِعُ مَا

الْفِیْئَا عَلَیْہِ اٰبَآءُنَا“ (البقرہ ۱۷۰)

الحمد للہ راقم الحروف اکابر علماء حق کی دینی خدمات کا معترف اور عز و فائز میں ان کا پیرو ہے البتہ ”غلو و عقیدت“ اور اکابر پرستی سے ضرور بیزار ہے۔ جب دین میں ”غلو“ ممنوع ہے تو علمائے دین کے بارے میں ”غلو“ روا رکھنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ مگر کتابوں اور اشتہاروں میں علماء و مشائخ کے ”القابات“ پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ان غائی معتقدین کے نزدیک ان اکابر کا مقام و مرتبہ صحابہ کرامؓ سے بھی بڑھ کر ہے۔

”غلو“ افراط و تفریط دونوں کا مجموعہ ہے۔ حد سے کمی ”تفریط“ اور حد سے زیادتی ”افراط“ ہے۔ یہ دونوں مذموم اور ممنوع ہیں جب کہ امت مسلمہ کا وصف ہی ”وسط و اعتدال“ ہے۔ محبت و عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے بھی افراط و تفریط سے پاک راہ اعتدال اختیار کرنی چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

لَا تَطْرُونِیْ کَمَا اطْرَتِ النَّصَارٰی عِیْسٰی ابْنَ مَرْیَمَ فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدٌ فَقُولُوا عَبْدُ اللّٰهِ

و رسولہ“ (صحیح بخاری۔ رقم الحدیث ۳۴۴۵۔ کتاب الایماء)

میری اس طرح حد سے بڑھ کر تعریف نہ کرنا جس طرح عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی نصاریٰ

نے کی ہے۔ میں تو صرف اس کا بندہ ہوں، تم بھی ”عبداللہ ورسولہ“ ہی کہو۔

پیچھے یہ بات گزر چکی ہے کہ مجتہدین اور علماء کی لغزشوں اور خطاؤں میں اتباع جائز نہیں ہے۔ دلائل کی روشنی میں علماء کے اقوال کو ”رؤ“ بھی کیا جاسکتا ہے اور قبول بھی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ہر حال میں ”مکامہ“ کے اقوال قبول ہی کیے جائیں (جب کہ خطا میں تو قبول کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا) یہ خصوصیت تو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے اور اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ہر آدمی کی بات لی جاسکتی ہے اور چھوڑی بھی جاسکتی ہے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر اس بات میں جس کی انہوں نے خیر و بد تصدیق واجب ہے اور ہر اس کام کی جس کا انہوں نے حکم دیا ہے اطاعت لازم ہے کیونکہ وہ معصوم ہیں۔

حافظ ابن عبدالبر اندلسیؒ نے باسند نقل کیا ہے کہ:

”بیس أحد من خلق الله أن لا يؤخذ من قوله ويترك إلا النبي صلى الله عليه وسلم“ (جامع بیان العلم جلد ۲۔ ص ۳۱۴)

امام ابن تیمیہؒ نے بھی زور دار انداز سے فرمایا ہے کہ:

”اتفق أهل العلم، أهل الكتاب والمسنّة على أن كل شخص سوى الرسول (صلى الله عليه وسلم) فإنه يؤخذ من قوله ويترك إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم فإنه يجب تصديقه في كل ما أخبر وطاعة في كل ما أمر فإنه المعصوم الذي لا ينطق عن الهوى إن هو إلا وحي يوحى“ (منهاج المسنة جلد ۲۔ ص ۱۷۵۔ طبع بیروت)

مولانا حافظ محمد میاں نوالوی مولانا عبدالرشید نعمانی، مولانا محمد انور شاہ کاشمیری اور مولانا سید احمد رضا بجنوری کی بعض قابل اعتراض عبارات کا جواب دینے کے بعد لکھتے ہیں کہ: ”زیادہ پوچھ گچھ مقدمہ اور تھج کرنے والے مولانا عبدالرشید نعمانی سے ہوگی کہ انہوں نے ماصحیت کا رقبہ خوب کیا اللہ جزائے خیر دے مگر دفاع صحابہ میں عقیدہ اہل سنت کو داغ دار کر دیا۔ ہائے دنیا کے مفسد ترین ۸۰ ہزار مسلمانوں کو کٹوانے والے سبائیوں حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کے رد میں تو ایک صفحہ بھی نہ لکھا..... ہمارے بزرگوں کو اور سب خطاکاروں کو اللہ معاف فرمائے۔ تین وتر کے خلاف یہی طحاوی کی کمزور روایت فیض الباری میں نقل کر دی پھر ان کو خود بھی پسند نہیں۔ کہتے ہیں یہ سخت کلمہ ہے..... ہمارے بھولے بھالے سنی مولائین و محدثین، فقہاء و مقررین طالبین قصاص کو ہی برا کہہ کر صرف شیعہ کو ہی خوش نہ کیا کریں کچھ فتویٰ کی کالی چھٹیخیں حضرت عثمانؓ مظلوم کے قاتلوں،

ظالموں، منافقوں اور پوری دنیا کے مسلمانوں کے کان و سمنوں پر بھی پھینکا کریں۔

(ایمانی دستاویز بجواب تحقیقی دستاویز ص ۷۰۴، ۷۰۳، ۷۰۲)

ان تصریحات کے علی الرغم سخت حیرت ہے کہ یہ ”کامہ پرست“ خالی طبقہ نہ صرف اکامہ کی واضح خطاؤں میں ان کی اتباع کرتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی اس کی تلقین کر کے اپنا نام ”معاذین معاویہ“ کی فہرست میں شامل کرا لیتا ہے۔

اس بحث کے آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا حسب ذیل اقتباس بدیہ قارئین کر دیا جائے:

”امت کی دینی، علمی، فکری و اصلاحی طویل تاریخ میں دینی و علمی احتساب، بے لاگ، بے روبرو رعایت اور تعمیری و محنت مند تنقید کی مثالوں کی کمی نہیں۔ بلکہ اس بارے میں ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا اگر کہا جائے کہ اس معاملہ میں کوئی قوم و ملت، ملت اسلامیہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور یہ ہر طرح سے اس امت کے ثبوت کا ثبوت ہے جس کو ”شہداء علی الناس“ کا امتیاز عطا کیا گیا ہے اور جس کو ”یا ایہا الذین آمنوا کو نوا قوامین بالقسط شہداء للہ“ کے امر کا مخاطب بنایا گیا ہے۔ علمائے امت کو اس فریضہ کے ادا کرنے سے نہ کسی کا زہد، روحانیت، عند اللہ و عند الناس مقبولیت روک سکی، نہ وہ عظیم دینی خدمات اور ملی منافع بلکہ فیوض و برکات مانع بن سکے جو ان کی ذات سے مسلمانوں اور اسلام کو پہنچ رہے تھے۔ اس کی تائید مثالیں جرح و تعدیل اور اسماء الرجال کی کتابوں اور کتب طبقات و تراجم میں دیکھی جاسکتی ہیں (لیکن ”لصحابہ کلہم عدول“ کے تحت امت میں صرف صحابہ کرام پر تنقید کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا ہے) بلکہ مشہور اصول ”زلف العالم زلف العالم“ (عالم کی لغزش حاکم کی لغزش ہے) کو پیش نظر رکھتے ہوئے جن لوگوں کو متبوعیت و مقتداہیت کا مقام حاصل تھا یا جن کے قول و عمل کو حجت و سند سمجھا جاتا تھا، ان پر تنقید و احتساب اور ان کی غلطیوں کی نشاندہی میں ان ماقدین و مصلحین نے (ان کی خدمات کے پورے اعتراف اور ان کی ذات کے کامل احترام کے ساتھ) اپنی ذمہ داری کا اور دنیا و دہ احساس کیا اور دوسروں کے مقابلہ میں اس کام کو اور زیادہ ضروری سمجھا.....“

(مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگذشت اور اب میرا موقف مؤلفہ مولانا محمد منظور نعمانی تحت ”پیش لفظ“)

گذشتہ تفصیل سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماقدین

اختتامیہ

کے بارے میں اکابر کے زیر بحث ”کلمات“ کا خود اکابر کے حق میں استعمال کسی بھی عقیدت مند کے لیے قابلِ مباحثہ نہیں ہے۔ پھر معلوم نہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کے حق میں انہیں کیونکر گوارا کر لیا گیا؟

راقم الحروف کی کتاب ”ما قدین سیدنا معاویہؓ“ کی اشاعت اول کے بعد حافظ عبد الجبار سلفی صاحب نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اکابر کو ”ما قدین معاویہؓ“ کی فہرست میں اس لیے دکھایا گیا کہ وہ حضرت معاویہؓ کے بارے میں یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ:

۱۔ حضرت علیؓ اپنے اجتہاد میں مصیب ہیں جب کہ حضرت معاویہؓ غلطی۔

۲۔ حضرت معاویہؓ نے چونکہ فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا ہے اس لیے وہ نہ مہاجرین میں ہیں اور نہ انصار میں۔

۳۔ حضرت معاویہؓ کی خلافت، خلافت راشدہ موعودہ نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو: ما بنامہ حق چاراکتوہ، نومبر ۲۰۱۳ء، جنوری ۲۰۱۴ء

تین اقساط پر مشتمل مذکورہ ”تبصرہ“ کے جواب میں صرف یہی عرض کیا سکتا ہے کہ ”واللہ حمید یدم القیامۃ، لعنة الله على الکاذبین، سبختک هذا یفتان عظیم، اذالم تستحی فابتنع ماشئت،“ فاضل مبصر نے اپنے تبصرہ میں جوازماتِ عامہ کئے ہیں ان کے وہ خود ہی ذمہ دار و مسئول ہیں اور ان کے ”ما خویا ما جور“ ہونے کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں ہی ہوگا۔ اُفوض امری الی اللہ۔

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ حضرت معاویہؓ کے بارے میں اکابر کا مذکورہ ”اعتقاد“ اور توہین و تنقیص پر مبنی کلمات میں تقابلی کر کے خود ہی اصل حقیقت معلوم کر لیں۔

یقیناً قیامت واقع ہو کر رہے گی۔ میدانِ حشر میں ہم سب نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے؛ جہاں ماقدین صحابہ کا معاملہ پیش ہو گا تو وہیں حمیں صحابہ کا معاملہ بھی اسی طرح صحابہ کرامؓ کا دفاع کرنے والوں کا معاملہ بھی پیش ہو گا اور ان کا بھی جو ”ما قدین و معاندین“ کے دفاع کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ ع

ڈر اس کی خبر گیری سے کہ ہے سخت انتقام اس کا

اکابر کی خطا میں ان کی بیروی یا ”تحقیصی عبارات“ کا تاویلات فاسدہ و بعیدہ کے ذریعے اکابر کا دفاع کرنا گویا ان توہین آمیز کلمات کی تائید و تصدیق کرنا ہے۔ اس فعل سے تو ”بدعت“ کی طرح توہین کی توفیق بھی سلب ہو جاتی ہے کیونکہ اسے نیکی سمجھ کر اختیار کیا جاتا ہے۔ اہل حق کا شیوہ ”رجوع

اختتامیہ

اور توبہ ہے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت کعب بن مالکؓ کی روایت پر کچھ تنقید کر دی تو توجہ دلانے پر فوراً حسب ذیل الفاظ کے ساتھ ”رجوع وبراءت“ کا اعلان فرما دیا کہ:

”غزوہ بدر کی روایتوں کی تنقید کے سلسلے میں ایک مقام پر اس مافہم بیچ مداں کے خطا کا قلم سے حضرت کعب بن مالکؓ صحابی کی روایت پر نامناسب تنقید نکل گئی تھی جس سے ایک گونہ ایک جلیاں القدر صحابی کی شان میں سوء ظن کا پہلو پیدا ہوتا تھا، جس پر مجھے شرمندگی ہے اور اب میں اپنی اس غلطی و نادانی کو مان کر اس عبارت کو قلم زد کر کے صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی براءت کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے عفو کا خواستگار ہوں۔ (سیرت النبیؐ جلد اول دیباچہ طبع چہارم دارالمصنفین ص ۴)

مقدمین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ میں سے جو حضرات ”ہمتیہ حیات“ ہیں وہ اور وفات شدہ گان کے غالی معتقدین محاسبہ آخرت کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں توہین آمیز عبارات اور ان کے ناجائز دفاع سے ”رجوع اور براءت“ کا اعلان کر دیں۔ وفات شدگان میں یقیناً بعض ایسے حضرات کے اسمائے گرامی بھی آئے ہیں جو زندگی بھر ”مدح صحابہ و رد قذح صحابہ“ کی تحریک میں مصروف و مشغول رہے لیکن ان کی زبان و قلم سے سہولاً لاشعوری طور پر حضرت معاویہؓ کے خلاف ان کی توہین و تنقیض پر مبنی کلمات صادر ہو گئے، باری تعالیٰ ان کی اس خطا کو بسلسلہ دین بہین ان کی دیگر خدمات کے عوض معاف فرما دے اور ان کو اپنے مقام رحمت و رضا میں جگہ عنایت کر دے۔

ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذين سبقونا بالايمان ولا تجعل في قلوبنا غلا للذين امنوا ربنا انك رؤوف رحيم (سورۃ الحشر آیت ۱۰)

اللہ تعالیٰ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع میں اس حقیر کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائے، غلطیوں اور خطاؤں کو معاف فرمائے، اس کتاب کا قدیم و معترضین کی ہدایت کا ذریعہ بنائے، امت مسلمہ کو مسلکی و قبائلی تعصب اور خاندانی عناد سے محفوظ رکھے، ہم سب کو جملہ صحابہ کرامؓ بالخصوص سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوء ظن سے بچا کر حسن ظن نصیب فرمائے۔ آمین

ان ارید الا اصلاح ما استطعت و ما توقیقی الا باللہ

(پروفیسر) قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

خطیب مرکزی جامع مسجد

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ چوک حویلیاں، ہزارہ

۴۔ ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ / ۱۵ جنوری ۲۰۱۶ء

اذا ذكر اصدقاء فامسكوا

لا يلعن احد من اصدقاء

عن احد شيئا (المائدة)



بسم الله الرحمن الرحيم

معاوية

ناصري